امیر شریعت رابع

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

کی حیات و خدمات

شائع کردہ

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف، پٹنہ

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت رابع

کی

حیات و خدمات

پر مشتمل گراں قدر مقالات کا مجموعہ

شائع کردہ

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

کتاب ---------------- امیر شریعت رابع
حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی کی حیات و خدمات

صفحات ---------------- ۵۲۰

قیمت ---------------- ۱۵۰/- روپے

طبع اول ---------- ۱۰۰۰ (۱۹۹۴)

مطبع ------------ فائن آرٹ ایجنسیز، دھلی-۶

ناشر ---------------- امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف، پٹنہ

فہرست مضامین

باب اوّل
مقالات ومضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

ابتدائیہ

دو سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا کہ حضرت امیر شریعت رابع رح نے سفر آخرت فرمایا اور ہم لوگوں کو غم زدہ چھوڑ گئے، مگر یہ زخم آج تک اسی طرح تازہ ہے کہ گویا ابھی کل کا واقعہ ہو، وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، گذشتہ دو دہوں سے یہ کیفیت تھی کہ مسلمانان ہند پر جب بھی کوئی افتاد آتی، نگاہ انھیں کی طرف اٹھتی اور وہ اپنے ناخن تدبیر سے ہر مسئلہ کا حل تلاش کر لیتے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی حفاظت وصیانت کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی وہ ان کے ذکر کے بغیر ادھوری اور نامکمل ہوگی۔

اس مجموعہ کو بہت پہلے شائع ہونا چاہیے تھا، مگر کچھ دنوں تو اس حادثہ کی ایسی چوٹ دل و دماغ پر رہی کہ ذہن یکسو نہ ہو سکا، پھر اہل علم کی طرف سے مضامین کی آمد میں بھی تاخیر ہوئی۔ میری دلی خواہش تھی کہ حضرت کے ذاتی حالات اور سوانحی خاکہ پر ایک مکمل اور جامع مضمون ہوتا اور کچھ اہم خطوط بھی شریک ہوتے، مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔

حضرت رح کی ایک اہم یادگار "امارت شرعیہ" ہے جس کو ان کے ۲۴ سالہ دور امارت نے بہت کچھ دیا، بحمد اللہ امارت کے لیے ہمارے بزرگوں نے جس راستہ کا انتخاب کیا تھا ہم اسی راستہ پر چل رہے ہیں اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رح کے رفیق کار اور امارت کے قدیم مزاج شناس بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب امیر شریعت خامس کا سایۂ عاطفت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور تادیر ان کا سایہ قائم رکھے۔

اس مجموعہ میں (جسے عزیز محترم مولانا انیس الرحمن قاسمی نائب قاضی شریعت نے مرتب کیا ہے) کوشش کی گئی ہے کہ حضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق مضامین اکٹھا ہو جائیں، آپ کے ذاتی حالات، تعلیمی نظریات اور مساعی خانقاہی زندگی، قومی و ملی خدمات اور سیاسی زندگی پر روشنی پڑ جائے، ہر چند کہ یہ مضامین آپ کی حیات و خدمات کا نقش ناتمام ہی ہے، لیکن امید ہے کہ آئندہ حضرت والا کی زندگی پر کام کرنے والوں کو اس سے روشنی ملے گی اور وہ اس نقش اول پر نقش ثانی کی بنیاد رکھ سکیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

سید نظام الدین

نائب امیر شریعت و ناظم امارت شرعیہ، بہار واڑیسہ

پھلواری شریف، پٹنہ

بابِ اول

حضرت امیر شریعت رابعؒ

حیات اور کارنامے

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ

— و —

بانی و جنرل سکریٹری اول آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ناچیز راقم الحروف کے ذہنی شعور و تعقل کا زمانہ تقریباً ۱۹۲۴ء سے شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم کا انتقال ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ (۲ فروری ۱۹۲۳ء) کو ہوا۔ اس وقت اس ناچیز کی عمر ۹، ۹½ سال سے زیادہ نہ تھی، اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا تھا، والد ماجد کے انتقال کے بعد جب اضطراری طور پر چند مہینے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ (جو زمانہ عدت میں تھیں) اپنے وطن رائے بریلی میں رہنا ہوا تو وہاں کا ایک مفید مشغلہ اور خوشگوار فرض دینی کتابوں اور "سکونِ قلب اور رضا بالقضاء" پیدا کرنے والے بزرگانِ دین کے تذکرے اور مواعظ کی کتابوں کا پڑھنا اور سنانا تھا، جو والدہ صاحبہ کو سنائی جاتیں، اور قدرتاً خود بھی ان کے مطالعہ اور ان سے اثر لینے کا شرف حاصل ہوتا۔

ان کتابوں میں جو گھر کے اندر موجود تھیں اور اس مقصد کے لیے مفید، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی و ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب "ارشادِ رحمانی" بھی تھی، جس میں حضرت موصوف نے اویسِ زمانہ شیخِ وقت حضرت مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری، پھر اس کے بعد کی زیارتوں، ملاقاتوں اور حضرتؒ کے ارشادات و ملفوظات اور خصوصی عنایات کا بڑا مؤثر اور دل آویز مجموعہ پیش کر دیا ہے چونکہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ (مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب) کا بھی حضرت گنج مرادآبادی سے بیعت اور عقیدت کا تعلق تھا جس کا تذکرہ مرحوم

نے اپنے رسالہ "استفادہ" میں کیا ہے۔ اس لیے یہ رسالہ "ارشاد رحمانی" شوق و رغبت بلکہ احترام و عقیدت کے ساتھ پڑھا گیا، اور اس سے غالباً (پہلی مرتبہ) حضرت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری کے نام اور ذات سے نہ صرف تعارف بلکہ عقیدت و تعلق پیدا ہوا جس میں ان کے اور والد ماجد کے اس روحانی رشتہ اور مرکز عقیدت کے اشتراک کا بھی قدرتی طور پر دخل تھا۔

اس کے بعد جب عمر کے ساتھ شعور و تعقل اور مطالعہ و معلومات میں پیش رفت اور ترقی ہوئی اور ندوۃ العلماء کی تحریک سے بزرگان خاندان کے ذریعہ اور بعض مضامین و رسائل کے مطالعہ اور اس ماحول کے ذریعہ جس میں ندوہ کی تحریک و تاریخ، اس کے فضلاء و منتسبین کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اور خاندان کے متعدد فرزند و نوجوان دارالعلوم میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اور خود بھی اس کی بعض تقریبات اور جلسوں میں اپنے مربی و سرپرست برادرِ اکبر مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کے ساتھ جانا ہوتا تھا، واقفیت ہوئی اور اس سے انس و عقیدت پیدا ہوئی تو قدرتاً اس کے نام ور اور بزرگ بانی اور روحِ رواں حضرت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیریؒ کا نام اور کام بار بار کان میں پڑا اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشیں ہوئی (جو اپنی جگہ پر صحیح اور قرین قیاس بھی تھی) کہ حضرت مونگیری اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ ارکان اور کارکنانِ ندوۃ العلماء میں سب سے زیادہ ایک دوسرے سے قریب اور ہم مذاق تھے، اور دونوں کا مرکزِ عقیدت ایک ہی تھا۔ پھر اس کی تصدیق (ندوۃ العلماء کے کاغذات اور رودادوں کے تفصیلی مطالعہ کا موقع ملنے کے بعد) خود حضرت مولانا سید محمد علی صاحبؒ کی اس تحریر سے ہوئی، جو شوال ۱۳۱۲ھ (اپریل ۱۸۹۵ء) کی لکھی ہوئی ہے اور ندوۃ العلماء کے اجلاسِ سوم کی روئداد میں درج ہے، حضرت مولانا، مولانا سید عبدالحی صاحب کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

"یہ ہمارے نوجوان فاضل نہایت لائق اور صالح، سلیم الطبع اور زمانہ کی ضرورتوں کو جاننے والے اور پُرجوش ہواہ خواہِ اسلام ہیں، چار ماہ برابر دفتر میں قیام کر کے بہت لیاقت کے ساتھ کام کیا اور حالت قیام میں بھی مصارفِ قیام خزانۂ ندوہ سے نہیں لیے،" جزاہ اللہ خیر الجزاء "

پھر جب مولانا نے ضعف و علالت اور بعض خاص حالات کی بنا پر ندوۃ العلماء کی ذمہ داری سے سبکدوشی

لہ راقم کی کتاب "تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ" میں بھی وہ "جذبِ دل" کے عنوان سے شامل ہے، تذکرہ ص ۱۰۲۔

حاصل کرنا چاہی اور کم سے کم کچھ عرصہ اپنے ذوقِ طبع اور منصبِ عالی کے مطابق ارشاد و تربیتِ روحانی میں وقت گزارنے کے لیے اپنے کو فارغ کرنا چاہا تو اپنی نیابت کے لیے مولانا سید عبدالحی صاحب ہی پر ان کی نظر پڑی اور حسبِ ذیل تحریر ان کو بھیجی[1]:۔

"میں مختصراً کہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، میں مکرر آپ کو لکھ چکا ہوں" سپردم بتو مایۂ خویش را" اگر آپ کر ہمت باندھ کر اس طرح اس کے پیچھے پڑ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے صاف رہ کر خلقت کا کچھ خیال نہ کریں گے اور اپنے تئیں وقف کر دیں گے جب تو کچھ ہوگا، ورنہ اس دفتر کو طاق میں اٹھا کر رکھ دیجئے، اور کوئی نہیں ہے جو اس بار کو اٹھائے اور اتنا بھی چلائے جتنا آپ اٹھا رہے ہیں"۔

پھر جب ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (۳ر اپریل ۱۹۱۵ء) کے جلسۂ انتظامی میں کثرتِ رائے سے مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے اور جلسۂ سالانہ منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ نے بھی اس تجویز کا خیر مقدم کیا، اور ان کی نظامت کا اعلان ہو گیا تو آپ نے اپنے دورِ نظامت میں جو اوّلین اقدامات کئے ان میں حضرت مولانا سید محمد علی صاحب سے تعلق کی تجدید بھی تھی، غالباً آپ کو عرصہ سے اس کا احساس تھا کہ ندوۃ العلماء اپنے بانی اور داعیِ اوّل سے کٹ کر رہ گیا ہے، جس نے سب سے پہلے اس کی آواز بلند کی اور سب سے زیادہ اس کے لیے قربانی دی، فرع کا اپنی اصل سے اور وارث کا اپنے مورث سے منقطع ہو جانا بعض اوقات بے برکتی کا موجب ہوتا ہے، پچھلا دور ایک انتشار اور اختلاف کا دور تھا اور وہ محض مددگارِ ناظم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، لیکن اب جب وہ ناظم تھے انہوں نے اس تعلق کو تازہ کرنا چاہا جو مولانا کی کنارہ کشی کے بعد مضمحل بلکہ تقریباً شکست ہو گیا تھا۔ انہوں نے سید محمد علی صاحب کو بانیِ ندوۃ العلماء کی حیثیت سے مستقل سرپرست بنانے کی تجویز پیش کی، تاکہ ان کی دعائیں اور سرپرستانہ توجہات ندوہ کے کام میں ممد اور معاون بنیں۔ اور اس تحریک کا دینی رجحان زیادہ واضح اور مستحکم ہو جائے، اور یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔

ندوۃ العلماء کے تعلق اور رشتہ ہی سے نہیں، مولانا سید عبدالحی صاحب کو حضرت مونگیریؒ سے وہ تعلق اور مناسبت خصوصی بھی تھی، جو ایک شیخ و مرشد کے دو منتسبین (ایک کہن سال اور ایک نسبتاً خرد سال) کے درمیان ہوتی ہے، انہوں نے بعض اوقات اپنے بعض عزیزوں کو جنہوں نے باطنی اصلاح و تربیت کی ضرورت ظاہر کی، حضرت مولانا

---

[1] مجموعہ مخطوطِ قلمی محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء۔

کے پاس مونگیر بھیجا اور انہوں نے استفادہ کیا، اسی طرح ندوۃ العلماء کی نظامت اور سرپرستی سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی مولانا مونگیری ندوۃ العلماء ہی کے تخیل، نصاب اور طرزِ تعلیم ہی کو پسند کرتے تھے اور اس کو ترجیح دیتے تھے، مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مرحوم نے خود مجھ سے بیان کیا کہ مونگیر میں رہ کر جب ان کی اور ان کے برادرِ محترم مولانا سید نور اللہ صاحب رحمانی کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں تھا، تو مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری نے (جن کی خانقاہ میں آمد و رفت تھی) کئی بار ان دونوں بھائیوں کو ہندوستان کے ایک بڑے دار العلوم میں بھیجنے کا مشورہ دیا، لیکن مولانا نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ایک مرتبہ غالباً برادرِ اکبر مولانا لطف اللہ صاحب نے یا کسی اور بڑے فردِ خاندان نے کہا کہ "اگر آپ ان دونوں بھائیوں کو فلاں جگہ نہیں بھیجتے تو لکھنؤ ہی دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھیج دیجئے" مولانا نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور دونوں بھائیوں کو ندوہ بھیج دیا، یہ غالباً ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے، دونوں بھائیوں نے چار سال دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی اور وہاں مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین وغیرہ تک پہونچے تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمہ نے ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ (۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء) کو وفات پائی، مولانا کے قیامِ دار العلوم کا یہ زمانہ مولانا حکیم سید عبد الحئیؒ کی وفات کے بعد گزرا، جنہوں نے ۲ فروری ۱۹۲۳ء (۱۳۴۱ھ) میں وفات پائی تھی، مولانا اس کے بعد دار العلوم دیوبند گئے اور وہاں تعلیم کی تکمیل کی۔

افسوس ہے کہ ان دونوں برادرانِ محترم کے زمانۂ قیام و تعلیم ندوۃ العلماء میں راقم الحروف کا ان دونوں سے کوئی ربط و تعلق پیدا نہیں ہو سکا، میں مولانا شیخ خلیل بن محمد عرب یمانی کے دولت کدہ واقع بازار جھاؤلال میں عربی کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول تھا، کبھی کبھی اپنے بعض عزیزوں کی رفاقت میں جو ندوہ میں پڑھتے تھے تفریحاً ندوہ چلا جاتا تھا، لیکن اس وقت ان دونوں بھائیوں سے (جن سے گہرا دینی رشتہ اور خاندانی تعلقات تھے) واقف نہیں ہو سکا۔ تعلیم سے فراغت اور دینی و ملی سفروں اور دوروں کے درمیان عرصۂ دراز کے بعد ایک بار اپنے ارادہ اور شوق سے بہار کے ایک سفر میں جامعہ خانقاہ رحمانیہ حاضری دی اور ملاقات اور حضرت مونگیریؒ کی قبر مبارک کی زیارت اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، دو تین بار مولانا کی دعوت پر کبھی تنہا اور کبھی کچھ رفقائے عزیز کے ساتھ مونگیر حاضری ہوئی، اور کبھی ایک دن اور کبھی دو دن خانقاہ میں قیام اور جامعۂ رحمانیہ میں خطاب کی نوبت آئی۔

غالباً فروری ۱۹۵۷ء میں بہار سے ایک صاحب (جن کا نام یاد نہیں رہا) آئے، یہ وہ وقت تھا کہ امیر شریعت ثالث بہار و اڑیسہ (مولانا شاہ قمر الدین صاحب پھلواروی) کی وفات ہو چکی تھی، اور امیر شریعت رابع کا انتخاب کرنا تھا، انہوں نے جب راقم سے اس کا تذکرہ کیا، اور اس کی رائے دریافت کی تو اس نے برجستہ اور بے ساختہ مولانا کا نام لیا، اور کہا کہ وہ اس منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ہیں، اس کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ باتفاق آراء مولانا

کا انتخاب ہوگیا، اور وہ امیر شریعت بہار واڑیسہ رابع مقرر ہوئے، عام طور پر اس انتخاب پر مسرت واطمینان کا اظہار کیا گیا اور بعد کے تجربات نے ثابت کر دیا کہ (خاص طور پر اس پرآشوب دور میں جس میں ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے لیے بڑے نازک موڑ، اور اس کے لیے خطرناک مرحلے اور اہم چیلنج سامنے آنے والے ہیں) ان کا انتخاب ہر طرح سے موزوں اور برمحل تھا، اور اس میں توفیقِ الٰہی اور حکمتِ خداوندی کا خاص دخل تھا، خاص طور پر ہندوستان کی آزادی قانون سازی کے آزادانہ مواقع وامکانات کی فراہمی اور اکثریتی فرقہ کے اس واضح رجحان اور طریقِ فکر کی موجودگی میں (جو ملک کی تقسیم، فرقہ وارانہ فسادات، مسلمانوں کے بارے میں نصابِ تعلیم، انگریزوں اور متعصب ہندو مصنفین کی تصنیف کی ہوئی تاریخی کتابوں، پریس اور ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈا کا نتیجہ تھا) واضح طور پر سامنے آگیا تھا کہ کم سے کم ایک ہزار سال کے بعد اب وقت آیا ہے کہ ہندوستان کو اس کی آبادی کے اکثریتی اور قدیم باشندوں کے اگر عقائد نہیں تو تہذیب، طرزِ معاشرت اور اس عائلی قانون پر واپس لایا جائے جو مسلمان مبلغین و فاتحین کی آمد اور مسلمان حکومتوں اور انتظام کے نفوذ وتسلط سے پہلے قائم اور رائج تھا۔ اس کا واضح خطرہ پیدا ہوگیا تھا (جس کا احساس کرنے کے لیے کسی بڑی ذہانت اور دوربینی کی ضرورت نہ تھی) کہ اب مسلمانوں کی مذہبی آزادی، ان کے ملی تشخص، مذہبی تحفظات، قانونی استثناءات اور عائلی قانون (Personal law) کے بقا کی کوئی ضمانت نہیں، جس میں برطانوی حکومت نے اپنی سیاسی دانشمندی اور حقیقت پسندی کی بنا پر مداخلت کرنے سے بڑی حد تک احتیاط کی تھی، اب اس میں قانون سازی کے ذریعہ مداخلت کی جائے گی، اور قانون ساز مجلس میں جس میں اکثریتی فرقہ کے نمائندوں کی اکثریت ہوگی۔ ایسے قانون بنائے جائیں گے جن سے شریعتِ اسلامی اور خاص طور پر مسلمانوں کے عائلی قانون ونظام میں (جو بہت سے مذاہب کے برخلاف) مسلمانوں کے دین ومذہب کا ایک ناقابلِ فصل وتنسیخ جزء ہے اور وہ ان کے عقیدہ میں منزل من اللہ، اور شریعت کے منصوص وقطعی احکام ہیں، مداخلت کی جائے گی، چنانچہ متبنّٰی بل، مطلقہ کو دائمی وحینِ حیات نفقہ وگزارہ (Maintenance) دلانا اس کی ایک مثال ہے۔

اس خطرہ کو سمجھنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہانت، وسیع مطالعہ، حقائق کے ادراک، امیر شریعت کے فرائض کی وسعت ونزاکت کو سمجھنے، اکثریتی فرقہ کے رجحانات اور مجالس قانون ساز کے اختیارات کی وسعت کا ادراک کرنے اور اخبارات ومضامین، تقاریر وبیانات اور مجلسی گفتگوؤں کے ذریعہ اس قریبی خطرہ کو محسوس کرنے کی صلاحیت کی ضرورت تھی، جو ہر قائد اور عالم کو آسانی سے میسر نہیں ہوتی، اس کے لیے ذہانت، مطالعہ کی وسعت خطرہ کے ادراک کے ساتھ توفیقِ الٰہی کی بھی ضرورت ہے اور بعد کے واقعات وتجربہ نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کو اس دولت سے نوازا تھا، وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

امارت شرعیہ کے ابتدائی و بنیادی فرائض اور دائرہ عمل کے ساتھ جس میں مختلف مقامات پر قضاء شرعی کے مراکز (دارالقضاء) کا قیام، قضاۃ کا تقرر اور مسلمانوں کو سرکاری عدالتوں (Courts) کے بجائے شرعی عدالتوں کی طرف رجوع کی ترغیب اور ایسے فیصلوں کا صدور شامل ہے جن کو سرکاری عدالتوں میں بھی چیلنج نہ کیا جا سکے، اور جن کے بارے میں مولانا کے دور امارت میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ سرکاری عدالتوں نے بھی عام طور پر ان فیصلوں کا احترام کیا اور بہت سے مواقع پر ان کو قائم رکھا، اسی طرح اصلاح معاشرہ کی تحریک جس کا مولانا کے دور امارت میں خاص طور پر کام ہوا۔

مولانا کے دور امارت کا اصل کارنامہ اور تاریخی کردار "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" کا قیام ہے جس کی ۲۷، ۲۸، دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی میں تشکیل ہوئی اور جس کے صدر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے جو اس اہم ملی منصب و قیادت کے لیے موزوں ترین شخصیت تھے۔ اور جن کو زیادہ سے زیادہ اعتماد واحترام عام حاصل تھا، اور مسلمان فرقوں، جماعتوں اور تنظیموں کی اس میں ایسی نمائندگی ہوئی جو کم کسی نمائندہ ادارہ اور جماعت میں ہوتی ہے، پھر اس کے بعد سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی تنسیخ جو اس نے شاہ بانو کیس میں جو اس نے ۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء کو دیا تھا۔ ۵ مئی ۱۹۸۶ء کو پارلیمنٹ سے نئے مسلم مطلقہ بل کا متفقہ طور پر پاس ہونا، اس کے ذریعہ مسلم مطلقہ خاتون کے بارہ میں اس قانون وتعامل کا باقی رہنا جو سپریم کورٹ کے فیصلہ سے پہلے رائج اور معمول تھا، آنجہانی وزیر اعظم راجیو جی کے مسلم خاتون کے بارہ میں اسلام کے منصفانہ اور فراخ دلانہ قوانین اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے بارہ میں واضح بیانات، پھر خود مسلمانوں میں اصلاح معاشرہ کی ہندگیر تحریک اور تعمیری، اصلاحی وفکری وعملی جد و جہد اور اس کے اثرات، پرسنل لا بورڈ کے وہ عظیم الشان جلسے جو بمبئی، کلکتہ، بنگلور، رانچی، حیدرآباد اور کانپور میں ہوئے اور جن کی (حاضرین کی تعداد، ان کے تاثر اور ان کی سنجیدگی اور مقصدیت کے غلبہ میں) ہندوستان کی قریبی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے۔ اس پورے سلسلہ کی کامیابی اور اس کے دور رس اثرات میں جو عرصہ سے کسی تحریک میں دیکھنے میں نہیں آئے تھے، مولانا کے تعمیری ذہن، حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر، دماغی توازن اور مقصد سے اتفاق رکھنے والے تمام عناصر سے مخلصانہ تعاون، ان کی قدردانی، ان سے کام لینے کی صلاحیت اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور ان کے حسب مرتبہ سلوک و معاملہ کرنے کی فطری و مزاجی قابلیت کا بھی بڑا دخل ہے، اب یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" جس طرح ملت اسلامیہ

ہندیہ کا متفقہ پلیٹ فارم اور اجتماعی نمائندہ ہے ویسا ہندوستان میں کوئی دوسرا ملّی و مذہبی بلکہ سیاسی پلیٹ فارم بھی نہیں ہے۔

راقم الحروف کو اپنے دورِ صدارت میں[1] (جو ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء سے شروع ہوا) مولانا کے ساتھ دورہ کرنے، جلسوں میں خطاب کرنے، اور اس وقت کے وزیرِ اعظم ہند آنجہانی راجیو جی سے بار بار ملنے، ان سے اس مسئلہ پر تنہائی میں اور کبھی اس وقت کے وزیرِ قانون مسٹر اشوک سین اور بعض دوسرے مشیرانِ حکومت کی موجودگی میں گفتگو کرنے پھر ان کے بعد وی پی سنگھ (سابق وزیرِ اعظم ہند) اور دوسرے ذمہ دارانِ حکومت سے بار بار ملنے کا موقع ملا۔ اس میں راقم کو مولانا کی بے نفسی، تواضع، حقیقت پسندی اور مقصد سے لگن اور اس کی فکر کا اندازہ ہوا، اور اب یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس مسئلہ کی کامیابی میں (جس حد تک ہوئی) مولانا کی بے نفسی، اشتراکِ عمل کی صلاحیت اور صرف مقصد کے حصول سے دلچسپی کو بہت بڑا دخل ہے انہوں نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ وہ ان گفتگوؤں میں پیش پیش رہیں، اور کامیابی کا سہرا ان کے سر بندھے اور وہ پریس میں یا پبلک میں زیادہ نمایاں مقام حاصل کریں۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے جس سے مولانا کی مزاجی کیفیت، بے نفسی اور تواضع کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے، کہ ایک مرتبہ دہلی کے قیام میں اپنی قیام گاہ (حافظ کرامت صاحب کی کوٹھی واقع نظام الدین) سے ہم دونوں راجیو جی سے ملنے کو نکلے، راقم کے ہاتھ میں کچھ فائلوں اور کاغذات کا ایک بنڈل تھا۔ مولانا نے بے تکلف اس کو میرے ہاتھ سے اس طرح لے لیا گویا وہ ایک رفیق ہیں اور میں اصل نمائندہ اور وفد کا رہنما ہوں، مولانا مجھ سے عمر اور علم و فضل میں بڑے ہی تھے، پھر ان کی نسبت پدری میرے لیے ہر طرح قابلِ احترام تھی، میں نے کہا کہ مولانا! یہ بتائیے کہ اگر حضرت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیریؒ اور مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ ساتھ ہوتے تو یہ پلندہ کون لیتا؟ میرا اشارہ اس طرف تھا کہ یقیناً یہ مولانا سید عبدالحی صاحبؒ ہی اپنے ہاتھ میں رکھتے، جو حضرت مونگیری سے کم عمر تھے، اور ان کو اپنا بڑا اور بزرگ سمجھتے تھے۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ جس کو مولانا محمد علیؒ کہتے۔

---

[1] یہ فیصلہ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی وفات کے بعد مدراس کے اجلاسِ عام (۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء) میں ہوا، جس میں راقم اپنی علالت وجع المفاصل (Gout) کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکا تھا، اور اس کو اس کی اطلاع اچانک بسترِ علالت پر ہوئی۔

پرسنل لا بورڈ کی تحریک (جس میں ہنگامہ خیزی، اشتعال انگیزی اور اس سے قیادت وزعامت حاصل کرنے کے پورے امکانات تھے) مولانا نے اپنے ذہنی ومزاجی توازن، اخلاص، طویل وقدیم تجربات کی روشنی اور سب سے بڑھ کر توفیق الٰہی سے اس طرح چلائی کہ اس میں ہنگامہ خیزی، عامیانہ پن اور سیاسی وفرقہ وارانہ تحریکات کی طرح ابتذال، ہنگامہ آرائی اور انتشار انگیزی پیدا ہونے نہیں پائی۔ ملک کے بیسیوں مقامات پر ایسے بڑے جلسے ہوئے جن کی نظیر بعض جگہ سالہا سال کی تاریخ میں نہیں ملتی، کلکتہ کے اجلاسِ عام (۱۹۸۵ء) کے ایک جلسہ میں جو شہید مینار کے میدان میں ہوا، حاضرین کا محتاط اندازہ نصف ملین (پانچ لاکھ) انسانوں کا ہے، خود ہمارے شہر رائے بریلی کا (جو ہمیشہ سے سیاسی تحریکات سے دور اور عظیم پبلک جلسوں سے محروم ہے) اتنا بڑا جلسہ ہوا جس کی نظیر کم سے کم راقم کی یاد میں نہیں ملتی، پھر کشمیر سے کالی کٹ اور کنیا کماری تک بورڈ کے وفد کے دورے ہوئے، جن میں آدھی آدھی رات کو بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے گروہ اسٹیشنوں پر وفد کے ارکان (جن میں زیادہ تر علماء ہوتے تھے) اور مخلصین قائدین کی زیارت کے لیے آتے تھے، پھر ہزاروں کی تعداد میں راجیو جی اور وزیرِ قانون مسٹر اشوک سین کے نام مسلمانوں کے تار آئے، جن میں بورڈ کے مطالبہ کی مکمل تائید کی گئی تھی، اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ پارلیمنٹ نے (۵ مئی ۱۹۸۶ء کو) نیا بل پاس کر دیا اور اس مہم وتحریک کا ایک مرحلہ پورا ہوا۔

لیکن جمہوری ملکوں میں جہاں مجالسِ قانون ساز آزاد ہوتی ہیں، اور جہاں پریس ذرائع ابلاغ، سیاسی مصالح اور انتخابی اغراض کارفرما ہوتے ہیں، کبھی اطمینان کی آخری سانس نہیں لی جا سکتی اور وہاں واقعات نفسیات اور مصالح واغراض کے مسلسل مطالعہ اور بیدار مغز رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اس کارواں کے بارہ میں آخری منزل پر پہونچ جانے اور کسی تحریک، جدّوجہد اور ذمہ دارانہ ادارہ کو اپنے کو فارغ اور سبکدوش سمجھنے کا جواز نہیں۔

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کا احساسِ ذمہ داری، ملّت کے ساتھ ربط وتعلق اور اس کے مصائب وابتلاءات پر دل گیر وفکر مند ہونا، مسلم پرسنل لا کی تحریک ہی میں محدود نہیں تھا، وہ فرقہ وارانہ فسادات، مسلمانوں کی نسل کشی، مساجد کے انہدام وغیرہ کے واقعات پر بھی ایسے ہی فکر مند ہو جاتے تھے اور ان کے سلسلہ میں بھی کوئی سعی وکوشش اٹھا نہیں رکھتے تھے، چنانچہ نومبر ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور میں ایک سفاکانہ اور انسانیت سوز فرقہ وارانہ فساد ہوا، مولانا نے اس سلسلہ میں جو کچھ ممکن تھا کیا، انہوں نے ایک بڑا موثر اور دردانگیز خط تحریر فرمایا، جس میں انہوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا، راقم نے اس مکتوب کو سامنے رکھ کر اور اس میں سے کچھ اقتباسات اخذ کر کے اکثریتی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں، ملک کے سیاسی رہنماؤں اور ہندوستان کے ممتاز دانشوروں کے نام ایک

پُراثر خط کا مسودہ بنایا جس کی بنیاد اور مواد مولانا ہی کا خط تھا، وہ خط ڈاک اور ملاقاتوں کے ذریعہ سربرآوردہ ترین اشخاص تک پہونچایا گیا، اور جہاں تک اندازہ ہے وہ بے اثر نہیں رہا۔

مولانا کا ایک اہم ملی، علمی و شرعی کارنامہ اور مبارک اقدام اردو میں تدوین قانون اسلامی و شرعی کی ترتیب وجمع کا وہ کام ہے جو انہوں نے ممتاز علماء، ماہرینِ قانون شرعی اور اہلِ اختصاص کے ذریعہ خانقاہ رحمانی میں شروع کیا اور جو بہت حد تک ان کی زندگی میں مرتب و مکمل ہوگیا تھا، اب اس پر آخری نظر ڈالنے اور اس کو انگریزی میں (ماہرینِ قانون وقابلِ اعتماد اشخاص کے ذریعہ) منتقل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ عدالتوں میں مستند ماخذ اور حوالہ کا کام دے سکے اور قدیم (Mohamadan law) کی جگہ لے سکے۔

ان حالات، واقعات وحقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کی وفات سے نہ صرف امارت شرعیہ بہار واڑیسہ جیسی فعّال، مؤثر ومبارک تحریک وتنظیم (جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) اور ریاست ہائے بہار واڑیسہ کی دینی وملی قیادت میں مولانا کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا، جس کا بظاہر پُر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعّال اور ضروری ادارہ اپنے بانی ومحرک وروحِ رواں شخصیت سے محروم ہوا بلکہ ہندوستان کی دینی، ملی وفکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پُر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے مولانا کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی، اللہ تعالیٰ نے علم واخلاص، عزم وقوتِ ارادی، اصابتِ رائے، توازن واجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرمادی تھیں، جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسے متعدد یگانہ دینی وملی تاریخی کام لیے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

۳رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ (۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء) کو اپنی قیام گاہ دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں فجر کی نماز سے ذرا پیشتر لکھنؤ کی اطلاع کے حوالہ سے جو ٹیلی فون کے ذریعہ وہاں پہونچی تھی یہ خبر بجلی بن کر دل ودماغ پر گری کہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتقال ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مدارس سے علماء، دانش گاہوں سے فضلاء اور سیاسی میدانوں اور جدّوجہد کے مرکزوں سے قائدین اور زعماء نکلتے رہیں گے، لیکن ہاتف غیب کی صدا کانوں میں آتی رہے گی۔ ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "کاروانِ زندگی" حصہ چہارم ص ۱۸۱ تا ۱۹۴۔

ہمارے حضرتؒ

از ــــ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، قاضی شریعت بہار واڑیسہ

(۱)

غالباً ۵۴-۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کے طالب علم تھے۔ اسی دوران یہ خبر پھیلی کہ بہار کے ایک بڑے عالم دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ جو اس زمانہ میں بڑا اعزاز تصور کیا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ یہ صاحب اپنی جرأت، حق گوئی، اصابتِ رائے اور طلبہ کے ساتھ ہمدردی میں غیر معمولی امتیاز رکھتے ہیں، اور نسبتہً کم عمر ہونے کے باوجود اپنی ان خوبیوں میں مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ کے ٹکر کے لوگوں میں ہیں۔ نام تو ہم نے سن لیا تھا "مولانا منت اللہ رحمانی" لیکن ان کی زیارت کا شوق ہم سب طلبہ کے دل میں تھا۔ ان کی آمد سے پہلے ان کی آمد کا غلغلہ تھا۔ اور ہم سب انتہائی بے چینی کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کی تاریخوں کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر وہ تاریخیں آئیں، اور ہم نے دارالاہتمام کی سیڑھیوں سے اترتے چڑھتے یا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دولت کدہ پر (جہاں حضرت کا اس زمانہ میں قیام ہوا کرتا تھا) خاص کر عصر کے بعد کی محفلوں میں اس عظیم الشان شخصیت کو پہلی بار ذرا دور سے ہی دیکھا۔ دراز قد، روشن آنکھیں، چمکتا ہوا رعب دار چہرہ، کشادہ پیشانی، ذہانت اور جرأت وعزیمت کے گہرے نقوش چہرہ سے نمایاں، جہاں مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمن، مفکرِ ملت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی، صاحبِ قلم اور معروف عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی جیسے بزرگ اور باوقار علماء کی مجلس ہو، وہاں ان تازہ وارد کم عمر عالم دین اور رکن مجلسِ شوریٰ کی گفتگو ذہانت، جرأت، اصابت رائے اور قوت استدلال کے ساتھ مختلف نقاط نظر کو ایک لڑی میں پرو کر اور مسئلہ زیرِ بحث کی مختلف نزاکتوں کو توازن واعتدال کے ساتھ سمیٹ کر جامع تجویز تحریر کر دینے کی بہترین صلاحیت

کا سکہ پہلی مجلس میں ہی بیٹھ گیا۔ ذہانت کے ساتھ ظرافت کا مظاہرہ عصر کی نماز کے بعد چائے کی مجلس میں دیکھا جاتا،
جہاں یہ اکابر و اساطین بے تکلف گفتگو میں مشغول ہوتے اور ہم طلبہ دور بیٹھے خاموش تماشائی بنے لطف اندوز ہوتے
رہتے۔ لیکن دل چاہا کہ روبرو ملاقات کی کوئی صورت نکلے۔ معلوم ہوا کہ بہاری طلبہ کی انجمن "اصلاح البیان" اپنے زمانۂ
طالب علمی میں انھوں نے ہی قائم کی تھی جو درمیان میں انتظامیہ کی طرف سے ممنوع قرار پائی۔ اور یہی انجمن بعد میں بہار
سے وطنی رشتہ رکھنے والے ہندوستان کے بطل جلیل اور عالم کبیر مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نور اللہ مرقدہٗ کے نام پر
"سجاد لائبریری" کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ جو بہاری طلبہ کے لیے تحریر و تقریر اور مطالعہ و مذاکرہ کا مرکز قرار پائی۔
اس طرح ہمیں حضرتؒ سے ایک رشتہ کا احساس ہوا اور ہم لوگ سجاد لائبریری کے معائنہ کے لیے بہاری طلبہ کی ایک
درخواست لے کر حاضر ہوئے، اور ایک مسکراہٹ کے ساتھ قبولیت کا پروانہ ملا۔ پھر سجاد لائبریری کی اس نشست
میں اس شخصیت کو ذرا قریب سے دیکھا تو احساس ہوا کہ ان میں اپنے نانا (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کی جھلک ہے
کہ " اذا رآہ بدیھۃ ھابہ واذا خالطہ احبہ" (جب انھیں کوئی اچانک دیکھتا تو اس پر ان کی ہیبت
اور ان کا رعب طاری ہو جاتا اور جب ان سے میل جول بڑھتا تو وہ ان سے محبت کرنے لگتا)۔

۲۸ شعبان ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) کو حضرت مدنیؒ نے ہم لوگوں کو بخاری شریف ختم کرائی اور ہم سبھی
رفقاء اپنے اپنے وطن واپس ہوئے۔ شوال ۱۳۷۴ھ کی ۵ تاریخ تھی اور میں مزید تعلیم کے لیے دیوبند جانے کو تیار
تھا کہ اچانک دو خطوط ملے۔ ایک خط میں دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات کے دستخط سے میرا نتیجۂ امتحان تھا، جس میں
یہ خوشخبری تھی کہ تم دورۂ حدیث میں اول آئے ہو۔ اور دوسرا خط ناظم جامعہ رحمانی مونگیر مولانا محمد عارف صاحب
کا تھا جس میں انھوں نے حضرت مدنیؒ کے مشورہ اور حضرت مولانا کے حکم سے جامعہ رحمانی مونگیر میں اس حقیر کے بحیثیت
استاذ پچاس روپے ماہوار پر تقرر کی اطلاع دی تھی، اور مجھے جلد از جلد طلب کیا تھا۔ یہی خط میری زندگی کا ایک خاص
رخ متعین کرنے اور اس عظیم شخصیت کی قربت، تربیت اور رہنمائی سے استفادہ کے مواقع پیدا کرنے کا ذریعہ بنا۔
ایک دو دن میرے لیے سخت تذبذب کا تھا۔ خانقاہیت کا روایاتی تصور سنگ راہ تھا، اتنے میں میرے چچا
قاری محمد احسن صاحبؒ تشریف لائے اور بہ اصرار مجھے حکم دیا کہ تم دیوبند نہ جا کر مونگیر جاؤ، تمہارے والد اور ہم سب کا
تعلق قطب العالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے رہا ہے۔ اس طرح کچھ ڈرتا کچھ جھجکتا ۲۱ شوال ۱۳۷۴ھ کو اپنے
بھانجے مولانا شعیب احمد رحمانی (فاضل دیوبند، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی) کو ساتھ لے کر مونگیر پہنچا۔ آم کے درخت
کے نیچے رکشہ رکا۔ ایک ٹوٹا پھوٹا سا پرانا بکس جس میں چند کپڑے، کچھ کتابیں اور چند کاپیاں تھیں۔ درخت کے نیچے رکھا۔

دائیں جانب ایک درس گاہ میں ایک استاذ بچوں کو حساب اور ہندی پڑھا رہے تھے۔ حاضر ہوا تو وہ دیکھتے ہی ناراض ہوئے کہ یہاں اب داخلہ بند ہو چکا ہے۔ پہلے سے منظوری لیے بغیر آپ کیوں چلے آئے۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی طالب علم ہے، اور واقعۃً تھا بھی میں طالب علم ہی۔ یہ تھے ہمارے کرم فرما ماسٹر فضل الرحمٰن نور پوری مرحوم، پھر میں نے اپنی طلبی کا خط پیش کر دیا، تو وہ حیران رہ گئے اور طلبہ سے کہا کہ یہی تمھارے لیے نئے استاذ مقرر ہو کر آئے ہیں، پھر مجھے حضرت کے کمرہ میں پہونچا دیا گیا اور میں نے پچھلے تجربہ کو دیکھتے ہوئے پہلے ہی خط پیش کر دیا۔ یہ تھا اس اٹوٹ رشتہ کا آغاز جو ۲۱ر شوال ۱۳۷۴ھ سے شروع ہوا۔ اور ۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ تک چھتیس سال دس ماہ کے طویل عرصہ پر محیط رہا۔ یہ طویل مدت حضرتؒ کی صحبت اور ان کی تربیت میں گزری۔ یہ ہنگامہ خیز دور ملی اور اجتماعی زندگی کے نوع بہ نوع واقعات و حوادث اور تاریخ ساز لمحات کا مجموعہ ہے، جس میں راقم الحروف کو حضرت علیہ الرحمہ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ ان کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی گئی۔ جامعہ رحمانی خانقاہ رحمانی اور حضرت علیہ الرحمہ، محض ایک ادارہ اور ایک ذات نہیں، بلکہ ایک تحریک اور انجمن تھے۔ مجھے مسائل کو وسیع افق اور وسیع تناظر میں دیکھنے، سمجھنے اور مطالعہ کرنے کا ذوق حضرتؒ کی ذات سے ملا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اصل یہ ہے کہ وہ مسلمانان ہند کے لیے قدرت کا عظیم عطیہ تھے۔ وہ ایک انقلابی فکر اور صحیح سمت میں صحیح اور فوری اقدام کی جرأت رکھتے تھے، جس کام کو صحیح سمجھتے تھے اس سے انھیں لوگوں کی ناراضی کا خوف روک نہیں سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہم بات یہ تھی کہ عام طور پر مضبوط قوت ارادی اور خود اعتمادی کے نتیجہ میں جو ضد اور انانیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ اس سے مبرا تھے۔ میرے نزدیک یہ ان کی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں اپنے رفقاء کار اور بہت معمولی لوگوں سے رائے لیتے۔ لوگوں کے ذہن کو پڑھتے، بحث کرتے، انتہائی زبردست قوتِ استدلال کے باوجود اپنے حقیر سے حقیر ساتھی اور رفیق کار کی رائے سمجھ میں آجاتی تو اسے قبول کرنے میں ذرہ برابر تاخیر نہیں کرتے۔ اپنے رفقاء پر پورا اعتماد کرتے، ان کو آزادانہ اظہار خیال کا موقع دیتے اور پھر جو فیصلہ اجتماعی رائے سے طے ہو جاتا، اس پر پہاڑ کی طرح جم جاتے۔ اور جو طے کرتے اس پر فوراً عمل شروع کر دیتے۔ اس طرح ان کے رفقاء میں سے ہر ایک یہ محسوس کرتا کہ ہر فیصلہ میں اس کی رائے کا دخل ہے۔ عام طور پر بڑے لوگوں کے گرد و پیش رہنے والے ایک طرح کی گھٹن محسوس کرتے ہیں، اپنی بات کہہ نہیں پاتے ہیں۔ لیکن حضرتؒ کا ماحول کھلا ہوا ماحول تھا۔ ان کی مجلس میں چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی جگہ پاتا اور کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا

عظیم اور وسیع ملی مقاصد کے لیے سرگرم عمل رہنے کا جذبہ انھیں اپنے خاندانی پس منظر سے بھی ملا تھا۔
قطب العالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ جو کبھی کانپور میں قیام پذیر ہوا کرتے تھے، ابتداءً جب کہ ان کے خاندان کے سارے بزرگ مرد انتقال کر چکے تھے یہ خاندان چند خواتین اور کم سن نوجوان محمد علی پر مشتمل تھا، بگڑی ہوئی معاشی حالت کے ساتھ پورے خاندان کا بار کفالت اس نوجوان کم سن طالب علم کے دوش ناتواں پر تھا، یہاں تک کہ ایسا لمحہ آیا کہ تعلیم چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ اس نوجوان سے کار عظیم لینا ہے اس لیے حق تعالیٰ کی غیبی رہنمائی نے توکل علی اللہ کی قیمتی دولت سے نوازا۔ سچ ہے کہ شخصیت کی تشکیل میں مشکلات کی بھٹیوں سے تپ تپا کر نکلنا بھی ضروری ہے ــــــ حضرت مولانا مونگیریؒ تحریک ندوہ کے بانی تھے۔ علماء کو جمع کرنا اور مختلف الخیال جماعتوں اور افراد کے درمیان مشترک اور متفق علیہ نکات کا پل تعمیر کرنا ان کا خاص کارنامہ تھا۔ یہی مزاج ہمارے حضرتؒ کو وراثت میں ملا تھا۔

حضرت مونگیری پختہ علم کے ساتھ ساتھ دریائے معرفت الٰہی کے گہرے شناور تھے۔ انھوں نے یہ عظیم دولت اعلیٰ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی صحبت میں حاصل کی۔ حضرت مولانا مونگیری ان بزرگوں میں تھے جو معرفتِ الٰہی کا سمندر پی جانے کے بعد بھی ڈکار نہیں لیتے (سمندر بنوشند و آروغ نمی آرند)۔ وہ اتھلے نہیں تھے، گہرے تھے اور بہت گہرے۔ انھیں اپنے مرشد سے سادگی، بے تکلفی اور درد کی دولت ملی تھی۔ مرشد نے حکم دیا بہار جاؤ، تو وطن اور سب کچھ چھوڑ کر مونگیر چلے آئے۔ اس طرح مفاد دین کے لیے ہجرت سے نوازے گئے۔ جہاد و ہجرت تو "سنام دین" ہے۔ کسے معلوم تھا کہ ختم نبوت کے خلاف جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور اسلام کی توحید کے خلاف عیسائیوں کی تثلیث کے مقابلہ کے لیے جو فوج کھڑی کی جا رہی ہے اس کی سپہ سالاری کا فرض اسی محمد علی کو انجام دینا ہے۔ لیکن قدرت کا فیصلہ پورا ہوا، اور اللہ نے باطل کا منھ کالا کیا اور حق کو ظاہر و غالب فرمایا۔ "جاء الحق و زھق الباطل، ان الباطل کان زھوقاً"۔ وہی مردِ خلوت نشیں جو کبھی خانقاہِ فضل رحمٰن کے کسی حجرہ میں "ہو حق" کرتا تھا، وہ اسلام کے دفاع کے لیے مردِ مجاہد بن کر رات دن علم و استدلال اور اپنی تمام وہبی صلاحیتوں کو کام میں لا کر مرزا کی جھوٹی نبوت اور حکومت برطانیہ کی قوت پر ناز کرنے والی مشنریز کی تحریک تثلیث کا مقابلہ کرتا رہا۔

یہی باطل کے خلاف جہاد اور نازک سے نازک تر حالات میں بھی زبردست عزیمت اور استقامت شخصیت منت اللّٰہی کی تشکیل کے عناصر ترکیبی میں ایک اہم عنصر تھا، جسے کھلی آنکھوں ہم نے ہی نہیں ساری

دنیا نے دیکھا اور اس کا اعتراف کیا۔

ملت کی فلاح و بہبود اور اسلام کی حفاظت اور اس کی سربلندی کے لیے انتہا درجہ کی فکر مندی اور بے چینی ان کی شخصیت کا ایک دوسرا اہم عنصر تھا۔ اس فکر میں شاید ان کو رات میں بھی نیند نہیں آتی تھی، سوچتے تھے اور سوچتے رہتے تھے۔ میں نے طویل عرصہ کی رفاقت میں، اپنی زمین، جائداد، ذاتی املاک اور اپنی نجی ضروریات کے لیے کبھی فکر مند نہیں دیکھا۔ ۲۴ گھنٹے ملی مسائل کے لیے فکر مندی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ والد مرحوم کے وصال کے بعد عرصۂ دراز تک معاشی اعتبار سے سخت مشکلات کا شکار رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو استغنا، اور توکل کی جس دولت سے سرفراز فرمایا تھا، اس کے نتیجہ میں وہ کبھی اپنی سطح سے نیچے نہیں گرے۔ اور جب اللہ نے انھیں معاشی فراغت نصیب فرمائی تو ان کے دل میں پریشان حالوں، فقر کے ماروں، بھوکوں، ننگوں اور حالات کے ستائے لوگوں کے لیے گہرا درد تھا، میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، کس کس طرح، کن کن لوگوں کی انھوں نے مدد کی، ان لوگوں کی عزت کی حفاظت کے ساتھ ان کی غیرت اور انا کو دھکہ پہنچائے بغیر، بلاشبہ ان کا یہ عمل مقبول ہے۔ دل کھلا اور ہاتھ کھلا تھا، کبھی دکھاتے کہ مولوی صاحب! آج میرے پاس دیکھیے یہ صرف چند روپے ہیں، اور ایسا بہت ہوتا ہے، لیکن کبھی دل رزق کے لیے فکر مند نہیں ہوتا، اور حالت جیسی بھی ہو کبھی ضرورت مندوں کی مدد سے ان کا ہاتھ رکتا نہیں۔ فرحمہ اللہ و ادخلہ فی جنۃ الفردوس۔

یہ جو معاشی تنگ دستی کی عارضی مدت اور مصائب و مشکلات کی بھٹی میں تپ تپا کر کندن بن کر نکلنے کی بات ہے، تاریخ کے اکثر و بیشتر ابطال (ہیروز) اور بڑی شخصیتوں کو اس مرحلہ سے گزرنا پڑا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ابن خلدون نے مقدمہ میں کہیں پر لکھا ہے کہ شخصیتوں کی تعمیر و تشکیل اور ان کی مخفی صلاحیتوں کے ظہور میں جہاں "فقر مدقع" (کمر توڑ دینے والا افلاس) رکاوٹ بنتا ہے وہاں حد درجہ بڑھا ہوا ترفہ، دولتمندی اور عیش و تنعم بھی اخلاق فاضلہ کی نشو و نما میں رکاوٹ بنتا ہے۔ پس ایک درجہ مصائب کی چاشنی بھی شخصیتوں کی تشکیل اور ان کی مخفی صلاحیتوں کو جلا دینے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت بھی ان حالات سے گزرے جن سے تاریخ کی دیگر اہم شخصیات کو گزرنا پڑا تھا۔

"کام اور کام اور کام ہی کام" یہ تھا ہمارے حضرت کا مزاج ــــــ کبھی اور کسی لمحہ میں ہم انھیں فارغ نہیں پاتے، سفر ہو حضر ہو، صبح فجر کی نماز کے بعد سے رات کے گیارہ بجے تک خود بھی کام کرتے رہتے اور ہم سب کو

کام میں مشغول رکھتے۔ فرماتے تھے کہ بیکار آدمی شیطان کا کھلونا ہے۔ ہر وقت کام میں مشغول رہو، اس طرح سے تمہارے دماغ کو کسی بے کار بات کی طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہیں ہو۔

اور پھر کہ انھیں کسی کام سے عار بھی نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے جب حضرتؒ کی سرپرستی میں جامعہ رحمانی کی ترتیبِ نو کا کام انجام پارہا تھا اور اس کو باضابطہ ایک "جامعہ" کا درجہ دینے کی کوشش ہو رہی تھی، تعلیم کا معیار بڑھایا جارہا تھا، طلبہ کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے کچھ فیصلے کیے جارہے تھے، اسی دوران یہ طے پایا کہ درجہ بندی کے ساتھ تحریری امتحان کا نظام رائج کیا جائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت کے حجرہ میں پرچۂ سوالات کی کاپیاں تیار کرنے کا کام رات گئے دیر تک ہوتا رہتا، اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جہاں ہم اور ناظم جامعہ مولانا محمد عارف صاحب یہ کام کرتے تھے وہیں خود پورے وقت حضرتؒ بھی کاربن لگا کر سوالات کی کتابت کرتے رہتے تھے۔ ماشاء اللہ طلبہ کی تعداد اچھی خاصی تھی، ہم سب تھک جاتے، لیکن حضرتؒ کی ہمت افزا گفتگو اور درمیان میں چائے کی پیالی ہماری تھکن کو دور کر دیتی تھی۔ ایک دن معلوم ہوا کہ مسٹر شا نامی ایک کرسچن نے سائیکلو اسٹائل کی ایک سستی مشین ایجاد کی ہے۔ حضرت نے رکشہ منگوایا، اس حقیر کو ساتھ لیا اور مسٹر شا کے یہاں پہنچ گئے، اور شاید سو سوا سو روپیہ میں وہ مشین خرید کر لے آئے، اس طرح کچھ بوجھ ہم لوگوں کا ہلکا ہوا۔ اس طرح ہر چھوٹے بڑے کام میں حضرتؒ خود دلچسپی لیتے۔ اور کاموں میں خود اس طرح شریک رہتے کہ ان کے رفقاء ایک ٹیم بن کر اور ایک خاندان کے ارکان کی طرح اجتماعی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کام کرتے۔ ٹیم کے کپتان، خاندان کے بزرگ اور بہترین قائد کی قیادت میں۔

"توکل علی اللہ" ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ جب جامعہ کے لیے اراضی کسٹوڈین سے حاصل ہوگئی تو ایک دن صبح صبح نماز کے بعد مجھے بلایا اور ہم لوگ اس اراضی پر پہونچ گئے۔ حضرت بہت خوش تھے، بہت خوش، کہتے تھے جامعہ کے مستقل وجود کے لیے اس کی شخصیت ہونی چاہیے اور اس کے علاحدہ تشخص کے لیے اس کی اپنی اراضی اور اپنی بلڈنگ ہونی چاہیے۔ رسی آگئی، فیتہ آگیا، درمیانی حصہ پر جہاں اب دارالحدیث ہے پیمائش کر کے نشان دلوایا۔ میں جانتا تھا کہ جامعہ کے پاس تعمیر کے لیے ایک پیسہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت! آپ اتنا بڑا منصوبہ بنا رہے ہیں اور پیسہ ہے نہیں۔ کیسے ہوگا؟ ناراض ہوئے، فرمایا، منت اللہ بنائے گا؟ تم بناؤ گے؟ یا اللہ بنائے گا۔ ہمارے تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے، لیکن کیا اللہ کے پاس بھی پیسہ نہیں ہے؟؟ ایمان سے بھرپور یہ آواز ذہن و فکر میں انقلاب پیدا کرنے والی آواز تھی، اور الحمد للہ تمام ہی دینی، ملی اور اجتماعی کاموں کی انجام دہی کے لیے

فنڈ کہاں سے آئے گا، کبھی یہ پریشانی اس دن کے بعد نہیں پیدا ہوئی۔

حضرت جہاں اصولوں پر جمتے تھے اور ان پر صلح نہیں کرتے تھے، وہاں امت کے اجتماعی وجود کے لیے انتہائی رواداری برتنا ان کا شعار تھا۔ ان کی یہ پختہ رائے تھی۔ دسیوں مسائل ہیں امت میں باہم اختلاف رائے ہے، لیکن اس کے باوجود سیکڑوں مسائل ایسے ہیں جو مسلمانوں کے مابین متفق علیہ ہیں۔ اس لیے ہم مسلمانوں کے لیے اتحاد فکر وعمل کی ٹھوس بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی مواقع ایسے آئے جہاں حضرت مولاناؒ نے اپنی رواداری اور وسیع النظری کی پالیسی کے ذریعہ امت کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان پل کا کام کیا۔

مجھے یاد ہے، دربھنگہ میں دینی تعلیمی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی، جماعت اسلامی کے افراد بھی اس میں شریک تھے، مولانا اعجاز احمد صاحب مرحوم جو اس زمانہ میں جمعیۃ علماء ضلع دربھنگہ کے صدر یا جنرل سکریٹری ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے اس دینی تعلیمی تحریک میں ابتدا ہی سے جمعیۃ علماء (جس میں اس وقت ہم سب شریک تھے) کی شرکت کے بارے میں حضرت مولاناؒ اور مولانا سید نور اللہ صاحب مرحوم صدر جمعیۃ علماء بہار کو خط لکھا۔ مولانا قاری فخرالدین صاحب مرحوم اور مولانا فاروق الحسینی مرحوم کا اصرار تھا کہ جماعت اسلامی کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کیا جائے۔ حضرت مولاناؒ کی رائے تھی کہ جماعت اسلامی سے متعدد مسائل میں ہمارا اختلاف رائے ہے لیکن اختلافات کے باوجود حضرت مولانا کا رجحان یہ تھا کہ دینی تعلیمی تحریک اور اس طرح کے دوسرے دینی اور اجتماعی کاموں میں اشتراک عمل مفید ہی نہیں ضروری ہے۔ آخرش اس سلسلہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کو تفصیلی صورت حال لکھ کر ہدایت طلب کی گئی۔ مولاناؒ نے ٹیلی گرام اور اپنے تفصیلی مکتوب کے ذریعہ حضرتؒ کی رائے سے اتفاق کیا اور جمعیۃ علماء کی بہار یونٹ کو اس دینی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کا حکم دیا چنانچہ ہم سب پوری دلچسپی کے ساتھ اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ حضرت مولاناؒ کا رجحان تھا کہ یوپی میں دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کانسل کا جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ بہار میں نہیں ابھرنے پائے اور یہاں متفقہ طور پر اس تحریک کو چلایا جائے۔ اس مقصد کے لیے بہت کوشش کی گئی اور دینی تعلیمی جماعت کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل بھی ہوئی لیکن دونوں طرف کے لوگوں نے دل سے اسے قبول نہیں کیا تھا، نتیجۃً یہ کوشش ناکام اور یہ ادارہ کالعدم ہو کر رہ گیا۔

ملی، اجتماعی اور دینی کاموں کے بارے میں ہمارے حضرت کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ ممکن حد تک ٹکراؤ سے بچا جائے۔ وہ کہتے تھے کہ ٹکراؤ کی صورت میں ہماری صلاحیتوں کا رخ تعمیری اور مثبت نہیں رہ پاتا۔ جواب اور جواب الجواب میں الجھ کر ہم اپنا وقت اور صلاحیت ضائع کرتے ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ ہم کتنی ہی بے نفسی کا

مظاہرہ کریں اور اخلاص کا ثبوت دیں کسی نہ کسی مرحلہ میں نفسانیت پیدا ہو جائے گی اور اصول کی بجائے ذاتی شکست و فتح کے لیے کی جانے والی جد و جہد بن کر حبطِ عمل کا باعث بن جائے گی ـــــــ ظاہر ہے یہ باریک فرق کوئی عارف باللہ ہی کر سکتا تھا۔ وہ پانی کی طرح سفر کرتے تھے، راستہ کی چٹانوں سے ٹکرا کر اپنا سفر کھوٹا کرنے کی بجائے دائیں بائیں متبادل راستہ تلاش کرتے۔

جمیعۃ علمار ہند، جس کے لیے حضرت نے بہت قربانیاں دی تھیں، حضرت مولانا سجادؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تربیت اور غیر معمولی شفقت انھیں حاصل تھی۔ مولانا حفظ الرحمنؒ ان کی اصابت رائے کے معترف تھے۔ حضرت مدنیؒ اور مجاہدِ ملتؒ کی وفات کے بعد جمیعۃ علما، کی صفوں میں دراڑ پڑی۔ جمیعۃ علما، کا اجلاس میرٹھ معرکۂ کارزار تھا۔ اس موقع پر حضرت مولاناؒ کسی فریق کے ساتھ نہیں ہوئے۔ انھوں نے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرانے والے کا کردار ادا کیا۔ اور بے حد کوشش کی۔ لیکن جذبات کی تندی، اور اپنے موقف پر غیر معمولی اور بے جا حد تک اصرار کسی معتدل اور میانہ رَو، مصالحت کنندہ کا رول ادا کرنے والے کو گوارا کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اور جمیعۃ علمار پر قابض گروپ نے بہار میں قدیم کارکنوں اور رہ نماؤں کو جمیعۃ علماء سے ملک بدر کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر ہم نوجوان کارکن بہت پُرجوش تھے اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت مولاناؒ نے فرمایا:

"مولوی صاحب! دین کے کام بہت سارے ہیں۔ کام کی کمی نہیں۔ کام کرنے والوں کی کمی ہے۔ آپ دین کی خدمت کا کوئی دوسرا میدان منتخب کریں۔ اور وہ میدان جہاں تصادم اور ٹکراؤ لابدی ہے، اس سے بچ کر نکل جائیں۔ کتنے ہی اخلاص سے آپ کام کریں گے لیکن کسی نہ کسی مرحلہ میں نفسانیت آہی جائے گی۔ اور ہماری ساری محنت اکارت جائے گی۔"

اس طرح حضرت مولاناؒ نے صورت حال کی ناگواری اور تیز جارحانہ حملوں کا نشانہ بننے کے باوجود اپنے رفقا، کی صلاحیتوں کا رخ مفید اور مثبت تعمیری میدانوں کی طرف موڑ دیا۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ افسوس کہ وہ اپنی زندگی میں پوری طرح پہچانے نہیں گئے۔ اور یہی اکثر بزرگوں کے ساتھ ہوا ہے۔

حضرت مولانا نے خود کبھی کوئی عہدہ اور منصب نہیں چاہا۔ ان کے کام اور ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا اور انھیں عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کی رکنیت (جو اس وقت بڑا اعزاز تھی) ہو، منصبِ امارت بہار واڑیسہ ہو یا آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی جنرل سکریٹری شپ، سبھی ذمہ داریاں ان کی بھرپور

صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف تھیں۔ ایسے مواقع پر سچ ہے کہ ان کا کوئی متبادل نہیں تھا اور اکابر و زعمائے قوم نے یہ محسوس کیا کہ ملت کے اس کام کی انجام دہی کے لیے ایسی ہی شخصیت کی ضرورت ہے تو انھیں اصرار کے ساتھ عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور وقت نے دیکھا کہ ہر میدان کار میں جہاں انھیں ذمہ داریاں سپرد کی گئیں، وہ قوم کے اعتماد پر پورے اترے اور یہ ثابت کر دکھایا کہ اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا، اور مخالف و موافق سب نے ان کی اہلیت کا اعتراف کیا۔

امیر شریعت ثالثؒ کے وصال کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ اب کون؟ وقت کے گزرنے کے ساتھ امارت شرعیہ جیسی عظیم الشان تحریک کی حیویت اور فعالیت کے بارے میں سوالیہ نشان کھڑا ہو چکا تھا، مفکرین و علما، و زعما، امت کے سامنے نصب امیر اور امت کے جماعتی نظام کی اہمیت نیز اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں امارت شرعیہ کے فعال کردار کی ضرورت کا شدید احساس تھا۔ روح ابو المحاسن سجاد کی پکار تھی کہ امارت شرعیہ کو نئے سجاد کی ضرورت ہے۔ روایتی قسم کی گدی نشینی نہیں، فعال، متحرک اور زندہ قیادت کی ضرورت ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب ہر طرف سے نگہ انتخاب حضرت مولاناؒ کی طرف اٹھ رہی تھی۔ خطوط کا تانتا بندھ گیا، مختلف وفود آئے، حضرت مولاناؒ پر دباؤ بڑھتا گیا۔ وہ سخت ذہنی کشمکش، تذبذب اور اضطراب کا شکار تھے۔ گھنٹوں سوچتے رہتے تھے۔ اس وقت خانقاہ میں دو رائیاں تھیں۔ مکرمی حضرت مولانا محمد عارف صاحبؒ ناظم جامعہ کی رائے اصرار کے ساتھ یہ تھی کہ مولانا منصب امارت قبول نہیں کریں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خانقاہ و جامعہ کو جو توجہ یکسوئی کے ساتھ حاصل ہے اس میں خلل پیدا ہوگا۔ دوسری طرف اس حقیر کا رجحان یہ تھا کہ حضرت کو اس منصب کو قبول کرنا چاہیے۔ اسی زمانہ میں میں نے مولانا ابو المحاسن محمد سجاد نور اللہ مرقدہ کی حیات پڑھی تھی، اور مسئلہ امارت کا مطالعہ کیا تھا۔ میرا یہ شدید احساس تھا کہ وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کی تنظیم، اور مختلف النوع مسائل میں امت کو اپنے اجتماعی وجود کے ساتھ سرگرم عمل کرنے کے لیے امارت شرعیہ کی زندہ قیادت ناگزیر ہے، اور موجودہ حالات میں امارت شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ اور اس میں روح پھونکنے کے لیے حضرت مولانا جیسی صاحب فکر و بصیرت، حق گو، مدبر، متحرک، فعال اور جری شخصیت کو امارت کی باگ ڈور سونپنا ناگزیر ہے کہ ان کا کوئی متبادل نہیں۔ اس لیے میں بار بار حضرت مولانا سے اصرار کرتا رہا۔ وہ گھنٹوں خانقاہ کے مغربی برآمدہ پر یا خانقاہ کے میدان میں چلتے رہتے، سوچتے رہتے اور بحث کرتے رہتے۔ حضرت کا ایک خاص مزاج تھا، وہ آسانی سے کسی کام کا ذمہ نہیں لیتے اور اگر ذمہ لیتے تو اس کا پورا حق ادا کرتے۔ وہ اس نازک موقع پر بار بار یہ سوال دہراتے کہ کیا

میں اس نئی، وسیع اور ہمہ گیر ذمہ داری کے تقاضوں کو پورا کرسکوں گا؟ آخران کے استاذ گرامی قدر، فقیہ امت حضرت مولانا عبدالصمد صاحبؒ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ نے اس یقین دہانی کے ساتھ اس منصب کو قبول کرنے کا حکم دیا کہ آپ اس منصب کو قبول کریں اور بلا طلب اگر کسی کو کوئی ذمہ داری سپرد کی جاتی ہے تو اللہ کی خاص نصرت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قولِ فیصل کے بعد حضرت مولانا نے اپنی آمادگی کا اظہار فرمایا۔ اور انتخابِ امیر کے خصوصی جلسہ میں آپ چوتھے امیر شریعت منتخب کر لیے گئے۔ جس وقت آپ امیر شریعت منتخب ہوئے امارت شرعیہ کی مالی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی۔ امارت شرعیہ کا رابطہ عوام سے ٹوٹ چکا تھا۔ لوگوں کے ذہنوں میں امارت شرعیہ کا تصور دھندلا سا گیا تھا۔ ایسے نازک حالات میں جب اس کشتی کا کھیون ہار آپ کو مقرر کیا گیا تو کچھ اہلِ ہوس اور کچھ اربابِ سیاست کو یہ سب کچھ پسند نہیں آیا۔ اور طرح طرح سے امارت کی مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ لوگوں نے متوازی امارت کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ کچھ لوگوں نے امارت شرعیہ کا چندہ روکنے کی کوشش کی۔ کچھ لوگوں نے اپنی اپنی خانقاہی وابستگیوں کا حوالہ دے کر یہ کہنا شروع کردیا کہ اب تو امارت شرعیہ فلاں خانقاہ سے فلاں خانقاہ میں چلی گئی ہے۔ غرض یہ کہ تنظیم امت کے اس وسیع سمندر کو اپنے محدود ذہن کے ساتھ ایک چھوٹی سی حد بندی میں محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ ذاتیات پر حملوں، اخباری مراسلوں، گمنام اور فرضی خطوط اور امارت شرعیہ کے مبلغین اور کارکنوں کو تنگ اور پریشان کرنے کی کوشش کی گئی۔ طوفان سخت تھا، رات تاریک تھی، کشتی امارت پیچ موج اور گرداب بلا میں گھری ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں تنہا وہ مردِ زیرک اللہ پر اعتماد کی پتوار لے کر امارت کو اس بھنور سے نکالنے کے لیے مشکل صورت حال سے نبرد آزما تھا۔ آخر وہ مردِ درویش جسے اللہ تعالیٰ نے

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز

کی دولت سے کی تھی، اس کشتی کو بھنور سے باہر نکال لایا۔ امارت شرعیہ کو فعالیت کی حرارت اور روحِ تازہ بخشی۔ اور آج امارت شرعیہ بہار واڑیسہ ہی میں نہیں، پورے ملک میں بلکہ عالم اسلام میں اپنی امتیازی شناخت کے ساتھ متعارف ہے۔ اور مسلمانوں کی دینی، اجتماعی، سماجی تعلیمی اور معاشی زندگی میں ہر جگہ امارت کو موجود دیکھا جاسکتا ہے۔ اسلام کی سربلندی اور ہندوستان میں شریعت کے تحفظ اور اس کی تطبیق و تنفیذ کے عظیم الشان کام میں امارت شرعیہ کی خدمات نمایاں ریکارڈ رکھتی ہے۔

ہمارے حضرتؒ جب امیر شریعت کے منصب پر فائز کیے گئے تو آپ نے پہلا فرمان جاری کیا، جو

ان کے عزائم کا پتہ دیتا ہے۔ اس فرمان کا متن درج ذیل ہے:

امیر شریعت منتخب ہونے کے بعد بہار و اڑیسہ کا تفصیلی دورہ حضرت نے کیا۔ ان دوروں سے بیداری کی لہر پھیل گئی اور عام طور پر مسلمان جو احساس مایوسی کا شکار تھے وہ بہت دنوں کے بعد بے چارگی کے احساس سے باہر نکلے۔

نظام قضا، کی توسیع کو حضرت نے پہلی ترجیح دی۔ قیام امارت کے بعد اولین دور میں مختلف اضلاع میں قضاۃ کا تقرر عمل میں آیا تھا، لیکن آہستہ آہستہ بہار و اڑیسہ سے سمٹ کر یہ کام مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف تک محدود رہ گیا۔

(۲)

جامعہ رحمانی میں ابتداءً اس حقیر کا قیام ۷ سال رہا۔ اس کا آغاز ۲۱ شوال ۱۳۷۷ھ کو ہوا۔ جب میں حضرتؒ کے حجرہ میں حاضر ہوا۔ تو اس وقت حضرت خطوط املا کرا رہے تھے۔ متعدد خطوط ان کے سامنے اور متعدد طلبہ خطوط نویس ان کے سامنے تھے۔ میں تقریباً دو گھنٹے بیٹھا رہا، اور وہ بہ یک وقت ۴-۵ کاتبوں کو خطوط املا کراتے رہے۔ کسی خط میں کوئی تعویذ اور دعائے صحت، کسی میں عیادت، کسی میں تعزیت، کسی میں مسترشدین کو وظائف و اوراد کی تلقین، کسی میں کوئی فقہی حکم اور فتویٰ، کسی میں کسی پریشان حال ضرورت مند کی سفارش۔ اور کیا مجال کہ ایک دوسرے سے خلط پیدا ہو۔ گردن اٹھائی اور برجستہ بولتے رہے۔ اب تک تو یہی پڑھا تھا ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی، لیکن یہاں تو محسوس ہوتا تھا، دماغ میں کئی الگ الگ خانے ہیں۔ جس میں مکتوب الیہ، کاتب اور مضمون خط کی تصویریں چسپاں ہیں، اور ہر کاتب کو وہی کچھ لکھایا جا رہا ہے جو اس کے مکتوب الیہ کے خط کا تقاضہ ہے۔ ایک جملہ ایک کو بتایا، دوسرا جملہ دوسرے کاتب کو اور تیسرا جملہ تیسرے کاتب کو۔ پھر پہلے کی طرف متوجہ ہوئے اور جہاں تک اسے لکھا چکے تھے، اس سے آگے بولنا شروع کر دیا۔ یہ حضرتؒ کی غیر معمولی ذہنی قوت اور ارتکاز فکر کا پہلا نمونہ تھا، جس نے پہلی مجلس مجھے متاثر کیا۔ پھر حضرت نے مجھے قاری سلیم الدین صاحب کو (جو نئے استاذ مقرر ہو کر آئے) حوالہ کیا، فلاں کمرے میں ٹھہرائیے۔ اگلے دن سے کتابیں ملیں اور اس حقیر نے پڑھانا شروع کر دیا۔ پرانی مسجد ہی ہم لوگوں کے لیے درس گاہ تھی، چند چھوٹے چھوٹے کمرے خانقاہ کے مردانہ مہمان خانہ والے حصہ میں مسجد کے دائیں بازو میں

حضرت نے تعمیر کرائے تھے، وہیں ہم لوگوں کا قیام تھا۔ مولانا محمد عارف صاحب ناظم جامعہ تھے۔ مولانا عبدالحفیظ صاحب مرحوم عربی و فارسی کے استاذ تھے۔ تیسرا میں آیا تھا اور چوتھے قاری سلیم الدین صاحب کا تقرر درجہ حفظ میں ہوا تھا۔ پرائمری سیکشن میں ماسٹر فضل الرحمن صاحب مرحوم تھے۔ یہ تھی کل پونجی۔

مدارس کے نصاب کے بارے میں حضرت کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔ وہ مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ابتداءِ اسلام میں ہر مسلمان کو تعلیم یافتہ بنانے کی جد وجہد کی گئی تھی، جس کے نتیجہ میں ہر مسلمان حضری ہو یا بدوی ضروریاتِ دین کا عالم تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ علم اپنی پوری گہرائی کے ساتھ چند خاص شہروں میں مرتکز ہو گیا۔ مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، بخارا، ترمذ، قزوین، لاہور دہلی، لکھنؤ، عظیم آباد اور اس طرح دوسرے شہر مرجع اور مرکزِ علوم بنتے گئے اور علم تمام قصبات اور قریوں سے سمٹتا گیا۔ بعد ازاں یہ علم افراد و شخصیات میں محدود ہوتا گیا اور باکمال شخصیتیں علم کا مرجع بن گئیں۔

حضرت مولاناؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دینی تعلیم کے دو میدانِ کار منتخب کیے جائیں چاہئیں۔ پہلا میدانِ کار دین سے متعلق بنیادی اور ضروری علم ہر مسلمان کے لیے۔ دوسرے علومِ دینیہ میں متحققین اور متبحر علماء پیدا کرنا، وہ کہا کرتے تھے مسلمانوں کو زندگی کے ہر میدان میں نظر آنا چاہیے۔ اس لیے ہر مسلمان کو بخاری شریف تک پڑھانا ضروری نہیں ہے۔ بنیادی تعلیم عام ہونی چاہیے۔ البتہ ایک طبقہ ضرور علومِ دینیہ میں ماہر ہونا چاہیے۔ اور یہی "ولتکن منکم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ثم لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم" (القرآن) کا تقاضہ ہے۔

دوسری طرف مولاناؒ کا نظریہ یہ تھا کہ مدارس عربیہ کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی ہونی چاہیے۔ تبدیلی دو طرح کی ہو۔ ایک تو موضوعاتِ درس میں تبدیلی، وہ مضامین جو اصلاً دینی مضامین نہیں ہیں، وقت اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق انھیں داخلِ درس کیا گیا تھا، اب آج کے عہد کے تقاضوں کے مطابق ان قدیم موضوعات کو محض ضرورت اور بنیادی تعارف کی حد تک برقرار رکھتے ہوئے ان کی جگہ ان عصری مضامین کو دی جائے جن کی آج ضرورت ہے۔ مثلاً منطق قدیم اور فلسفۂ قدیم کو اصطلاحات اور بنیادی مسائل کے تعارف کی حد تک برقرار رکھا جائے۔ اور جدید فلسفہ، سائنس، عمرانیات، معاشیات وغیرہ اور زبان میں حسبِ ضرورت انگریزی اور ہندی کو مدارس کے نصاب میں ایک خاص حد تک توازن برقرار رکھتے ہوئے متعارف کرایا جائے تاکہ جدید عہد کے علماء اپنے عہد اور عصر کے مسائل و قضایا سے واقف اور ان کو حل کرنے کے اہل ہوں۔ لیکن کسی طرح

بھی وہ درسِ نظامی کی خصوصیات اور دینی علوم سے متعلقات موضوعات میں ترمیم کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ اصرار کے ساتھ ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن کے مطالعہ اور درس کا حصہ بڑھایا جانا چاہیے۔

اسی طرح ان کی رائے یہ تھی کہ منطق اور فلسفیانہ دقیق بحثوں پر مشتمل وہ کتابیں جو نصاب تعلیم میں تشحیذ ذہن کے نام پر عرصہ سے پڑھائی جا رہی ہیں، ان کی جگہ وہ کتابیں رکھی جائیں جو سادہ زبان اور صاف تعبیر میں براہ راست مسائل کی تفہیم کرتی ہوں۔

حضرت مولاناؒ نے نصابِ تعلیم کے موضوع پر اس زمانہ کے بہار کے معروف اہلِ علم اور اساتذۂ فن و اصحابِ درس علماء کو جمع کیا۔ ان کی کئی نشستیں ہوئیں۔ اس موضوع پر مولانا نے ایک مختصر سا مقالہ بھی لکھا جو نصابِ جدید جامعہ رحمانی کے مقدمہ میں چھپا ہوا ہے۔ علماء کے اس اجتماع کے ذریعہ ایک نصاب تعلیم مرتب ہوا۔ جس کی پہلی تجربہ گاہ خود جامعہ رحمانی کو بنایا گیا۔ اور وقتاً فوقتاً تجربات کی روشنی میں اس میں تبدیلیاں بھی کی گئیں۔

اس نصاب کی بنیاد اس امر پر رکھی گئی:

(۱) پرائمری کے ۵ درجات میں وہ کچھ رکھتے ہوئے جو سرکاری اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں قرآن کریم، بنیادی دینی اور ابتدائی عربی کے وہ اسباق جو آئندہ چل کر قرآن فہمی کی اساس بن سکیں اور بچے ابتدا رہی سے چند ضروری سورتیں، دعائیں اور اذکار ترجمہ کے ساتھ یاد کرلیں اور قرآنی مفرد الفاظ کے معانی جان لیں۔

(۲) چھٹا درجہ (درجہ ششم اردو) کو حضرت مولاناؒ برزخی درجہ کہا کرتے تھے۔ اس کا بنیادی نشانہ اور ہدف یہ تھا کہ ہر عامی شخص کے لیے عربی زبان میں مہارت اور اس کے ذریعہ علوم دینیہ کے سرچشمہ سے استفادہ ضروری نہیں۔ عام لوگوں کو ان کی مادری زبان میں دین کی ضروری تعلیم دی جانی چاہیے۔ اس لیے ایک ایسا درجہ پرائمری پاس طلبہ اور حفظ کی تکمیل کرنے والے طلبہ کے لیے لازماً ہونا چاہیے جس کی حیثیت مفرق الطریق (چوراہے) کی ہو، کہ اگر کوئی طالب علم آگے ہائی اسکول میں جانا چاہے تو ہمیں اطمینان ہو کہ اسے ضروری دینی تعلیم اور اسلامی تاریخ سے آشنا کر دیا گیا ہو، اگر کوئی حافظ قرآن آئندہ اپنی تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتا تو وہ دینی احکام کی واقفیت کے ساتھ میدان عمل میں جائے اور اگر کوئی طالب علوم دینیہ میں تخصص حاصل کرنے کے لیے مدارس دینیہ

میں تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس درجہ کی تعلیم ٹھوس بنیاد فراہم کر سکے اور وہ آئندہ اپنے تعلیمی مرحلہ میں اجنبی مسافر کی طرح نہیں بلکہ راستہ کے معالم و نقوش اور آثار و علامات کا تصور لے کر داخل ہو۔ اس ذیل میں پرائمری کی کلاسز میں ناظرہ قرآن کریم، دینی تعلیمی رسالہ کے مختلف حصوں کے ذریعہ ہر باب میں بنیادی واقفیت اور مفتاح القرآن کے ذریعہ مفردات قرآنی اور کچھ آیتوں و سورتوں کے ترجمہ کے ذریعہ قرآن سے طلبہ کا ذہنی رابطہ پیدا کر دیا جاتا۔ پھر درجہ ششم میں اردو میں حدیث کا ایک مجموعہ جس میں اخلاص، توکل، ایمان، اخلاق اور آداب وغیرہ سے متعلق احادیث جمع کر دی گئی ہیں (میری مراد امام نووی کی کتاب ریاض الصالحین سے ہے جس کا سلیس اور فصیح و بلیغ ترجمہ "زادِ سفر" کے نام سے مرحومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے کیا ہے) طلبہ کو پڑھایا جاتا۔ فقہ کے لیے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی علم الفقہ، سیرت میں رحمتِ عالم علامہ سید سلیمان ندویؒ، تاریخ اسلام میں ہماری بادشاہی، ابتدائی فارسی اور حساب و تاریخ، جغرافیہ وغیرہ پڑھایا جاتا، اور املا پر خاص زور دیا جاتا۔

یہ نہایت کامیاب منصوبہ تھا۔ بڑی عمر کے حفاظ اس درجہ سے پڑھ کر چلے جاتے، کہیں امامت کرتے، یا دوسرا ذریعہ روزی کا اختیار کرتے تو وہ صرف حافظ نہیں ہوتے بلکہ اپنے دین سے اچھی طرح واقف ہوتے، جو طلبہ آگے ہائی اسکولوں میں جاتے عام طور پر ان کی صلاحیت عام اسکولوں سے آنے والے طلبہ سے بہتر ہوتی اور وہ درجہ ہشتم میں داخل کیے جاتے اور وہ دینی مزاج لے کر اس ماحول میں جاتے، اور مدارس دینیہ میں وہ طلبہ جو پرائمری اور درجہ ششم پڑھ کر آتے وہ عام طلبہ سے کہیں فائق ہوتے۔

(۳) حضرت مولاناؒ کا خیال یہ تھا کہ مدارس عربیہ میں بنیادی ہدف قرآن و سنت کو ہونا چاہیے۔ اس لیے عربی نصاب تعلیم کے پہلے اور دوسرے سال میں تیسیر القرآن حضرت مولانا عبدالصمدؒ پڑھائی جاتی جس کا مطلب یہ تھا کہ جملہ الفاظ قرآنی اور مختلف النوع تراکیب لغوی تحقیق اور نحوی قواعد کی تطبیق کے ساتھ طالب علم کے ذہن میں آجائیں۔ پھر ترجمہ قرآن (پارہ عم)، ترجمہ قرآن سورہ بقرہ۔ اور ترجمہ قرآن (باقی اجزاء) اس ترتیب و تدریج کے ساتھ پڑھا دیا جائے تاکہ قرآن اپنی سادہ صورت میں (پیچیدہ بحثوں کے بغیر) طالب علم کے سامنے آجائے۔ بعد ازاں جلالین و بیضاوی جیسی تفسیریں پڑھائی جائیں۔ جن میں طالب علم متعلقات قرآن سے متعلق پیچیدہ مباحث پڑھے اور قرآن کا تحقیقی علم حاصل کر سکے۔ اسی طرح حدیث میں کی جانے والی مفصل بحثوں سے احادیث کا سادگی کے ساتھ مطالعہ کر لیا جائے۔

(۴) فقہ اور اصول فقہ میں روایاتی طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے۔

(۵) کوشش کی جائے کہ ہر فن کی کم از کم ایک کتاب مکمل پڑھادی جائے۔

(۶) قدیم منطق اور فلسفہ کو بہ قدر ضرورت اور اصطلاحات کی واقفیت تک محدود کر دیا جائے اور ان کی جگہ ضروری اور عصری علوم کا مدارس عربیہ میں اضافہ کیا جائے۔

(۷) نحو، صرف، معانی و بیان جیسے فنون کی تعلیم کے لیے ایسی کتابوں کا استعمال کیا جائے جس میں مصنف کی پیچیدہ تعبیرات میں الجھنے کی بجائے اصل فن اور قواعد کا علم حاصل ہو جائے۔

(۸) حضرت مولاناؒ کا خیال یہ بھی تھا کہ دورۂ حدیث کو دو سالوں میں تقسیم کر دیا جائے اور حدیث و علوم حدیث بجائے ایک سال کے دو برسوں میں پڑھایا جائے۔ دیوبند اور دیگر اہم مدارس میں قدیم سے رائج ایک سالہ دورۂ حدیث اس طرح طلبہ اور اساتذہ کے ذہن میں راسخ تھا اور ہے کہ باوجود کوشش کے یہ تجویز کامیاب نہیں ہو سکی۔

بہر حال یہ نصاب تعلیم تھا جس پر جامعہ رحمانی میں کامیاب تجربہ ہوا، اور خاص کر حضرت مولاناؒ کا یہ نقطۂ نظر کہ اونچے درجہ کے اساتذہ جہاں اوپر کے درجات میں تعلیم دیں وہاں ابتدائی درجات کے طلبہ کو بھی پڑھائیں اس طرح خود ان کا بنیادی علم تازہ رہے گا، طلبہ اول سے ان کے ساتھ مربوط ہوں گے اور نیچے درجہ کے اساتذہ اچھے اساتذہ سے درس لینے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پرائمری اسکول کے طلبہ کو میں خود دینی تعلیم کے رسالے اور مفتاح القرآن پڑھایا کرتا تھا۔ اور درجۂ ششم میں علم الفقہ اور زادِ سفر مجھ سے متعلق رہا کرتی تھی۔ اس تجربہ کے نتیجہ میں عجیب و غریب ماحول پیدا ہوا۔ طلبہ میں ذوق و شوق، مطالعہ کا اشتیاق، اساتذہ سے استفسار اور زیر درس موضوعات میں تہ تک پہنچنے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا، جس کی مثال کم ملتی ہے۔ حضرت مولاناؒ خود پورے نظامِ تعلیم اور درس و تدریس کی نگرانی کرتے تھے۔

صبح ناشتہ کے بعد آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ کی چائے کی محفل حضرت کے کمرہ میں منعقد ہوتی۔ چائے تو جمع ہونے کا ایک بہانہ تھی، دراصل اس مجلس میں مذاکرۂ علمی اور بحث و تحقیق کا جام گردش میں آتا۔ خوب خوب بحثیں ہوتیں، کتابوں کے حوالے نکالے جاتے۔ حضرت خود بحث میں حصہ لیتے شدید جرح کرتے اور پھر جو کچھ جستجو اور تحقیق سے ثابت ہوتا وہی حرفِ آخر مانا جاتا۔ بحث کتنی ہی تیز ہو کبھی اپنی رائے پر بے جا ضد نہیں کی جاتی۔ یہ مجلس دراصل ہم جیسے نوآموز طالب علموں کی فکری تربیت کا دسترخوان تھا، جہاں تجسس اور طلب کی آبیاری کی جاتی، اور سطحی مطالعہ سے آگے بڑھ کر گہرے اور تحقیقی مطالعہ کا ذوق پیدا کیا جاتا۔ عصر کی نماز کے بعد بھی چائے کی محفل ہوتی،

اس کی نوعیت کچھ اور تھی، ہلکے پھلکے لطیفے، ادبی ظرائف اور بزرگوں کی کچھ مختصر سی عبرت آمیز کہانیاں جس سے ذہن پر بوجھ بھی نہ ہو اور کوئی نہ کوئی بات آدمی سیکھ لے۔

نصاب جدید کی تشکیل میں اس وقت جو علماء اور اساطین امت شریک تھے ان میں حضرت مولانا جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع العلوم مظفر پور، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ اور دیگر علماء کے اسمائے گرامی ممتاز تھے۔ ہمارے حضرت کو اس کی فکر تھی کہ کم سے کم متفق علیہ امور پر ان مدارس کو اکٹھا کر کے ان کی ایسی تنظیم کردی جائے کہ ان مدارس کا معیار تعلیم بلند ہو۔ اس وقت تک عام طور پر مدارس میں یا تو امتحانات ہوتے نہیں تھے یا محض رسمی امتحانات ہوتے تھے، لیکن یہ تو بہرحال طے تھا کہ ان امتحانات کا کوئی اثر طالب علم کی ترقی یا تنزل پر نہیں پڑتا تھا۔ وہ پاس کرے یا فیل آنے والے سال میں اگلی کتابیں پڑھے، عام طور پر درجہ بندی بھی نہیں تھی۔ حضرت کا خیال ایسا تھا کہ مدارس کے اندرونی امور میں مداخلت کیے بغیر اور نصاب جدید کے نفاذ میں لچک دار رویہ اختیار کرتے ہوئے (یعنی کسی مخصوص کتاب پر اصرار کی بجائے اصل موضوع پر مطلوبہ معیار اور صلاحیت کا حصول پیش نظر رکھنا) درجہ بندی کے ساتھ کسی ایک مدرسہ کی بالادستی کے تصور کے بغیر ایک نظام امتحان کے تحت، سارے مدارس کے طلبہ کا امتحان لیا جائے، اور بہار کے ان سبھی مدارس کا ایک ساتھ نتیجۂ امتحان شائع ہو۔ نگراں امتحان ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ جائیں۔ انھیں سب مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے "آزاد مدارس امتحان بورڈ" کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس حقیر کو اس کا ناظم مقرر کیا گیا۔ بہار کے مدارس کے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں یہ ایک کامیاب تجربہ تھا۔ بعض بڑے مدارس جو حضرت کی سرپرستی میں تھے اس تحریری مقابلاتی امتحان کے پہلے نتیجہ میں سو فی صدی وہاں کے طلبہ ناکام تھے۔ لیکن دوسرے امتحان میں طلبہ میں اور اساتذہ میں جو محنت کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے نتیجہ میں انھیں مدارس کے طلبہ پورے بہار کے طلبہ میں پہلی دوسری پوزیشن حاصل کرنے لگے۔ کئی برسوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور اس دور میں بہار کے ان چند مدارس سے بہترین طلبہ اچھی صلاحیتوں کے ساتھ میدان عمل میں آئے جو آج بھی مختلف میدان ہائے کار میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

بہرحال اگرچہ ان آزاد مدارس کا الحاق ان کی انتظامیہ کمیٹیوں کی تبدیلی کی وجہ سے بہت دیر تک برقرار نہیں رہ سکا، لیکن جامعہ رحمانی اپنے اعلیٰ ترین معیار تعلیم کی باعث ملک کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جانے لگا۔

(۳)

صلاحیتوں کی تلاش اور افراد سازی

تاریخ کی کتابوں میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پڑھا کہ وہ ہمہ دم جوہر قابل کی تلاش میں رہتے تھے، اور پھر ان کی تربیت کر کے، بنا اور سنوار کر انھیں علم معرفت اور دین کی خدمت کے میدان میں پیش کیا کرتے تھے۔ ابو یوسف، زفر بن ہذیل، محمد بن حسن شیبانی، داؤد الطائی، عافیہ بن یزید الاودی، حسن بن زیاد اور نجانے کتنے اسی شمس علم و معرفت کے گرد چمکتے ہوئے ستارے تھے جنھوں نے امام اعظم سے کسب نور کیا تھا۔ ماضی قریب میں سنتا ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی خاص خوبی تھی۔ دار العلوم کے نئے ذی صلاحیت فضلا کو کبھی معین مدرس بنا کر، کبھی کسی متعلق مدرسہ میں استاذ کی حیثیت سے بھیج کر، کبھی افتا کی تربیت دے کر، کبھی لکھنے پڑھنے کا ذوق پیدا کر کے نہ جانے کتنے فضلاء و ماہرین کو گم نامی کے گڑھے سے نکال کر شہرت کے آسمان تک پہنچایا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، امام معقولات علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ، مفکر ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ جیسے نہ جانے کتنے علماء اور فضلاء تھے جو اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے فن کے امام ہوئے۔ یہ سب حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش تھے اور ان کی ہمت افزائی کا نمونہ۔

میں نے معاصر علماء میں اپنے حضرتؒ کو اس باب میں نہایت ممتاز پایا۔ وہ ہمہ دم اس تلاش میں رہتے تھے کہ کہاں کوئی جوہر قابل ملے اور وہ اسے سج دھج کر کام کا آدمی بنا سکیں۔ اور صلاحیتوں کو جلا دے کر خدمتِ دین کے لیے اس کا بہترین مصرف لے سکیں۔ موجودہ نائب امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی میں استاذ تھے۔ اصلاح نصابِ تعلیم کے سلسلے میں جو تحریک حضرت مولاناؒ نے چلائی تھی اس سلسلے میں موصوف نے مدرسہ ساٹھی سے ایک خط لکھا۔ خط بڑا خوب صورت اور گہرے فکر کی نشان دہی کر رہا تھا۔ حضرت چونک پڑے۔ فرمایا! نصابِ تعلیم کی میٹنگ میں انھیں بلاؤ۔ جب مولانا میٹنگ میں تشریف لائے تو حضرت نے جھانک کر دیکھ لیا کہ یہ شخص مدرسہ کی چہار دیواری میں رہنے کے لائق نہیں۔ مستقبل میں امت کا

بڑا کام اس شخص سے لیا جا سکتا ہے، نہ جانے کتنی بار مدرسہ ریاض العلوم کے سرپرست مفسر قرآن حضرت مولانا ریاض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور کوشش فرماتے رہے کہ مولانا سید نظام الدین صاحب امارت شرعیہ تشریف لے آئیں اور طویل کوششوں کے بعد جب مولانا تشریف لائے تو انھوں نے حضرت کے اعتماد کو سچا کر دکھایا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت کی تربیت نے اس جوہر قابل کو اس لائق بنا دیا کہ وہ امارت شرعیہ کی نازک ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نباہ سکیں اور ملت کے اہم مسائل میں جرأت کے ساتھ اقدام کر سکیں۔ معلوم ہوا کہ مئو میں ایک بہت اچھے مدرس ہیں۔ حضرت مولانا کی زبان کھائی مدرس، یعنی جو ہر فن کی کتابیں پوری قدرت کے ساتھ پڑھا سکیں۔ مجھے حکم دیا کہ مئو جاؤ اور جیسے بھی ہو انھیں لاؤ۔ میں مئو گیا اور مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم کو لے آیا۔ پھر کیا کہنا جامعہ کی تعلیم خوب چمکی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب فقہ وفتاویٰ میں بڑی اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے مزاج کی سختی مشہور تھی۔ فرمایا کہ جیسے بھی ہو لے آؤ۔ اور بارہ برس کے طویل عرصہ تک ان کے طبع نازک کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے کام لیتے رہے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا شمس الحق صاحب اور دیگر علماء سبھی حضرت کی جوہر شناس نگاہوں کا انتخاب تھے، اور ان کی محنت وتربیت نے ان سب کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔

اپنے ان زیر تربیت افراد کی ایک ایک بات کی نگرانی کرتے۔ بہت خاموشی اور حکمت کے ساتھ کبھی ان کے سامنے ان کی تعریف نہیں کرتے، لیکن ان کے غائبانہ میں لوگوں کے سامنے ان کی غیر معمولی تعریف کرتے۔ اپنے لوگوں کی عزت دوسروں کی نگاہوں میں بڑھاتے۔ جب مجھے پہلی بار ہدایہ اولین پڑھانے کو ملی، تو حضرت پریشان تھے کہ پتہ نہیں کیسا پڑھا رہا ہے؟ ایک دن حضرت مولانا عبد الصمد صاحب علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت نے مجھ سے فقہ سے متعلق چند سوالات کیے۔ سادہ سے سوالات، جو کچھ جانتا تھا بتایا، مگر میں سمجھا نہیں کہ قصہ کیا ہے؟ کچھ دنوں بعد حضرت فرمانے لگے کہ بھائی تم امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے پوچھا حضرت کیا قصہ ہے؟ فرمانے لگے نائب صاحب کو میں نے ہی کہا تھا کہ وہ جانچ لیں کہ تم ہدایہ کیسی پڑھا رہے ہو۔

میں جامعہ رحمانی میں تھا، ربیع الاول اور ربیع الثانی کا مہینہ آیا۔ یہ وہ مہینے تھے جن میں مونگیر شہر میں میلاد کے نام پر بہت سارے جلسے ہوتے تھے۔ کبھی نواب زادہ کے یہاں، کبھی مرزا ظہور بیگ صاحب کے یہاں، کبھی امین الرحمٰن خان صاحب کے یہاں، کبھی عبد الغنی صاحب وکیل کے یہاں، کبھی کہیں اور۔ غرض یہ کہ ہر دوسرے تیسرے دن کہیں نہ کہیں یہ جلسۂ میلاد منعقد ہوتے جس میں سیرت پر تقریریں ہوتیں، ان جلسوں

کی دو خصوصیتیں بہت اہم تھیں۔ ایک تو یہ کہ سبھی جلسوں کے شرکا، سامعین و حاضرین ایک ہی ہوتے، محسوس ہوتا کہ صرف جگہ بدل گئی ہے اور وہی لوگ جو کل وہاں سن رہے تھے آج یہاں سن رہے ہیں۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس مجمع کا بڑا حصہ پڑھا لکھا، جدید تعلیم یافتہ، مہذب اور شائستہ ہوا کرتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان جلسوں میں شریک ہوا کرتے، اس حقیر کو بھی ساتھ لے جاتے اور ان کا انداز تربیت یہ تھا کہ مجھے تاکید فرماتے کہ تجھے اِن جلسوں میں روزانہ ہی تقریر کرنی ہے۔ ہر روز علیحدہ موضوعات پر تقریر کرنی ہے اور پوری طرح تیار ہو کر بولنا ہے۔ چنانچہ ہر جلسہ میرے لیے دردِ سر ہوتا، پچاسوں کتابوں سے اس موضوع پر نوٹس تیار کرتا، اور پھر جاکر تقریر کرتا، اس طرح پڑھے لکھے مجمع کے سامنے سیرت سے متعلق ہر موضوع پر تیاری کے ساتھ کئی سال تک تقریر کرنے کی عادت ڈلوائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ تقریروں میں محض مجمع کو متاثر کرنے کے لیے جعلی قصے اور کہانیاں سنانے کی بجائے صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کے مستند واقعات سناؤ۔ اس سلسلے میں اصابۃ، اسد الغابہ، استیعاب، طبقات ابن سعد صحابہ و تابعین کے حالات پر دار المصنفین کا پورا سیٹ مطالعہ کرنے کو کہتے، آج تک میں چند سال کے ان میلادی جلسوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے فائدے کو محسوس کرتا ہوں۔

جامعہ رحمانی میں حضرت کی سرپرستی میں جو مزاج اساتذہ کا بنا وہ یہ تھا کہ ہر استاذ اپنے دوسرے رفیق کار کو اپنا دوست اور معاون سمجھتا رقیب نہیں، اور علم کے باب میں ایک دوسرے سے پوچھنا عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بڑے سے بڑا استاذ اپنے سے چھوٹے استاذ کے سامنے بھری درس گاہ میں کتاب لے کر آجاتا کہ فلاں عبارت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے۔

اساتذہ کے ساتھ حضرت کا برتاؤ غیر معمولی حد تک مشفقانہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم مرتے دم تک ہمارے ساتھ کام کرنے کے لیے بلا شرط ہمارے مشن میں شریک ہو جاؤ۔ اور ہم (انتظامیہ) اس استاذ کی ہر ضرورت کی تکمیل کے لیے فکرمند رہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ دو کشتی پر سوار زندگی میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یکسو ہو کر ہی کام کرنا بہتر صلاحیتوں کو جِلا دیتا ہے۔

اساتذہ کے مابین فرق مراتب کے باوجود حضرت کے نزدیک ہر استاذ کی عزت برابر ہوتی، عام طور پر مدرسوں میں درجۂ حفظ کے استاذ کو درجۂ عربی کے اساتذہ کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت حاصل رہتی ہے۔ حضرت کی تربیت یہ تھی کہ چاہے طلبہ درجہ حفظ کے ہوں یا درجۂ عربی کے، اور استاذ درجہ حفظ کے ہوں یا درجہ عربی کے سب کی عزت و اطاعت برابر ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک بار درجہ حفظ کے ایک استاذ

کے ساتھ درجہ عربی کے ایک طالب علم نے کچھ بے ادبی کی۔ معاملہ ہم لوگوں کے سامنے آیا تو ہم لوگوں نے اس طالب علم کو استاذ موصوف سے معافی مانگنے کی ہدایت کی۔ اس طالب علم نے بار بار معافی مانگی لیکن استاذ معاف کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔ ہم سب کی خواہش تھی کہ استاذ موصوف اس کو معاف کر دیں اور اس کا اخراج نہ ہو۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی بھی یہی خواہش تھی۔ لیکن استاذ موصوف کسی حال میں راضی نہ ہوئے ، مجبوراً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس طالب علم کے اخراج کا حکم دیا اور مجھ سے فرمایا کہ اگر ایک بار نرمی برت دی جائے تو آئندہ مدرسہ میں اساتذہ کی عزت برقرار نہیں رہے گی۔ اور ہمارے یہاں یہ کبھی احساس پیدا ہونے نہیں دینا ہے کہ درجہ عربی کا طالب علم درجۂ حفظ کی بے عزتی کر دے تو اس پر ایکشن نہ لیا جائے گا

سبھی اساتذہ چاہے وہ کسی رتبہ اور درجہ کے ہوں حضرت سب پر برابر شفقت فرماتے اور کبھی ایسا محسوس نہیں ہونے دیتے کہ وہ کسی کو کسی پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ مدرسہ کے ماحول میں یہ محسوس کیا جائے کہ فلاں استاذ کی بات حضرت کے یہاں چلے گی اور فلاں کی نہیں۔ اسی لیے کبھی اساتذہ کے درمیان گروہ بندی نہیں ہوئی، اور مدرسہ کے تمام اساتذہ ایک ٹیم کی طرح مدرسہ کی مالی اور تعلیمی ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔

حضرت امیر شریعت رابع فی رحمۃ اللہ

دیگر دانائے راز آید کہ نآید

ازـ حضرت مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے پُر وقار، متحرک اور فعّال امیر شریعت۔ خانقاہ رحمانی کی مسند رشد وھدایت کے لائق ترین اور بافیض سجادہ نشیں۔ جامعہ رحمانی کے بانی اور سرپرست۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے روح رواں جنرل سکریٹری؛ لاکھوں متوسلین خانقاہ کے مرشد ومربیّ۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی دینی وملی خدمات کے ترجمان؛ علمار حق کی صف اول میں ایک اعلیٰ اور ممتاز مقام رکھنے والے۔ اپنے اسلاف واکابر اور اپنے والد بزرگوار حضرت مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت وکردار اور اخلاق وعادات کے آئینہ دار،

اعدارِ دین کی سازشوں کو سمجھنے والے۔ باطل کے حملوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہنے والے، فرقہ وارانہ یک جہتی کے سچّے داعی۔ ملک اور اس میں بسنے والے تمام باشندوں کی فلاح کے خواہاں ایک ایسا مرد مجاھد جس نے جہاں ملک کی آزادی کے لیے قید وبند کی صعوبت برداشت کی وہاں ملک کی آزادی کے بعد ببانگ دُھل اعلان کر دیا کہ اگر آزاد ہندوستان میں مذہب کو غلام بنایا گیا تو وہ اس کیلئے بھی اسی طرح جدوجہد کرینگے۔

جس نے اپنی دانشمندی، رواداری اور حکیمانہ طرز عمل سے مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور مختلف گروہ کو بلا تفریق مسلک ومشرب تحفظ شریعت تحریک میں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔

جس نے اپنی زندگی کے پورے انیس ۱۹ سال شریعت اسلامی کے تحفظ اور اس راستہ میں اپنی صحت کا پرواہ کئے بغیر مسلسل جہاد میں گزار دیئے۔ یہاں تک ۱۳ ر فروری ۱۹۹۱ء کو ایک اہم مشورہ کے سلسلہ میں مظفر پور سے لکھنؤ کا آخری سفر مرض کے بڑھنے سبب بنا۔ اور اسی حالت میں جبکہ بظاہر آپ کی صحت بہتر ہو رہی تھی۔ اور سارے کام کاج معمول کے مطابق انجام پارہے تھے۔ رمضان المبارک کی ۲ تاریخ کو

چار رکعت نماز تراویح ادا کرنے کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا اور آپ اپنے رب کریم کو یاد کرتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ہم پر کیا گزری، اس کیفیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ آپ کی وفات سے نہ صرف خانقاہ رحمانی، جامعہ رحمانی اور نہ صرف امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ، بلکہ پورا ملک ایک صاحب بصیرت، جرأتمند، مدبر، مخلص اور ایثار پسند رہنما سے محروم ہو گیا۔ اور علماء حق کی صف اول میں ایک ایسی جگہ خالی ہو گئی جس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے ۲۴،۲۵ رفاقت کا شرف حاصل ہوا اور کتنے ہی نازک مواقع پر اور نازک مسائل پر ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ آج بھی یہ تمام واقعات نگاہوں میں ہیں جو حضرت امیر شریعتؒ نے آزاد مدارس کا ایک بورڈ قائم فرمایا تھا۔ اگست ۱۹۵۸ء میں جامعہ رحمانی میں اس کا پہلا اجلاس تھا۔ قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب اس بورڈ کے کرتا دھرتا تھے۔ مدرسہ ریاض الاسلام ساٹھی کے صدر مدرس کی حیثیت سے میں بھی اس اجلاس میں مدعو تھا اور شرکت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ یہ حضرتؒ سے میری پہلی ملاقات تھی۔ بورڈ کے اجلاس میں میں نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ حضرت نے میرے خیالات کی تحسین فرمائی، اور صبح کی خصوصی مجلس میں طلب کیا۔ آپؒ نے ایک ہی سال پہلے یعنی ۱۹۵۷ء میں امارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ قاضی احمد حسین صاحب امارت شرعیہ کے ناظم تھے اور بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ صبح کی اسی مجلس میں پہلی بار حضرت نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں امارت شرعیہ کی نظامت قبول کر لوں۔ اس وقت مدرسہ ساٹھی کے سرپرست حضرت مولانا ریاض احمد صاحبؒ تھے۔ میں نے مدرسہ کے نظم کی وجہ سے معذرت کر دی اور یہ بھی عرض کیا کہ حضرت مولانا کی اجازت کے بغیر میں نہیں آ سکتا۔

۱۹۶۰ء میں دوسری بار تربیت قضاء کے اجلاس کے سلسلہ میں خانقاہ حاضری ہوئی۔ حضرت نے پھر اصرار کیا، اور ایک حد تک وعدہ لے لیا۔ میں نے حضرت مولانا ریاض احمد صاحب سے چاہی مگر مولانا نے اجازت نہ دی اور پھر ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ ۱۹۶۱ء میں حضرت مولانا ریاض احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۶۲ء میں مولانا کے انتقال کے بعد مدرسہ کی خدمت سے معذرت کر کے اپنے مکان آ گیا۔ پھر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی دعوت پر صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ رشیدیہ جبرا چلا گیا۔ ادھر قاضی احمد حسین صاحب کا انتقال ہو گیا اور حضرت امیر شریعت نے حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کو نائب امیر شریعتؒ کے ساتھ ساتھ نظامت کی زائد ذمہ داری بھی سونپ دی۔

مگر مولانا رحمانی کی عمر زیادہ تھی اور ضعیف ہو چکے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کو ناظم اور قاضی کی دوہری ذمہ داری کے ساتھ امارت بھیجا۔ غالباً ۱۹۶۳ء میں چترا میں دار القضاء کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقع سے حضرت امیر شریعت رابعؒ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی اور حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاضی شریعت تشریف لائے۔ دسمبر ۱۹۶۴ء میں قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی طرف سے پھر اصرار ہوا۔ امارت کی حالت اس وقت بہت خستہ تھی۔ مگر قاضی صاحب کی امارت میں آمد کی وجہ سے مجھے بھی ہمت ہوئی اور اس طرح ۱۹۶۵ء میں میں ناظم کی حیثیت سے امارت شرعیہ آگیا۔

حضرت قاضی صاحب سے بھی پہلے "انچارج بیت المال" کی حیثیت سے جناب سراج احمد صاحب کو امارت بھیج چکے تھے جو نہایت محتاط۔ دیندار اور صاحب تقویٰ آدمی تھے۔ اور بیت المال کے اندرونی نظام کی اصلاح میں جن کی خدمات ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس وقت امارت شرعیہ شدید مالی بحران سے گزر رہی تھی۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ پٹنہ سے "نقیب" لانے کے لئے کرایہ تک نہیں رہتا تھا۔ جو اس وقت محض ڈیڑھ روپے تھا۔ کارکنوں کی کم سے کم ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی کبھی کبھی قرض سے انتظام کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت امیر شریعت کے حسب ہدایت امارت کے وفود کے دورے شروع ہوئے تاکہ عوام سے ربط مضبوط ہو سکے۔ چنانچہ امارت کا عوامی ربط۔ جس میں بہت اضمحلال آچکا تھا۔ ان دوروں کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوا۔

۶/جون ۱۹۶۵ء میں عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی اور اسرائیل نے مصر و شام اور فلسطین واردن کے بہت سارے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ نے تمام عالم اسلام اور مسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اور ان کے جذبات کو سخت ٹھیس پہونچی۔ حضرت ۲۵/جون کو پٹنہ تشریف لائے۔ عربوں کی حمایت میں بیان دیا اور ان کی امداد و اعانت کی اپیل کی۔ لوگوں کی طرف سے اس کا بڑا خیر مقدم ہوا۔ ۶/اگست کو امارت نے ایک عظیم الشان "فلسطین کانفرنس" منعقد کی۔ جس میں مصر کے سفیر جمال مناع علی اور شام کے سفیر عمر ابوریشہ نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس "انجمن اسلامیہ ہال" پٹنہ میں منعقد ہوئی۔ جہاں تل رکھنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ مصر و شام کے سفراء نے نہایت پرجوش خطاب کیا۔ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب نے ان کی عربی تقریر کا برجستہ اتنا عمدہ اور ترجمہ فرمایا کہ حاضرین پر خاص تاثر اور کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ دیکھ کر سفیر مصر نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اس کانفرنس نے امارت کے وقار کو خاصا اضافہ کیا۔ اس مختصر مدت میں امارت نے ایک لاکھ روپیہ کا انتظام کیا اور عرب سفراء کے حوالہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کانفرنس امارت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سنگ میل ثابت ہوئی۔ اور امیر شریعت رابعؒ کے

بروقت فیصلہ کی صلاحیت اور رائے کی اصابت کا اندازہ ہوا۔ اس کانفرنس کے سلسلہ میں جون تا اگست قاضی صاحب اور ہم نہایت معروف رہے۔ یہاں تک کہ کئی ماہ تک ہم دونوں ۲۴،۲۴ گھنٹے دفتر ہی میں رہتے۔ سونے کے لئے بھی قیام گاہ جانے کا موقع نہیں ملتا۔

۱۹۶۷ء کے الیکشن میں جنتا پارٹی نے کانگریس کو شکست دے کر ریاست میں اقتدار حاصل کیا۔ مہامایا پرشاد چیف منسٹر بنے۔ ۲۲ اگست کو رانچی میں مخالف اردو تحریک کے نتیجہ میں فساد پھوٹ پڑا۔ ہٹیا میں ایسا قتل عام ہوا کہ پانچ سو افراد شہید ہوگئے۔ ۲۳ اگست کو میں ہوائی جہاز کے ذریعہ رانچی پہونچا۔ اس وقت امارت کے "بیت المال" میں کل سولہ سو روپے تھے۔ یہی رقم ریلیف کے لئے میرے ساتھ تھی۔ پہلی ریلیف تھی جو فساد کے بعد پہونچی تھی۔ رانچی کا ربط پورے ملک سے کٹا ہوا تھا۔ فسادیوں نے منصوبہ بند طور پر ایسا کیا تھا۔ ڈاک بند تھی۔ ٹیلی گرام کا ربط منقطع تھا۔ فون بھی کہیں کیا جا سکتا تھا۔ آمد و رفت ممکن نہیں تھی۔ اور پورے شہر پر کرفیو کا مہیب سایہ تھا۔ میں نے فون کے لئے کوشش کی۔ اتفاق تھا کہ امارت سے ربط قائم ہوگیا۔ میں نے فون پر قاضی صاحب کو فسادات کی تفصیل بتائی اور قاضی صاحب نے رپورٹ مرتب فرماکر تمام اخبارات کے حوالہ کر دیا۔ یہ پہلی رپورٹ تھی جو اس فساد کے متعلق منظر عام پر آئی اور پورے ملک کو اس فساد کی ہولناکی کا اندازہ ہوا۔ اس کے بعد فسادات کا ایک بھیانک سلسلہ شروع ہوگیا۔ سرسنڈ میں فساد ہوا۔ گڈی ٹانڑ گریڈیہہ میں فساد ہوا۔ یہاں مولانا عبداللہ صاحب مرحوم اور حاجی عبدالرزاق صاحب نقیب امارت شرعیہ نیز ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب نے امارت کی طرف سے ریلیف کا بڑا عمدہ کام کیا۔ پورے ملک سے وفود کی آمد شروع ہوئی۔ اور ہر جگہ امارت کے کام کی تحسین کی گئی۔ اس نازک موقع پر امارت کے کارکنوں کی محنت اور سعی سے امارت کا ہندوستان گیر تعارف ہوا۔ اور اس کے کام اور کاز میں تقویت اور استحکام کا آغاز ہوا۔ اس پورے کام میں حضرت امیر شریعتؒ کی ھدایات ہم لوگوں کے شریک حال تھیں اور آپ کی حوصلہ افزائی اور اعتماد ہمارا سرمایہ تھا۔ اس موقعہ سے آپ نے جو جرأتمندانہ اور حقیقت پسندانہ بیانات دیئے اس نے امارت کی وقعت میں اضافہ کیا۔ اور ان کی وجہ سے امارت کو عوامی اعتماد و اعتبار حاصل ہوا۔

مسلمانوں کے مذہبی تشخص کی حفاظت کی طرف شروع سے حضرت کی توجہ رہی چنانچہ آپ نے امیر منتخب ہونے کے بعد ہی سے دار القضاء کے نظام کی توسیع کو اپنی توجہ کا اولین مرکز بنایا۔ ۱۹۷۲ء میں متبنی بل پاس ہوا۔ اس کے خلاف سب سے پہلا احتجاج امارت شرعیہ نے کیا۔ اسی زمانہ میں عبدالکریم بھائی چھاگلہ نے قانون شریعت کے خلاف بیانات دیئے اور اعتراضات کئے۔ حضرت امیرؒ نے معاملہ کی نزاکت کو

سامنے رکھتے ہوئے اس طرف خصوصی توجہ دی۔ آپؒ نے اور قاضی صاحب نے دہلی کا سفر کیا۔ پھر بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد دیوبند میں ایک نمائندہ اجتماع منعقد کیا۔ جس کے پیچھے انہیں دونوں حضرات کی محنت کارفرما تھی۔ یہاں بمبئی میں کنونشن کی تجویز طے پائی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔ حضرت امیر شریعت رابعؒ اور حضرت قاضی صاحب نے اس سلسلہ میں تقریباً ایک ماہ بمبئی میں قیام فرمایا۔ یہاں تک ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو یہ کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں ایک ہزار سے زیادہ مختلف تنظیموں اور جماعتوں کے نمائندے اور پانچ لاکھ سے زیادہ لوگ شریک ہوئے۔ لوگوں کا تأثر تھا کہ خلافت تحریک کے بعد مسلمانان ہند کا اتنا نمائندہ اور بڑا کوئی اور اجتماع منعقد نہیں ہوا اور "مسلم پرسنل لا بورڈ" کی تشکیل کا محرک بنا۔ اس کے بعد سے تادم آخریں آپ اس تحریک کا قلب و دماغ بنے رہے۔ جس وقت بورڈ کی جنرل سکریٹری شپ کے لئے آپ سے اصرار کیا جارہا تھا۔ آپ کو اس ذمہ داری کے قبول کرنے میں تأمل تھا۔ مگر ہم لوگوں کے اصرار پر آپ نے قبول کیا اور اس شان کے ساتھ اس تحریک کو آگے بڑھایا کہ کئی بار آپ نے اس عہدہ سے سبکدوش ہونا چاہا۔ مگر ہمیشہ اکابر نے باصرار آپ ہی کو اس خدمت پر مجبور کیا۔

بعض بڑے نازک مواقع پر آپ نے جرأتمندانہ فیصلے کئے اور ایسی استقامت کا ثبوت دیا کہ اگر آپ ادنیٰ تزلزل کی نوبت آنے دیتے تو قوم و امت کے لئے بڑے خسران کی بات ہوتی۔ ۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی کے درمیان آپ نے کھل کر خاندانی منصوبہ بندی کے سرکاری پروگرام کی مخالفت کی۔ اس کے خلاف لکھا۔ اور تقریریں کیں۔ نیز امارت شرعیہ اس کی مخالفت میں فتاویٰ دیتی رہی۔ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد جو قضیہ نامرضیہ پیدا ہوا۔ اس کو حل کرنے کے لئے ایک ماہ اپنے اخراجات سے دہلی میں مقیم رہے اور اخیر وقت تک مصالحت کے لئے کوشاں رہے۔ بابری مسجد کے مسئلہ میں جب بعض حلقوں کی طرف سے ایسا عذر سامنے آنے لگا کہ وہ اس کی شرعی حیثیت کو نظرانداز کرکے مصالحت کی سوچ رہے ہیں۔ تو آپ نے عاملہ کا خصوصی اجلاس طلب فرمایا اور پوری جرأت کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کیا۔ کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہے اور اس میں کوئی لین دین نہیں ہوسکتی۔ بابری مسجد ہی کے سلسلہ میں ۱۳ ؍ فروری ۱۹۹۱ء کو آپ کا لکھنؤ کا سفر ہوا۔ سفر آپ کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ واپسی میں آپ کو بخار آگیا اور کالا آزار کی شکایت ہوئی۔

۹ مارچ کو دیناجپور میں دارالقضاء کی افتتاحی تقریب میں آپ کو جانا تھا۔ آپ علالت کی وجہ سے نہ جاسکے۔ قاضی صاحب بھی سفر پر تھے۔ اس لئے مجھے حکم فرمایا کہ مولانا محمد تسلیم صاحب کے ساتھ وہاں جائیں اور اصرار کے ساتھ کہا کہ فرسٹ کلاس سے جائیں تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ پھر آرام کا اتنا خیال رکھا کہ پوری تفصیل

بتائی اور یہ بھی نظم کیا کہ لوگ وہاں موجود رہیں۔ میں نے تعمیل حکم کی سفر سے واپسی پر فون پر رپورٹ سنائی۔ یہ ۲۰؍شعبان کی تاریخ تھی۔ پھر ۲۹؍شعبان کو چاند کے متعلق فون ہی پر قاضی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ ۲؍رمضان المبارک کو آپ نے راقم الحروف اور قاضی صاحب کو بعض اہم امور پر تبادلۂ خیال کے لئے خانقاہ طلب فرمایا تھا۔ یہ بھی اطلاع مل رہی تھی کہ اب صحت بہتر ہو رہی ہے۔ ۲۸؍شعبان تک آپ نے تمام ڈاک کا جواب دیدیا۔ ۳؍رمضان المبارک کو میں سنگی مسجد میں تراویح پڑھ کر واپس ہوا۔ تو امارت کے ایک کارکن نے مکان پر دستک دی اور حضرتؒ کے سخت علیل ہونے کی اطلاع دی۔ میں دفتر پہونچا اور مولانا محمد ولی رحمانی کو فون کیا جو اس وقت پٹنہ میں تھے تو معلوم ہوا کہ ابھی اطلاع آئی ہے کہ حضرت رحلت فرما گئے۔ یہ خبر بجلی بن کر گری۔ میں نے قاضی صاحب کو فون پر خبر دی تو وہ فون پر ہی رونے لگے۔ اور بے قابو ہو گئے۔ بڑی مشکل سے دو آدمی ان کو سہارا دے کر دفتر لائے۔ رات بھر ہم لوگ فون پر بیٹھے رہے اور ہر جگہ اس کی اطلاع دیتے رہے۔

صبح کی نماز کے بعد چھ بجے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو کر ۱۲ بجے دن میں مونگیر پہونچے۔ دیکھا تو چہرہ پر کرب کا کوئی اثر نہیں اور خاص قسم کی بشاشت تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آرام کر رہے ہیں۔ اخیر وقت تک ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ معمول کے مطابق آخری دن بھی قرآن مجید سنا۔ افطار کیا اور کرایا۔ تراویح میں شریک ہوئے، چار رکعت کے بعد خود بھی اٹھے اور مصلیٰ بھی اٹھایا اور فرمایا کہ آپ لوگ نماز پوری کریں۔ میں نہیں آؤں گا۔ دوسرے دن نماز ظہر سے ذرا پہلے غسل دیا گیا اور نماز کے بعد جامعہ رحمانی کے وسیع میدان میں بہت بڑے مجمع نے نماز ادا کی۔ میں نے ہی امامت کی۔ تدفین کے دوسرے دن خانقاہ کی مسجد میں اجتماع ہوا جس میں حضرت قاضی صاحب نے مختصر مگر نہایت مؤثر خطاب کیا۔ پھر انھیں کی تحریک پر مولانا روح اللہ رحمانی اور قاضی صاحب نے حل حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا عمامہ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے سر پر باندھا اور جبہ پہنایا اور سب لوگ ان کو لے کر حضرت رحمۃ اللہ کے حجرہ میں لائے اور ان کی جگہ بٹھایا اور دعا کی۔ اس طرح ۱۹۶۵ء میں حضرتؒ کے ساتھ کام کرنے کا جو موقع حاصل ہوا اور انھوں نے جو اعتماد فرمایا بحمد للہ ان کی وفات تک یہ تعلق اور اعتماد قائم رہا۔

آپ کے امارت کا ۳۴ سالہ دور، امارت شرعیہ کے لئے نہایت روشن دور تھا جس میں امارت کے تمام کارکنوں نے ایک ٹیم بن کر کام کیا اور آپ کی ہدایات کی روشنی میں امارت شرعیہ کی جدید عمارت بنی، بیت المال اسٹور اور ہسپتال بنا۔ اخیر دور میں بھاگل پور کے فساد کے موقع پر وہاں بازآبادکاری کا کام کیا گیا اور اس کے لئے حضرت نے بنفس نفیس ایک ماہ سے بھی زیادہ دفتر امارت میں قیام فرمایا۔ یہ آپ کے پورے دور امارت میں

سب سے طویل قیام تھا۔

۲۵/۲۶ سال کی اس رفاقت میں میں نے قریب رہ کر آپ کو دیکھا۔ آپ کی مردم شناسی، کام لینے کی غیر معمولی اور خصوصی صلاحیت۔ اوقات کی تنظیم اور پابندی۔ قوت فیصلہ۔ کارکنوں پر اعتماد و بھروسہ، رفقائے ساتھ حسن سلوک اور نماز و جماعت کا اہتمام آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ جو اس درجہ کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ معاملات کی صفائی میں آپ کا خاص وصف تھا۔ امارت شرعیہ کے بیت المال سے آپ نے کبھی کوئی رقم اخراجات سفر کے لئے نہیں لیا۔ دفتر آمد و رفت کا خرچ خود ہی برداشت کرتے۔ اور خانقاہ میں جب بھی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو یا کوئی اجتماع امارت کی دعوت پر بلایا، اس کا خرچ خود آپ نے پورا فرمایا۔ دفتر میں تشریف لاتے تو انچارج بیت المال سے سب سے پہلے اپنا حساب طلب فرماتے۔

واقعہ ہے کہ مسلمانان ہند کے لئے آپ کی رحلت بہت بڑا خسارہ ہے۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطاء فرمائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

* * * * *

سید المسلمین حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ

زندگی اور خدمات

از مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی مفتی دار العلوم دیوبند

انگریزی دور حکومت میں ملک غلام تھا، تعلیم و تربیت کی بظاہر کمی تھی اور دوسری سہولتیں کمیاب تھیں مگر ذہن و فکر اور دل و دماغ آزاد تھے، ان میں توانائی اور جولانی شباب پر تھی یہی وجہ ہے کہ اس دور میں جو لوگ پیدا ہوئے وہ ذکی و ذہین تھے، ان میں قوت عمل بہت زیادہ تھی، اور انہوں نے اپنے دور میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، ایک ایک شخص ایک پوری اکیڈمی کے برابر شمار ہوتا تھا، ان میں ہمت و جرأت تھی اور خدمت ملک و ملت کا بے پناہ جذبہ موجزن تھا، آج ان کے کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ غلام ملک کے باشندوں میں یہ جذبۂ عمل کیسے پیدا ہو گیا تھا، اور ان میں علمی نشو و نما کی ایسی ترقی کیوں کر ہوئی۔

دور غلامی : اس دور غلامی کے نامور علماء و مشائخ میں ہمارے ممدوح امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جن کی پوری زندگی ملک و ملت کے لیے وقف تھی، اور جو سراپا عمل تھے، کہتے کم، کرتے زیادہ تھے، آپ کے پدر بزرگوار اپنے دور کے ایک بڑے عالم دین اور مسلمانوں کے مرشد کامل تھے۔ دین اسلام کی حمایت میں سب سے آگے تھے، عیسائیوں کے خلاف محاذ کے سپہ سالار تھے اور جو بھی فتنہ اسلام کے خلاف سر ابھارتا اس کا سر کچل دینے میں پیشوائی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ جن کی زندہ جاوید یادگار ہے۔

قطب العالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کو کون نہیں جانتا، جنہوں نے عیسائیت اور قادیانیت کے خلاف سیکڑوں کتابیں تصنیف کیں، اور ان کے خدوخال کو اجاگر کیا، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک ان کے قلعے مسمار نہیں ہو گئے اور ان کے مبلغین نے میدان سے فرار نہیں اختیار کر لیا۔

مولانا سید منت اللہ کا خاندان: حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی آپ کے ہی سب سے چھوٹے فرزند ارجمند ہیں جو اپنے والد کے صحیح معنی میں جانشین تھے، دینی غیرت وحمیت کے پیکر اور ملت اسلامیہ کے پشتیبان تھے، ملک وملت کی خدمت اور کتاب وسنت کی اشاعت آپ کا خاص وظیفہ تھا، دن رات ملت کے لیے بے چین رہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دور اندیشی اور دور بینی کا ملکہ راسخہ عطا فرمایا تھا، جو قدم اٹھاتے بہت مضبوط ہوتا، اور جو کچھ فرماتے اس میں قوت ہوتی، بڑی سے بڑی دھمکی سنتے اور سخت سے سخت مخالفت دیکھتے مگر آپ پر اس کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آپ کا بھروسہ رب ذوالجلال پر ہوتا، اور جس کام کو حق جانتے اس پر گامزن رہتے، اور آگے بڑھتے جاتے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار کرتا۔

مولانا کی تعلیم وتربیت: مولانا اپنے والد محترم کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے، اس لیے آپ پر والد محترم کی خصوصی نظر تھی اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی، بیشتر اس بچے کو اپنے ساتھ رکھتے، بلکہ سفر میں بھی ساتھ لیجاتے، آپ کی تعلیم وتربیت کا خصوصی نظم فرمایا، اپنی زندگی میں ذی استعداد اور اللہ والے اساتذہ کا آپ کے لیے انتخاب فرمایا، گھر پر رکھ کر ابتدائی تعلیم دلائی، ناظرہ قرآن شریف اور اردو فارسی خانقاہ رحمانی میں رہ کر پڑھی۔

عربی کی پہلی کتاب میزان الصرف خود والد بزرگوار نے بطور تبرک شروع کرائی اور تعلیم مولانا علی عظیم گیلانی اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے دی، ابتدائی عربی صرف ونحو اور منطق میں ان دونوں اساتذہ نے محنت کرائی گیارہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے آپ کو مفتی عبداللطیف صاحب کے پاس حیدر آباد بھیج دیا گیا جو اس وقت صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی تھے۔ انہوں نے صرف ونحو اور منطق کی اصطلاحات میں آپ کو خوب اچھی تمرین کرائی جس سے استعداد پختہ ہو گئی، ذہین وذکی تھے ہی، مفتی صاحب پوری محنت لیا کرتے تھے اور تمام اصطلاحات زبانی رٹا کر ہر ہفتہ اس کا امتحان لیتے ذرا بھی اس میں رحم وکرم نہیں کرتے تھے، مفتی صاحب حضرت مونگیری کے خاص لوگوں میں تھے اور اپنے دور کے مشہور استاذ تھے اور بڑے جید الاستعداد تھے۔ لیکن حیدر آباد مولانا کا صرف ایک سال رہنا ہوا، پھر وہاں سے واپس آگئے۔

مولانا ندوہ میں : اب آپ کو آپ کے ابا نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھیجدیا، وہاں آپ نے مسلسل چار سال تعلیم حاصل کی۔ ندوہ میں اس وقت طلبہ کی بھیڑ نہ تھی، بہت مخصوص طلبہ رہتے تھے اور تعلیم و تربیت کا بہت معقول نظم تھا، ندوہ میں آپ نے وہاں کے مشہور ترین اساتذہ سے علم حاصل کیا، جو اپنے علم و عمل میں ممتاز مقام رکھتے تھے جیسے حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی، حضرت مولانا محمد شبلی صاحب متکلم، اور حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب وغیرہم۔

دار العلوم ندوہ کا یہ دور شباب تھا، تعلیم و تربیت پر خاص نگاہ تھی، بھیڑ بھاڑ قطعاً نہیں تھی، عام طور پر رئیسوں کے لڑکے ہوتے تھے، اس وقت پورے مدرسہ میں عربی کے سو طلبہ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

مولانا مرحوم پڑھنے لکھنے میں اپنے ساتھیوں اور اپنے درجہ میں کافی ذہین شمار ہوتے تھے اور ذہانت و ذکاوت میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، اس لیے اساتذہ کی نظروں میں آپ کی بڑی وقعت تھی، ہر چھمہے امتحان ہوا کرتا تھا، جس کے نمبرات زیادہ ہوتے وہ لڑکے اساتذہ سے قریب بیٹھا کرتے تھے، یہیں ندوہ میں آپ نے تحریر و تقریر میں حصہ لیکر ادبی ذوق پیدا کیا اور قلم اور زبان دونوں کی شستگی اور روانی پیدا کی

والد محترم کی وفات : ابھی آپ ندوہ میں زیر درس ہی تھے، اور مشکوۃ کی جماعت میں شریک تھے کہ آپ کے والد ماجد قطب العالم حضرت مونگیری کی ۱۳۴۶ھ میں وفات ہو گئی اور آپ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا، اس وقت آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔

مولانا کا پہلا حج : والد محترم کی وفات کے بعد جب آپ کا پورا خاندان ۱۹۲۹ء میں حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا تو اس وفد میں آپ بھی شریک تھے، یہ آپ کا پہلا حج تھا، حجاز سے جب وطن واپس آگئے تو صحت گر گئی اور مرض میں مبتلا ہو گئے، یہ بیماری کوئی پانچ ماہ رہی، اس کی وجہ سے کچھ دنوں وطن میں تعلیم بند کر کے رہنا پڑا اور مدرسہ نہیں جا سکے،

الجامعہ کی اڈیٹری : جامعہ رحمانی سے اس وقت ایک علمی ادبی پرچہ نکلا کرتا تھا جس کا نام الجامعہ تجویز ہوا تھا، اس رسالہ کا ایڈیٹر مولانا مرحوم کو ہی بنایا گیا تھا، مگر پورے نام کے بجائے صرف کنیت ٹائیٹل پیج پر ہوا کرتی تھی، یعنی ابو الفضل آپ نے اس دور میں اچھے مضامین لکھے اور وہ سب الجامعہ میں شائع ہوئے۔ آپ کے مضامین علمی اور تحقیقی ہوتے تھے، اور اہل علم شوق کے ساتھ پڑھتے تھے، دو سال تک اس رسالہ میں آپ کے قلم کی جولانی قائم رہی۔

مولانا دار العلوم دیوبند میں : تکمیل درسیات کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لائے، یہ ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ مسلسل چار سال رہ کر آپ نے یہاں تکمیل کی اور دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، تصنیف و تالیف اور مضمون

نگاری کا ذوق ندوہ پیدا ہو چکا تھا، اس کی آبیاری دار العلوم میں ہوئی "تعلیمی ہند" نامی کتاب اسی دور کی یادگار ہے۔

ہندستان میں اس وقت انگریزی حکومت کے خلاف سخت احتجاج ہو رہا تھا، سول نافرمانی کا زور تھا جس میں تعلیم گاہوں کے طلبہ اور اساتذہ بھی شریک تھے، انگریزی حکومت کے خلاف ہندستان کا بچہ بچہ نعرہ لگاتا پھرتا تھا،

جنگ آزادی میں مولانا کا حصہ: دنیا جانتی ہے کہ دار العلوم دیوبند جنگ آزادی میں پیش پیش تھا، اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے انگریزوں کے خلاف ایجی ٹیشن جاری تھا، اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے مستقل صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تھے اور ناظم مولانا احمد سعید دہلوی، دار العلوم دیوبند سیاسی میدان میں بہت آگے تھا، دار العلوم کے بعض طلبہ اور اساتذہ بھی اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی لوگوں میں تھے، تحریک ۱۹۳۲ء میں حضرت مدنی ایک موقع سے ڈکٹیٹر بنائے گئے اور آپ ایک جماعت کے ساتھ دہلی روانہ ہوئے حکومت نے آپ کو راستہ میں گرفتار کر لیا مگر آپ کے ساتھ جو طلبہ جا رہے تھے وہ سب دہلی پہونچے اور جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے اسٹیشن سے دفتر جمعیۃ علماء کی طرف روانہ ہوئے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اس جماعت کی قیادت فرما رہے تھے، چاندنی چوک میں جب یہ جلوس پہونچا، تو پولیس نے اس پر لاٹھی چارج کیا جس میں بہت سارے طلبہ زخمی ہوئے خود مولانا رحمانی بھی زخمی ہوئے، دفتر پہونچنے سے پہلے یہ سارا قافلہ گرفتار کر لیا گیا، مولانا کی یہ باضابطہ پہلی گرفتاری تھی، اس وقت کے قاعدہ کے مطابق حکومت نے حوالات میں ان سب کو ایک ہفتہ رکھ کر رہا کر دیا۔

آزادی کی خاطر مولانا سہارنپور میں: اسی زمانہ میں دہلی سے جب واپس تشریف لائے تو سہارنپور شہر میں آپ کو تحریک آزادی کا ذمہ دار بنایا گیا، تین ماہ سہارنپور میں رہ کر تحریک چلاتے رہے، یہ کام چھپ کر کرتے تھے، مسجد پہونچ کر مسلمانوں میں تقریر کرتے اور حکومت کے خلاف تحریک میں حصہ لینے کے لیے مسلمانوں کو ابھارتے اور آمادہ کرتے، جامع مسجد میں عام طور پر بعد نماز جمعہ تقریر ہوا کرتی تھی، نوجوانوں کو آمادہ کر کے شہر میں شراب کی دو کانوں پر جا کر حکومت کے خلاف پیکیٹنگ کرنے، لوگوں کو شراب پینے اور خریدنے سے منع کرتے، پولیس پہونچتی اور ان سمجھانے والوں کو گرفتار کر کے جیل بھیجتی تھی

حکومت اس تحریک سے پریشان تھی، تحریک مسلسل جاری تھی، چوتھے مہینے میں تحریک کے قائد مولانا رحمانی خود گرفتار کر لیے گئے اور جیل بھیج دیے گئے، آپ کو چار ماہ قید کی سزا سنائی گئی چنانچہ آپ کو جیل میں چار ماہ گذارنے پڑے یہ انگریزی حکومت کے دور کا جیل تھا سخت اذیتیں برداشت کرنا پڑیں کیونکہ آپ سیاسی قیدی تھے اور دار العلوم سے آپ کا تعلق تھا۔

ناز و نعمت میں پالے ہوئے اس نوجوان کو جیل کا کھانا کھانا پڑا، مولانا بیان فرماتے تھے کہ وہاں کھانے کی

صورت یہ تھی کہ ناشتہ میں تھوڑا بھنا ہوا چنا ملا کرتا تھا اور دوپہر اور رات کے کھانے میں جو اور گیہوں ملے ہوئے آٹے کی کچی پکی روٹی، دال جلی ہوئی، ترکاری بلا نمک کی اور عموماً بگی ہوا کرتی تھی، چنانچہ ساڑھے تین ماہ آپ نے نمک سے روٹی کھائی، ترکاری اور دال نہیں کھا سکتے تھے۔

جیل کی اذیتیں: آپ کو جیل میں کپڑے کی بھی سخت تکلیف تھی، اس زمانہ میں سہارنپور دیوبند میں بڑی تیز سردی پڑتی تھی، چلے کی اس تیز سردی میں بھی وہی جیل کا نیم برہنہ کپڑا استعمال کرنا پڑتا تھا اور رات میں صرف ایک کمبل اوڑھنے کو ملتا تھا کمرے کے سلاخوں میں نہ پردہ ہوا کرتا تھا اور نہ کواڑ پٹ، کھلا ہوا کمرہ تھا جس سے تیز ہوا آتی رہتی تھی، اس سردی میں ایک معمولی سے کمبل سے جاڑا کیسے جا سکتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پوری رات میں مشکل سے ایک سوا گھنٹہ سو پاتے تھے۔ ورنہ پوری رات اللہ اللہ کر کے گذارنا پڑتی تھی، سردی کی رات پہاڑ بن جاتی تھی۔ اور بڑی مشکل سے کٹتی تھی۔

جیل میں بھائی صاحب کی آمد: جیل میں جو کپڑا پہننے کو ملتا تھا اس میں آدھے آستین کی دو بنیان تھی، جو صرف کمر تک ہوا کرتی تھی دو نیکر (ہاف پینٹ) جن میں گھٹنے کھلے رہتے تھے، اور دو رومال جس کی چوڑائی صرف بالشت بھر ہوتی تھی، اور لمبائی دو ہاتھ۔ مختصر یہ کہ بڑی تکلیف کی زندگی تھی، مگر چار ماہ تک اسے برداشت کرنا پڑا، جیل جانے کی خبر جب خانقاہ رحمانی میں پہونچی تو اس وقت والدہ اور بھائی تھے، والد کا پہلے ہی وصال ہو چکا تھا، آپ کے بڑے بھائی مولانا لطف اللہ صاحب مونگیر سے چل کر دیوبند پہونچے، حضرت مدنیؒ سے ملے اور انہیں شامل کر کے سہارنپور جیل پہونچے جب مولانا مرحوم اپنے جیل کے لباس میں ان بزرگوں کے سامنے آئے تو دونوں کے آنکھوں میں بے ساختہ آنسو تیرنے لگے، حلیہ دیکھا نہیں گیا، اتفاق سے اس وقت کے ڈپٹی جیلر حضرت مدنیؒ کے عقیدت مندوں میں تھے اور مسلمان تھے، حبیب اللہ نام تھا، حضرت نے فرمایا، یہ حضرت مونگیریؒ کے صاحبزادے ہیں، اور یہ ان کے بڑے بھائی ہیں جو ملنے تشریف لائے ہیں۔ جیلر صاحب نے عرض کیا اتنی رعایت ہو سکتی ہے کہ میں اپنے گھر سے ان کے لیے روزانہ کھانے بھجوا دیا کروں گا، یہ سن کر مولانا رحمانی مرحوم نے فرمایا مجھے جناب کی یہ رعایت نہیں چاہیے کیوں کہ میں تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ دوسرے بہت سے رضاکار بھی ہیں اور سبھوں کے لیے یہ رعایت ناممکن ہے اس لیے تنہا یہ رعایت کیسے قبول کر سکتا ہوں، یہ بری بات ہوگی کہ میں تنہا اچھا کھاؤں اور میرے سارے ساتھی جیل کے کھانے پر گذارہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سب ایک ہی حال میں رہیں اور جو جیل کا انتظام ہے اس پر قناعت کریں۔

البتہ اس کی رعایت ضرور چاہوں گا کہ میرے اور میرے ساتھیوں کے ہاف پینٹ میں نیچے اتنے کپڑے لگوا دیے جائیں کہ گھٹنے چھپے رہیں، اور ہماری نماز میں ستر پوشی کے ساتھ ادا ہو سکیں، چنانچہ ڈپٹی صاحب نے حکم دے کر ان

کے ہاف پینٹ میں کپڑے لگوادیے تاکہ ان کے گھٹنے کھلے نہ رہنے پائیں۔

مولانا کا جیل میں مشغلہ علمی: رمضان کا مہینہ آیا تو جیل میں ہی تراویح کی نمازیں شروع کردی گئیں، حافظ رحمت اللہ صاحب شاہجہاں پوری نے پورے ماہ کی تراویح میں ایک ختم قرآن سنایا اور دوسرا ختم تہجد میں سنایا۔ حضرت مولانا رحمانی جیل میں مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اولین کا ان طلبہ کو درس دیا کرتے تھے جو جیل میں ساتھ تھے اور پڑھنا چاہتے تھے، جیل میں سردی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں سوج گئے تھے جب جیل سے باہر آئے تو جاکر یہ سوجن ختم ہوئی۔

جیل سے رہائی: جیل کی زندگی بڑی صبر آزما تھی مگر مولانا نے اسے ہنسی خوشی گذاردی، اور ہمت نہیں ہاری آزادی کے بعد جب اعلان ہوا کہ غلامی کے دور میں جو لوگ جیل گئے تھے انہیں حکومت وظیفہ دیگی تو حضرت مولانا نے اس پر ذرا بھی توجہ نہیں دی اور اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی ادنیٰ وسوسہ بھی آپ کے دل میں پیدا نہیں ہوا، اور نہ ہی اس زندگی کا تذکرہ کرکے آزاد ہندستان کی حکومت سے کوئی رعایت چاہی، جو کچھ کیا تھا اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا، اور اسی سے اجر کے طالب رہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو بہت نوازا تھا۔

مولانا کی فراغت: مختصر یہ کہ ندوہ کی تعلیم کے بعد مکمل چار سال دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ تعلیم حاصل کی ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل ہوئی اور تعلیم مکمل کرکے مونگیر پہونچے، یہاں کتب خانہ موجود تھا، اس میں مطالعہ شروع کردیا۔

۱۹۳۴ء کا زلزلۂ بہار: مگر اسی سال اخیر رمضان میں ۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو بہار کا مشہور تاریخی زلزلہ آیا جس سے ہزاروں افراد لقمۂ اجل ہوگئے، اور مونگیر، دربھنگہ، مظفرپور اور چمپارن میں ہزاروں مکانات زمین بوس اور مٹی کے ڈھیر بن گئے، یہ وقت بہار کے باشندوں کے لیے بڑا ہی حوصلہ شکن تھا عوام وخواص بیحد پریشان تھے اور امداد کے محتاج تھے۔

مولانا کی خدمات: مولانا مرحوم ابھی تازہ دیوبند سے تشریف لائے تھے اور تعلیم ختم کرکے آئے تھے، خدمت خلق کا بے پناہ جذبہ تھا، اپنے شہر اور ضلع کا حال دیکھ کر دم بخود تھے، وہاں کے باشندے زیادہ برباد ہوگئے تھے، آپ نے ان کی امداد ضروری سمجھی، ریلیف کمیٹی قائم کی اور مسلسل آٹھ نو مہینے اس سلسلہ میں بھاگ دوڑ کرتے رہے اور مصیبت زدوں کو مدد پہونچاتے رہے۔

نائب امیر شریعت سے ملاقات اور اسمبلی کی ممبری: اسی زمانہ میں آپ کی ملاقات حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت سے ہوئی جو اس کام میں پیش پیش تھے اور امارت شرعیہ کی طرف سے زلزلہ کے پریشان حال لوگوں کو ریلیف پہونچا رہے تھے، مولانا سجاد صاحب نے محسوس کیا کہ ملک وملت کی خدمت کا مولانا

رحمانی میں بڑا جذبہ کارفرما ہے چنانچہ ۱۹۳۵ء میں صوبہ بہار کے جمعیۃ علماء کا آپ کو ناظم اعلیٰ بنادیا گیا۔ خانقاہ رحمانی کے بہت اثرات تھے ہی، اس لیے کام پر بہت جلد قابو پالیا، مگر ۱۹۳۶ء میں الکشن ہوا، اس وقت جداگانہ انتخاب ہوا، مسلمانوں نے اپنے ووٹ مسلمان نمائندوں کو دیے اور غیر مسلموں نے غیر مسلموں کو، اس الکشن میں مولانا کو بھی اسمبلی کے لیے مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی طرف سے کھڑا کیا گیا اور آپ نے اس شان سے کامیابی حاصل کی کہ آپ کے مقابل میں جو وکیل صاحب دوسری پارٹی سے کھڑے تھے انکی ضمانت ضبط ہوگئی، اوقاف پر ٹیکس لگانے کے سلسلہ میں آپ نے اسمبلی میں سخت مخالفت کی اور زبردست تقریر کی، اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے مولانا آزاد کانگریس کی طرف سے پٹنہ بھیجے گئے، ان سے گفتگو ہوئی اور بالآخر اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرنا پڑا تھا۔

جمعیۃ بہار صوبائی کانفرنس چھپرہ: ۱۹۳۸ء میں صوبائی جمعیۃ علماء کا اجلاس چھپرہ شہر میں کرنا طے پایا، اس وقت جمعیۃ علماء کا عوام میں پروپیگنڈہ جیسا چاہیے نہیں تھا، خاکسار اس زمانہ میں درجہ فوقانیہ کا سالانہ امتحان دینے پٹنہ حاضر ہوا تھا، اور اسی ضمن میں پھلواری شریف جاکر پہلی دفعہ امارت شرعیہ کا دفتر دیکھنے کی سعادت حاصل کی، جو خانقاہ مجیبیہ کے ایک گوشہ میں قائم تھا۔ ہمارا یہ امتحان اپریل میں ہوا تھا اور جمعیۃ کا جلسہ مئی میں تھا۔

اس جلسہ کی مسلم لیگ کی طرف سے بڑی سخت مخالفت ہوئی، مولانا سجاد صاحب اس جلسہ کے انتظام کے سلسلہ میں مدرسہ وارث العلوم چھپرہ محلہ کریم چک تشریف لائے اور ایک ہفتہ سے زیادہ قیام فرمایا، ہمارے اساتذہ کرام اس جلسہ کے انتظام میں ہمہ تن مشغول تھے، ہم چند طلبہ اس کے رضا کار تھے جو دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور اشتہار و اعلان کی خدمت انجام دے رہے تھے۔

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی بحیثیت جنرل سکریٹری اس اجلاس میں شریک ہوئے، اس صوبائی کانفرنس کی صدارت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی ناظم جمعیۃ علماء ہند نے کی۔ تین روزہ یہ کانفرنس خوب کامیاب ہوئی، گو مسلم لیگ نے بڑی سخت مخالفت کی اور کہنا چاہیے یہی موقعہ مسلم لیگ کے ابھرنے کا ثابت ہوا، جمعیۃ علماء کا اس سے اس سے پہلے کوئی خاص جھنڈا نہیں تھا۔ اسی اجلاس کے موقعہ سے یہ سیاہ وسفید دھاری کا جھنڈا تیار کیا گیا تھا، اور اجلاس میں لہرایا گیا تھا، اس وقت صوبہ میں کانگریسی وزارت قائم تھی ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت یہ وزارت بنی تھی۔

مسلم انڈی پنڈنٹ کی وزارت: ایک موقعہ سے جب کانگریس نے تمام صوبوں میں وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ تو بہار میں بھی یہی صورت حال پیش آئی۔ حکومت نے وزارت سازی کے لیے دوسری بڑی پارٹی مسلم انڈی پنڈنٹ

کو دعوت دی، پارٹی میں دو رائے تھی، ایک یہ رائے تھی کہ قبول نہ کی جائے، دوسری رائے یہ تھی کہ قبول کر لی جائے مولانا رحمانی کی رائے اسی رائے کے ساتھ تھی، چنانچہ امارت شرعیہ کے ایماء سے وزارت بنائی گئی، جس کے وزیر اعلیٰ مسٹر محمد یونس ہوئے تھے، اس وزارت نے تین ماہ کام کیا اور اسی دور میں اردو کا نفاذ کچہریوں میں پاس کیا گیا، جو اب تک رائج چلا آرہا ہے۔

دوسری صوبائی کانفرنس: جمعیۃ علماء کی دوسری صوبائی کانفرنس ۱۹۳۹ء میں دربھنگہ میں حضرت مدنیؒ کی صدارت میں ہوئی اور بڑی کامیاب ہوئی، بڑی تعداد میں علماء کرام شریک ہوئے اور عوام بھی، جمعیۃ کا اس راستہ سے بڑا تعارف ہوا۔ اور کہنا چاہیے جمعیۃ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، مولانا سجاد صاحب صوبائی جمعیۃ کے صدر تھے اور مولانا منت اللہ اس کے ناظم اعلیٰ۔

الہلال کا اجراء: اسی زمانہ میں مولانا منت اللہ صاحب نے پٹنہ سے اخبار "الہلال" نکالنا شروع کیا اڈیٹری میں نام تو کسی اور کا تھا مگر زیادہ تر مضامین و مقالات اور ایڈیٹوریل نوٹ مولانا ہی لکھا کرتے تھے۔ مولانا نے اسی زمانہ میں انگریزی زبان سیکھی اور انگریزی اخبار پڑھنے لگے اور ترجمہ کرنے لگے تھے، "الہلال" کافی دنوں تک نکلتا رہا اور بڑی آن بان سے نکلا، یہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا ترجمان تھا، اس پارٹی کے صدر بھی حضرت نائب امیر شریعت مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ: اسی درمیان میں مولانا نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور آپ کی بعض کتابیں بھی شائع ہوئیں جیسے تعلیمی ہند، ہند کی صنعت و تجارت، مولانا سجاد صاحب کی صحبت نے آپ کے سیاسی شعور کو پختہ کر دیا، ادھر قوت فیصلہ کی خوبی سے خود قدرت نے نوازا تھا، بیدار دماغی بھی قدرتی تھی، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء تک مالی اعتبار سے آپ زیادہ مطمئن نہیں تھے، کبھی کبھی مالی مشکلات میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے، مگر آپ نے کبھی ہمت نہیں ہاری، ملی و ملکی اور دینی خدمات برابر انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کی شادی بھی ہو چکی تھی۔

ملازمت کے لیے درخواست: اسی زمانہ میں جب علی گڈھ میں نظامت دینیات کی جگہ خالی ہوئی اور اس کے لیے درخواستیں طلب کی گئیں تو آپ نے بھی پہلی مرتبہ اور کہنا چاہیے آخری مرتبہ ملازمت کے لیے درخواست دی، بلکہ انٹرویو میں بھی شریک ہوئے، اس وقت علی گڈھ پر مسلم لیگ کا قبضہ تھا، آپ کو آپ کے سیاسی رجحان کی وجہ سے کامیابی حاصل نہیں ہوئی، پھر اس کے بعد کبھی آپ نے نوکری کا ارادہ نہیں کیا۔

تصوف وسلوک: تصوف وسلوک کے سلسلہ میں بیعت تو آپ کو اپنے والد ماجد سے ہی حاصل تھی، لیکن تعلیم وتربیت کے لیے والد محترم نے آپ کو اپنے خلیفہ مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوری کے سپرد فرمایا تھا، والد محترم کی وفات کے بعد بھی ان سے وابستہ رہے اور انہوں نے ہی خلافت دی، یوں آپ کا تعلق مولانا کے بعد حاجی محمد شفیع صاحب سے بہت کافی عرصہ تک رہا جو حضرت مولانا فضل الرحمن کے مرید وخلیفہ تھے، تعویذ کا فن مولانا نے ان سے ہی حاصل کیا اور اس کی اجازت ان سے ہی حاصل تھی۔

سجادہ نشینی: ۱۹۴۲ء میں آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا، جو اب تک والد مرحوم کے بعد خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین تھے، اس کے بعد آپ کے رجحانات سیاسی کے بجائے روحانی واصلاحی ہوتے گئے اور عملی سیاست سے کنارہ کشی ہوتی گئی اور پھر بہت جلد وہ دور آیا کہ آپ خانقاہ کے فیوض وبرکات کے مرجع بن گئے، اور بڑی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ ادارت میں داخل ہونے لگے جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے، اس سلسلہ میں اپنے حلقہ میں آپ کا آنا جانا بھی شروع ہوا اور پھر اس میں زیادہ وقت صرف ہونے لگا، آپ کا سلسلہ خاندانی مختلف شہروں اور دیہاتوں میں پھیلا ہوا تھا، چنانچہ آپ کو ہر چھوٹی بڑی آبادی میں جانا پڑتا تھا اور اس سلسلہ میں مشقتیں اٹھاتے تھے۔

جامعہ رحمانی کی نشاۃ ثانیہ: سجادہ نشینی کے زمانہ میں آپ نے جامعہ رحمانی کی نشاۃ ثانیہ کا بھی ارادہ فرمایا جو ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۴ء تک چل کر بند ہوگیا تھا، زلزلہ ۱۹۳۴ء کی وجہ سے بند ہوا تھا۔ یہ مدرسہ آپ کے بڑے بھائی کی یادگار تھا۔ ۱۹۴۳ء میں جامعہ کو آپ نے دوبارہ وجود بخشا اور خود پڑھانا شروع کیا، ابتدار آپ نے چار طلبہ سے کیا تھا مگر بتدریج یہ ترقی کرتا گیا، پہلے ایک دوسرے معلم کو بلاکر رکھا، پھر تدریجی طور پر معلمین وطلبہ میں اضافہ ہوتا گیا، اور آج بحمد اللہ وہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے، پانچ چھ سو بلکہ زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور دسیوں معلمین خدمت تدریس انجام دے رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ یہ ترقی کرتا رہے گا۔ دو کتابوں کا سبق پابندی سے آپ خود عرصہ تک پڑھاتے رہے۔

جامعہ کی عمارت: ابتدار میں یہ جامعہ خانقاہ کے حدود اور اس کی عمارت میں تھا، پھر مولانا کو خیال ہوا کہ جامعہ کی مستقل عمارت ہونی چاہیے تاکہ وہ زیادہ پھیل سکے تو آپ نے خانقاہ کے بالکل سامنے خانقاہ کے گیٹ کے جنوب میں سڑک کی دوسری طرف مدرسہ کے لیے ایک کشادہ زمین کا رقبہ حاصل کیا اور اس میں مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع کیا، بہت جلد اس کے لیے ایک لمبی چوڑی سہ منزلہ عمارت تیار ہوگئی، سامنے ایک وسیع کشادہ

میدان رکھا، اس کے ہر چہار طرف کھلی ہوئی زمین چھوڑی پیچھے کے حصہ میں طلبہ کے لیے پانی کی ٹنکی، بیت الخلا اور غسل خانے بنوائے گئے، پھر کچھ عرصہ بعد اس جامعہ کے مغرب میں زمین کا ایک لمبا پلاٹ خریدا، اور اس میں ادھر ادھر جو بکھرے ہوئے مسلمان تھے ان کو لاکر پورا محلہ بسایا، اس طرح ماشاء اللہ ایک اچھی خاصی مسلم آبادی ہوگئی۔

کتب خانہ خانقاہ کی تعمیر: ایک زمانہ میں خیال آیا کہ بانی خانقاہ قطب العالم حضرت مونگیریؒ کی وصیت ہے کہ کتابوں کے لیے ایک کتب خانہ بناکر کتابیں اس میں منتقل کردی جائیں، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر مسجد کے آگے ایک حوض بنایا کہ نمازیوں کو وضو کرنے میں سہولت ہے اور اس کے اوپر کتب خانہ کی بنیاد رکھی اور ایک کشادہ عمارت کتب خانہ کے لیے تعمیر کرائی جو بڑی نفیس ہے، اور کتب خانہ کا درمیانی حصہ ایک وسیع ہال ہے، جس میں علمی جلسے ہوتے رہتے، جب کتب خانہ کی تعمیر ہوچکی تو اس کا شاندار افتتاح فرمایا۔ دیوبند سے اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام حضرت مدنی اور دار العلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو بلایا۔ بہار کے تمام قابل ذکر علماء کو دعوت دی جنکی تعداد تین چار سو ہوگئی۔ شہر کے معززین اور اہل علم کو بھی شرکت کی دعوت دی۔

نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی کی صدارت میں کتب خانہ کے وسیع ہال میں افتتاحی اجلاس ہوا حضرت مدنیؒ اور حضرت قاری صاحبؒ کی تقریریں ہوئیں۔

اس اجلاس میں خاکسار نے بھی ایک علمی مقالہ پڑھا تھا جو علماء کرام کو بہت پسند آیا۔ اور وہی مقالہ دار العلوم دیوبند آنے کا میرے لیے زینہ ثابت ہوا۔ یہ مقالہ بعد میں رسالہ دار العلوم میں چار قسطوں میں چھپا۔

خانقاہ کے کمروں کی تجدید: پھر بتدریج خانقاہ کے چھوٹے قدیم کمروں کو بڑے جدید کمروں میں اپنے سلیقہ سے تبدیل کیا اور چھوٹی مسجد کی جگہ ایک کشادہ وسیع مسجد کی بنیاد رکھی اور لمبے بہت شوق سے نئے ڈیزائن پر تعمیر کرایا۔ جس سے خانقاہ اور کتب خانہ دونوں کی رونق دوبالا ہوگئی، گویا ایک نیا چمن کھلایا اور اس کی چمن بندی، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی زبان میں بڑی تاثیر دی تھی۔ جو سوچا اور جیسا کرنا چاہا غیب سے قدرت نے مدد دی اور وہ سارے کام ہوتے گئے۔

مولانا پر کیفیت: ایک زمانہ میں ایک منتظم علیحدہ ہوئے تو انہوں نے حساب پیش کیا جس میں جامعہ پر پچھتر ہزار کا قرض گرایا۔ اس زمانہ میں جب میں خانقاہ حاضر ہوا تو حضرت مولانا پر ایک خاص کیفیت طاری دیکھی، مجھ سے ایک رات تنہائی میں فرمانے لگے مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل و کرم رہا ہے، آپ جانتے ہیں یہ ساری عمارتیں نئی ہیں، اور چند سالوں میں تعمیر ہوئی ہیں پہلے اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا مگر میں نے ارادہ کیا، کوششیں

کیس اور قدرت نے ساتھ دیا۔ سب کچھ ہوتا چلا گیا۔ اب دیکھتا ہوں علمائے کرام ہی زندگی ہی میں لڑنے لگے ہیں ایک صاحب علیحدہ ہوئے ہیں تو انہوں نے پچھتر ہزار کا جامعہ پر قرض دکھایا، ٹھیک ہے ہوگا، اور ان شاء اللہ یہ بھی ادا ہوگا مگر بار بار خیال آتا ہے کہ کیا میرے بعد میری ساری محنتیں اکارت جائیں گی، آخر کیا ہوگا؟ اگر علماء کرام کا یہی حال رہا، مولانا کی آواز بھر آگئی اور اس پر دیر تک تاسف کا اظہار کرتے رہے۔

میں نے عرض کیا حضرت! یہ دنیا ہے ایسی باتیں عجیب نہیں ہیں، باقی یہ جامعہ اور آپ کی یہ خانقاہ انشاء اللہ آپ کے بعد بھی قائم رہے گی اور ان کے فیوض و برکات جاری رہیں گے، آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے آئندہ کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے لیکن میرا دل کہتا ہے یہ جامعہ ترقی کریگا آپ کی اولاد اسے برقرار رکھے گی، اور آپ کا اخلاص پھل پھول دیتا رہے گا، خانقاہ آباد رہے گی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری باتوں سے مولانا کا درد دل کم ہوا، اور اس کیفیت میں کمی آئی جو رنج و غم کی صورت میں آپ پر طاری تھی۔

دورۂ حدیث کا افتتاح: جامعہ میں جب دورہ حدیث کا افتتاح کیا تو اس موقعہ سے ہندوستان کے تمام اہل علم علماء کرام کو دعوت دی اور سبھوں کو اصرار کے ساتھ اس موقع سے بلایا۔ دیوبند سے حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب صدر المدرسین اور مولانا فخر الحسن صاحب، کلکتہ سے حضرت مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ، بھوپال سے مولانا عمران خاں ایسی دار العلوم ندوہ اور دوسرے تمام مدارس سے اہل علم آئے، بہار کے تقریباً سارے علماء تھے حضرت مولانا بہاری اور خاکسار بھی شریک تھا، بہت شاندار افتتاح ہوا، اور عمدہ علمی تقریریں ہوئیں۔

حفظ قرآن پر توجہ: اخیر دور میں حفظ قرآن پر بڑا دھیان تھا، درجہ حفظ کو بہت ترقی دی، ڈیڑھ سو طلبہ تک اس درجہ میں داخل کیے، اور ان تمام کی مدرسہ کی طرف سے کفالت قبول کی، یہ درجہ مسجد میں لگتا ہے، صبح کی نماز کے بعد سارے طلبہ (عربی و فارسی اور حفظ کے) جن کی تعداد پانچ چھ سو سے زیادہ ہوگی اور تمام اساتذہ آدھ گھنٹہ تک پابندی کے ساتھ تلاوت میں مشغول رہتے ہیں عموماً اس موقع سے حضرت مولانا ہاتھ میں تسبیح لیے مسجد میں صحن میں پھرتے رہتے ہیں اور اس منظر کو دیکھتے رہتے ہیں اور مسرت سے آپ کا چہرہ تمتماتا نظر آتا تھا۔ مولانا کا دستور تھا کہ صبح کو پابندی سے تین بجے رات میں بستر چھوڑ دیتے اور تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح صادق ہوتے ہی اذان دلواتے اور پھر تمام لوگوں کو بیدار کرتے کہ سب جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اگر کبھی احساس ہوتا کہ مدرسین میں سے کچھ غائب ہیں تو اس دن آپ پر بڑا رنج و غم دیکھا جاتا اور بسا اوقات ان کو بلا کر تنبیہ بھی فرماتے کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ پانچوں وقت جماعت کی پابندی خود بھی فرماتے اور مدرسین و طلبہ کو بھی اس کی تاکید تھی کہ جماعت کسی کی چھوٹنے نہ پائے، اس پر پوری نظر رکھتے تھے۔

نماز جماعت کی پابندی: مسجد میں روزانہ کا معمول یہ تھا کہ سارے مدرسین وطلبہ اور محلہ کے دوسرے نمازی آجاتے اور سنتیں پڑھ کر صفوں میں بیٹھ جاتے، ٹھیک وقت پر حضرت کمرہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتے، نمازی آپ کو دیکھتے ہی اپنی اپنی جگہ صفوں میں کھڑے ہو جاتے، مولانا اپنی جگہ جونہی پہونچتے تکبیر شروع ہو جاتی۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وقت سے ایک منٹ کی بھی تاخیر ہوئی ہو، اور آپ کا نمازیوں کو انتظار کرنا پڑا ہو، میں چار پانچ ماہ مسلسل خانقاہ میں رہا لیکن نہ کبھی مولانا نے تاخیر کی اور نہ ناغہ کرتے دیکھا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ نماز پڑھتے ہوئے ہی رفیق اعلیٰ سے جاملنے کا آپ کو حکم ہوا، اور بڑے آرام کے ساتھ اپنے مولا کریم کے حضور حاضر ہو گئے، نہ رمضان کا کوئی روزہ قضا ہوا، اور نہ کوئی فرض نماز ذمہ میں باقی رہی، آخری نماز بھی باجماعت مسجد میں ادا کی۔

نصاب عربی کی اصلاح: ایک زمانہ میں نصاب عربی میں اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا، کمیٹی قائم کی، نصاب تعلیم پر از سر نو غور کیا گیا پھر اسے بہار کے تمام آزاد مدارس میں نافذ کیا، تمام مدارس کے امتحان کی تنظیم قائم فرمائی کہ ایک تاریخوں میں امتحان ہو، تمام کے پرچہ سوالات یکساں ہوں، اور ساتھ ہی نتیجہ شائع ہو۔ یہ تنظیم بھی بہت دنوں تک قائم رہی ممکن ہے اب بھی قائم ہو۔

مدارس ملحقہ کنونشن: پھر بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ کانفرنس بلائی، تمام مدارس ملحقہ کے مہتمم صاحبان اور صدر مدرسین کو دعوت دی، دارالعلوم دیوبند سے اس کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو بلایا، اور اس کانفرنس میں تعلیم پر تقریریں کرائیں، تجویز منظور ہوئیں کہ ان مدارس میں بھی تعلیم کی نگرانی ہو اور تعلیم میں جو خامیاں اور ڈھیل پیدا ہو چکی ہے وہ ختم ہو، غالباً یہ دو یا سہ روزہ کانفرنس تھی، خاکسار بھی اس میں شریک تھا اور تقریر بھی ہوتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کے نصاب کی اصلاح: پھر اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے نصاب پر نظر ثانی کی تحریک شروع ہوئی آپ ۱۹۵۵ء میں شوریٰ کے ممبر بنائے جا چکے تھے مگر اس پر سعی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخیر سالوں میں شروع کی تھی۔ میں ابھی نیا نیا دارالعلوم دیوبند آیا تھا۔ حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد بھی یہ سعی جاری رہی اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے زمانہ میں تھوڑی تبدیلی منظور کرائی، مثلاً مشکوٰۃ سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی تھی، اس اصلاح نصاب کے صدقہ میں دو نئے مجموعے حدیث کے مرتب ہوئے، الفیۃ الحدیث کے نام سے مولانا محمد منظور نعمانی نے ایک مجموعہ تیار کیا اور مشکوٰۃ الآثار کے نام سے مولانا سید محمد میاں صاحب نے، دونوں مجموعے چھپے اور نصاب تعلیم میں داخل ہوئے۔ اسی زمانہ میں مولانا وحید الزماں نے ادب کی ایک کتاب دو تین جلدوں میں مرتب کی اور وہ نصاب میں داخل ہوئی۔ عقائد میں بھی ایک کتاب پڑھائی گئی اور اس کی شرح حضرت مہتمم صاحب نے لکھی۔

دارالعلوم میں درجہ بندی: دارالعلوم دیوبند میں درجہ بندی نہیں تھی، کتاب بندی کا طریقہ رائج تھا، درجہ بندی بھی اسی اصلاح نصاب کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کی شروع میں بڑی مخالفت اساتذہ کی طرف سے ہوئی، مگر بالآخر جب نصاب کمیٹی کی تجویز مجلس شوریٰ نے منظور کر دی تو وہ نافذ ہوئی اور اب الحمد للہ درجہ بندی پر عرصہ سے عمل ہو رہا ہے، اس میں حضرت مولانا کی جدوجہد کا بڑا دخل ہے اور دارالعلوم کے ساتھ دوسرے تمام مدارس میں یہی نصاب درجہ بندی والا جاری کیا ہے۔

مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ جو چیز سمجھ میں آجاتی تھی، اسکے لیے جم کر سعی فرماتے، ممبران شوریٰ اور حضرت مہتمم صاحب سے بار بار اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کرتے، اور اپنی بات سمجھانے کی کوشش فرماتے۔

پہلے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو سلے ہوئے کرتے پاجامے ملا کرتے تھے، ایک زمانہ آیا کہ لڑکوں پر یہ کرتے اور پاجامے پہننے ناگوار ہونے لگے وہ سب حضرت مولانا سے ملے کہ سلے ہوئے کپڑوں کے بجائے کپڑے مدرسہ سے دلائے جائیں تاکہ ہم لوگ اپنے اپنے بدن کے ناپ پر سلوالیں، مولانا نے اس کو بدلوایا، پھر کپڑوں کے بجائے قیمتوں کے لیے درخواست کی، حضرت مولانا نے شوریٰ سے یہ بھی منظور کرایا کہ سال میں ایک مرتبہ کپڑوں کی قیمت دے دی جائے۔ چنانچہ اس وقت سے قیمت ہی دی جانے لگی۔

مولانا مجلس شوریٰ دارالعلوم میں: مجلس شوریٰ جب مولانا تشریف لاتے تو سبھوں کو ملنے کی اجازت ہوتی، سبھوں کی فریادیں سنتے اور جو معقول مطالبہ ہوتا اس کے منظور کرانے کی شوریٰ میں جدوجہد کرتے، اس دور کے طلبہ اور ملازمین سارے جو زندہ ہیں اس کی گواہی دیں گے، دارالعلوم کے طلبہ اور ملازمین کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہر دور میں بڑی جدوجہد کی، جونہی شوریٰ میں تشریف لاتے خاکسار کو بلاتے، بند کمرے میں سارے حالات معلوم کرتے، اس پر بحث کرتے، پھر طلبہ اور ملازمین سے ملتے تو اس سے آپ کو روشنی ملتی اور جو مناسب کام ہوتا اس کو بڑے اچھے انداز میں شوریٰ میں رکھتے اور منظور کراتے، حضرت مہتمم صاحب آپ سے کافی متاثر تھے، ایک لمبے عرصہ تک مولانا شوریٰ کے اہم رکن کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ بڑی بات یہ تھی کہ مولانا بے غرض تھے۔ کسی سے اپنا کوئی کام لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کسی اصلاحی اسکیم کے پیش کرنے میں بلند حوصلگی سے کام لیتے، اللہ تعالیٰ نے ذہن و فکر ایسا عطا کیا تھا اس سے کام لینا جانتے تھے، عام طور پر کوئی بھی معاملہ ہوتا بڑے اور چھوٹے سبھوں سے مشورے لیتے اور باضابطہ اس پر بحث کرتے جب تک بات منقح نہیں ہو جاتی سوال کرتے ہی جاتے، خاکسار کو اس کا بڑا تجربہ ہے، اور عام طور پر خود خاکسار کو بھی بلا کر مسائل پر بحث کرتے تھے، خواہ وہ علمی ہو یا اصلاحی یا سیاسی ہو، ایسا وسیع الظرف عالم کو دیکھنے میں آیا جس کے

سوچنے کا انداز ایسا کھلا ہوا ہو اور سبھوں کو وقعت دیتا ہو، مولانا مردم شناس تھے اور یہ بہت جلد معلوم کر لیتے تھے کہ کون کس ذہن کا ہے اور کس کا ذہن کھلا ہوا ہے اور کس کا بند، اپنے چھوٹوں سے مشورہ میں کبھی ناگواری محسوس نہیں فرماتے تھے بلکہ بلا کر مسئلہ اس کے سامنے رکھتے اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

ذہین نوجوان علماء کی تلاش: خاکسار سے فرما رکھا تھا کہ دار العلوم میں جو ذہین طلبہ فارغ ہوں ان کی خبر میں مولانا کو کرتا رہوں عام طور پر اپنے جامعہ کے لیے ایسے ہی ذہین علماء کا انتخاب فرماتے تھے، جامعہ میں بہت سارے وہی اساتذہ تھے جن کی میں نے نشاندہی کی تھی۔ صلاحیت علمی کے ساتھ ایک بات یہ بھی ضرور فرماتے تھے کہ آپ اس کو بھی پیش نظر رکھیں گے کہ ان فارغین میں اجتماعی زندگی گذارنے کی پوری صلاحیت بھی ہو، بعض قابل ہوتے ہیں مگر جماعتی زندگی گذارنے پر قادر نہیں ہوتے ان سے کام نہیں چلے گا۔

میں دار العلوم دیوبند میں جب سے آیا حضرت مولانا سے بہت قریب رہا، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ پورا اعتماد کرتے تھے، اور فرماتے تھے تمہارے لکھنے پڑھنے میں بڑی برکت خدا نے دے رکھی ہے، کام جلد کیسے کر لیتے ہو مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے، حالاں کہ بظاہر خاص محنت کرتے نظر نہیں آتے ہو۔ میں شرم سے گردن جھکا کر خاموش ہو جاتا، مولانا قدس سرہ کو خاکسار کی رائے پر بڑا اعتماد تھا اور مولانا کی حوصلہ افزائی سے مری توانائی میں اضافہ ہوتا رہا۔

خاکسار کا خود یہ خیال بلکہ یقین ہے کہ یہ ساری برکتیں اساتذہ کرام اور حضرت مولانا جیسے بزرگوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں آئی ہیں، بزرگوں اور اساتذہ کا نیک گمان بھی بہت کارگر ہوتا ہے اور آدمی کو آدمیت بخش دیتا ہے۔ اور کسی لائق بنا دیتا ہے۔

بہار کا فساد ۴۶ء: آزادی سے ایک سال پہلے ۱۹۴۶ء میں نواکھالی کے بعد بہار میں فرقہ پرستوں نے منظم پلان بنا کر فساد برپا کیا جس میں امارت شرعیہ اور اس کے اخبار کی رپورٹ کے مطابق چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے، حضرت مولانا رحمانی پر اس فساد کا گہرا اثر پڑا، اور اس میں زیادہ نقصان ضلع پٹنہ اور ضلع مونگیر کو پہونچا تھا کتنی ہی مسلم آبادیوں کا نام ونشان تک مٹ گیا بڑی سازش کے تحت یہ فساد ہوا تھا حکومت تو انگریزوں کی تھی مگر کانگریس وزارت کام کر رہی تھی۔

ریلیف میں مولانا کی جد وجہد: مولانا نے اس موقع سے بھی ریلیف کمیٹی بنائی اور مسلمانوں کی امداد میں سعی مسلسل کی، ایسے موقع سے مولانا نہ کبھی خوف زدہ ہوئے اور نہ ان کی ہمت وجرأت میں کمی آئی، ان دنوں میں خود مدرسہ میں پڑھانا بند کر دیا، اپنی جگہ دوسرے استاذ کو مقرر کر دیا تاکہ طلبہ کا نقصان نہ ہونے پائے اور دن رات مظلوموں کی امداد میں مشغول رہے صبح کی نماز پڑھ کر نکلتے تو عشاء کے وقت تشریف لاتے، مسلم لیگ والے جن سے سیاسی اختلاف تھا ان کو بھی اپنے ساتھ کیا

اور فرمایا یہ موقع اختلاف کا نہیں ہے، چنانچہ ان لوگوں نے بھی تعاون دیا۔

موٹر کا حادثہ: اسی زمانہ میں مولانا کو موٹر کا حادثہ پیش آیا، بریارپور کے قریب وہ جیپ الٹ گئی جس پر آپ مع رفقا کے سوار تھے، خود آپ اور آپ کے ساتھی سب بری طرح زخمی ہو گئے، مسلسل ڈیڑھ مہینے اسپتال میں صاحب فراش رہے، چلنا پھرنا بند رہا، اس کے بعد مشکل سے کچھ چلنے پھرنے کی سکت ہوئی، توانائی بہت دنوں میں پیدا ہوئی، اس حادثہ سے آپ کی صحت کافی مضمحل ہو گئی، مگر خدمت ملک و ملت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

انتخاب امیر شریعت رابع: مارچ ۱۹۵۷ء میں چوتھے امیر شریعت کا انتخاب ہوا، تو اس انتخاب میں آپ امیر شریعت رابع متفقہ طور پر منتخب کیے گئے، یہ ایک نئی ذمہ داری تھی، مگر چونکہ آپ بہت پہلے سے امارت شرعیہ سے وابستہ تھے خود آپ کے والد بزرگوار کے ایماء ہی سے حضرت مولانا بدر الدین صاحب قدس سرہ امیر اول منتخب ہوئے تھے، پھر انڈی پینڈنٹ پارٹی سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا جو امارت ہی کے زیر سایہ کام کر رہی تھی۔

بحیثیت امیر خدمات: مختصر یہ کہ جب امیر منتخب ہوئے تو حسب قاعدہ بحیثیت امیر دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف بعض ممبران شوریٰ کے ساتھ تشریف لے گئے اس کا معائنہ فرمایا اور کتاب الاحکام پر پہلا معائنہ تحریر فرمایا، اس میں وسیع پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا بالخصوص دار القضاء کے محکمہ کو پھیلانے پر موجودہ دور کا تقاضا بتایا۔ اس کے خاص خاص گوشے یہ تھے (۱) امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے (۲) امارت کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گذار سکیں (۳) تمام مختلف مسلک اور خیال کے ادارے اور اشخاص امارت شرعیہ کے گرد جمع ہوں اور تعاون دیں (۴) محکمہ قضا جو امارت شرعیہ کا سب سے اہم شعبہ ہے اس کے نظام کو پورے صوبے میں پھیلایا جائے (۵) کارکنان امارت شرعیہ کا فرض ہے کہ وسعت نظر اور فراخدلی سے کام لیں (۶) فروعی اور جزئی اختلافات سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھیں (۷) جب تک کسی مسلک اور خیال سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ ہو رواداری ترک نہ کریں۔

حضرت مولانا نے امارت شرعیہ کو فعال متحرک اور مستحکم بنانے کے لیے پوری جدوجہد کی اور اس کے نظام کو بہار و اڑیسہ دونوں صوبوں میں پھیلایا، ہر گاؤں میں اس کی تنظیم قائم کی اور اس کے تمام شعبہ جات کو آگے بڑھایا، جگہ جگہ دار القضاء قائم کیے اور تبلیغ کے لیے کافی مبلغین کا تقرر کیا، اور ان سے کام لیا، دار القضاء کی ڈاک بڑھی اور کافی ڈاک آنی شروع ہوئی، دار الافتاء خود اپنے پاس مونگیر میں رکھا، اسی طرح بیت المال کی طرف توجہ دی اور مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا، امارت شرعیہ نے مضبوطی کے ساتھ ترقی کی، اسلامی نظام حیات سے مسلمانوں کو آشنا کیا، اچھے اچھے کارکنان جمع کرنے کی سعی فرمائی۔ خود خاکسار کو لکھا کہ تم پھلواری شریف آجاؤ۔ کبھی نظامت پر بلایا۔ لیکن چونکہ دیوبند میں ابھی نیا نیا آکر جما تھا اس

لیے دارالعلوم چھوڑنا مناسب نہیں ہوا اور حضرت مولانا کو اس پر راضی کیا کہ مجھے یہیں رہنے دیا جائے۔ یہاں سے جو خدمت ہو سکتی ہے اس کے لیے ہر وقت تیار ہوں چنانچہ پہلے سولہ صفحہ کا ایک رسالہ لکھوایا جو "امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں" کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوا، پھر امارت کی تاریخ میں "امارت شرعیہ دینی جد وجہد کا روشن باب" نامی کتاب پوری لکھی گئی اور حضرت مولانا کی نظر ثانی کے بعد پہلی دفعہ دو ہزار چھپی اور تمام ملک میں پھیلی "نقیب" میں عرصہ تک کچھ نہ کچھ لکھتا رہا، مولانا کے وہ خطوط کسی موقع سے انشاء اللہ شائع ہوں گے جو خاکسار کے نام وقتاً فوقتاً لکھے گئے اس سے بھی امارت شرعیہ کی خدمت اور جد وجہد پر روشنی پڑے گی"۔

امارت کیلیے لب سڑک عمارت: امارت شرعیہ کا دفتر پہلے پھلواری شریف آبادی کے اندر واقع تھا جہاں ہر شخص کا پہونچنا بڑا مشکل مسئلہ تھا، اندر قصبہ میں اس وقت صفائی کا اچھا انتظام بھی نہیں تھا حضرت مولانا نے اس کے لیے داناپور جانے والی سڑک کے کنارے امارت شرعیہ کے لیے ایک لمبا چوڑا پلاٹ خریدا اور اس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے اور افتتاح میں صوبہ اور ملک کے بڑے بڑے علماء ومشائخ اور حکومت کے ذمہ داروں کو دعوت دی پھر شاندار عمارت کی تعمیر ہوئی دفتر کو اسی میں منتقل کیا اور امارت شرعیہ کو پورے ملک میں متعارف کرایا اس کے لیے خود سفر کیا جب کبھی بہار واڑیسہ کے مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی تو امارت شرعیہ نے اپنی طرف سے اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کی، ریلیف تقسیم کی، گاؤں گاؤں مبلغین پہونچے دونوں صوبوں کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں امارت شرعیہ کا آدمی ہر وقت نہ پہنچا ہو، اس کے ترجمان نقیب کی اشاعت اور اس کے مضامین پر توجہ دی اور پورے ملک کے اہم اہم مقامات تک پہنچایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آمدنی کہیں سے کہیں پہونچی مولانا سجاد ہسپتال قائم کیا، ٹیکنیکل کی عمارت بنوائی اور دوسرے شعبہ جات کو ترقی دی امارت شرعیہ ایک اچھی خاصی حکومت بن گئی، آج یہی وجہ ہے بعض لوگ اپنے کنٹرول سے باہر جانے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں خواہ اس پر زوال آجائے حالانکہ یہ جذبہ قطعاً غلط اور غیر شرعی ہے اور امارت کے لیے سخت نقصان دہ، بڑے عہدے کے لیے حوصلہ بھی بڑا ہونا ضروری ہوتا ہے، ظرف کی تنگی سے کام بگڑ سکتے ہے بنتا نہیں ہے۔

امارت کی خدمات: سیلاب، زلزلہ، فسادات اور ہر آفت کے وقت امارت شرعیہ نے وہ کام کیے جس کی دینی جد وجہد کا روشن باب نامی کتاب میں امارت کی خدمات کا تذکرہ موجود ہے، دوسرے اڈیشن میں بعد کی خدمات انشاء اللہ اضافہ کیا جائیگا ـــــ کوئی مثال اس ملک میں نہیں ملتی ہے بھاگلپور میں فساد شروع ہوا تو حضرت مولانا مونگیر چھوڑکر جو خود فساد کی زد میں تھا پٹنہ آگئے اور مسلسل چالیس دنوں تک قیام کیا اور ارباب حکومت

کو پٹنہ سے لیکر دہلی تک جھنجھوڑتے رہے اور مسلمانوں کے مصائب پر متوجہ کرتے رہے مولانا بے چین رہے، ریلیف پہونچانے کے لیے امارت شرعیہ کے کارکنوں کو بھیجا جو اپنی جانوں پر کھیل کر گئے اور مسلمانوں کو ریلیف پہونچائی، وہاں ستر اسّی لاکھ روپے خرچ کرکے پانچ یا اس سے زائد نئی آبادیاں قائم کیں اور مکانات تعمیر کرائے، چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے لالا کر بڑی آبادیوں میں بسایا۔

بہار شریف میں بھی یہی کیا حضرت مولانا کے زمانہ میں امارت شرعیہ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھی جائیں گی، ایک مختصر مضمون میں وہ ساری چیزیں نہیں آسکتی ہیں اللہ تعالیٰ مولانا کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور امارت شرعیہ کو اسی لائن پر قائم رکھے جس پر اسے چھوڑ گئے ہیں یہاں پہنچ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا بڑے باحوصلہ انسان تھے، ظرف بڑا وسیع رکھتے تھے۔ دوست اور دشمن سبھوں کے لیے ان کے دل میں کافی جگہ تھی

خدمات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ : حضرت مولانا کی خدمات کا ایک بڑا اہم شعبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ہے اس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند میں پڑی حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز نے سب سے پہلی مجلس دارالعلوم میں بلوائی، اس زمانہ میں خاکسار رسالہ دارالعلوم کا اداریہ لکھا کرتا تھا حضرت مہتمم صاحب کے سامنے سارے حقائق رکھے گئے، حضرت مولانا اس مسئلہ میں حضرت مہتمم کے دست و بازو بن گئے اور اپنی محنت جدوجہد اور قوت عمل سے اس مسئلہ کو شعلہ جوالہ بنا دیا۔ بمبئی، حیدرآباد، بنگلور، پونا، مدراس، کانپور، رانچی اور دوسرے بڑے شہروں میں اس کے اجلاس بلائے گئے، بمبئی کے بعد حیدرآباد میں پہلا انتخابی اجلاس ہوا تو حضرت مولانا کو اس کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا اور حضرت مہتمم صاحب کو صدر، حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب نے بھی بھرپور حصہ لیا اور نازک مواقع پر کنٹرول کیا اور دوسرے حضرات نے بھی بھرپور تعاون کیا حضرت مہتمم کی وفات کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اس کے صدر منتخب ہوئے اور آج بھی وہی اس کے صدر ہیں۔

شاہ بانو کیس کے بعد جو تحریک شروع ہوئی وہ پورے ملک میں اس طرح سے پھیلی کہ زمانہ خلافت کی یاد تازہ ہوگئی اس کے چرچے ہر گلی کوچے میں سنے گئے حکومت اس سلسلہ میں بل پاس کرنے پر مجبور ہوگئی اور دفتر پرستوں کے دباؤ میں نہیں آئی اصلاح معاشرہ کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر سے لاکھوں کی تعداد میں پمفلٹ کتابچے اور اشتہارات شائع ہوئے اور پورے ملک میں پھیلائے گئے۔

اسلامی قوانین کی تدوین: اسلامی قوانین کی تدوین عمل میں آئی اور مولانا مرحوم نے اس تدوین پر بہت زیادہ محنت کی، علماء کو بار بار اپنے یہاں بلایا اس پر نظر ثانی کروائی اور اس کی نقل تمام ملک میں بھیجی گئیں، اس کام کے لیے مولانا نے حضرت مہتمم صاحب دار العلوم کو لکھ کر خاکسار کو مونگیر بلایا اور کئی ماہ تک وہاں رکھا اور کام لیا، اس سلسلہ میں جامعہ رحمانی اور امارت شرعیہ کے کارکنوں سے بھی کام لیا۔ مولانا سراپا عمل تھے، نہ خود آرام کرنا جانتے تھے نہ اس کام کے لیے آنے والے کو چین سے بیٹھنے دیتے، یہ کتاب اب تک شائع نہ ہو سکی، مولانا ولی رحمانی اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی ذمہ داری ہے کہ اس پر توجہ دیں۔

منصوبہ بندی پر جہاد: ایمرجنسی کے زمانہ میں جب منصوبہ بندی پر حکومت مصر تھی اور نسبندی کا پورے ملک میں زور تھا، بالخصوص مسلمانوں کی نسبندی لازم قرار دیدی گئی تھی لوگوں کو بسوں اور گاڑیوں سے پکڑ پکڑ کر نسبندی کی جا رہی تھی، پورا ملک اس سلسلہ کے مظالم سے پریشان تھا مولانا رحمۃ اللہ علیہ پہاڑ کی مضبوطی سے اس کی مخالفت پر جم گئے تھے اور تنہا بہ تنہا آپ کی شخصیت تھی جو منصوبہ بندی کے خلاف انگریزی، ہندی، اردو اور مختلف زبانوں میں کتابچے شائع کر رہی تھی، خطوط لکھ رہی تھی اور سب کچھ قانون کے دائرہ میں کر رہے تھے جو ملک کا ایک شہری کر سکتا ہے

مولانا کی زندگی جس نے نزدیک سے دیکھی ہے وہ شہادت دیگا کہ صبح سے شام تک اور شام سے دس بجے رات تک مسلسل خود بھی کام کرتے تھے اور اپنے معاونین اور کارکنوں کو بھی کام میں لگائے رکھتے تھے۔

ملک کے مختلف صوبوں میں امارت کا قیام: مولانا کی ہی للہیت اور محنت کا ثمرہ ہے کہ آسام میں امارت شرعیہ قائم ہوئی، کرناٹک میں امارت شرعیہ سرگرم عمل ہوئی اور حیدرآباد دکن میں اس کی تنظیم عمل میں آئی۔ مالیگاؤں میں دار القضا کھلا، برہانپور میں دار القضا قائم ہوا اور ان راستوں سے عورتوں کی مشکلات دور ہوگئیں اس سلسلہ میں مولانا کو لمبا سے لمبا سفر کرنا پڑتا تھا اور آپ اپنے ضعف کے باوجود سفر کیا کرتے تھے۔

بابری مسجد پر تجاویز: اخیر میں جب بابری مسجد پر قومی آواز اخبار میں مضامین اور مراسلات کا لمبا سلسلہ شروع ہوا جس سے مسلمانوں کی پریشان حالی ظاہر ہوتی تھی تو آپ نے ۳؍دسمبر ۸۹ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا کی مجلس عاملہ بلائی اور ملک کے تمام قابل ذکر علماء اور دانشوروں کو مدعو کیا اور اس میں دو تجاویز منظور کرائیں کہ مسجد ہر حال میں مسجد ہے اور مسجد رہے گی اور وقف جائداد پر کسی کو تصرف کا شرعاً حق نہیں ہے اور مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ پرسکون و پرامن رہیں لیکن اگر کوئی ناجائز طور پر حملہ کرے تو اپنی جان، اپنے مال، اپنی عزت

دابر دا اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے پوری قوت سے مقابلہ کریں، جو مسلمانوں کا قانونی شہری حق بھی ہے، یہ دونوں تجویزیں مولانا نے خود لکھوائیں۔

وزیراعظم سے ملاقات: پھر اس کے بعد ایک وفد کے ساتھ حضرت مولانا اس وقت کے وزیراعظم مسٹر چندر شیکھر سے ملے، اور سابق وزرائے اعظم مسٹر وی پی سنگھ اور مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات کی اور اپنا موقف ان کے سامنے رکھا اور جو کچھ کہنا چاہیے تھا، پوری جرأت کے ساتھ گفتگو کی اس وفد میں دوسرے علماء کے ساتھ خاکسار بھی برابر شریک رہا اور سب کچھ دیکھا اور سنا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ میں بے پناہ جرأت و ہمت ودیعت کر رکھی تھی۔ اسی کے ساتھ دینی اور سیاسی بصیرت بھی حصہ میں آئی تھی مولانا بلاشبہ مجموعۂ کمالات تھے، حضرت مولانا نے بہت سارے اساتذہ تیار کیے اور بہت سے سیاسی کارکن، افسوس صد افسوس ہے کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے اور رمضان کے مبارک مہینے کے دو ابتدائی روزے پورے کر کے تیسری رمضان ۱۴۱۱ھ کی شب میں اچانک اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی
حیات و خدمات

— ۱ —

ہندوستان پر ایک طویل وقت ایسا گذرا ہے کہ اس کے بام و در پر مسلمانوں کے عروج و اقتدار کا سورج چمکتا تھا، پھر وہ وقت آیا کہ تخت اقتدار کی جگہ تختہ دار نے لی، اس کے خلاف اول ان لوگوں نے جد و جہد کی جو کل تک تاج و تخت کے وارث اور حکومت کے دیوان و ایوان کے مالک تھے، مگر وقت آچکا تھا کہ سنت الٰہی اپنا رنگ دکھائے اور یہ لوگ اپنی غفلت کوشیوں اور عیش و عشرت کی سرمستیوں کی سزا پائیں۔ بالآخر وہی ہوا اور لال قلعہ پر مسلمانوں کے اقتدار کا جو محض علامتی نشان باقی رہ گیا تھا، وہ اس سے بھی محروم کر دیے گئے۔ ہمتیں ٹوٹ گئیں، حوصلے پست ہو گئے اور دست و بازو کے ساتھ دل و دماغ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔

ان حوصلہ شکن حالات میں صرف علماء ربانی رہ گئے تھے جن کو اس ملک میں دین و شریعت کی حفاظت کے جذبے نے اب بھی بے چین کر رکھا تھا، انہوں نے مشہد بالاکوٹ کو اپنے لہو سے لالہ زار کیا اور ملک کے طول و عرض کو اپنے خون جگر کا امین بنایا، یہ قربانیاں رنگ لائیں اور وقت نے بتا دیا کہ اسلام اپنی بقا کے لیے تاج شاہی اور سطوت سلطانی کا محتاج نہیں، ہزار ظلم و ستم کے باوجود مسلمان اپنی متاع ایمان پر جسم و جان کو ترجیح دینے پر تیار نہ ہوئے۔ ابھی نصف صدی گذری ہوگی کہ جبری اقتدار کے پاؤں لڑنے لگے اور صدی پوری ہوتے ہوتے ان کو رخت سفر باندھنا پڑا۔

لیکن اس کے بعد جو حالات پیش آئے، وہ مسلمانوں کے لیے کچھ کم حوصلہ شکن نہ تھے۔ وہ ملک کی آزادی کی جد و جہد میں پیش پیش رہے اور سب سے بڑھ کر قربانی دی، لیکن آزادی سے عین قبل تقسیم ملک اور بنا پاکستان کی تحریک نے

زور پکڑا اور مسلمانوں کی صف اول کے بعض قائدین بھی اس تحریک کے مؤید ہو گئے، ملک کا بٹوارہ ہوا اور آزادی کے شایان شان جشن کے لیے "بسر دگلال" کے رنگ کو ناکافی جان کر انسانی خون سے ہولی کھیلی گئی اور مٹی اور تیل کے چراغوں کے بجائے مظلوموں کے گھر جلا کر چراغاں کیا گیا ـــــــ مسلمانوں کی قیادت کا ایک حصہ تو پہلے ہی پاکستان کے حصہ میں جا چکا تھا، دوسروں نے جب اپنے ہی گھر میں اپنی قربانیوں پر اہل وطن کی یہ عنایت دیکھی تو ان کو بھی رخت سفر باندھنے ہی میں عافیت محسوس ہوئی،

اب ملک میں معدودے چند آدمی اس صف کے باقی رہ گئے، ان کے ساتھ ایک بے سروسامان، منتشر، خستہ حال اور خانماں برباد قوم تھی، جس کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا، بعضے تو وہ تھے کہ ان کو اپنی مظلومیت پر ایک اشکبار آنکھ ہی کی حسرت ترسپا رہی تھی، ان کی اجتماعیت اور تنظیم نو کا تصور بھی دشوار تھا، رہبران قوم کی طاقت ہمیشہ ان کی قوم ہوتی ہے، جب قوم اس طرح اجتماعیت سے محروم ہو اور رہنما وہ ہوں جن کو قوم کے وقتی جوش وخروش نے اپنوں ہی کے اعتماد سے محروم کر دیا ہو اور بقول مولانا آزاد اس کی زبان اور ہاتھ تراش لیے گئے ہوں تو ان حالات میں وہ دوسرں سے بھی آنکھیں نہیں ملا سکتا، اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس سے اس کی زبان چھین لی گئی ہو اور اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں ـــــــ اسی کیفیت سے اس وقت کے بچے کھچے ہندوستانی مسلمان اور ان کے آزردہ ودل گرفتہ رہنما دوچار تھے!

اب ولولہ انگیز تقریروں، خواب وخیال پر مبنی نعروں، آتشیں نعروں اور رزمیہ نغموں اور ترانوں کا دور گذر چکا تھا اور ایسی تازہ دم قیادت مطلوب تھی جو امت کے زخم کا مرہم بن سکے، ان کے ہوش وحواس کو جمع کر سکے، نیا اعتماد اور نیا حوصلہ پیدا کر سکے، صبر وثبات کا سبق دے، ماتم سنجی کی بجائے خود اعتمادی پیدا کرے، دینی مراکز کو تقویت پہنچائے اور جوش کی جگہ ہوش اور غیر حقیقت پسندانہ نعروں کی جگہ تدبر اور طویل مدتی منصوبہ بندی اور تعمیر کو لائحہ عمل بنائے ـــــــ آزادی کے بعد قیادت کی اس ضرورت کو جن لوگوں نے پورا کیا، میرے حقیر مطالعہ کے مطابق ان میں سر فہرست مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ!

اور اسی سلسلہ کا دوسرا سب سے اہم نام "حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی" کا تھا، جو آزاد ہندوستان میں پارلیمانی سیاست سے دور رہ کر ان کے دینی اور تہذیبی اقدار کی حفاظت کی لڑائی بڑے تدبر سے لڑے، برصغیر میں جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی کانٹا چبھا، انہوں نے اپنے دل میں اس کی چبھن محسوس کی اور قوت بھر ان کی مدد کی، امت کے مسائل پر سوچنا، سوچ کر بولنا اور اظہار حق میں جرأت اور حسن تدبر کو ہم دوش رکھنا ان کا خاص وصف تھا، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

—۲—

۹ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے، والد ماجد حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے علاوہ اساتذہ وقت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت مولانا حیدر خاں محدث اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے کسب فیض کیا۔ حضرت مولانا عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے بیعت ہوئے اور انہیں سے خلافت پائی۔

آزادی کی جدوجہد میں آپ نے زمانۂ طالب علمی میں شرکت کی اور سنت اسیری زندہ فرمائی، اس دور میں آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کی فکر و نظر کا خاص اثر قبول کیا —— ۱۹۳۷ء میں آزادی سے پہلے بہار میں الیکشن ہوئے، آپ نے بھی اس الیکشن میں حصہ لیا اور منتخب ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی نگاہ جوہر شناس کی آپ پر خاص عنایت تھی اور ان کی تربیت نے آپ کی صلاحیت کو دوآتشہ کر دیا تھا، اسی دور سے آپ کی قائدانہ صلاحیت ابھری، ۱۹۳۸ء میں بہار کی کانگریسی وزارت نے "زرعی انکم ٹیکس" لگایا اور مسلم اوقاف کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور بہار اسمبلی میں آپ نے اس موضوع پر نہایت مدلل، مبسوط اور مسکت تقریر فرمائی (جو خطبات امیر شریعت میں شریک اشاعت ہے)، چنانچہ اپریل ۱۹۳۸ء میں مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت حکم تشریف لائے، حضرت مولانا سجاد صاحب سے گفتگو فرمائی، اس گفتگو میں مولانا نے آپ کو بھی شریک رکھا اور اس طرح اوقاف کی اراضی اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگئیں۔

کانگریسی وزارت نے اسی زمانہ میں اوقاف بل پیش کیا، اس میں شرعی نقطۂ نظر سے متعدد خامیاں موجود تھیں امارت شرعیہ نے اس میں بالواسطہ ترمیمات پیش کیں اور حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ نے شرعی موقف واضح کیا، چنانچہ بل پر غور کر کے جو کمیٹی بنائی گئی، اس میں امارت کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے آپ بھی شریک کیے گئے — ۱۹۳۹ء میں بہار اسمبلی میں "ڈراری بل" پیش ہوا، جس میں مہر اور جہیز کو جرم قرار دیا گیا، اس بل کے مضرات پر بھی آپ نے مدلل خطاب فرمایا اور اسمبلی کے سامنے اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا۔ چنانچہ بالآخر مسلمانوں کو اس قانون کے اطلاق سے مستثنیٰ کیا گیا —— حضرت مولانا سجاد صاحب کی نگرانی میں آپ اسی طرح ایوان کے اندر اور ایوان سے باہر ملی مسائل کی ترجمانی کرتے رہے۔

—۳—

امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب کی وفات کے بعد صوبہ بہار کے علماء اور ارباب

حل وعقد نے آپ کو چوتھا امیر منتخب کیا، اور وقت نے بتایا کہ وہ اپنے اس انتخاب بلکہ حسن انتخاب میں اللہ کی طرف سے منصور تھے۔ حضرت مولانا سجاد صاحب کی تربیت اور خود اپنی تعمیری فکر اور قائدانہ صلاحیت کی وجہ سے امارت کے نصب العین سے پہلے سے آپ کا گہرا رشتہ تھا، بلکہ ملی اور ملکی مسائل میں اس کی ترجمانی اور نمائندگی کرتے رہے تھے، امارت آپ کے پاس ایسے وقت آئی جب اس کی بنیاد و اساس مستحکم ہو چکی تھی اور اب اس کی توسیع کی طرف توجہ کی ضرورت تھی

کسی بھی ادارے پر دو ادوار آتے ہیں، ایک اس کے استحکام کا، دوسرا اس کی توسیع کا۔ امارت بڑی حد تک پہلے دور سے گذر چکی تھی   سب سے مشکل کام کسی نئے کام کی تاسیس اور اس کے لیے قوم کے دل و دماغ کو تیار کرنا ہوتا ہے، یہ کام خود امارت کے مؤسس حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کر چکے تھے، امارت کا سب سے اہم محکمہ "دار القضاء" رہا کیا ہے۔ خوش قسمتی سے اس کو پہلا قاضی شریعت حضرت مولانا نور الحسن صاحب کی شکل میں ملا۔ جنہوں نے نہایت ذہانت اور قابلیت کے ساتھ دار القضاء کے ایک ایک جزئیہ کا خاکہ بنایا اور اس کی عملی صورت گری فرمائی اور اس کو اتنا منضبط اور مرتب فرمادیا کہ بعض اوقات خود انگریزی عدالتوں سے دار القضاء میں مقدمات منتقل ہوئے (تاریخ امارت ص: ۱۵۹) امارت شرعیہ کے دار الافتاء کی ساکھ بھی حضرت مولانا سجاد صاحب ہی کی زندگی میں قائم ہو گئی تھی اور صوبہ و بیرون صوبہ سے استفتاء آنے لگے تھے اور اس شعبہ کے لیے حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی کے علاوہ علامہ کشمیری کے شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد عثمان غنی اور حضرت مولانا عباس صاحب پھلواروی جیسے علماء کی خدمات حاصل رہیں۔ امارت کے شعبۂ انتظام کو قاضی سید حسین صاحب ایم پی جیسے منظم مزاج ناظم کی خدمات نے چار چاند لگائے۔ اس کا شعبۂ تبلیغ اس قدر فعال تھا کہ نہ صرف مسلمانوں میں امر بالمعروف کا فریضہ انجام دیتا تھا، بلکہ غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام کا کام بھی کیا جاتا تھا، ۴۶ء تک امارت شرعیہ کے مبلغین کے ذریعہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان کی تعداد سات سو تر سٹھ ہے اور بقول مولانا عبد الصمد رحمانیؒ بحمد اللہ یہ تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی ہے۔" (تاریخ امارت ص: ۱۸۶) کسی تحریک اور فکر کے لیے ایک اہم ضرورت اس کے ترجمان اور نمائندہ لٹریچر کی ہوتی ہے، یہ ضرورت حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی نے اس طرح پوری فرمائی کہ آج تک کفایت کر رہا ہے۔ پندرہ روزہ "امارت" اور اس کے بعد "نقیب" بھی ابتدائی دور ہی سے چھپ رہا تھا۔ امارت کے بارے میں شکوک و شبہات کے جتنے کانٹے تھے اور اہل علم و دانش کو جو خدشات و شبہات تھے، حضرت مولانا سجاد صاحب نے ان سب کا ازالہ فرمادیا۔ تقسیم ملک کے بعد بعض سیاسی جماعتیں بالخصوص مسلم لیگ جو امارت کے ساتھ حریفانہ رقابت رکھتی تھی، رخت سفر باندھ چکی تھی اور حضرت مولانا سجاد صاحب کے سوز دروں، ملک اور صوبہ کے ممتاز علماء کی تائید بلکہ تحسین اور امارت شرعیہ کے قیام اور اس کے نظام میں ریاست کی دو وسیع الاثر خانقاہوں، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف اور خانقاہ رحمانی مونگیر کا تعاون، یہ تمام باتیں تھیں، جس نے عوام کے

دلوں میں امارت کی جڑیں مضبوط کر دی تھیں، غرض حضرت مولانا سجاد صاحب، ان کے رفقار کار اور پہلے تینوں امرائے شریعت نے امارت شرعیہ کی جڑ مضبوط کر دی تھی اور اب اس تحریک کو ایسے بالغ نظر، عالی حوصلہ، وسیع الفکر اور فعال شخصیت مطلوب تھی جو ایک طرف اس کی ملی مسائل کی ترجمانی میں جرأت اور شرعی خطوط پر امت کی زندگی کی تشکیل کی روایت کو بھی آگے بڑھائے اور اسے مزید پھیلائے — اور شبہ نہیں کہ اس وقت آپ ہی کی شخصیت تھی جو اس ضرورت کو پوری کرتی تھی۔

— ۴ —

آپ نے سب سے پہلے دار القضار کی توسیع پر توجہ فرمائی اور اپنے پہلے ہی حکم میں اضلاع اور کمشنری کی حد تک دار القضاء کو وسعت دینے اور قضات کی تربیت کے نظم کی طرف توجہ دلائی، اگست ۱۹۵۸ء میں دو مہینے خانقاہ رحمانی میں تربیت قضا کے لیے منعقد کیے اور صوبہ میں علمار کی ایک ایسی ٹیم تیار کر دی جو فریضۂ قضا انجام دینے کے اہل ہو، چنانچہ آپ کے عہد میں نظام قضار کو جو وسعت حاصل ہوئی اور صوبہ بہار سے گذر کر شمالی ہند اور جنوبی ہند کی مختلف ریاستوں میں دار القضاء قائم ہوئے، وہ کسی صاحب نظر کے لیے محتاج اظہار نہیں، وفات سے چند سال پہلے تربیت قضا کا ایک اور کیمپ قائم کیا گیا۔ جو نہایت نتیجہ خیز اور ثمر آور رہا اور پورے ملک سے علمار نے اس میں شرکت کی۔

امارت شرعیہ کے دار الافتار کو بھی آپ کے دور میں بڑی وسعت حاصل ہوئی اور اس نے ملک و بیرون ملک سے ایسی مرجعیت حاصل کی کہ اب وہ ملک کے دو تین اول درجہ کے دار الافتار میں ایک ہے، چونکہ ایک زمانہ تک امارت شرعیہ میں کوئی قابل ذکر کتب خانہ موجود نہیں تھا، اس لیے آپ نے اس شعبہ کو براہ راست اپنی نگرانی میں "خانقاہ رحمانی" منتقل کر دیا تاکہ مفتی حضرات وہاں کے کتب خانہ سے استفادہ کر سکیں، امارت شرعیہ کا ایک اہم شعبہ "تحفظ مسلمین" ہے، اس شعبہ کی خدمات پورے ملک میں اعتماد و اعتبار کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، بہار اور بیرون بہار جہاں بھی فسادات ہوئے ہوں، قدرتی مصائب و آفات آئے ہوں یا مسلمانوں کے لیے قانونی مسائل پیدا ہوں، آپ کی زیر سرپرستی امارت نے اس میں مدد کا ہاتھ بڑھایا اور اس خوبی سے قوم و ملت کی خدمت کی کہ ہر ایک نے اس کے طریق کار پر تحسین اور آفریں کی، امارت کے شعبۂ تنظیم کو بھی آپ کے دور میں بڑی وسعت حاصل ہوئی اور ریاست کے تمام علاقوں میں مسلمانوں کی تنظیم گری کی گئی اور نقیب مقرر کیے گئے۔

معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ آپ کے عہد امارت میں امارت شرعیہ نے ظاہری ترقی بھی کچھ کم نہیں کی، آپ ہی کے دور میں امارت شرعیہ کی شاندار عمارت بنی، سجاد ہاسپیٹل کی عمارت کا بڑا حصہ مکمل ہوا، پالی ٹیکنیک کیلیے

بنیاد رکھی گئی، امارت کا نمائندۂ نقیب، پندرہ روزہ سے ہفت روزہ ہوا اور ملکی صحافت میں اس کو خاص منزلت حاصل ہوئی، بیت المال کو استحکام حاصل ہوا اور اس کے ذریعہ اسلام کے نظام امارت کا ایک اہم شعبۂ اعانت محرومین" میں خاصی وسعت ہوئی اور آزاد ہندوستان میں ملک کے گوشہ گوشہ میں امارت اور اس کے نظام قضا کی افادیت، اہمیت اور ضرورت کا احساس بیدار ہوا اور وہ ملک کی صف اول کی با اثر تحریکوں میں سے ایک بن گئی۔

مردم گری اور جوہر شناسی آپ کا خاص وصف تھا اور آپ کے اسی خاص وصف نے امارت کے نظام کو بڑی تقویت پہونچائی، قضا جو امارت کا سب سے اہم شعبہ تھا، آپ نے اس کے لیے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا انتخاب فرمایا جو اپنی ذہانت، تفقہ، معاملہ فہمی اور فکر امارت کی ترجمانی و نمائندگی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ جہاں حضرت مولانا قاضی نور الحسن صاحب نے نظام قضا کی نقشہ گری کی، وہیں حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب نے آپ کی سرپرستی میں اس کو بام عروج تک پہونچادیا۔ امارت کے انتظامی شعبہ کے لیے جو ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، آپ نے موجودہ نائب امیر شریعت حضرت مولانا نظام الدین صاحب کی خدمات حاصل کیں، جو منصوبہ بندی، گہرائی کے ساتھ مسائل پر غور کرنے اور صبر و تحمل کے ساتھ لوگوں کو ساتھ لیکر چلنے کی خاص صلاحیت کے مالک ہیں، "نقیب" کی ادارت کے لیے مرحوم شاہد رام نگری کو مقرر فرمایا جو مولانا عثمان فارقلیط اور مسلم صاحب مرحوم کے بعد میرے خیال میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل پر اظہار خیال میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، افتاء کے لیے آپ نے ہمیشہ باصلاحیت اور عمیق النظر علماء کا انتخاب کیا اور خود ان کے کاموں کی نگرانی فرمائی ـــــ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت کے وصال کے بعد موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب دامت برکاتہم کو نائب امیر شریعت مقرر فرمایا۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو اس انتخاب کی اہمیت سمجھ میں نہ آپائی، لیکن آپ کی وفات کے بعد جس حسن و خوبی سے امارت کے کام کو آپ نے جاری رکھا ہے اور بعض نازک مسائل میں جس حسن تدبیر، عمق نظر، فراست اور صبر و استقامت کا ثبوت دیا ہے، اس نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان کو آپ کے اس حسن انتخاب کا اندازہ ہوا۔

—۵—

مسلم پرسنل لا ہندوستان میں شریعت اسلامی کا بچا کھچا سرمایہ ہے، بدخواہوں کی نظر میں شروع سے مسلمانوں کا یہ تشخص کھٹکتا رہا ہے، ۱۹۶۳ء میں نوبت یہاں تک آگئی کہ حکومت نے اس مقصد کے لیے ایک باضابطہ کمیٹی تشکیل دینا چاہی، چنانچہ پورے ملک سے اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی، لیکن سب سے پہلے آپ ہی نے امارت شرعیہ کے زیر اہتمام ۲۸ جولائی ۱۹۶۳ء کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد کی، جس کی صدارت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی

کارگذار صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی اور مولانا ابو اللیث اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند نے اس کا افتتاح کیا۔ پھر آپ ہی کی تحریک اور خصوصی کوشش سے ۱۳ر ۱۴ر مارچ ۱۹۷۲ء کو دار العلوم دیوبند میں مزید وسعت کے ساتھ مختلف جماعتوں کا نمائندہ اجلاس منعقد کیا اور اسی اجلاس کی پہل پر ۲۷، ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی میں وہ عظیم الشان اور فقید المثال کنونشن منعقد ہوا جو ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔

اسی کنونشن میں بورڈ کی تشکیل ہوئی اور آپ ہی نے یہ تجویز پڑھ کر سنائی، پھر اپریل ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد میں پہلا اجلاس ہوا اور باتفاق رائے بورڈ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور تا وفات نہایت حسن و خوبی سے اس فریضہ کو انجام دیتے رہے، بورڈ میں آپ کی مدبرانہ قیادت، اصابت رائے اور حق گوئی کا ہر شخص کو اعتراف تھا۔ آپ نے مسلسل سعی کے ذریعہ "تبنیت" کے قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرایا، وقف کے بعض قوانین کی اصلاح کرائی، نفقہ مطلقہ سے متعلق آپ کے زیر قیادت مہم کے نتیجہ میں جو حکومت نے تبدیلی کی، پھر عدالت کے فیصلہ نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا، اور اس موقعہ سے آپ کی زیر قیادت "تحفظ شریعت" کی وہ ملک گیر تحریک اٹھی کہ خلافت تحریک کے بعد شاید اس کی مثال نہ ملے۔ بابری مسجد کے مسئلہ پر جب بعض مسلم حلقوں کی طرف سے اس طرح کا اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں وہ مسئلہ کی نزاکت کو نظر انداز کر کے مصالحت نہ کرلیں تو آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ اس کا نوٹس لیا اور مسجد کی شرعی حیثیت کو اجاگر فرمایا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے شاید سب سے نازک وقت وہ آیا جب ایمرجنسی نافذ کی گئی اور فیملی پلاننگ کے لیے جبر کی راہ اختیار کی گئی، ایسے نازک وقت میں جب خوف و ہراس کی کیفیت اور قید و بند کی صعوبت نے اچھے اچھوں کی زبان گونگ کر دی تھی، آپ نے نہایت پامردی کے ساتھ حکومت کے خلاف اپنے موقف کا اظہار کیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی تالیف فرمایا، جو بڑی تعداد میں اردو اور انگریزی زبانوں میں چھپ کر عام ہوا —— نفقہ مطلقہ کے مسئلہ نے اس احساس کو جگایا کہ مسلم پرسنل لا پر کوئی مستند مجموعہ مدون ہونا چاہیے، چنانچہ خاص اپنی نگرانی میں آپ نے مختلف اصحاب فتاویٰ اور ماہرین فقہ کے ذریعہ اس کام کو سر انجام دیا جو اخیر تک جاری رہا، یہ آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔

آپ کا سب سے بڑا کمال بورڈ کو گروہی اور جماعتی اختلافات سے ماوراء رکھ کر آگے بڑھانا اور مختلف الفکر اعتقادی، فقہی، سیاسی، تحریکی اور تنظیمی مکاتب فکر کو ایک ساتھ لیکر چلنا اور قدم قدم پر عدم توازن سے دامن بچاتے ہوئے صبر و تحمل کے ساتھ ان کو مجتمع رکھنا ہے۔

— ۶ —

قومی اور ملی مسائل میں دو باتیں آپ کا خاص امتیاز تھیں، ایک جرأت و ہمت دوسرے مصلحت شناسی اور دور اندیشی۔ آزادی کے بعد ہندستان میں مسلمانوں کے اندر ایک خاص طرح کا احساس کمتری پیدا ہو گیا تھا لوگ اسلام کے بارے میں زبان کھولنے میں شرم اور جھجک محسوس کرتے تھے اور ان کو خوف دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں ان کو فرقہ پرست اور مسلم لیگی کا لقب نہ دیا جائے، اس احساس کو دور کرنے اور خود اعتمادی پیدا کرنے کی طرف آپ نے خاص توجہ دی، ۱۹۵۸ء میں دربھنگہ میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے آزاد ہندستان میں آزاد اسلام کا نعرہ دیا اور فرمایا۔ اگر میں اسلام کو بہتر سمجھتا ہوں تو کیا برادران وطن کو اسلام کی افادیت کا گرویدہ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا؟ کیا یہ میری خواہش نہیں ہوگی کہ ہندستان کا قانون اسلام کے مطابق ہو؟ کیا مجھے اس سے خوشی نہیں ہوئی کہ ہندو کوڈ بل کا معتد بہ حصہ ہدایہ اور شرح وقایہ سے لیا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہندستان کے قانون کو اسلام سے قریب تر کرنے کی جائز اور پر امن کوشش کرے۔ —— حالانکہ آپ کے اس طرح بیانات پر ہندی اور انگریزی اخبارات نے آپ کے خلاف بڑی مہم چلائی، لیکن آپ کے پائے استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

آزادی کے بعد فسادات کا جو بھیانک سلسلہ شروع ہوا، اس نے مسلمانوں کی کمر بہت توڑ کر رکھ دی اور آزادی کے کئی سال بعد بھی بہار اور مشرقی علاقے کے مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ جاری رہا، اسی زمانہ میں رانچی میں بھیانک فساد ہوا اس موقع سے آپ نے مسلمانوں کو اپنی حفاظت آپ کا نعرہ دیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ وہ بزدلی کے بجائے حوصلہ سے کام لیں۔ اس نعرہ نے مسلمانوں میں خود اعتمادی اور دلیری پیدا کی اور ان میں رونے اور ماتم کرنے کے بجائے خود اپنی حفاظت کا حوصلہ پیدا ہوا۔

بہار کے بعض اسکولوں میں "رام دھن" کا ترانہ شروع ہوا، اس میں مشرکانہ تصورات بھی موجود تھے، آپ نے واضح اعلان فرمایا کہ مسلمان طلبہ ایسے ترانوں میں شریک نہ ہوں، آپ ہی کے زمانۂ امارت میں امارت شرعیہ نے سرکاری نصاب تعلیم کا جائزہ لیا اور اس میں ان عناصر کی نشاندہی کی جن سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی تھی، بنگلہ دیش بننے کے بعد بنگلہ دیش میں غیر بنگالیوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، اس وقت کے ماحول میں اس پر کچھ کہنا آسان نہ تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں اس وقت کے وزیر اعظم اندرا گاندھی کے نام نہایت بصیرت افروز خط لکھا اور انہیں اس انسانی فریضہ کی طرف توجہ دلائی، خود شیخ مجیب الرحمن کو خط لکھا کہ وہ ان کو خیر سگالی وفد کے ساتھ بنگلہ دیش آنے کی اجازت دیں۔

ایمرجنسی ۱۹۷۶ء کے درمیان سرکاری جبر و استبداد کی فضا میں آپ نے جس استقامت اور پامردی کے ساتھ ملت کی رہنمائی کی اور حکومت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی، وہ آپ ہی کا حصہ ہے، اس موقع سے آپ نے بیان بھی جاری فرمایا خاندانی منصوبہ بندی پر رسالہ بھی تالیف کیا اور سی آئی ڈی کے افسران کی تحقیق پر پوری وضاحت کے ساتھ ان کے سامنے اپنا موقف رکھا ——— امارت شرعیہ کی نئی عمارت کے افتتاح کے موقع سے پٹنہ کے بعض فرقہ پرست عناصر نے امارت کے خلاف ایک مہم سی چلا رکھی تھی۔ یاد آتا ہے کہ آپ نے اس موقع سے وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء و سیاسی قائدین کی موجودگی میں برجستہ فرمایا: "چاہے مجھے گولی ماردی جائے، میں جس کو حق سمجھتا ہوں، اس کو حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا۔"

مسلم پرسنل لا کے بارے میں ایک موقع سے فرمایا: "میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ہماری گردنیں اڑادی جائیں، ہمارے سینے چاک کر دیے جائیں، مگر ہمیں یہ برداشت نہیں کہ مسلم پرسنل لا کو بدل کر ایک غیر اسلامی لا ہم پر لاد دیا جائے، ہم اس ملک میں ایک باعزت قوم اور مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

لیکن ہمت اور حوصلہ مندی اگر شعور اور دوراندیشی سے عاری ہو تو فائدہ کم پہونچاتی ہے اور نقصان زیادہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دونوں کا حسین امتزاج بنایا تھا۔ اس وقت دسیوں واقعات اور مثالیں آپ کی اس مدبرانہ صلاحیت کی نگاہوں میں ہیں، لیکن ایک دو باتیں بے ساختہ قلم پر آنا چاہتی ہیں ——— آپ جب امیر بنے تو خود مسلمانوں میں بعض لوگ بے اطمینانی کے شکار تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امارت ایک حلقہ کی نمائندہ بن کر رہ جائے، ایسے موقع پر عام طور پر لوگ منفی ردعمل کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن آپ نے نہایت مثبت رویہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: "امارت شرعیہ ہر مسلک و مشرب کے مسلمانوں کا ادارہ ہے، یہ کسی خاص مسلک کی تنظیم نہیں ہے، اہل حدیث ہوں یا بریلی، دیوبندی ہوں یا ندوی ——— میں یقین دلاتا ہوں کہ اس نظام میں انہیں اپنی انفرادیت کے محفوظ رکھنے کا موقع ملے گا" ———

آپ کے امیر شریعت بننے کے بعد بعض ہندی اور انگریزی اخبارات میں امارت کے خلاف بڑے سخت اور اشتعال انگیز مضامین آئے، اور بعضوں نے اسے متوازی حکومت قرار دیا۔ اس موقع پر آپ نے صبر و حکمت سے کام لیتے ہوئے یہ تدبیر فرمائی کہ پٹنہ میں ایک نمائندہ کانفرنس منعقد کی، امارت کے مقاصد بیان کیے اور صحافیوں کو جی بھر کر سوال کرنے کا موقع دیا اور ان کی تسلی فرمائی، یہ تدبیر مفید ثابت ہوئی اور چند اخبارات کے پروپیگنڈوں کا بھرم کھل کر رہ گیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کو جس دانش مندی اور شعور کے ساتھ آپ لیکر چلے اور رہبری فرماتے رہے، وہ آپ ہی کا حق تھا، ایمرجنسی کے دوران صدر بورڈ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فیملی پلاننگ کے سلسلہ میں ایک ایسا بیان دیدیا جو بظاہر

عام علماء کی رائے کے خلاف محسوس ہوتا تھا، تو اس نے دین و دانش کے حلقوں میں بڑی بے چینی اور برہمی پیدا کر دی، مجھے خوب یاد ہے کہ اس موقع سے آپ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور حضرت قاری صاحب کو اس سلسلہ میں خط لکھ کر وضاحت کی خواہش کی، پھر قاری صاحب کے وضاحتی جواب کی ایسی تشریح فرمائی کہ بورڈ کا موقف برقرار رہے اور قاری صاحب کی ذات پر بھی کوئی حرف نہ آئے۔ آپ کی اس "لیپا پوتی" نے واقعہ ہے کہ ایک بڑے فتنہ کو ٹال دیا، پھر اس واقعہ کے بعد جب رانچی کا اجلاس ہوا اور بعض ارکان نے بورڈ کے عہدۂ صدارت کے لیے کچھ اور نام پیش کیے تو آپ نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس کا رخ موڑ دیا کہ مختلف مصلحتوں کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت قاری صاحب اب بھی اس عہدہ پر برقرار رہیں۔

—— ۷ ——
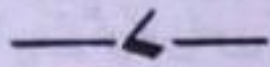
قومی، ملی اور تحریکی کاموں کے ساتھ اکثر علمی کاموں کا رشتہ باقی نہیں رہ پاتا ہے۔ لیکن آپ نے مشغولیات کی کثرت اور عدیم الفرصتی کے باوجود علم و ادب کی جو خدمت انجام دی، وہ بھی ایک کارنامہ ہے، فقہ آپ کا خاص موضوع تھا، اس موضوع پر "قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل، مسلم پرسنل لا اور قضا کی تاریخی حیثیت" پر آپ کا رسالہ نہایت اہم اور قیمتی تحریریں ہیں۔ مسلم پرسنل لا کے موضوع پر "مذہب، اخلاق اور قانون، مسلم پرسنل لا، بحث و نظر کے چند گوشے" اور "خاندانی منصوبہ بندی" اردو زبان کا بنیادی لٹریچر ہے، منکرین حدیث کی رد میں آپ کا رسالہ "کتابت حدیث" بڑے پایہ کی چیز ہے، اور اس موضوع پر اردو میں لکھی جانے والی کتابوں میں صف اول میں جگہ پانے کے لائق ہے۔

آزادی سے پہلے قومی مسائل پر "تعلیم ہند، ہندستان اور صنعت و تجارت اور وقف بل وغیرہ تحریر فرمائی، اردو صحافت کی بھی خدمت کی، عرصہ تک مسلم ان ڈی پنڈنٹ کے ہفت روزہ ترجمان "الہلال" کے علاوہ مونگیر سے طبع ہونے والے موقر رسالہ "الجامعہ" کی ادارت کے فرائض انجام دیے —— مولانا مناظر احسن گیلانی کے مکتوبات مرتب فرمائے اور اس ذیل میں جن معروف اور غیر معروف شخصیتوں کا ذکر آیا، نہایت محنت اور تحقیق و تلاش سے ان پر سوانحی نوٹس سپرد قلم کیے، مصر و حجاز کے اسفار پر نہایت معلومات افزا اور دلچسپ روداد قلم بند کی تصوف میں نسبت اور ذکر و شغل کے نام سے آپ کا ایک قیمتی مکتوب مطبوعہ ہے۔

آپ کی تحریر سہل، شگفتہ، عام فہم اور رواں ہوا کرتی تھی، خطاب میں بھی یہی رنگ تھا، جس میں جوش پر ہوش کا رنگ غالب ہوتا اور مخاطب کی سطح کی رعایت ہوتی، معلوم نہیں اپنی زندگی میں کتنی تقریریں فرمائی ہوں گی، مگر افسوس کہ وہ محفوظ نہیں ہو سکیں، ہاں! تیس تقریروں کا ایک مجموعہ خطبات امیر شریعت کے نام سے طبع ہو چکا ہے، جن میں بعض نہایت علمی اور فکری رنگ کی ہیں اور اسی میں آپ کی وہ مشہور تقریر بھی ہے جو آپ نے وقف کے موضوع پر بہار اسمبلی میں فرمائی

تھی ــــ آپ کی مصروفیات کا ایک اہم حصہ خطوط کے جوابات تھے، اس کثرت سے ڈاک آتی تھی کہ خاصا وقت اس کے جواب میں لگ جاتا، بڑا سے بڑا اور چھوٹا سے چھوٹا، کوئی جواب سے محروم نہ ہوتا۔ ان میں بہت سے مکتوبات علمی، فقہی اعتبار سے نہایت اہم ہیں اور بعض تاریخی نوعیت کے حامل ہیں۔ خدا کرے یہ طبع ہو جائیں تو ایک بڑی قیمتی چیز ثابت ہوں ــــ حقیقت یہ ہے کہ اپنی ذہانت و فطانت، معاملہ فہمی، ذوقِ تحقیق اور تعمقِ فکر کے ساتھ شگفتہ قلم اور آسان و رواں زبان نیز زبان و بیان کی مزاج شناسی کے اعتبار سے علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف ہی آپ کا اصل میدان تھا، لیکن مردانِ کار اور مردانِ ہمت کی کمی اور قوم کی ضرورت و احتیاج نے آپ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ اپنی فہم، زمانہ شناس اور فعال شخصیت کے ذریعہ قوم کی رہبری و رہنمائی کے اس خلا کو پر کریں ــــ آپ کے علمی کارناموں ہی کا ایک حصہ جامعہ رحمانی جیسی درسگاہ کا قیام اور اس کے لیے پورے صوبہ سے ممتاز اور کہنہ مشق اساتذہ کا انتخاب بلکہ مستقبل کے لیے استاد سازی اور مردم گری ہے جو ہندستان کے شمال مشرقی علاقوں کی اہم درسگاہوں میں ایک ہے۔

ــــ ۸ ــــ

جن لوگوں نے آپ کو دور سے دیکھا ہے، انہوں نے آپ کو ایک رہبر قوم اور عالم کی حیثیت سے جانا اور پہچانا ہے لیکن جن لوگوں نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے اور میں بھی بحمد اللہ اس سعادت سے سرفراز ہوں، انہوں نے آپ کی روحانی کیفیات ذائض و واجبات کی محافظت، سنن و نوافل کی مواظبت، اذکار و اوراد کا اہتمام، نالۂ سحرگاہی، التجار نیم شبی، نماز سے والہانہ عشق، ہر مسئلہ میں دعا اور رجوع الی اللہ، امر بالمعروف کا جذبہ، اصلاح و تزکیہ کی سعی اور خلقِ خدا کو اس کا نفع، فیاضی، فراخ چشمی ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور انفاق کو بچشم سر دیکھا ہے اور اس کا تجربہ کیا ہے۔

عبادت و ریاضت کے اس ذوق کے ساتھ بلند اخلاقی، وسیع القلبی، مرتبہ شناسی، عیب پوشی، غلطی کرنے والوں سے درگذر، مخالفین کے بارے میں زبان و اظہار میں احتیاط، چھوٹوں پر شفقت، دوستوں اور ہم عمروں سے مروت، بڑوں اور بزرگوں کا پاس و لحاظ، بیماروں سے ہمدردی، مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کا جذبہ، علم کی قدر افزائی اور اختلاف فکر و نظر کے باوجود رواداری کے اتنے مظاہر اور واقعات چشم خیال کے سامنے ہیں کہ اس مختصر تحریر میں ان کا ذکر ممکن نہیں ــــ میں نے ان میں خصوصیت سے یہ کیفیت دیکھی کہ اجنبی دور سے دیکھ کر سہم جاتا، لیکن جوں جوں قربت ہوتی جاتی، محبت گھر کر جاتی اور یوں خیال ہو جاتا کہ کوئی مسئلہ اجتماعی ہو یا انفرادی، دینی ہو یا دنیوی، حل نہ ہو سکا تو حل کی آخری منزل تو آپ کی ذات ہے ہی، واقعہ ہے کہ بہتوں کو دیکھا، لیکن جو وقار آپ میں دیکھا، شاید کہیں اور نظر نہیں آیا اور جسی

شفقت و محبت کا احساس آپ سے پایا اور کسی سے نہ پایا۔ آج بھی صورت نگاہوں میں ہے، کشادہ جبیں، سرخ
و سپید رنگ، سفید اور گھنی داڑھی، بڑی آنکھیں، بلند ناک، سر بڑا، قد دراز، دل کی طرح سینہ بھی فراخ، جسم
لحیم و شحیم، پیشانی پر سجدہ کا ہلکا سا نشان، سفید و شفاف دانت، رخسار پر چیچک کے ایک دو ہلکے نشان،
سر پر سفید عمامہ یا دو پلہ کھڑی ٹوپی، سفید کرتا، اور کبھی کبھی اس پر شیروانی، چلنے میں وقار اور بولنے میں ٹھہراؤ،
اور قرار، ہاتھ میں عصا اور آنکھوں پر چشمہ، پورا وجود تقدس اور وقار کی تصویر اور اپنے قول و عمل سے دین و شریعت
کی تنویر ـــــــ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ایک نادرہ روزگار شخصیت...

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہندستان کے افق پر خدا تعالیٰ کے فضل و حکمت سے علم و تقویٰ میں امام، تحقیق و تصنیف کے ماہر، ذہانت و فطانت میں ممتاز، بیدار مغزی اور راست کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار، نہ جانے کتنے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے، جن کی تابانی و روشنی صرف ان کے زمانہ ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ ان میں سے بعض سے صدیوں تک اجالا رہا مگر ادھر کوئی نصف صدی سے نہ جانے کیوں یہی زرخیز سرزمین ایسے جامع صفات اور مجمع کمالات افراد کے پیدا کرنے سے گویا بانجھ ہو گئی، معلوم ہو رہی ہے یہ صورت حال ہر حساس اور باشعور مسلمان کو فکر مند بنانے والی ہے، حالانکہ اس سے قبل "اذا مامات منا سید قام سید" کے مصداق برابر ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک صاحب کمال کی جگہ خالی ہوتی ہے تو دوسرا صاحب کمال اسے ایسا پُر کر دیتا تھا کہ بالکل خلا محسوس نہ ہوتا۔ مگر ادھر عرصہ سے یہ صورت حال ہے کہ ہر جانے والے پر بجا طور سے یہ شعر پڑھا اور لکھا جاتا ہے ؎

فما کان قیس هلکه هلک واحد ولکنه بنیان قوم تهدما "کہ اس.... کا جانا پوری قوم کی بنیاد منہدم ہو جانے کے مترادف بن جاتا ہے"، ایسا لکھنے اور کہنے والوں کو مبالغہ آرائی کا الزام دینا مشکل ہے بلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ وہ حقیقت کی سچی ترجمانی ہی کرتے ہیں۔ راقم کو یاد ہے کہ اس کے سن شعور میں وفات پانے والے ممتاز لوگوں میں، اس کے علم و مطالعہ کے مطابق سب سے پہلے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن علیہ الرحمہ والرضوان (ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند) کے حادثہ وفات پر یہی شعر (ماکان قیس الخ ہے) ملک کے نامور عالم و ادیب حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی (جو خود بھی اب مرحوم ہو چکے ہیں، رحمہ اللہ و غفرلہ) نے اپنی ادارت میں نکلنے والے (اس وقت کے) موقر ترین ماہنامہ "برہان" (دہلی) کے تعزیتی نوٹ میں معمولی سے تغیر کے ساتھ ("قیس" کی جگہ "حفظ") لکھا تھا، اس طرح انھوں نے مجاہد ملتؒ موصوف کے سانحۂ وفات کی سنگینی کی بالکل صحیح تصویر کشی

کردی تھی۔ راقم سمجھتا ہے کہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا سانحۂ وفات بھی مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے مجاہد ملت کے بعد ایسا واقعہ ہے جس پر" بنیان قوم تہدما" کہنا کسی حقیقت بیں کی نظر میں مبالغہ نہ ہوگا، تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانانِ ہند پر جو قیامتیں گذری ہیں کہ وہ مدتوں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے، اُن حوصلہ شکن اور جاں گسل حالات میں مجاہد ملت نے امت کی کشتی کو جس طرح منجدھار سے نکالنے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا اس کا اعتراف نہ کرنا جس طرح ناسپاسی ہوگی اسی طرح ۱۹۷۲ء کے بعد پے در پے جس طرح کے ناگفتہ بہ حالات سے امت مسلمہ ہند دوچار ہوئی اور برابر ہورہی ہے اس میں امیر شریعت رابعؒ نے اپنی خداداد بصیرت، اصابت رائے، قوت فیصلہ، جرأت و ذہانت سے جو قائدانہ کردار ادا کیا اس کی اہمیت سے انکار کسی واقف منصف مزاج کے لیے ممکن نہیں۔ اِدھر تقریباً ربع صدی کے عرصہ میں امیر شریعت نے جو ہمہ جہتی خدمات، امت مسلمہ ہندیہ کی انجام دیں ان کی تفصیل کے لیے مقالہ نہیں، ضخیم کتاب درکار ہے اس مختصر مقالے میں بس موصوف کے چند اوصاف کی جھلکیاں ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔ البتہ امید ہے کہ اور مقالہ نگار بہت سے اہم گوشوں پر روشنی ڈالیں گے۔ اس طرح یہ خصوصی نمبر حضرت امیر کے چمن زندگی میں کھلنے والے گلہائے رنگارنگ کا ایک گلدستہ ہوگا جس کی خوشبو سے قارئین کی مشام جاں معطر ہوگی۔

راقم کی واقفیت کی ابتدار

یوں تو راقم کو دارالعلوم دیوبند کے اپنے زمانۂ طالب علمی میں (۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء) حضرت امیر کی زیارت کا شرف حاصل ہوگیا تھا اور پھر اس کے بعد زمانۂ قیام دہلی (از ۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۰ء) کے دوران بار بار جمعیۃ علمائے ہند کے اس وقت کے دفتر گلی قاسم جان میں ملاقات ہوئی، یہ دفتر کیا تھا؟ مسلمانانِ ہند کے دلوں کی دھڑکن تھا جہاں ان کے درد کا درماں فراہم کیا جاتا تھا جس میں ایک قلندر صفت شخصیت (مولانا حفظ الرحمن) کی مساعی کا دخل تھا، مولانا مرحوم کی قلندرانہ شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ باوجودیکہ آزادی ہند کے بعد بننے والی پہلی پارلیمنٹ سے لیکر دم آخر تک ممبر پارلیمنٹ (M.P) رہے مگر دہلی میں اپنا ذاتی مکان نہیں بنا سکے، بلکہ ایک درجہ میں عسرت کی زندگی گذاری کیونکہ اپنی ساری جانی ومالی صلاحیتیں مسلمانوں کی بہبود میں لگاتے رہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ امیر شریعت کو قریب سے دیکھنے، ان کے کمالات وامتیازات سے واقف ہونے کا موقع آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے کچھ ہی پہلے ملا۔

امیر شریعت کی عظمت کا احساس

جیسا کہ سب واقف جانتے ہیں کہ آزادی کے بعد سے ہندستانی مسلمانوں کو جن مختلف دشواریوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا اور پڑرہا ہے ان میں دین کے تحفظ وبقا اور تمام دینی احکام پر آزادانہ عمل کرسکنے کے قانونی اختیار کا مسئلہ سب سے اہم ہے، ویسے تو ملکی دستور میں تمام مذہبی اقلیتوں کو اپنے اپنے مذاہب پر عمل کرنے کی ضمانت دی گئی ہے لیکن اس دستور ہند ہی کی ایک رہنما دفعہ

(۴۴)، کا سہارا لیکر مختلف اوقات میں سرکاری وغیر سرکاری حلقوں کی طرف سے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے لیے آوازیں اٹھتیں بلکہ اٹھوائی جاتی رہتی ہیں جس سے یہ خطرہ بجا طور سے محسوس کیا جانے لگا تھا کہ شریعت کے بیشتر تمدنی، معاملاتی و تعزیراتی قوانین پر عمل کرنے کا قانونی حق تو پہلے ہی مسلمانوں سے چھینا جا چکا ہے۔ اب باقی ماندہ تھوڑے سے حصہ پر عمل کرنے کا جو تھوڑا بہت اختیار رہ گیا ہے یعنی نکاح، طلاق، وراثت و وقف جیسے چند احکام پر عمل کر سکنے کا جیسا کچھ بھی حق ملکی آئین کی رو سے مسلمانوں کو رہ گیا ہے (جسے قانونی زبان میں "مسلم پرسنل لا" کہا جاتا ہے) اسے بھی چھین لینے کی منظم سازشیں کی جا رہی تھیں اور قریب تھا کہ "پارلیمنٹری جمہوریت (اور بالفاظ دیگر اکثریت) کی لاٹھی سے مسلم عائلی قانون (مسلم پرسنل لا) کے رہے سہے حصے کو بھی مکمل کر ختم کر دیا جائے اور ہندستانی مسلمانوں کو بھی عام ملکی قوانین (بالفاظ صحیح ہندوانہ رسوم و رواج کی پابندی) کے سیلاب میں بہتے رہنے پر مجبور کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ملک کے بیدار مغز طبقے (جن میں صف اول کے علماء ہمیشہ کی طرح اب بھی سر فہرست ہیں) نے اس فتنے کی سنگینی اور اس کے دور رس اثرات کا بر وقت اندازہ لگا کر اس کی پیش بندی کی فکر میں لگ گیا، اس خطرہ سے آگہی اور اس کا تدارک کرنے کی فکر میں جو علماء پیش پیش تھے ان میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ (مہتمم دار العلوم دیوبند) اور امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے نام اور کام سب سے نمایاں ہیں چنانچہ مؤخر الذکر کی تحریک اور مقدم الذکر کے اقدام کے نتیجے میں وہ تاریخ ساز اجتماع ۲۷، ۲۸ دسمبر ۷۲ء کو بمبئی میں ہوا جسے دنیا "مسلم پرسنل لا کنونشن" کے نام سے جانتی اور یاد کرتی ہے کنونشن کے لیے بمبئی شہر کا انتخاب راقم کی تجویز پر ہوا تھا، اس اجتماع میں آزاد ہند کے اندر پہلی بار مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علماء، مفکرین، قائدین اور درد مند حضرات نے جس طرح "یک جان و صد قالب" کا مصداق بنکر کام کرنے کا عزم ظاہر کیا، وہ بجائے خود ایک یادگار تاریخی واقعہ ہے اس کنونشن کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی جو فضا تیار کی جا رہی تھی اس میں رکاوٹ پڑ گئی اور عام مسلمانوں میں بیداری آئی جس سے حکومت کے ایوانوں تک یہ اثر پہنچا کہ مسلمانوں کو اپنے پرسنل لا سے جو لگاؤ ہے اس کی موجودگی میں اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام اور امیر شریعت کا مقام

پھر اگلے ہی سال کنونشن کے مقاصد کو بروئے کار لانے اور اس میں منظور شدہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حیدرآباد میں "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" کا قیام (اپریل ۱۹۷۳ء) ہوا، جس کے پہلے صدر متفقہ طور پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور پہلے جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ رحمانی منتخب ہوئے، اس قران السعدین کی بدولت بورڈ نے جتنی جلد ملک ہی میں نہیں بیرون ملک بھی عوام و حکومت دونوں میں۔ جس درجہ وقار و اعتبار حاصل کیا اس کی نظیر دور دور ملنا مشکل ہے اور سب واقف جانتے ہیں کہ ہر تحریک تنظیم میں جنرل سکریٹری کی اہمیت اور ذمہ داری سب سے

بڑھ کر ہوتی ہے چنانچہ ہر تحریک و تنظیم کی کامیابی و ناکامی زیادہ تر جنرل سکریٹری ہی کی کارکردگی پر منحصر ہوتی ہے اس لیے یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ بورڈ کی یہ "نیک فالی" بھی خاصی حد تک امیر شریعت ہی کی رہین منت ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر صدر محترم کی بلند و بالا شخصیت کا پورا تعاون اور ان سے پوری ہم آہنگی نہ ہو تو تنہا کسی بھی جنرل سکریٹری کے لیے مقاصد کا حصول آسان نہیں ہوتا۔

امیر شریعت اور بورڈ کے کارنامے

یوں تو بورڈ نے اپنی تھوڑی سی عمر میں ہی بہت سے قابل قدر کارنامے انجام دیے (شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اب تک کے "بورڈ" کے کارنامے گویا امیر شریعت ہی کے کارنامے کہلانے کے مستحق ہیں) ان سب کا ذکر موجب تطویل ہوگا اس لیے اس وقت چند کاموں کے بارے میں ہی کچھ عرض کیا جا سکتا ہے (۱) بورڈ کے قیام کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ۱۹۷۵ء (اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ کے زمانہ) میں برتھ کنٹرول اسکیم اس بے دردی کے ساتھ نافذ کی گئی کہ پورا ملک چیخ اٹھا پھر اس چیخ و پکار کو بند کرنے (یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ زبانوں پر تالے چڑھانے) کے لیے پورے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی جس کے نتیجے میں ؎ ـــــ

"نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے ـــــ گھٹ کے مر جاؤں مرضی میرے صیاد کی ہے" جیسی صورت حال پیدا ہو گئی اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس آئین "زبان بندی" کی خلاف ورزی کر کے منہ کھول سکے، عین اس تہلکہ خیز زمانہ میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ نے پوری جرأت ایمانی سے کام لیتے ہوئے کلمۂ حق بلند کرنے کا بالفاظ دیگر دار و رسن کو دعوت دینے والے اقدام کا فیصلہ کیا، چنانچہ ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۷۵ء کو پولیس کے گھیرے اور مسلح جوانوں کے نرغے میں ملک کی راجدھانی (گویا ظالم کے عین ناک کے نیچے) میں بورڈ کی مجلس عاملہ اور ممتاز علمائے کرام اور اصحاب بصیرت کا اجتماع بلایا (راقم سطور بھی اس میں پوری طرح شریک و موجود تھا) اور جبری نسبندی (جو برتھ کنٹرول کی سب سے زیادہ ظالمانہ شکل تھی) کے خلاف انتہائی جرأت مندانہ اور اس پوری اسکیم کے بارے میں نہایت متوازن تجویز پاس کی اور "نسبندی حرام ہے" کا فتویٰ بہت سے ممتاز علماء کے دستخطوں سے جاری اور بہت بڑے سائز کے پوسٹر کی شکل میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی بڑی بہت سی چیزیں شائع کیں جو اس وقت کے ناگفتہ بہ حالات میں (جن کا آج اندازہ کرنا بھی مشکل ہے) ایک ایسا فیصلہ تھا کہ جس پر سخت سے سخت سزا بھگتنے کا قوی امکان تھا مگر اس طرح کا کوئی بھی خطرہ مولانا کی حق گوئی و بے باکی میں مانع نہیں ہوا، اور ان سب فیصلوں میں حکیم الاسلام حضرت مولانا طیب صاحب قدس سرہٗ نہ برابر کے شریک تھے بلکہ ان کی ہی صدارت و سرپرستی میں یہ سارے فیصلے ہوئے (رحمہما اللہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ، واسبغ علیہما رضوانہ) ہندوستان کے مشاہیر علماء میں سے ان دو کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب بھی اس اجتماع میں شامل تھے بقیہ ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے کسی عالم کی شرکت یاد نہیں۔ بورڈ نے بلکہ

سارے مسلمانان ہند پر دوسرا نازک وقت پہلے واقعہ کے ٹھیک دس سال بعد ۱۹۸۵ء میں آیا جبکہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ نے تہلکہ برپا کر دیا تھا کیونکہ اس فیصلہ کی رو سے نہ صرف یہ کہ ایک نا حق کو (مطلقہ عورت کو بعد عدت بھی تا نکاح ثانی یا تا موت) سابق شوہر سے زبردستی "نفقہ" دلانے کا فیصلہ کیا گیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور دور رس نتائج کا حامل اس فیصلہ کا یہ پہلو تھا کہ قرآن وحدیث کی تشریح (اور مراد کی تعیین) کا حق مستند علماء ومفسرین سے چھین کر ججوں کو دیدیا گیا تھا، یہ پہلو ایسا خطرناک تھا کہ اس سے پوری شریعت کے (معاملات میں نہیں عبادات تک کے) احکام خطرہ میں پڑ گئے تھے، یہ بات ایسی تھی کہ بجا طور سے ہر باشعور اور حساس مسلمان کی نیند اڑ گئی اور مسلمانان ہند بلبلا اٹھے، اس بیداری کے پیدا کرنے میں مسلم پرسنل لا بورڈ ہی کا اصل حصہ تھا اس میں ظاہر ہے کہ بورڈ کے صدر محترم حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ (جو صدر اول کی وفات کے بعد اجلاس مدراس میں ۱۹۸۳ء میں متفقہ طور پر صدر منتخب کیے گئے) اور جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ رحمانی کی مساعی سب سے زیادہ نمایاں تھیں ان دونوں حضرات کی انتھک محنت و کوشش، بیداری مغزی، توازن اور شخصی وزن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے بڑی حد تک مسلمانوں کو نجات عطا فرمادی۔ حالانکہ اس سے چند ہی سال قبل دفعہ ۱۲۵ (جس کی رو سے ۱۹۷۳ء میں مطلقہ کو بھی بیوی کے حکم میں شامل کر کے اس کا نفقہ تا حیات یا تا نکاح ثانی، طلاق دینے والے شخص پر واجب کر دیا گیا تھا اس) کے مذکورہ بالا نقص کو دور کرنے کے لیے بورڈ کی مساعی ہی سے دفعہ ۱۲۷ میں شق "ب" بڑھائی گئی تھی اور اس اضافہ (ب) کا منشا ہی دراصل یہ تھا مطلقہ کا تا حیات نفقہ شوہر پر لازم ہونے کی غلطی کا ازالہ ہو جائے، مگر ججوں نے اپنے رجحان کو غالب کر کے اس ترمیم کو بھی ایسے معنی پہنا دیے جس کی وجہ سے یہ اضافہ و ترمیم گویا بیکار ہوا، اور بورڈ کی مساعی رائیگاں ہو گئیں۔

یہاں بورڈ کے ایک اور کارنامہ کا ذکر شاید بے محل نہ ہوگا، وہ ہے "متبنی بل" سے مسلمانوں کا استثناء کرانا، بورڈ کے قیام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حکومت ہند کی طرف سے ایک ایسے بل کا مسودہ قانون بننے کے لیے پیش کیا گیا جس کی رو سے ہر شہری کو یہ حق دیدیا گیا تھا کہ وہ کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا سکے اور پھر اس منہ بولے بیٹے کو قانونی طور پر بالکل حقیقی بیٹے کا درجہ حاصل ہو، یعنی وہ حقیقی بیٹے کی طرح اس مصنوعی "باپ" کے ترکہ سے وراثت پانے کا حقدار ہو، اور اس مصنوعی باپ کی ساری اولاد کا اس مصنوعی بیٹے سے حقیقی بھائی کا سا رشتہ سمجھا جائے (نکاح کی حرمت وغیرہ میں) ظاہر ہے کہ یہ قانون، شرعی لحاظ سے بالکل ناقابل قبول تھا، کیونکہ اس سے بہت سے شرعی احکام پر زد پڑتی، مثلاً غیر وارث کو وارث اور غیر ولی کو ولی، اسی طرح نامحرم کو محرم قرار دینا پڑتا جو شریعت میں کھلی تحریف ہوتی۔

بورڈ اور اس کے جنرل سکریٹری کی مساعی سے بحمد اللہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، چنانچہ مسلمانوں کی وہ بے چینی دور ہوئی جو اس بل کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی اور وہ خطرہ ٹلا جو سر پر آ پہنچا تھا۔

امیر شریعت کا سب سے اہم کارنامہ "تدوین فقہ"

راقم کی نظر میں حضرت امیر کا ایک اور کارنامہ بعض اعتبارات سے ان سب سے بڑھ کر مفید اور دوررس نتائج کا حامل ہے وہ ہے مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین شریعت کی دفعہ وار ترتیب (یعنی ان قوانین کو "کوڈی فائی" کرنا) یہ کام جس کی طرف بہت پہلے توجہ ہونی چاہیے تھی مگر بعض معلوم اور نامعلوم اسباب کی بنا پر اب تک محروم توجہ تھا۔ اس وقت اس کام کے فوری محرک کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ ادھر کچھ عرصہ پہلے حضرت امیر علیہ الرحمۃ کی توجہ اس طرف ایسی مبذول ہوئی کہ وہ ان کی فکر پر اور کاموں کے مقابلے میں زیادہ حاوی ہو گیا چنانچہ اس کام کے لیے موصوف نے ہندوستان بھر کے چند ایسے علماء کی کمیٹی بنائی جو فقہ کے موضوع پر اپنا کام اور ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، خوش قسمتی سے راقم الحروف کو بھی حضرت امیرؒ نے اپنی بے پایاں شفقت اور حسن ظن کی بنا پر اس میں شامل کیا، اور تقریباً تین سال تک یہ کام پوری لگن اور محنت کے ساتھ حضرت نے اپنے مستقر مونگیر (بہار) ہی میں متعلقہ لوگوں کو بلا کر کرایا اور خود بھی پوری دلچسپی اور انہماک کا ثبوت دیا۔ اس موقعہ پر حضرتؒ کی گہری فقہی نظر کا مزید۔ بار بار۔ ثبوت ملا۔

مہمان نوازی

ان میٹنگوں میں شرکت کے لیے متعدد بار (غالباً ۵، ۶ بار) مونگیر میں حضرتؒ کے مہمان بننے کی عزت حاصل ہوئی تو دیگر خوبیوں اور کمالات کے ساتھ موصوف کی کریمانہ میزبانی کا وصف سامنے آیا تو آنکھیں کھل گئیں، ایسی شفقت اور عنایت مہمان کے ساتھ چاہے مہمان خورد بلکہ خوردوں کا خورد ہی کیوں نہ ہو، جو شفقت پدری و مادری کو شرما دے، اس کا تصور بھی اتنا حسین اور سرور انگیز ہے کہ تنہا مولانا کا یہ وصف ہر اس شخص کو جسے مولانا کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا، خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے، کہتے ہیں کہ آدمی کی طبیعت کا اصل رنگ سفر میں سامنے آتا ہے، خوش قسمتی سے راقم کو مولاناؒ کے ساتھ، طویل و قصیر متعدد سفروں میں معیت کا شرف بھی حاصل ہوا، زندگی کا غالباً سب سے دلچسپ اور اندرون ملک کا طویل ترین سفر کشمیر، حضرت مولانا کی رفاقت میں (۱۹۸۵ء میں) ہوا، نفقہ مطلقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف مولانا نے پورے ملک کو بیدار کرنے کا بلکہ جھنجھوڑنے کا عزم فرمایا تھا، یہ سفر اسی کی ایک کڑی کے طور پر ہوا تھا۔ مولانا کو سفر میں حضر سے کچھ زیادہ ہی شفیق اور مہربان پایا کہ اپنے سے زیادہ اپنے رفقاء کی راحت و عزت کا خیال رکھتے اور ہر طرح دلجوئی فرماتے تھے۔

مولانا کا وصف "مردم سازی"

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا مولانا کے اوصاف و کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے لیے کوئی مقالہ ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سب کا ذکر ممکن ہی نہیں البتہ صرف ایک اور وصف جو اب نایاب نہیں تو انتہائی کمیاب ضرور ہے۔ کا ذکر ضروری معلوم ہو رہا

ہے وہ ہے آدم گری اور مردم سازی کا وصف، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں غضب کی بصیرت عطا فرمائی تھی کہ وہ ایک نظر میں 'جوہر قابل' کو تاڑ لیتے تھے پھر اس کی ایسی تربیت فرماتے تھے کہ وہ (اگر خدا کی فضل و توفیق شامل ہوتی) "مسِ خام" سے "کندن" بن جاتا پھر ملک و ملت کی خدمت نیز علم و تحقیق کے میدان میں وہ جوہر دکھاتا کہ "اپنے" ہی نہیں "غیر" بھی اس کا لوہا مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا کو اعلےٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق دے اور ان کے رخصت ہو جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کے پُر کرنے کا غیب سے سامان کر دے۔ (آمین)

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی

رحمۃ اللہ علیہ

زندگی ــــــ ایک فرد کی + موت ــــــ ایک جماعت کی

از: حضرت مولانا محمد سالم صاحب، مہتمم وقف دار العلوم، دیوبند

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی انفرادی زندگی کی کئی حدود ہیں، ان کی دیانت و امانت اور اجتماعی زندگی کے دائروں میں وسعت فکر کے ساتھ دلوں کو جوڑنے کی صلاحیت کے بارے میں اپنوں اور غیروں کی کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ سے احقر کو ابتدائی تعارف بحیثیت ممبر مجلس شوری دار العلوم دیوبند حاصل ہوا۔ دار العلوم دیوبند سے احقر کا تدریسی تعلق چونکہ بلا کسی درخواست کے بزرگوں کی بااعتماد شفقت کے تحت ہوا اور اپنے بارے میں کسی منصبی یا مالی ترقی کی نہ کبھی درخواست کی اور نہ ارباب بست وکشاد سے اس قسم کے مقاصد کے لیے ربط قائم کرنا فطرۃً کبھی گوارہ ہوا۔ اور حضرات اراکین شوری سے، اجلاس شوریٰ کے زمانے میں ملنے کا مفہوم عمومی طور پر منصبی یا مالی منافع کے حصول کی کوشش ہی چونکہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے احقر ان مواقع پر بطور خاص اراکین شوریٰ کی ملاقاتوں سے طبعاً گریزاں رہتا تھا۔ لیکن مدرسہ آتے جاتے سر راہ ان حضرات سے اتفاقاً آمنا سامنا کبھی کبھی ہو جاتا تھا لیکن انہی اتفاقی ملاقاتوں میں جس طرز اخلاص و محبت کے ساتھ بے تکلف بنانے کا دلکش انداز میں نے حضرت مولانا

منت اللہ صاحب مرحوم میں محسوس کیا اس میں ایسی انفرادیت تھی کہ جس کو انہی کے ساتھ مختص کہنا بے جا نہیں ہوگا۔ ملاقاتوں سے میرا یہ طبعی اور ارادی گریز طبعی ہونے کی وجہ سے حیرتناک نہیں تھا۔ لیکن اس گریز کے باوجود مولانا موصوف کی شفقت والتفات اور بے تکلف بنانے کے طرز بزرگانہ میں کسی فرق کا نہ آنا میرے لیے کچھ عرصہ حیرتناک ضرور رہا، مگر اسی طرز التفات نے میری عادت گریز کو شکست دی۔ اور شوریٰ کے موقعہ پر کم از کم ایک بار میں نے مولانا سے ملنے پر اپنے کو مجبور محسوس کرنا شروع کر دیا، اور یہ ملاقاتیں رفتہ رفتہ خوردی و بزرگی کی حدود کی رعایتوں کے ساتھ بے تکلفی تک آگئیں۔

ایک معتد بہ وقفہ کے بعد مولانا مرحوم نے احقر کو بہار کے مختلف مقامات کے لیے دعوت دی، میں نے اسے حکم سمجھ کر تعمیل کی، اور اس سفر نے طرفین کے اس تعلق اخلاص کو قریب سے قریب تر کر دیا۔ ایک ہفتہ تک قریباً دس مقامات کے لیے سات سو میل کے بذریعہ کار اس سفر میں ہمہ وقتی معیت نے اس تعلق اخلاص کو موانست میں تبدیل کر دیا۔ دوران سفر احقر سے مولانا نے علمی، تعلیمی، انتظامی اور اجتماعی گوناں گوں سوالات کیے۔ احقر کے جوابات کو غیر معمولی توجہ اور انہماک سے سننے کو احقر نے ایک جائزہ اور امتحان محسوس کر کے فی الجملہ خلش محسوس کی لیکن ہر گفتگو کے بعد ہمت افزا کلمات کے ذریعہ مولانا اس خلش کو مبدل بسکون بھی فرماتے رہے۔

اس واقعہ کی نوعیت اگرچہ شخصی اور ذاتی ہے، لیکن اس سے مولانا موصوف کی افراد سازی کی وہ غیر معمولی صلاحیت سامنے آتی ہے کہ جو احقر نے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صرف مولانا موصوف کی ذات گرامی میں بڑی حد تک پائی۔ اس آزمائشی ہفتہ کے بعد میں نے اپنے محدود علمی اور فکری دائرے کی خود اعتمادی میں قابل قدر اضافہ محسوس کیا۔

شاید حضرت مولانا کے اس جائزہ کے بعد قائم شدہ رائے ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے سابق نائب مہتمم حضرت مولانا مبارک علی صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ کی عدم موجودگی میں غالباً ۱۹۶۷ء میں منعقدہ مجلس انتظامیہ میں حضرت امیر شریعتؒ نے احقر سے استصواب کے بغیر نیابت اہتمام کے لیے مجلس میں احقر کا نام بڑے اصرار سے پیش فرما دیا جس پر ارکان مجلس نے احقر سے استصواب کو ضروری قرار دیتے ہوئے رکن شوریٰ حضرت مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کو احقر کے پاس بھیجا۔ مولانا موصوف سے مسئلہ کی تمام جوانب پر مشتمل تفصیلی گفتگو کر کے احقر نے معذرت کی جو مولانا مرحوم نے مجلس تک پہنچائی۔ احقر کی مسئلہ نیابت اہتمام سے عدم دلچسپی، حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ کے علم میں تھی، اس کے باوجود نام پیش کرنے میں غالباً یہی مخلصانہ حکمت ملحوظ تھی کہ احقر کی منصب نیابت

سے عدم دلچسپی بصراحت سب ارکان کے علم میں آجائے، حضرت امیر شریعت کی اس حکمت عملی کے بد ذمہ داروں کی زبانیں اس موضوع سے آشنا نہیں ہوئیں البتہ حقائق نا آشنا ارباب اغراض نے اس کو چلانے کی بھرپور کوششیں کیں لیکن یہ بے جان موضوع چل نہ سکا۔

وقت نے کروٹ لی اور ملک کے ارباب اقتدار نے سرمستی اقتدار میں، متنوع تہذیبات و مذاہب کے اس سیکولر ملک میں بسنے والی دیگر قوموں کے مزاج کے برخلاف عموماً اور مسلمانوں کے مزاج کے خلاف خصوصاً کومن سول کوڈ کی باتوں کے ذریعہ مجریہ مسلم پرسنل لا کے خلاف محاذ بنانے کی داغ بیل ڈالنی شروع کی، جس سے علماء، وکلاء اور دانشورانِ ملت نے مذہب اسلام اور مسلمانوں کی عائلی زندگی پر سنگین خطرہ محسوس کیا۔ اسی خطرہ کو محسوس فرماکر حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بالبصیرت علماء، ماہر وکلاء اور مفکر دانشوروں پر مشتمل ایک اہم اجتماع وسط ۱۹۷۲ء میں دار العلوم دیوبند میں طلب فرماکر اس تشویشناک مسئلے پر فوری اقدام کی ضرورت ظاہر فرمائی۔ جس پر مسلمانوں کے جملہ مکاتب فکر پر مشتمل مسلم پرسنل لاء کنونشن بمبئی کا انعقاد دسمبر ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا۔ پیش آمدہ مسئلے کی تشویش انگیز ہمہ گیری اس کی متقاضی تھی کہ اس مرحلے پر اتحاد ملت بھی پوری قوت سے ارباب اقتدار کے سامنے آئے، اور زمام کار بھی ان شخصیتوں کے ہاتھ میں دی جائے کہ جن کی دیانت و بصیرت اور صلاحیت دانش آفرینی نہ صرف شکوک و شبہات سے بالاتر ہی ہو بلکہ تمام مکاتب فکر کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم بھی ہو چنانچہ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی قطعی اور مثالی نمائندگی پر مشتمل اس مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لیے بلا اختلاف ایک متفق علیہ شخصیت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) کا نام نامی بالاتفاق تجویز ہوا۔ اسی طرح پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کے ذمہ دارانہ عہدہ جلیلہ کے لیے جملہ مکاتب فکر کے مسلمانوں کے اس مثالی اتحاد کو پورے اعتماد سے برقرار رکھتے ہوئے تدبر و دراست اور جرأت و جسارت کے ساتھ اسلامی نقاط ہدایت کے ترجمان کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کے اس نمائندہ بورڈ کی نگاہیں ادنی تامل کے بغیر امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی پر مرکوز ہو گئیں اور اسی ہمہ گیر اعتماد ملی کے ساتھ بحمد اللہ یہ دونوں شخصیتیں اپنے اپنے منصبوں پر تادم واپسیں فائز رہیں تغمدہم اللہ بغفرانہ۔

حضرت امیر شریعت کے اس تدبر و فراست کا اس موقعہ پر تذکرہ برمحل ہوگا کہ اس اتحاد ملت کو ہر شکست و ریخت سے محفوظ رکھنے کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی حدود کار ابتداء ہی معین و مشخص کردی گئی تھیں۔ لیکن مختلف طبقات اور تنظیموں نے بورڈ کی تائید حاصل کرنے میں ایک آخری سے آخری کوشش ہی صرف نہیں کیں بلکہ اس کیلیے جنرل سکریٹری صاحب پر تشویشناک حد تک دباؤ ڈالنے میں بھی کوئی تامل نہیں کیا۔ لیکن مدبر و متدین جنرل سکریٹری صاحب ان

شدہ توں کو اپنی جان پر کھیل جانے کے لیے تو تیار ہو گئے لیکن بورڈ کے موقف معین سے تجاوز کرنے میں کوئی قوت کسی
وقت بھی ان پر کارگر نہ ہو سکی نہ ان کے مدبرانہ تعامل نے کسی کو ناراض ہونے کا موقع دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا فطری مذاق چونکہ یہ تھا کہ ؎

تراشن از تیشۂ خود جادۂ خویش — زراہ دیگراں رفتن دام است

اس لیے موصوف نے بحیثیت جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے حکومت اور عوام کے سامنے
ہر پیش آمدہ مسئلے پر موقف شرعی پیش کرنے میں روز اول سے جرأت و معقولیت پر مبنی جو راہ صواب اختیار فرمائی تھی وہ
نہ صرف ان کے تدبر و تفکر کی آئینہ دار ہی تھی بلکہ وابستگان بورڈ کے لیے باندازِ لطیف وہ ایک تربیت کا پہلو بھی لیے
ہوئے تھی۔ اسی خاموش تربیت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۷۳ء میں اڈاپشن بل کے بارے میں پارلیمنٹ کے ۶۵ ممبران پر مشتمل
گورنمنٹ کی مقرر کردہ کمیٹی کا پارلیمنٹ ہاؤس میں منعقدہ اجلاس میں احقر کا وہ بے لاگ بیان ہوا کہ ہاؤس کے ذمہ
داروں نے اس سے متاثر ہو کر اس کے معقول و مدلل ہونے کا برملا اعتراف کیا۔ اس کی تفصیل جب احقر نے ایک موقعہ
پر برسبیل تذکرہ حضرت امیر شریعت کو سنائی تو اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرما کر فرمایا کہ آپ نے اڈاپشن بل
کے بارے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی نہایت موثر و مدلل ترجمانی کی ہے لیکن آپ نے اس کی رپورٹ ہمارے پاس کیوں نہیں
بھیجی۔ میں نے عرض کیا کہ چوں کہ میں دارالعلوم کی جانب سے بھیجا گیا تھا اس لئے اس کی مفصل رپورٹ میں نے دارالعلوم
ہی میں پیش کر دی تھی۔ لیکن آپ کے پاس بھی ضرور ارسال کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اس کا خیال نہیں آیا۔ پھر مختلف مجالس میں
حضرت امیر شریعت نے اس بیان کی اشاعت کی خواہش ظاہر فرمائی۔ اب خیال ہے کہ اس وقت جبکہ حضرت کے ذکر خیر پر ہی
یہ تحریر مشتمل ہے تو اسی میں اس خواہش کی تکمیل کر دی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ :

احقر سے پارلیمنٹری کمیٹی کے چیرمین صاحب نے تعارف کے بعد کہا کہ اڈاپشن بل کے بارے میں آپ اپنی
رائے ظاہر کریں جس پر احقر نے کہا کہ میں اس ہاؤس میں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ مسئلہ شرعی بتلانے کے
لیے آیا ہوں جس پر چیرمین صاحب نے اپنے سوال پر معذرت پیش کرنے کے بعد اپنے سوال کو درست کرتے ہوئے کہا کہ
اڈاپشن کے بارے میں مسئلہ شرعی بتلائیے۔ احقر نے عرض کیا کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ایک شخص اگر کسی دوسرے کے بیٹے
کو اپنا بیٹا کہہ دے تو شریعت اسلام ان الفاظ کے کوئی معنی تسلیم نہیں کرتی۔ اس پر ایک خاتون نے مجھ سے سوال کیا کہ
اگر شریعت اسلام ان الفاظ کے کوئی معنی تسلیم نہیں کرتی تو پھر مسلمانوں میں متبنیٰ بنانے کا رواج کیوں ہے۔ میں نے جواباً
عرض کیا کہ میں نے ان الفاظ کے معنی کو شرعاً تسلیم نہ کرنے کا تذکرہ کیا ہے متبنیٰ بنانے کی نفی نہیں کی۔ یعنی اگر کوئی دوسرے

تسلیم ہے اور ادیان و مذاہب کے لیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دینِ فطرت اسلام بنوّت نسب، قرابت اور وراثت کی علت باپ کی اس جزئیت کو قرار دیتا ہے کہ جو بیٹے میں ودیعت ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے بیٹے میں اس جزئیت کو ودیعت کرنا انسانی اختیار سے باہر ہے۔ لہٰذا جب علت منتفی ہوگئی تو معلول یعنی نسب کو ثابت کرنیوالی نہ ابوّت و بنوّت پیدا ہوئی اور نہ اس پر متفرع ہونیوالی قرابت اور وراثت کے ثبوت کا کوئی امکان باقی رہا اور اس فطری جزئیت کے بغیر ابوّت و بنوّت، نسب اور وراثت و قرابت کو تسلیم کرنا معقولیت سے قطعاً خارج ہے جسے اسلام جیسا عقلیت پسند مذہب کبھی تسلیم نہیں کرسکتا، اخیر میں احقر نے ان تفاصیل و دلائل کے بعد عرض کیا کہ یہ اڈاپشن بل اگر دلائل معقولیت سے عاری ہونے کے باوجود بنایا بھی جائے تو ہم اس کے درخواست گذار ہیں کہ مسلمانوں کو اس سے قطعی طور پر مستثنیٰ قرار دیا جائے، اس گفتگو کے بعد نشست ختم ہوگئی لیکن اٹھتے اٹھتے چیرمین صاحب نے یہ اعتراف برملا کیا کہ ان دلائل و تفاصیل کی روشنی میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان اس بل کو چلنے نہیں دیں گے۔

چنانچہ اس بل کے برخلاف مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوشش کامیاب ہوئی اور یہ بل ختم کردیا گیا لیکن فاسد النیۃ افراد کی مذموم مساعی اب بھی جاری ہیں۔

حضرت امیر شریعت کی باوقار شخصیت اور ہر دائرہ کار میں معقول و متین عالمانہ گفتگو، مخاطب کو نہ صرف متاثر و مرعوب ہی کرتی تھی بلکہ ناروا بحث و تمحیص کے عادی لوگوں کی ہمتِ کلام تک جواب دے بیٹھتی تھی اور چند لمحوں کے بعد ان کو سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا تھا۔

حضرت موصوف مدبرانہ حکمت عملی کے ساتھ جب اپنی ممتاز و موثر قوت فیصلہ کو اچانک بروئے عمل لاتے۔ تو عمومی طور پر اس کے خیر ہونے کا یقین حاضرین کے قلوب میں پیدا ہو جاتا تھا۔

رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے نازک ترین مسئلے پر حضرت موصوف نے انتہائی پرخطر احوال میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ورکنگ کمیٹی کا خصوصی اور اہم ترین اجلاس ۲ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو، کپور کا گھر۔ نئی دہلی میں طلب فرمایا۔ اور اجلاس کی صدارت کے لیے بذات خود احقر کا نام پیش فرمایا۔

احقر کی زیر صدارت منعقدہ یہ اجلاس وقت کے انتہائی اہم اور نازک مسئلہ معلومہ بابری مسجد کے بارے میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے متحدہ پلیٹ فارم "پرسنل لا بورڈ" کی جانب سے اس کے شرعی اور قانونی موقف کو متفقہ ریزولوشن کے ذریعہ پوری قوت و صراحت کے ساتھ حضرت امیر شریعت کے فکری اسلوب پر اسی بے جھجھک انداز پر پیش کیا گیا کہ جس کی پوری ملت اسلامیہ بڑی شدت سے منتظر تھی۔

کے بیٹے کو از راہ شفقت اپنا بیٹا کہہ کر اسے پالے پرورش کرے بلکہ پرورش و تربیت و تعلیم کی ذمہ داریوں کو پورا کرے بلکہ اپنی جائداد میں سے بھی کچھ دے دلائے تو شریعت اسلام اس سے منع نہیں کرتی۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود وہ اس کا بیٹا نہیں بنے گا اسی لیے نہ "ابوت و بنوت" قائم ہوگی نہ قرابتیں پیدا ہوں گی نہ وراثت میں کوئی حقداری ثابت ہوگی، بلکہ وہ اپنے اصل باپ ہی کا بیٹا قرار دیا جائیگا۔ اس کے بعد ایک بنگالی ممبر صاحب نے کہا کہ جس جگہ آپ بیٹھ کر شہادت دے رہے ہیں آپ سے قبل یہاں ایک اور صاحب آئے جو بڑی ڈگریوں والے تھے، اور ریسرچ کے سلسلے میں انہوں نے یورپ امریکہ اور مڈل ایسٹ کے دورے بھی کیے۔ انہوں نے بیان دیا ہے کہ یہ اڈاپشن بل" اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اول تو کوئی مسلمان یہ بات کہہ نہیں سکتا لیکن اگر کسی نے کہی ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ بھی اس کو غلط ہی سمجھ رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ میں کیسے غلط سمجھ سکتا ہوں میں تو اسے بطور ثبوت نقل کر رہا ہوں۔ تو میں نے کہا کہ آپ کے غلط سمجھنے کی دلیل یہ ہے کہ آپ اس ذمہ دار ہاؤس میں میرے سامنے اس کی بات تو نقل کر رہے ہیں لیکن اس کا نام لینے کی ہمت نہیں کر رہے ہیں' اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کہنے والے نے یہ بات کہی ہے تو اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے یقین تھا کہ اس وقت اس کو اس ہال میں کوئی چیلنج کرنیوالا نہیں ہے، مگر میں اب اس کے برخلاف چیلنج کرتا ہوں' اور چیرمین صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ ان سے اس کا نام و پتہ پوچھ کر ان کو یہاں بلوائیں انشاء اللہ وہ یہاں سے عہدہ برآ ہو کے جا نہیں سکے گا۔ میرے یہ کہنے پر ایک دوسرے ممبر نے معترض صاحب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد خود چیرمین صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے کہنے کے مطابق ایک عاقل بالغ شخص دوسرے کے بیٹے کو اگر اپنا بیٹا کہہ دے تو شریعت اس کے معنی کو تسلیم نہیں کرتی، لیکن یہی عاقل و بالغ انسان اگر کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تب بھی وہ چند الفاظ کہتا ہے، لیکن وہاں شریعت اسلام اس کے معنی کو تسلیم کر لیتی ہے اور اس کو جائز شوہر اور عورت کو جائز بیوی قرار دیدیتی ہے، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ عورت سے نکاح کی صورت میں ایک شخص جو ایجاب و قبول کے کلمات کہتا ہے انہیں شریعت اسلام ہی نہیں دنیا کے ہر مذہب ہر قانون اور ہر سوسائٹی میں تسلیم کیا جاتا ہے کیوں کہ صحیح اور ناقابل اعتراض طریقہ پر بقائے نسل انسانی کا یہی واحد ذریعہ ہے اور ان الفاظ کے معنی تسلیم نہ کیے جانے کی صورت میں عالم انسانی اس نقصان سے دو چار ہو سکتا ہے کہ جس کی تلافی کا کوئی طریقہ انسانیت کے پاس موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہنے کے معنی کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں عالم انسانی تو دور کی بات ہے خود کہنے والے کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ پس اس عظیم اور قطعی فرق کے ساتھ نکاح اور ابنیت کے کلمات کو برابر قرار دینا نہ عقل و شعور کے لیے قابل

اس تدبر و علم کی متانت و سنجیدگی کے ساتھ حضرت امیر شریعت نے اکابر دیوبند کے مذاق بذلہ سنجی اور ادبی ذوق لطیف سے بھی حصہ وافر پایا تھا۔ بے تکلف مجلسوں میں شعر و ادب کے لطائف و ظرافت سے محظوظ کرتے بھی تھے اور محظوظ ہوتے بھی تھے۔ مولانا موصوف کو جہاں ایسے بے تکلفی والے مخاطبین کبھی کبھی اور کم سے کم میسر آتے تھے، وہیں مصروفیات و ذمہ داریاں بھی ان کی راہ میں اکثر و بیشتر سد راہ بنی رہتی تھیں۔ مگر اس کے باوجود قریب تر لوگوں کو اس لطافت ذوق سے حظ اندوزی کا کبھی کبھی موقعہ میسر آ ہی جاتا تھا۔ چنانچہ حج ۱۴۰۹ھ میں سعودی عرب کی وزارۃ الحج کی دعوت پر بیس افراد پر مشتمل وفد حج کے لیے حاضر ہوا۔ اس میں دیگر حضرات کے علاوہ حضرت امیر شریعت بھی تھے اور احقر راقم الحروف بھی، بعد حج جدہ میں "فندق الخیام" نامی ہوٹل میں منجانب وزارت الحج ضیافت کی گئی، خوش طبعی اور بذلہ سنجی کے اس ماحول میں کچھ دیر بعد شعر و ادب کا رنگ پیدا ہو گیا سب احباب کے ساتھ حضرت بھی بے تکلفی کے ساتھ اس میں شریک رہے، چند لمحوں کے بعد جب رخ سخن حضرت امیر شریعت کی جانب ہوا تو آپ نے ہوٹل کے نام "فندق الخیام" کی مناسبت سے یہ ادبی لطیفہ سنا کر محفل کو محظوظ کیا کہ مشہور شاعر "خیام" کا بھرا ہوا جام شراب گر گیا اور شراب بہہ گئی اس نے اس نقصان پر نہ صرف خدا کا شکوہ ہی کیا بلکہ مزید گستاخی کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تو نے جو میرا جام شراب گرایا ہے تو شاید نعوذ باللہ تو بھی پئے ہوئے تھا، اس گستاخی پر اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ لوگوں نے توبہ کی جانب توجہ دلائی تو اس نے توبہ تو کی لیکن وہ بھی ندرت مضمون کے ساتھ شاعرانہ ہی کی۔ اور بطور توبہ برجستہ یہ قطعہ کہا۔

بے گنہ در جہاں کیست بگو	آنکس کہ گنہ نکرد کیست بگو
من بد کردم تو بد مکافات دہی	پس فرق میان من و تو چیست بگو

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر شریعت کی ذات گرامی گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی وہ خلوتوں میں صوفی صافی اور عابد شب زندہ دار بھی نظر آئے۔ علمی جلوتوں میں اہل نظر نے ان کو کثیر المطالعہ بھی پایا۔ اجتماعی دائروں میں ان کی دقت نظر سے کوئی اختلاف بھی نہ کر سکا، اور سیاسی میدانوں میں ان کی روش اعتدال، ہدف تنقید بھی نہ بن سکی، تصنیف و تالیف میں انہیں اہل قلم نے خراج تحسین بھی پیش کیا۔ اور خوش اخلاقی ان کا امتیازی وصف بھی مانا گیا۔ بزم ہائے ادب میں وہ باذوق بھی تسلیم کیے گئے۔ اور رزم کے کارزاروں میں ان کی مجاہدانہ شدت و صلابت پر دار و گیر بھی نہ کی جا سکی۔ نظم و انتظام میں وہ اپنے دور کی معیاری شخصیت بھی تسلیم کیے گئے، اور دینی تربیت عوام میں امارت شرعیہ کی بے مثال خدمات نے اہل دین سے خراج عقیدت بھی حاصل کیے۔ اور اخیر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری کا عہدہ خالی ہو جانے کے بعد آج بورڈ کے ارباب بست و کشاد سے جس

دقت نظر کا مطالبہ کر رہا ہے وہ بذات خود ان کی پیدا کردہ عظمت و وقار پر ناقابل انکار شاہد عدل ہے۔

کل تک حضرت امیر شریعت کی ذات اور خدمات آنکھوں سے دیکھی اور دکھائی جاسکنے والی حقیقتیں تھیں لیکن آج ناقابل تبدیل خدائی دستور کے مطابق ان کی ذات اور ان کی خدمات نہ دیکھے جانے والے اور نہ دکھائے جاسکنے والے یادوں کے ایسے خواب بن چکی ہیں کہ جن کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

جن کی یادوں سے رگِ جاں میں دُکھن ہونے لگے
ذکر چھڑ جائے تو پتھر کا بھی دل رونے لگے

تغمدہ اللہ بغفرانہ

مولانا منت اللہ رحمانی

ایک عظیم اور بے مثال شخصیت

بدرالحسن قاسمی

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی ہندستانی مسلمانوں کے حق میں باری تعالیٰ کے کرم خاص کی نشانی تھے۔ گذشتہ ربع صدی میں مسلمانوں کو اتنا بیدار مغز بے لوث اور جرأت و شجاعت کا پیکر رہنما نہیں ملا۔ جامعہ رحمانی مونگیر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ آپ کی خدمات جلیلہ کا شاہکار ہیں اور مولانا کی عظمت وعبقریت کے شاہد عدل

مولانا منت اللہ رحمانیؒ سے میں ذہنی طور پر بہت قریب رہا ہوں، ان کی شخصیت میں عظمت کے کئی پہلو ایسے تھے جو ان کی کسی بھی معاصر شخصیت میں نظر نہیں آئے۔

مولانا منت اللہ رحمانی روایتی معلم نہیں تھے لیکن ان میں معلمانہ شان ایسی تھی کہ ہمیشہ لوگ ان کی مجلس سے کچھ سیکھ کر ہی اٹھتے، وہ کوئی سیاسی عہدہ دار یا وزیر نہ تھے لیکن ان کے چہرہ پہ رعب وجلال ایسا تھا کہ ہر کسی کو ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، وہ کوئی جج یا وکیل نہیں تھے لیکن خدا نے انھیں بحث وجرح کی ایسی صلاحیت دی تھی، اور حجت واستدلال کا ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ ان کی کاٹ کے آگے اچھے اچھوں کے اوسان خطا ہوتے تھے۔

وہ جس مجلس میں بیٹھتے قائدانہ شان سے چھائے رہتے تھے اور جو مسئلہ زیر بحث ہوتا اس کی تہہ تک انکا ذہن بڑی سرعت کے ساتھ پہنچتا اور ان کی جو رائے ہوتی اس کے اظہار میں بے پناہ جرأت اور بیباکی ان کی شخصیت کے خاص عنصر تھے اور ان تمام اوصاف وخصوصیات کا حامل کوئی دوسرا شخص کم از کم میری نگاہوں نے نہیں دیکھا ـــــ دارالعلوم دیوبند برصغیر میں دینی تعلیم وتربیت اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کا نشان رہا ہے اور اس نے ایک صدی سے زائد عرصہ تک مسلمانوں کی زندگی پہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور اس کے فیض یافتہ طبقہ میں ایسے اکابر رجال پیدا ہوئے ہیں جن کی نظیر چشم فلک نے کم ہی دیکھی ہوگی۔ علم وفضل کے پیکر کامل علامہ انور شاہ کشمیری اور تقویٰ واخلاص اور روحانیت واصلاح

امت کے نقیب مولانا اشرف علی تھانوی دونوں اسی ادارہ کے ساختہ و پرداختہ تھے جن کو دارالعلوم کی علمی و روحانی تاریخ کا خلاصہ اور عطر کہنا چاہیے۔

مولانا نانوتویؒ، مولانا گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے علمی وعرفانی جلوؤں کا پرتو تو تم یہی دونوں کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ ع میری تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی، چند برسوں کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند سیاسی ریشہ دوانیوں کا اکھاڑا بنتا چلا گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو سرپرستی سے مستعفی ہونا پڑا اور علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو ڈابھیل میں پناہ لینی پڑی جسے دارالعلوم کے علمی زوال کا نقطۂ آغاز سمجھنا چاہیے اگرچہ بعد کے زمانہ میں بھی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور شیخ الحدیث مولانا فخرالدین احمد علامہ ابراہیم بلیاوی حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب اور دوسرے علماء کے دم سے ادارہ پروان چڑھتا رہا اور اس کے دائرہ اثر میں بھی اضافہ ہوا لیکن دارالعلوم کے احاطہ میں نہ علم کا وہ تقدس باقی رہا جس کا نشان انور شاہؒ تھے اور نہ روحانیت کی وہ شان رہی جو مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دم سے تھی اور علم وعرفان دونوں ہی ملکی اور بین الاقوامی نہیں اندرون ادارہ خلفشار اور توڑ جوڑ والی سیاست کے زیر اثر ہوتے گئے۔ اور بزرگوں کی جگہ جب "بزرگ زادوں" نے لینی شروع کی تو ادارہ اپنی تاریخ کے اس اسٹیج کو پہنچ گیا، جہاں اب ہے۔ بہر کیف یہ تو ایک طویل اور دردناک داستان ہے جس کا یہ موقع نہیں، کہنا مجھے یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے انتظامی تعلیمی امور کی نگرانی مجلس شوریٰ کے ذریعہ کی جاتی تھی اور اس کے ایک رکن رکین حضرت مولانا منت اللہ رحمانی بھی تھے، مولانا کے رفقاء اور مجلس کے ارکان میں بلند پایہ علمائے کرام تھے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا حکیم محمد زماں الحسینی مولانا قاضی زین العابدین سجاد مولانا ابوالحسن علی ندوی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی یہ سب اپنے وقت کے نامور علماء ہیں لیکن اس مجلس میں مولانا سید منت اللہ رحمانی کا وجود ایک خاص طرح کی انفرادیت لیے ہوئے تھا اور اپنی اصابت رائے، فیصلہ کی قوت اور صاف گوئی کی وجہ سے ایک خاص عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے آمد کے وقت سے ہی دارالعلوم کے مہمان خانہ میں ان کے لیے مخصوص کمرہ اساتذہ طلبہ دارالعلوم کے کارکنان اور خود اراکین شوریٰ کی آمد و رفت کی وجہ سے خاص ہماہمی کا مرکز بنا رہتا تھا مولانا اپنے بارعب چہرہ، نورانی وضع قطع اور گرجدار آواز کی وجہ سے سبھوں کی توجہ کا مرکز بنے رہتے اور یہ بات دارالعلوم دیوبند کے حلقہ میں عام تھی کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے بعد کسی کو ایسا اثر و نفوذ حاصل نہیں ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کے معاملات و مسائل سے انہیں بڑی دلچسپی تھی اور بڑی دلسوزی سے ان کو حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رات دیر گئے تک مجلس کے اجتماعات جاری رہا کرتے اور مولانا اپنے مخصوص باوقار انداز سے ایک ایک مسئلہ کو حل کرنے

کے لیے اپنے رفقاء کے ساتھ مصروف رہتے اور بیشتر تجاویز ان کی رائے کے مطابق ہی طے پاتیں اور عام طور پر تجاویز کی ترتیب اور نظر ثانی کا کام بھی انہیں کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے زمانہ میں شوریٰ کا اجلاس پارلیامنٹ کے اجلاس کی طرح مکمل آزادی رائے کا آئینہ دار ہوا کرتا تھا۔ ایک طرف مولانا محمد طیب جیسا پیکر شرافت ہوا کرتا تھا اور دوسری طرف بعض ایسے نفسیاتی اور جسمانی مریض اراکین جو آداب مجلس کا بھی لحاظ نہ کر پاتے تھے اور اپنی جماعتی وابستگیوں کی وجہ سے ناشائستہ الفاظ تک استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے ایسی ناہمواریوں پہ قابو پانے کے لیے مولانا منت اللہ رحمانی کا وجود بڑا اہم ہوا کرتا تھا اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب کو بھی ان کی وجہ سے بڑی ذہنی راحت ملا کرتی تھی لیکن یہ بات صرف تلخیوں پہ قابو پانے کی حد تک تھی ورنہ نظم و انتظام کے معاملہ میں کسی طرح کے تساہل پر نقد کرنے میں مولانا رحمانی کسی دوسرے ممبر سے پیچھے نہ تھے لیکن ان کا مقصد ہمیشہ تعمیری ہوا کرتا تھا اور بے لوث۔ جبکہ بعض دوسرے ممبران کے پیش نظر مخصوص سیاسی طبقہ کی وکالت ہوا کرتی تھی اور مقصد قاری محمد طیب صاحب کو زچ کرنا ہوتا تھا، آٹھ دس سال کے عرصہ میں شوریٰ اور عاملہ کے بیسیوں اجلاس ہوئے، اور ہر اجلاس کے موقع پر مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی عبقریت، عظمت اور جرأت و بیباکی کے بے مثال نمونے دیکھنے میں آتے رہے۔ اور دل پہ ان کی محبت اور گرویدگی کا نیا نقش قائم ہوتا رہا۔ دارالعلوم کے اکثر طلبہ اور ملازمین اپنے حقوق کیلیے مولانا کی رہائش گاہ کو پناہ گاہ تصور کرتے تھے اور مولانا ہر ایک کی شکایت کو پوری یکسوئی سے سنتے اور اگر معقول شکایت ہوتی تو اسے دور کرنے میں پوری تندہی کا ثبوت دیتے۔ ملازمین کی تنخواہ کا مسئلہ ہو یا مدرسین کے تقرر اور طلبہ کے وظائف کا، ہر بات کو اسی طرح اہمیت دیا کرتے تھے جس طرح کے ملت کے مسائل کو۔ اراکین شوریٰ میں حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب جیسے ذکی و ذہین، اور مولانا اکبر آبادی جیسے صاحب قلم بھی تھے لیکن حاضر دماغی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کو حل کرنے کیلیے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب جیسا لگن اور اپنی بات کو زور و قوت کے ساتھ کہنے کا جذبہ کسی اور میں نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے مولانا کے تعلق خاطر کا سب سے زیادہ اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب دارالعلوم فتنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا اور بعض مشہور شخصیتوں نے اپنی ساری مناظرانہ صلاحیتیں حکیم

الاسلام مولانا محمد طیب صاحب کی کردار کشی کے لیے وقف کر دی تھیں۔ حضرت مولانا قاری طیب صاحب اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ بلند قامت، علم و شرافت کا پیکر اور دار العلوم دیوبند کی عظمت کا نشان تھے۔ لیکن ان کے مخالفین نے انہیں رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس صورت حال سے مولانا رحمانی سخت کرب میں مبتلا تھے اور بار بار یہ کہتے تھے کہ اپنی جماعت کے سرخیل اور مسلک دار العلوم کے سب سے بڑے ترجمان کو اس طرح رسوا کرنے کی مہم انتہائی گھناؤنی ہے۔ ان کے دل میں مولانا قاری محمد طیب صاحب کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس بات کا پورا احساس تھا کہ دار العلوم کو دار العلوم بنانے کا سہرا قاری محمد طیب صاحب کے ہی سر ہے۔ لہٰذا ان کا وقار بہر صورت بحال رہنا چاہیے۔ ان کو بعض ایسے رفقاء سے سخت تکلیف تھی، جنہوں نے در پردہ تو دیوبند کے ایک سیاسی گروپ کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی اور اس کی پشت پناہی میں وہ قاری طیب صاحب کو اقتدار سے محروم کرنے کی مہم چلا رہے تھے، اور نمائش یہ کی جا رہی تھی کہ شوریٰ اور دستور کی حفاظت کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ مکر و فریب کی ساری سنتیں تازہ کر دی گئیں اور ستم یہ ہے کہ سب کچھ "عاجزانہ" شان اور اشکبار "نگاہوں" کے ساتھ کیا گیا جس پر انسانیت اخلاق اور بڑوں کی روایات خون کے آنسو روتے رہے اور بے ساختہ زبانوں پر آگیا کہ خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں ــ کہ درویشی بھی عیاری ہے۔ سلطانی بھی عیاری اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہر طرح کی شاطرانہ چالوں کے باوجود "مخلص" بزرگ" نے اپنے "ماہنامہ" میں ایک بار یہ انکشاف فرمایا کہ مجلس شوریٰ کے کچھ اراکین مولانا طیب صاحب کے ہمنوا ہیں اور کچھ دوسرے سیاسی اور باغی گروپ کے۔ لیکن میں اور میرے بعض رفقاء قطعی غیر جانبدار ہیں" جسے پڑھ کر مجھے بے ساختہ مولانا گیلانی کا علامہ یافعی کی مرآۃ الجنان سے نقل کردہ یہ واقعہ ذہن میں آگیا کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے کچھ اساتذہ نے اپنی قوت حفظ بڑھانے کیلیے ایک بار بلاذر نامی گھاس کھائی تھی اور سب کے سب جنون میں مبتلا ہو گئے، جنگلوں اور بیابانوں میں پھرنے لگے، انہیں میں سے ایک بزرگ مدرسہ کے ذمہ داروں کے پاس اس شان سے آئے کہ بالکل ننگ دھڑنگ لیکن سر پہ بہت بڑا عمامہ، اور فرمانے لگے کہ احقر کے چند ساتھیوں نے بلاذر کھائی تھی سب کے سب تو پاگل ہو گئے ایک احقر ہی ہے جس کے ہوش و حواس صحیح و سالم ہیں"، چنانچہ کلکتہ سے شائع ہونے والے اخبار مشرق میں میں نے یہ کہانی مختصر تبصرہ کے ساتھ لکھ بھیجی کہ دار العلوم کے مسئلہ میں مذکورہ "بزرگ" کے کھلے ہوئے جانبدارانہ رویہ کے باوجود یہ ارشاد کہ احقر اور اس کے چند رفقا غیر جانبدار ہیں، پڑھ کر ان کا ایسا ہی ہیولیٰ سامنے آتا ہے جو مدرسہ نظامیہ کے عمامہ والے استاذ کا تھا۔ کافی عرصہ کے بعد جب حضرت مرحوم کے سامنے اس کہانی کا ذکر آیا تو بے ساختہ ان کو بھی ہنسی آگئی، مولانا نے آخر وقت تک دار العلوم کی حفاظت اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کے وقار کے لیے پوری جد و جہد کی، ہفتوں دہلی میں قیام فرما کر حضرت

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی جناب یونس سلیم صاحب سابق گورنر بہار اور دوسرے ارباب فکر و دانش سے صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ دوسرے حلقہ کی طرف سے ان پر ڈورے ڈالنے کی بھی بڑی کوشش ہوئی، خود شوریٰ کے بعض اراکین نے یہ پھبتیاں بھی کسیں کہ "مولانا اُدھر کہاں ہیں۔ اِدھر آئیے یہاں کاریں ہیں مرغ ہیں"۔ لیکن مولانا کی رائے اخلاص پر مبنی اور ان کی شخصیت ناقابل تسخیر تھی، یہ سب کو معلوم تھا کہ کسی لالچ یا دباؤ کے تحت مولانا رحمانی کی رائے کے بدلنے کی کوشش پہاڑ سے سر ٹکرانے کے مترادف ہے۔

مولانا رحمانی بڑے عظیم انسان تھے۔ ان کی رائے کی اصابت اور صلابت دونوں قابل رشک تھی۔ اصول پسندی اور معقولیت ان کی زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم تھے۔ دارالعلوم دیوبند ایک ایسے سیاسی گروہ کے ہاتھ چلا جائے جس سے علم اور شرافت دونوں ہی پناہ مانگتے ہیں، مولانا اس کے سخت خلاف تھے کیونکہ اس کے پاس سوائے سیاسی بازیگری کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اور یہ دیکھنے کے باوجود کہ مجلس شوریٰ کا صرف نام ہی رہ گیا ہے اور اب اس کا انعقاد بھی کسی اور ہی کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ انہوں نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اپنے آپ کو ایڈہاک کمیٹی میں شامل کرلیں یا شوریٰ سے استعفا دیکر دستور کے خلاف کھلی من مانی کرنے کا لوگوں کو موقع دیں۔ افسوس ہے کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے بعض حامی بھی مولانا کی قدر و قیمت اور ان کی رائے کی اصابت نہیں سمجھ پائے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے رہے حالانکہ مولانا کا وجود بہر حال میں ان کے لیے ایک نعمت تھا۔ سقوط دارالعلوم کے بعد تو اصلاح حال کے لیے میدان میں آنے والے سبھی سورما اب مفلوج اور بے دست و پا ہو گئے ہیں

اب نہ دستور ہی کی ضرورت رہ گئی ہے اور نہ شوریٰ کی۔ اور خود وہ لوگ جنہوں نے انقلاب کی قیادت کی تھی انقلاب در انقلاب کی نذر ہو کر رہ گئے ہیں ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را   چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے خدمات کا دائرہ بیحد پھیلا ہوا ہے۔ امارت شرعیہ کو انہوں نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ جامعہ رحمانی کو انہوں نے پروان چڑھایا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی انہوں نے رکن شوریٰ کی حیثیت سے برسوں بے لوث خدمت کی ہے، ندوۃ العلماء ان کے والد کا قائم کردہ ادارہ ہے، رکن عاملہ و شوریٰ کی حیثیت سے اس کی رہنمائی کرتے رہے لیکن زندگی کے آخری سالوں میں ان کی خدمات کا شاہکار وہ ادارہ رہا ہے جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ مولانا رحمانی نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی داغ بیل ڈالی اور تاحیات اس کی اس طرح قیادت فرمائی کہ وہ ہندستان کا سب سے زیادہ موقر ادارہ اور ہندوستانی مسلمانوں کی آرزوؤں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ علماء

جدید تعلیم یافتہ طبقہ مختلف جماعتوں کے سربراہان بھی اس کی طرف نسبت میں عزت وافتخار محسوس کرنے لگے یہاں تک مسلمانوں کی اجتماعیت کا سب سے بڑا اسٹیج بن گیا۔ انہوں نے اس ادارہ پر آنے والی ہر آنچ کا پامردی سے مقابلہ کیا، مسلمانوں کو باعزت زندگی کا طور سکھلایا اور اپنے دستوری حقوق کی بازیابی کے طریقے سکھلائے، ایمرجنسی کے دوران نس بندی کا فتنہ شروع ہوا تو جرأت و بے باکی کی مثال قائم کردی بورڈ کے صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ایک بیان سے لوگوں کو الجھن پیدا ہوئی تو بڑی دانشمندی سے اس کا تدارک کیا متبنی بل اور دوسرے مسائل کیلئے نہایت ہی دانشمندانہ جنگ لڑی اور فتحیاب ہوئے اور ملک کے مختلف حصوں سے قابل اور غیرت مند قانون دانوں، علمائے دین اور ارباب فکر و دانش کے ایسے منتخب گروہ کو اپنے گرد جمع کرلیا جن کی آواز ایوان اقتدار میں بھی زلزلے ڈال سکتی ہے۔

ہر وہ شخص جس کی گذشتہ بیس سالوں کی تاریخ پر نظر ہے اس کا اعتراف کرے گا کہ مولانا منت اللہ رحمانی بورڈ کے روح رواں تھے اور انہوں نے بورڈ کو ایسے باوقار مقام تک لا کھڑا کیا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب اس امانت کی حفاظت ان لوگوں کا کام ہے جن کے ہاتھوں میں انھوں نے یہ امانت سونپی ہے اور ان میں اس کی پوری اہلیت موجود ہے۔

بورڈ کے کام کا دائرہ اصلاح معاشرہ سے لیکر اسلامی قانون کی تدوین تک پھیلانا مولانا رحمانی کا کرشمہ تھا۔ مولانا رحمانی کی زندگی میں اخلاقی عظمت کے بھی بہت سے پہلو تھے، وہ انتہائی کریم النفس اور فیاض آدمی تھے ان کے ہاتھ بڑے کشادہ اور ان کا دسترخوان بیحد وسیع تھا۔ میں نے سماحت کے وصف میں بھی ان کو اپنے معاصرین سے بڑھ کر ہی پایا سفر و حضر میں وہ اپنے ساتھیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ایک ایک شخص کی خبرگیری کرتے رہتے تھے، مردم شناسی اور مردم سازی بھی ان کا خاص وصف تھا۔ وہ لوگوں کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کرتے تھے اور جس کسی میں جوہر قابل دیکھتے اس کو پروان چڑھانے میں بھی کسر نہیں اٹھا رکھتے، سینکڑوں ایسے افراد ہیں جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ ان کو کارآمد بنانے میں مولانا رحمانی کا ہاتھ رہا ہے۔

وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ ملک وملت کے مسائل ان کی زندگی تھی اس کے ساتھ بیعت و ارشاد اور فتوی نویسی سے لیکر تعویذ نویسی تک کے لیے ان کا دماغ ہمہ وقت چاق چوبند رہا کرتا تھا۔

میں نے مولانا منت اللہ رحمانی جیسا باحوصلہ اور باعزت انسان نہیں دیکھا، ایمرجنسی کا خوفناک ماحول ہو یا فسادات کی ہلاکت آفرینی ہو یا دارالعلوم کے شوری کے اجلاس کے دوران لاٹھیوں کی بارش، مولانا کے چہرے پر خوف وہراس ہم نے کبھی نہ دیکھا اور نہ کبھی حالات سے گھبراہٹ کے آثار، البتہ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فکرمند

ضرور رہتے تھے۔ ان کا دماغ بڑا بافیض، زرخیز اور نقاد واقع ہوا تھا۔ وہ کسی بات کو بحث و تمحیص اور نقد و نظر کے بغیر ماننے کے قائل ہی نہ تھے۔ ان کے سامنے کسی مسئلہ کو رکھنا خود کو بحث اور جرح کا تختۂ مشق بنا لینے کے مرادف تھا۔

دینی معاملات و مسائل ہوں یا ملی اجتماعی قضیے، وہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح اپنے شاگردوں، تربیت یافتوں اور دوستوں کی پارلیمنٹ میں اسے رکھنا اور مسئلہ کے ہر پہلو کی تحقیق کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ان میں خود رائی نہ تھی، وہ دلیل کیساتھ اختلاف رائے سے خوش ہوتے تھے اور اسی میں ان کی پختہ خیالی اور بلند فکری اور رائے کے اصابت کا راز پنہاں ہے، انکی جو رائے یا بیان ملک و قوم کے سامنے آتا وہ مکمل بحث و تمحیص کے بعد، چنانچہ ان کی کسی بیان پر کسی کو انگلی اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ انھوں نے کبھی ملک و ملت کے لیے فتنہ کا دروازہ کھولا۔

سیاسی مسائل ہوں یا فقہی ان کو صحیح موقف اختیار کرنے کی خدا نے خاص توفیق بخشی تھی اور انکو معاونین اور رجال کار بھی اچھے عطا کیے تھے۔ خاص طور پر مولانا نظام الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے ذکر کے بغیر تو امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہر نقش نامکمل رہتا ہے۔ مولانا رحمانی مرحوم کا کمال یہ ہے کہ ایسے باصلاحیت اور باکمال لوگوں کو نہ صرف اپنے اعتماد میں رکھا بلکہ اپنا گرویدہ اور شیفتہ بنائے رکھا اور ان سے بڑے بڑے کام لیے

مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسٹیج پر بعض جزوی اور ذیلی مسائل لاکر لوگوں نے اختلاف پیدا کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن مولانا کے تدبر اور ان کی حکمت و بصیرت نے کبھی اس کا موقع آنے نہ دیا۔ بابری مسجد کا مسئلہ جب تک نعرہ بازیوں کی سیاست کی نذر رہا، مولانا نے مکمل سکوت اختیار فرمایا اور سوال کرنے والوں سے صفائی کے ساتھ فرمایا کہ میں کسی ایسے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے موقف میں نہیں ہوں جس کی باگ میرے ہاتھ میں نہ ہو، لیکن جب مسئلہ نے نازک صورت حال اختیار کر لی اور سیاسی کرتب باز بے بس دکھائی دینے لگے اور مسلمانوں کے خون سے جگہ جگہ ہولی کھیلی جانے لگی تو مولانا میدان میں آئے اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے بھرپور قرارداد منظور کرائی اور بھرپوری جرأت و بے باکی سے ملک کے اعلیٰ ایوان تک نمائندگی کی، بعض جذباتی سیاسی رہنماؤں کا ذکر آتا تو فرماتے کہ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ بہت ذہین لوگ اکثر کارآمد نہیں ہوتے اور ان کی حرکتوں سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی کی زندگی کی بہت سی جھلکیاں مجھے دیکھنے کا موقع ملا اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے میری ذہنی تشکیل میں ان کا غیر معمولی اثر رہا ہے۔ دار العلوم کے فتنہ کے دوران ان کے نصرت حق کے جذبہ کو دیکھ کر بار بار خیال ہوتا تھا کہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی ایک مشترک سوانح لکھی جائے جس میں تینوں کی شخصیت کا مکمل تحلیل و تجزیہ ہو

اور ہر ایک کی انفرادی خصوصیات کا ذکر ہو۔ تنہا مولانا کے کارناموں پر نظر پڑتی ہے تو حضرت عمر بن الخطابؓ کے بارے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ذہن میں آجاتا ہے "لم ار عبقریا یفری فریہ" دس سال کی عمر میں میں نے مولانا کی وجیہہ اور نورانی شکل پہلی بار دیکھی تھی۔ تعارف جامعہ رحمانی سے دیوبند آجانے کے بعد ہوا۔ دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجتماعات کے علاوہ مدارس اسلامیہ کنونشن، امارت کانفرنس اور بہت سے موقعوں پر مولانا کے ساتھ بیٹھنے، ان کی رائے سننے، اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور ہمیشہ دل پر ان کی عظمت وعبقریت کا نیا نقش قائم ہوا۔ ان کی وفات کی خبر ایسے وقت میں ملی کہ میں حجاز میں تھا، متعدد اہل تعلق کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے مولانا کے لیے خاص طور پر طواف اور عمرے کا اہتمام کیا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی قبر کو نور سے بھرے اور انہیں ان کی بے لوث خدمات اور کارناموں کا صلہ عطا کرے اور شہداء اور صالحین کے زمرہ میں جگہ دے بلاشبہ وہ عظیم تھے اور اپنی نظیر آپ۔

مقاصد شریعت کے نگہبان

—— مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب خازن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

اللہ کے مقبول بندے دنیا سے جانے کے بعد میں بھی مخلوق میں ان کے تذکرے صداقت کی بنیاد پر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا۔ فَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ٥۔ ہم نے ان کے پیچھے بھی لوگوں کی زباں پہ صداقت کی بنیاد پر ان کے تذکرے جاری رکھے۔

حضرت امیر شریعت رابع مغفور و مرحوم مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے تشریف لے گئے اور الحمد للہ اس حال میں گئے کہ ہر داعی حق کو مومن مصلح کو ایسی وفات کی تمنا کرنی چاہیے۔ جیسی حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی۔ موت تو ہر ایک کو آگے پیچھے آنی ہے۔ دنیا کی زندگی فانی ہے، "نحن قدرنا بینکم الموت" کے تحت تقدیر میں لکھا ہوا یہ خدائی فیصلہ ہے اسی لیے اللہ نے انبیاء کے بارے میں بھی فرمایا "وما کانوا خالدین" اور یہ بھی فرمایا "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ٥ ترجمہ —— آپ کے پہلے بھی کسی انسان کے لیے ہم نے ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں فرمایا، تو کیا تم مر جاؤ گے تو یہ ہمیشہ رہ جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر ایک چھوٹا بڑا تو کیا کوئی مصلح امت ہو تب بھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ انبیاء اور مرسلین کو بھی اللہ کے حضور جانا ہے۔

لیکن سب سے بڑی فضیلت کی بات کسی مومن کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا اس دنیا کا اس کا آخری دن کیسا گزرا؟

سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت امیر شریعت کی وفات ایام رمضان میں ہوئی۔ تراویح کی نماز میں حضرت قیام میں تھے۔ سینہ میں درد اٹھا۔ بدن کو سنبھال نہ سکے۔ لوگ کمرہ میں لے گئے، لٹایا اور بس تھوڑی دیر کے بعد اعلیٰ علیین میں لے جائے گئے۔

کیا عجیب ہے کہ فرشتوں نے اس وقت یہ ندا دی ہو۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ٥ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي

جَنَّتِیْ ۝ ——— ترجمہ: اے اطمان پانے والی جان، چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی ہے وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔ بس میرے نیک بندوں میں شامل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے مراتب ہمارے گمان سے بھی ان شاء اللہ کئی گنا بلند فرمائے گا مولانا مرحوم کے عہد کی تاریخ اور ان کی زندگی کا ہر موڑ ایسی جامع دستاویز کا پتہ دیتا ہے، جو بیک وقت دینی، ملی، روحانی، اصلاحی خدمت خلق اور احیاء شریعت سے لیکر ملکی سیاست تک کے دائرہ میں رواں دواں رہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش، تعلیم و تربیت کا حال تو ہمارے بڑوں کو معلوم ہے۔ مجھ ناچیز کو پچھلے ۲۰ برسوں سے حضرت مرحوم سے رابطہ رہا۔ کئی مرتبہ اسفار ہوئے، چھوٹے بھی بڑے بھی اور الحمد للہ ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ سفر حج کی سعادت بھی اللہ نے عطا فرمائی۔

وقف ایکٹ کی منظوری سے لیکر خانقاہ رحمانی کی سجادہ نشینی گے ایک وہ دور جس کی معلومات ہم جیسوں کو نہیں۔ لیکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور شریعت کے تحفظ کی تحریک نے حضرت کو نمایاں مقام پر کھڑا کر دیا۔

اصلاحِ خلق اور نفس کی تربیت کرنے والا مصلح امت اور درس و تدریس کی مسند پر بیٹھ کر امت کو تعلیم دینے والا جو تحفظِ شریعت کے لیے ملک گیر پیمانے پر، باطل کے مقابلے میں ہر موڑ پر کھڑا ہو گیا۔ تب ہم جیسوں کو معلوم ہوا کہ کیسی بھاری بھر کم اور زبردست شخصیت امت کے پاس نبیؐ کے نائب کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ اللہ اللہ۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۝ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۝

ترجمہ ——— بس یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج ہیں اور اگر آپ زبان اور دل کے سخت ہوتے تو یہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو جوڑے رکھنا اور آخر وقت تک جوڑے رکھنا، اس کام کے لیے نبوی مزاج نہ ہو، جیسا کہ اوپر درج شدہ آیت میں اشارہ کیا گیا۔ تب تو کوئی منتظم کامیاب نہیں ہوسکتا۔ لیکن حضرت امیر شریعت رابع میں خاتم النبیین کے

مزاج کا عکس تھا۔ اور وہ نبویؐ اخلاق کا نمونہ تھے۔ الحمد للہ امت کے سبھی طبقوں کو جوڑنے میں کامیاب رہے۔ دوسری جانب حق پسندی اور مخلوق سے بے خوفی۔ دوسری جانب اللہ کی خشیت نے حضرت کو اس مقام پر پہونچا دیا جہاں سے وہ حکام وقت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتے تھے عمر بھر کوئی جابر حاکم بھی حضرت امیر شریعت کو دبا نہ سکا۔

آج ہندوستانی مسلمان حضرت کی خدمات کا معترف

سپریم کورٹ میں شاہ بانو کے فیصلے کے بعد تحریکی قیادت میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ ان کا جو تعاون رہا وہ ان دونوں بزرگوں کی ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کی لائن کی بات تھی۔

مختلف فکر کے طبقۂ علماء کو جوڑے رکھنا اور باطل کے مقابلے میں حق پرستوں کو صف آراء کرنا اس میں الحمد للہ آل انڈیا کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ان کا قائدانہ رول تحریک کے ہر موڑ پر برابر آتا رہا۔

ملی خدمات اور سیاسی ماحول اور میدان میں خدمت اور پنجہ آزمائی آدمی کو ایک گہرے سمندر میں ڈھکیل دیتی ہے۔ ذکر و اذکار تو کیا بعض لوگوں کی نماز تک کا ٹھکانہ نہیں رہتا۔ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا پورا دھیان، دائم تہجد گزار اور ذکر و اذکار میں مشغول نیز بیعت وارشاد اور اصلاح المسلمین کا بوجھ لیئے ہوئے یہ عظیم شخصیت ملت کی خدمت کے میدان میں اور سیاسی ماحول میں مورچہ بندی کے لیے ایک بڑی جماعت کی حیثیت سے ابراہیمی روح لیئے ہوئے آئی۔ خوب فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ "اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً"۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شخصیت میں تو ایک آدمی تھے۔ لیکن اپنے کاموں کے لحاظ سے خود ایک امت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیم کے اس عظیم رکن منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصف عطا فرمایا کہ خود وہ ایک شخص تھے۔ اور خود ہی ایک جماعت تھے۔ شخصیت سازی بھی کی، امت کی شیرازہ بندی بھی کی۔

پچھلی شب کو قیام میں مشغول بیٹھے ہیں تو ذکر میں مشغول، مجلس اور گفتگو میں شریک ہیں۔ تو قلب کے ساتھ بدن بھی ذکر میں مشغول، قوتِ فیصلہ، متانت سنجیدگی، خوش خلقی، خوش پوشی، پاکیزگی طہارت اور طبیعت میں ذوقِ سلیم اور سلیقہ مندی، علمی تبحر، سوجھ بوجھ کی گہرائی، حالات کی پیش خبری، پیش بندی اور تحریک کو چلانے کے لیے وسیع ترین منصوبہ بندی، ان سب صفات کا حامل دنیا سے چلا گیا۔

اپنے رب کے نزدیک اس کے مراتب علیا ہیں۔ اس کا مقام بلند ہے۔ مگر امت اب آنکھیں پھاڑ کر منتظر ہے کہ اب دوسرا کوئی منت اللہ رحمانی اسے کب ملے، کہاں ملے؟

اللہ تعالیٰ ملت اسلامی فی الہند کے اس زبردست نقصان کی بدل عطا فرمادے تو اس کی رحمت اور قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

"وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ"

اور اللہ کے لیے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

ہم اللہ رب العزت سے دعاء کرتے ہیں کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہٗ کی طرح دین فطرت کے مقاصد کا کوئی نگہبان ہمیں پھر دکھائی دے۔

"فرزند جلیل"

از حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم وقف، دیوبند

شہامت و شجاعت، جرأت و بسالت کو اگر کوئی چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا تو بے تکلف مرحوم امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی جانب اشارہ کیا جا سکتا۔ واقعتہً یہ صفات ان کے قالب میں مناسب ومتوازن انداز میں اس طرح موجود تھیں کہ خال خال افراد ہی ان کے ہم رتبہ کہے جا سکتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے گفتگو کا سلیقہ، بات چیت کا انداز، بحث و مباحثہ کی صلاحیت ایسی عنایت کی کہ مجالس میں، بحث و نظر کے وقت وہ منفرد نظر آتے۔ کچھ لوگ بولتے ہیں اور اسے ہذیان سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ بہت سوں کے جواب برائے جواب ہوتے ہیں۔ کچھ کی گفتگو دل آزاری اور دوسرے کی دل شکنی کا آئینہ دار ہوتی ہے مگر مرحوم ان میں سے کسی فہرست میں داخل نہیں کئے جا سکتے۔ ان کا لب ولہجہ پرشکوہ، بات مدلل، جواب قاطع، جس سے سوجھ بوجھ ٹپکتی اور حریف کو دم زدنی کا موقع نہ رہتا۔

"یادش بخیر" چندر شیکھر صاحب جن کی وزارت عظمیٰ عبوری و عارضی ہونے کے ساتھ عدم استحکام کی منھ بولتی تصویر تھی۔ ان وزیر اعظم کے سیکولر مزاج ہونے کی روایات اس تواتر سے کان میں پڑتیں کہ ہم ایسے بھی تسلیم پر خود کو مجبور پاتے، لکھنؤ میں کشمیر پر کانفرنس ہوئی تو چندر شیکھر صاحب نے مسلم اجتماع میں کشمیر و کشمیریوں کی حمایت و ہمدردی میں وہ زناٹے کی تقریر پلائی کہ بڑے سے بڑا دہشت گرد بھی ایسے تند و تیز لب و لہجہ میں کشمیر و کشمیریوں کا کیس پیش نہیں کر سکتا، راقم الحروف جو کم از کم ۴۰، ۴۵ سال سے سیاست دانوں کی شاطرانہ سیاست کا تلخ تجربہ رکھتا ہے اور جسے درون پردہ و برون

پردہ کی عیارانہ سیاست نے مستثنیات کو چھوڑ کر بیشتر سیاستدانوں سے بیزار کر دیا۔ اخبارات میں اس شگفتہ وشستہ تقریر کو پڑھ کر شیکھر صاحب کی جرأت رندانہ کا قائل ہو گیا مگر جب بخت واتفاق موصوف کو وزارت عظمیٰ کی کرسی تک لے پہونچا تو ان وزیر اعظم نے جون ہی بدل ڈالا۔ ان دنوں بھاجپائی سیاست نے ہندوستان کے امن وامان کو کچل دیا تھا۔ ہندوستان کے اکثر حصے فساد کی لپیٹ میں تھے۔ لیکن وزیر اعظم دور دراز علاقوں میں تو کیا پہنچتے میرٹھ کے فسادات کا خوں ریزہ و ہلاکت خیز منظر بھی ان کو از دہلی تا میرٹھ آمادۂ سفر نہ کر سکا۔ ایسے خوفناک حالات میں مسلم قائدین کے وفد نے وزیر اعظم سے ملاقات میں فسادات کی شدت پر گفتگو کی تو سیکولر وزیر اعظم کا جواب تھا کہ:

"سب ہی نے بھنگ آمیز کوئیں سے پانی پی رکھا ہے کیا ہندو کیا مسلمان"

گویا کہ سادہ دل شیکھر ظالم ومظلوم، قاتل ومقتول، ستم رسیدہ وستم گر، سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ رہے تھے اس بے تکی کا جواب صرف اسی نے دیا جو ناتوانی کا ڈھیر، زندگی سے دور موت سے قریب ہو رہا تھا یعنی مرحوم مولانا منت اللہ، جواب باصواب اور کیسا دنداں شکن فرمایا:

"شیکھر صاحب حکومت نے تو بھنگ نہیں پی رکھی"

یہ تو یقین ہے کہ وزیر اعظم اس وقت اپنی سیاسی مہارت کی بنا پر ناگوار تاثر دبانے پر قابو پا تو گئے ہوں گے مگر اس جوابی حملے نے بسمل تو مدتوں کے لئے کر دیا ہوگا۔

ماضی بعید میں دار العلوم دیوبند واقعی دار العلوم تھا یہاں کے باوقار عہدوں پر جہانگیر و عالمگیر شخصیت ہی آسکتی تھی صدارت تدریس کسی ایسے نابغہ کو دی جاتی جس کی تمام فنون پر دسترس عالم آشکارہ ہو، تقریر وتحریر میں یگانہ، نسبت احسانی کا رازدار، مقبولیت ومحبوبیت میں منفرد، زریں وتابناک علمی وعملی کردار کا وثیقہ داہنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہو، صدارت اہتمام کے لئے وہ شخصیت مطلوب ہوتی جسے تحریر وتقریر میں بے مثال قدرت، گرہ کشائی میں مہارت، تدبیر وتدبر میں حذاقت قسام ازل نے پوری فیاضی سے دی ہو، مدرس وہ ہوتا جو اپنے فن میں بے نظیر، علمی حلقوں میں مشہور، حلقۂ مستفدین کے لئے شفیق مربی کی حیثیت لئے ہوئے ہو، رہی مجلس شوریٰ تو ہر رکن بین الاقوامی حیثیت کا مالک، مدبر، مفکر، حق شناس، حق گو، بیدار مغز، جری، میں نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو اوپر سے نیچے تک ہر اساسی عہدے پر آفتاب و ماہتاب دیکھے اس زمانے میں

"ایرے غیرے نتھو خیرے" دارالعلوم کی شوریٰ کی رکنیت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اگر یہ سمجھ میں آگیا اور آنا چاہئے تو مولانا منت اللہ رحمانی کا بحیثیت رکن شوریٰ انتخاب، منتخب روزگار ہونے کی دلیل ہے جس دلیل پر نہ کسی مزید کی ضرورت نہ مستزاد کی حاجت۔

پھر ان کی رکنیت شوریٰ تاریخی بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ ہوا یوں کہ ایک سیاسی گروپ جو مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کو دارالعلوم کے اہتمام سے اکھاڑنے کے "نیک کام" میں ہمیشہ مصروف رہا اکھاڑ پچھاڑ کی۔ یہ "مساعیٔ جمیلہ" دارالعلوم میں ہر سطح پر انجام دی جاتیں اور چونکہ مجلس شوریٰ اپنے اثر و اقتدار کی بنا پر دارالعلوم کی مضبوط تر تنظیم تھی اس میں قاری صاحب کو گردن زدنی قرار دینے کے مواقع زیادہ تلاش کئے جاتے کسی بھی رکن شوریٰ کے انتخاب میں سیاسی گروپ سب سے زیادہ اچھل کود دکھاتا۔ ضلع سہارنپور کے ایک رکن جو اپنے سیاسی مزاج اور طلاقت لسانی کی بنا پر قاری صاحب کے کسی بھی امکان قتل کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ جب بیچارے مرحوم ہوگئے تو ان کے صحیح جانشین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مولانا منت اللہ صاحب طالب علمی میں اس سیاسی گروپ سے وابستہ رہے اور ابتدا ہی سے جرّار و طرّار تھے اس لئے وہ "صاحب" جو دارالعلوم کے موجودہ انقلاب کے علمبردار جن کی "مسعود شخصیت" "متعارف اور "نیک کارے" "طشت از بام ہیں۔ دارالعلوم پر قبضہ کے لئے ان دنوں بال و پر نکال رہے تھے۔ مولانا منت اللہ صاحب کو ایک کامیاب حریف کی حیثیت سے منتخب کرا کر لائے۔ مگر مقلب القلوب جو قلب قلوب کے عمل پر پوری طرح قادر ہے اس نے امیر شریعت کو قاری صاحب کا طاقتور حلیف بنا دیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سیاسی گروپ کی پیدا کردہ خوفناک شورش میں اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ پی۔ ایس۔ سی کو بلا لیا جائے۔ اس وقت مولانا منت اللہ کی سیاسی سوجھ بوجھ، تیزیٔ عمل، بیداریٔ مغزی، مآل کار پر گہری نظر کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ حالیہ ہنگامے میں بھی جس کا نتیجہ دارالعلوم پر غاصبانہ قبضہ ہے مجلس شوریٰ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تو مولانا منت اللہ صاحب قاری صاحب کے گروپ میں شریک رہے ان کے رفقاء کا شیرازہ بکھر چکا تھا خصوصاً مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بستر مرگ پر مفلوج زندگی گذار رہے تھے۔ اگر مجلس شوریٰ تقسیم نہ ہوئی ہوتی اور قاری صاحب کا حامی گروپ اپنے ماضی کی طرح توانا ہوتا تو دارالعلوم کا موجودہ نقشہ اب تک سو فیصدی بدل چکا ہوتا۔ وللہ عاقبۃ الامور۔

خانقاہ رحمانیہ اور اس سے متعلق مکتب کو مرحوم نے اپنی کوششوں سے جامعہ بنا دیا۔ مسلم پرسنل لا کی سکریٹری شپ ان کے دور میں بڑی باوقار تھی اور کہا جا سکتا ہے کہ بابری مسجد کا قیامت خیز ہنگامہ اگر پہلے لمحہ سے مرحوم کی وکالت میں ہوتا تو ہزاروں بربادیوں، سیکڑوں رسوائیوں کا سیاہ دن مسلم قوم کو نہ دیکھنا پڑتا مگر ملت کی بدقسمتی کہ یہ مقدمہ ایسے ہاتھوں میں پہنچ گیا جنہیں مسئلہ کے حل سے زیادہ دلچسپی اپنی رونمائی، سیاسی اقتدار اور ان مقاصد کے لئے مسلم مفادات کی خرید و فروخت میں کوئی تامل نہیں۔ اَلْاَسَفُ فَالْاَسَفُ۔

"مسلم پرسنل لا" نے اپنے دائرۂ کار کو ہمیشہ محدود تر رکھا۔ کاش کہ یہ تنظیم ملی تمام مسائل میں قائدانہ کردار ادا کرتی تو "بچکانہ سیاست" کی لائی ہوئی بدبختی سے مسلم قوم محفوظ رہ جاتی نیز مولانا مرحوم کی قائدانہ صلاحیتوں کا ملت کو بھرپور فائدہ پہنچتا۔

بہار جو ان کا وطن ثانی تھا وہاں کی مقامی سیاست میں ان کا عمل دخل زیادہ رہا۔ بھاگلپور کے حالیہ فسادات اور اس کے نتیجہ میں مسلم فرقہ کی تباہی و بربادی میں "پھر بساؤ" جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مرحوم کی کوششیں تاریخ کی امانت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جب بھی داخلی بحران میں مبتلا کیا جاتا مرحوم اس ملی درسگاہ کو بحران سے نکالنے کے لئے مخلصانہ اور پرعزم کوششیں کرتے۔ سیاسی گروپ کے تسلط سے دارالعلوم کو محفوظ رکھنے کی ان کی سعی و کاوش خود ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے۔ ان کی یہ مخلصانہ جدوجہد یقیناً کامیاب ہوتیں بشرطیکہ اراکین شوریٰ کا وہ عنصر ان سے تعاون کرتا جو بدقسمتی سے سیاسی گروپ کے زیر اثر جا چکا تھا۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔

غرضیکہ مرحوم، نامور باپ کے نامدار فرزند، اسلاف کے صحیح وارث، اسلام کے راست باز خادم، ملت کے درۂ تابندہ اور مسلم قوم کے مضبوط کشتیبان تھے۔ ع

اب اسے ڈھونڈ چراغ رُخِ زیبا لیکر

امیر شریعت

مولانا منّت اللہ رحمانی کی وفات انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

رمضان المبارک کی تاریخ تھی کہ اچانک یہ رنجیدہ خبر ملی کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے عظیم دینی رہنما، مولانا شاہ محمد منت اللہ رحمانی ایک مختصر تبلیغی دورہ کے بعد اپنے مالک سے جاملے للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وکل شئ عندہ لاجل مسمی وانا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا شاہ منت اللہ صاحب رحمانی اپنے عظیم والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیری کے جانشین اور ان کے علمی و دعوتی کام کو جاری رکھنے والے تھے۔ اور انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو بڑے اچھے ڈھنگ سے پورا کیا۔ وہ بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت بھی منتخب ہوئے اور شرعی امارت کی ذمہ داری کو بطریق احسن انجام دیتے رہے پھر اس ملک میں حفاظت شریعت کا مسئلہ ہندستان کے آزاد اور سیکولر دیس بن جانے کے بعد بڑی اہمیت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا۔ حضرت مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے محض یہی نہیں کہ اس کو محسوس کیا بلکہ اپنے تن من دھن سے اس کی فکر میں لگ گئے۔ اپنے معاصر علماء کو ساتھ لے کر اس کو

تحریکی حیثیت دی، چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا بڑا اجتماع بمبئی میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تشکیل میں آیا۔ ہندستان کی عظیم تاریخی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے سربراہ مولانا قاری محمد طیب صاحب اس کے صدر اور خود مولانا منت اللہ رحمانی اس کے ناظم اعلیٰ (جنرل سکریٹری) منتخب ہوئے۔ ہندستانی مسلمانوں کے مختلف دینی مراکز اور فقہی مکاتب کی نمایندگی اس بورڈ میں رکھی گئی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے ان کے دور صدارت میں ہندستانی عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کے ایک فیصلہ کے سبب جس سے مسلمان مطلقہ کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ کے قانون سے سخت تصادم سامنے آیا جس کے سبب بورڈ کو سخت چیلنج کا سامنا ہوا۔ اور بورڈ نے اپنے صدر اور جنرل سکریٹری کی رہنمائی میں زبردست مہم چلائی جو جمہوری سطح پر عوامی جلسوں کے انعقاد اور رائے عامہ بنانے کے ذریعہ اور سیاسی سطح پر وزیراعظم سے ملاقاتوں کے ذریعہ انجام دی۔ یہ ایسا معرکہ تھا جس میں اس ملک کے اندر اسلامی شریعت کے بقاء و عزت کا مسئلہ سامنے آگیا تھا، جو مسلمانوں کی مذہبی موت و زیست کی حیثیت رکھتا تھا دوسری طرف عدالت علیا کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کی رائے عامہ دیکھ کر ملک کی اکثریت نے اس مسئلہ کو ایک طرح سے ملک اور اکثریت کے خلاف سمجھ لیا اور اس طرح مسئلہ میں مزید سنجیدگی پیدا ہوگئی۔

لیکن الحمد للہ بورڈ نے اپنے صدر مولانا علی میاں صاحب اور جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ رحمانی کی حکیمانہ قیادت میں معاملہ اس طرح چلایا کہ بالکل تلخی پیدا نہ ہونے دی۔ اور آہستہ آہستہ حکومت وقت نے مسلمانوں کے موقف کو صحیح تسلیم کر لیا اور عدالت علیا کے فیصلہ کا حل پارلیامنٹ میں مطلقہ قانون کو تبدیل کر کے نکالا۔ اس طرح بورڈ کا یہ کارنامہ ایک تاریخی اور بے مثال کارنامہ قرار پایا اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا رحمانی کا قیمتی حصہ رہا۔

مولانا رحمانی نے اپنی ملی زندگی کے شروع دور میں ملک کی سرگرم سیاست میں بھی حصہ لیا، لیکن پھر بعد میں انہوں نے اپنی جد و جہد کو صرف دینی، علمی و ملی مقاصد کے دائرہ میں ٹھوس اور ٹھنڈے طریقہ سے کارگزاری پر محدود کیا۔ چنانچہ ان کی سرپرستی میں مونگیر میں جامعہ رحمانی، بہار واڑیسہ کی امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی نظامت اعلیٰ رہی اور اس کے ساتھ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی کوششوں میں بحیثیت رکن تاسیسی کے فکرمندی کے ساتھ شریک رہے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا

سید محمد علی مونگیریؒ ندوۃ العلماء کے ناظم اول و اولین بانیوں میں سے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے خاندان کا تعلق بھی ندوۃ العلماء کے ادارہ سے خاص رہا۔ اور اسی بنیاد پر مولانا منت اللہ رحمانی نے ندوۃ العلماء میں بھی اپنی تعلیم کا ایک دور گذارا اور بعد میں وہ یہاں کے معزز رکن انتظامی رہے اور آخر میں تو متعدد جلسوں کی صدارت بھی فرمائی۔

پرسنل لا بورڈ کی تحریک میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سے مولانا رحمانی کا تعلق زیادہ قریبی اور گہرا ہوا اور آخر میں تمام ملی کاموں میں دونوں دو قریبی ساتھیوں کی طرح برابر شریک ہوئے۔ مولانا کی فہم و فراست اور اجتماعی اور ملی مسائل میں طویل علمی تجربہ ان کے تمام مشوروں اور کاموں میں بڑا ممد و معاون ہوتا تھا۔ اور ملت کے مختلف کاموں کو بڑی تقویت و مدد ملتی تھی۔

آخر میں مولانا رحمانی کا شمار مسلمان ملی قائدین میں صرف دو تین چوٹی کے افراد میں ہوتا تھا ہر اہم موقعہ پر ان کی دور اندیشی اور علم سے ملت کو مدد ملتی تھی۔ افسوس ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ اپنے اس عظیم فرزند سے محروم ہو گئی اور اس کے لیے مولانا کی وفات موت العالِم موت العالَم کا صحیح مصداق بن گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملت کی اس عظیم خسارہ میں اس کی مدد فرمائے اور بدل عطا فرمائے۔ اور مولانا مرحوم کو اپنے خاص قرب سے نوازے۔ مولانا کی وفات رمضان کے مبارک مہینے میں اور صلوٰۃ تراویح ادا کرتے پیش آئی اس سے بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا جو مقام ہوگا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے لیے یہ واقعہ مزید بڑا صدمہ ہے کہ ان کے ملی کاموں میں ان کا ایک بہت قریبی رفیق اب ان کے ساتھ نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے اور ان کے ملی و دینی و علمی معاملات میں پیش آنے والی دشواریوں کے دور ہونے کے اسباب برابر مہیا فرماتا رہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ وانہ نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ہمارے حضرت امیرؒ

از ـــــــــــــــــــ مولانا مفتی محمد مصطفی مفتاحی
استاذ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

آسماں راحق بود گرخوں ببارد بر زمیں
بر وفات حضرت منت امیر المؤمنین

یہ شعر فارسی کے کسی شاعر کا ہے۔ میں نے تھوڑا سا تصرف کر دیا ہے، حضرت کے ظل عاطفت سے محرومی پر نہ صرف بہار واڑیسہ بلکہ پورا ملک سوگوار ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں حضرت امیر اپنی دینی بصیرت سیاسی شعور، اجتماعی بیدار مغزی، غیر معمولی تدبر و تدبیر، رجال سازی، حلم و تقویٰ اور معاشرہ میں شرعی احکام کی تنفیذ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، نابغۂ روزگار تھے، عبقری تھے، سالار کارواں کا ہر وصف عالی ان کی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ تمام وکمال موجود تھا، نگہ بھی بلند تھی اور جاں بھی پر سوز۔ اور سخن دلنواز کی کیا کہیے ؎

اللہ رے چشم ناز کی معجز بیانیاں
ہر شخص کو گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

ان کے شاندار کارنامے اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم کتاب مرتب کی جائے اور ان کے حالات واوصاف اور خدمات واقدامات کا تفصیل سے تذکرہ کیا جائے۔ بلاشبہ ان کی ذات گرامی ایک فرد نہیں بلکہ انجمن در انجمن اور زندہ تحریک تھی، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو عزم ہے کہ مستقبل قریب میں ان کی حیات کے تمام گوشوں پر بسط وتفصیل سے لکھوں گا۔

اس چھوٹے سے مضمون میں جستہ جستہ چند باتیں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

۱ــــــ کرامات کے پیمانہ سے عام طور پر لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ کس بندہ کا قرب اللہ تعالیٰ سے کتنا ہے، لیکن قرآن کریم کی آیت اُخرِجت للناس کا پیمانہ سامنے رکھا جائے اور دیکھا جائے کہ شریعت کے منشار کے مطابق اس دور میں قوم و امت کو کس شخص سے کتنا نفع پہنچا تو بلاشبہ حضرت امیرؒ کا مقام سب سے آگے ہوگا۔ ملت و قوم کے ہر محاذ پر انہوں نے پوری طرح جانبازی دکھائی ہے۔

۲ــــــ وہ رجال سازی کا گہرا شعور اور تجربہ رکھتے تھے، اور اس سلسلہ میں بالکل منفرد تھے، وہ اصاغر سے کام لیتے اور انتھک کام لیتے، کام کا سلیقہ بھی سکھاتے، اپنوں کو جہاں اٹھاتے، پروان چڑھاتے وہیں سرکشوں کو دبانا بھی جانتے تھے، باطل کے آگے تو انہوں نے جھکنا جانا ہی نہیں تھا، بلکہ باطل کو اپنے آگے سرنگوں کرنے کا سلیقہ اور دم خم خوب رکھتے تھے، وہ متحرک زندگی کے قائل تھے، خود بھی ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور قریبی افراد کو بھی ہمیشہ فعال، سرگرم اور رواں دواں دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

۳ــــــ وہ عام طور پر شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے، حدیث فانہ یری آثرہ علیک پر عمل تھا کبھی آمدنی کم ہو جاتی تو معمول سے کم تر کپڑا استعمال فرماتے۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر میں حاضر ہوا، معمولی کپڑا زیب تن دیکھا تو میرے جی میں سوال ابھرا کہ آج ایسا کیوں ہے؟ میرے کچھ کہنے سے قبل ہی ارشاد فرمانے لگے کہ عزیز! اللہ تعالیٰ جتنا دے اسی میں صبر و شکر کے ساتھ گذارا کرنا چاہیے اور اس کا اظہار اپنے کپڑوں سے بھی کرنا چاہیے۔

بعض علماء ان کے اس کر و فر کو پسند نہیں کرتے تھے، یہ بھی کہتے تھے کہ اس کر و فر میں خدا کا ملنا مشکل ہے، ایسے حضرات کو خواجہ عبید اللہ احرار کی ٹھاٹ باٹ کی زندگی نگاہ میں رکھنی چاہیے۔ زیب و جمال اللہ کے یہاں مردود نہیں بلکہ مطلوب و مقبول ہے بشرطیکہ نیت میں پاکیزگی، خلوص اور رضاء الٰہی کی طلب ہو۔

۴ــــــ وہ چاہتے تھے کہ علماء باوقار رہیں اور اپنے لباس، اعمال اور اخلاق سے بھی باوقار رہیں، کیونکہ انہی کے دم سے مسلم معاشرہ میں دینی رونق ہے، اسی لیے وہ جامعہ رحمانی میں اساتذہ کرام کو سب سے زیادہ تنخواہیں دیتے تھے۔ میلے کچیلے اور گندے کپڑوں میں کسی کو دیکھتے تو برملا ٹوکتے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے شکایت کی کہ آپ کے فلاں قاضی صاحب کو فلاں جگہ میں نے دیکھا تھا کہ وہ مکھن اور بریڈ کھا رہے تھے۔ یہ سنتے ہی حضرت امیرؒ نے اس شخص کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

"کیا آپ کی خواہش ہے کہ وہ ستو پھانکیں، چنے چبائیں، تو آپ خوش ہوں گے؟ کیا اچھی غذا، اچھا

لباس، عزت اور آرام سب کچھ انگریزی دانوں کے لیے ہے، عالموں کے لیے نہیں؟ "
حضرت کا ارشاد سن کر وہ شخص لاجواب ہوگئے۔

۵ــــــ غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے، بہار مدرسہ اکزامینیشن بورڈ (جسے اب بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کہا جاتا ہے) کے نصاب تعلیم میں ترمیم کا مسئلہ درپیش تھا، بورڈ نے حضرت سے خواہش کی تھی کہ وہ اس میں ترمیم فرمائیں۔ حضرت امیر اس وقت بورڈ کے سرگرم ممبر تھے اور میں جامعہ رحمانی میں مدرس تھا، حضرت کا ایماء ہوا کہ اپنی صوابدید سے تم ترمیم کا خاکہ بناؤ، میں نے بنایا اور حضرت الاستاذ الشیخ حبیب الرحمن الاعظمی رحمہ اللہ کا رسالہ نصرۃ الحدیث شامل کر دیا، جو پہلے شامل نہیں تھا، حضرت امیرؒ نے پورے خاکہ کو بنظر غور دیکھا، نصرۃ الحدیث کی تجویز شمولیت پر مسرت کا اظہار فرمایا پھر اسے بورڈ سے منظور کرایا۔

۶ــــــ ان کو اپنے وطن "مونگیر" سے کتنی سچی محبت تھی، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگائیے، مکاتیب گیلانی پر نوٹ کا املاء کرا رہے تھے، شہر مونگیر پر نوٹ لکھوایا، اس املاء کے وقت میں خدمت میں موجود تھا املاء مکمل ہوا، تو مجھ سے فرمایا کہ دیکھو اور بولو کہ وطن کا حق ادا ہوا یا نہیں۔

۷ــــــ نسبت اور ذکر و شغل نامی کتابچہ لکھا، معمول کے مطابق ہر قابل ذکر شخصیت کو بھجوایا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کو جب پہنچا تو انہوں نے پڑھا، پھر حضرت امیر کو اپنے تاثرات لکھے، یہ بھی لکھا کہ "آپ نے اس میں وہ بات لکھی ہے جس کو لکھنے کے لیے میں برسوں سے سوچ رہا ہوں، لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔"

۸ــــــ ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء کو دلی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے عاملہ کی میٹنگ تھی، ایمرجنسی کا وقت تھا، فوج اور پولیس نے اس مکان کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا، جہاں میٹنگ ہو رہی تھی خوف و ہراس کی عجیب فضا چھا رہی تھی، اس فضا میں جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ نے میٹنگ میں کہا کہ "علماء نے ہمیشہ ملت کو سنبھالا ہے، آج ملت پر پھر سخت وقت آیا ہے، ہمیں امید ہے کہ علمائے کرام اپنی روایتی بصیرت و استقامت کے ساتھ پھر ملت کی صحیح قیادت فرمائیں گے۔"
حضرت امیرؒ بورڈ کے جنرل سکریٹری تھے، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ کے بعد فرمایا کہ:
"بلاشبہ علمائے کرام نے ملت کو ہمیشہ سنبھالا ہے اور آج بھی ان شاء اللہ ملت کی صحیح قیادت کا فریضہ انجام

دیں گے، چاہے کچھ بھی ہو، ہم ملت کا سودا نہیں کریں گے۔"
آپ کے علم میں آنا چاہیے کہ دلی کا سفر شروع کرنے سے پہلے ہم اپنے گھر میں یہ کہہ کے آئے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہو گا تو ہم واپس آئیں گے۔ قاضی مجاہد الاسلام صاحب بھی سر سے کفن باندھ کر آئے ہیں۔"
حضرت کے اس ارشاد کے بعد عاملہ کے ارکان کا حوصلہ بڑھا، خوف و ہراس کا بادل چھٹا، پھر پورے انشراح اور حوصلہ کے ساتھ نسبندی سے متعلق تجویزیں منظور ہوئیں۔ ان تجویزوں کا ملک کے مسلمانوں پر کیا اثر پڑا؟ ہر فرد کے علم میں ہے۔

۹ــــــ آل انڈیا ریڈیو کے مصطفےٰ علی اکبر نے ایمرجنسی کے دوران ۱۹۷۶ء میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نسبندی سے متعلق بیان کو کانٹ چھانٹ کے نشر کیا۔ اور یہ نشریہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ اس نشریہ کی وجہ سے پورے ملک میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، حضرت قاری صاحبؒ مسلم پرسنل لا بورڈ کے بھی صدر تھے۔ اس موقعہ پر حضرت امیر نے پوری جرأت و شجاعت دکھائی، امت مسلمہ کو ڈھارس بندھائی، اپنا مفصل بیان بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے شائع فرمایا، بیان میں لکھا کہ یہ حضرت قاری طیب صاحب کی ذاتی رائے تو ہو سکتی ہے، بورڈ کا موقف نہیں ــــــ حضرت امیر کے اس وضاحتی بیان سے پورے ملک کے مسلمانوں نے راحت کی سانس لی۔ اور فضا بدل گئی۔

سری لنکا میں ایک دفعہ بڑے پیمانہ پر اجلاس ہوا، جس میں پوری دنیا کے علماء اور دانشور مدعو تھے، اجلاس میں حضرت امیر بھی مدعو تھے اور شریک ہونا چاہتے تھے لیکن چوں کہ اس میں ثقافتی پروگرام بھی شامل تھا، اس لیے آپ نے شرکت کا ارادہ ملتوی کر دیا ــــــ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اس اجلاس میں شرکت کرنی چاہیے تھی اور بتانی چاہیے تھی کہ جنگ عظیم جن قوموں کے درمیان ہوئی ہے وہ ایک ہی مذہب کی ماننے والی تھیں۔
یکساں سول کوڈ کے حامیوں کے سامنے تاریخ کا یہ پہلو ضرور سامنے آنا چاہیے۔
حضرت امیرؒ نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے سلسلہ میں جو کتابچے لکھے اور شائع فرمائے، ان سے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے کاز کے سمجھنے میں پورے ملک میں مضبوط فضا بنی اور بیحد تقویت ملی۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

٭٭٭

حضرت امیر شریعتؒ

کچھ یادیں ــــ کچھ باتیں

از: مولانا سید احمد علی سعید۔ رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ مولانا محمد علی مرحوم مظفر نگری ثم مونگیری کے چھوٹے صاحبزادے تھے، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی جو کہ عالم دین اور اپنے وقت کے شیخ اکبر اور سلوک میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا محمد علی مرحوم ان ہی کے خلیفہ تھے ان ہی کے ارشاد پر مونگیر اور اس کے نواح کی اصلاح اور اشاعت دین کے لیے مونگیر تشریف لائے تھے۔

ارشاد و اصلاح میں اپنا وقت گذارا یہاں تک کہ ۱۳۴۳ھ میں مونگیر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مرحوم و مغفور ایک بلند پایہ عالم ذی شعور مصنف صاحب نسبت ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست ملی و قومی رہنما بھی تھے۔ میرا ان کا تعلق ۱۹۵۱ء سے تھا، جب کہ مرحوم دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کے ممتاز طالب علموں میں تھے، میں نے اور مولانا نے ۱۳۵۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی تھی۔ اور آخری دور تک مولانا نے اپنے اس تعلق کو خوش اسلوب، رواداری کے ساتھ نبایا، ہم دونوں کا آپسی تعلق صرف دوستی ہی کا نہیں بلکہ برادرانہ نوعیت کا تھا۔

مولانا مرحوم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ پرنسپل و ناظم تعلیمات و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم کی تحریک پر ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم کے مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، ان کا شمار ذی رائے اور ممتاز ارکان شوریٰ میں سے تھا،

میں اور حضرت قاری طیب صاحب مہتمم مرحوم خورجہ ضلع بلند شہر میں سنہ ۱۹۷۱ء میں میجر سعید احمد مرحوم کے
مہمان تھے وہاں بمبئی کے اخبار میں میں نے یہ خبر پڑھی کہ عبدالحمید دلوائی نے بمبئی میں ایک میٹنگ بلائی تھی جس
میں کافی تعداد میں عورتیں بھی شریک تھیں اور مسلم عائلی قوانین پر سخت حملے کیے گئے تھے، میں نے قاری
صاحب مرحوم سے کہا اب تو پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیئے قاری صاحب نے فرمایا
حالات مجبور کر رہے ہیں کہ ہمارا اقدام بھی ضروری ہے چنانچہ میں نے دیوبند اگر علماء، دانشوروں و کلاء
سیاسی رہنماؤں کی ایک فہرست مرتب کی اور قاری صاحب مرحوم کے سامنے یہ کہہ کر پیش کر دی کہ
ان میں سے آپ انتخاب کر کے جلد سے جلد نمائندہ اجتماع بلالیں تو مناسب ہوگا۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نمائندہ اجتماع طلب کرلیا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے
قیام کی شکل میں یہ پہلی مجلس تھی، جو دارالعلوم کی لائبریری کی بڑے حال میں ہوئی تھی افتتاح مجلس
پر مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی تجویز اور مفتی عتیق الرحمن مرحوم کی تائید سے یہ طے پایا تھا کہ اس سلسلے
کا پہلا اجلاس بمبئی میں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ قاری صاحب مرحوم مولانا منت اللہ صاحب مرحوم میں اور
چند ساتھی چند یوم پہلے اس اجلاس کے انتظام کے لئے بمبئی پہونچ گئے۔ عظیم الشان اجلاس ہوا اور
اسی اجلاس میں سنہ ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہوگیا، اور سنہ ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد میں دوسرا
اجلاس قائم ہوا جس میں دستور مرتب کیا گیا، ان دونوں اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر طبقے اور ہر فکر کے
علماء اور دانشور اس میں شریک تھے۔ اور ہر فکر کے افراد بحیثیت بنیادی رکنیت کے منتخب ہوئے
اس سلسلے میں مولانا منت اللہ صاحب کی مساعی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا آل انڈیا مسلم پرسنل لاء
بورڈ کے بانی اگرچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تھے لیکن حقیقی معنے میں اسکو پروان چڑھانے
والے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری کی متحرک اور فعال مساعی ہی ہیں جس نے عوام
و خواص کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اصول و ضوابط اور مقاصد حسنہ سے اپنی تقریروں و تحریروں
اور کتابچوں کے ذریعہ متعارف کرایا اور حکومت میں بھی اس کا ایک پُر وقار مقام قائم ہوا۔

تدوین فقہ حنفی۔ موجودہ دور میں تمدن و معاشرہ کی بدلتی ہوئی صورتحال اور اختلافی مسائل میں غلط
رہنمائی اور مفتیوں کے فتاویٰ کے تقاضات کو دیکھتے ہوئے جن مسائل میں جنکا تعلق عائلی قوانین اور
ضابطوں سے ہے نظائر فقہی کو سامنے رکھتے ہوئے راجح اور مفتیٰ بہ اقوال کو اجتماعی طرز پر جمع کرنے

کے لئے مولانا مرحوم نے تدوین فقہ اکیڈمی قائم کی جس کے ارکان میں احقر کو بھی شامل کیا گیا۔
مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ جو ایک ممتاز عالم فقیہ و مدبر اور دانشور بھی ہیں اور مولوی ولی رحمانی سلمہ، اس کمیٹی کے ممتاز اراکین میں سے ہیں، ندوۃ العلماء سے مولانا برہان الدین صاحب بھی بحیثیت رکن مجلس میں شریک رہتے علمی بحثوں میں روح تازہ ہو جاتی اور عجیب خوشی ومسرت محسوس ہوتی مولانا منت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بحیثیت صدر مجلس میں شریک رہتے تھے، علمی اور فقہی مباحث میں مولانا ولی رحمانی سلمہ نے ایک بار طویل بحث کی اور اچھی بحث کی تو میں نے بعد میں اخی محترم مولانا منت اللہ صاحب مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا اور اپنی خوشی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پہلے شخص ہیں کہ اس کی سمجھ اور قابلیت کی میرے سامنے تعریف کر رہے ہیں، آپ سے پہلے مجھ سے اس سلسلے میں کسی نے تحسین نہیں کی،
۱۳۶۱ھ میں خانقاہ رحمانی کی مسند کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تھی۔ اس ذمہ داری کو بھی بحسن وسلوک انجام دیا، بہار، اڑیسہ، بنگال میں آپ کے مریدین اور فیض یافتہ لوگوں کا ایک حلقہ ہے، خلق خدا کی باطنی اصلاح کے ساتھ درس وتدریس، تصوف وتالیف کا کام بھی انجام دیتے رہے اور جامعہ رحمانی کو بھی غیر معمولی ترقی دی کہ اس کا شمار بہار کے مرکزی درسگاہوں میں شمار ہوتا ہے، ان کے بعد خانقاہ نیز جامعہ رحمانی کی ذمہ داری مولوی ولی رحمانی سلمہ کے سپرد کی گئی ہے امید ہے وہ اسکی شان کو باقی ہی نہیں رکھیں گے بلکہ مزید ترقی دیکر دونوں ذمہ داریوں کو بحسن وسلوک انجام دیں گے۔ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صفات وخصوصیات سے نوازا تھا آخر عمر میں ذیابطیس جیسے مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود ملی، سماجی اور مذہبی امور میں بہت زیادہ مستعد رہتے تھے، موجودہ وقت میں ایسی جامع شخصیت سے ملت اسلامیہ کا محروم ہو جانا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

※※※

مولانا منت اللہ رحمانی

کچھ باتیں ــــــ کچھ یادیں

از جناب مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی

رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں، فون کی گھنٹی بجی، برادرم سید منیر نیازی صاحب کا فون! ایک ہلکی تمہیدی تسلی کے بعد خبر دیتے ہیں کہ امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات ہو گئی۔

ہر کا لکا رہ گیا۔ موت برحق ہے اور آئے دن اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ ابھی پچھلی جمعرات کو اپنے حقیقی پھوپھا کی تدفین میں شرکت کر چکا ہوں، مگر موت کی اس خبر کا تعلق جو ابھی حضرت امیر شریعت سے لگ رہا ہے، طبیعت قبول کرنے پر آمادہ نہیں، کیوں؟ جواب نہیں مل پا رہا ہے۔ مگر حقیقت تو حقیقت ہے اس سے آنکھ موندی بھی تو نہیں جا سکتی؟

حضرت امیر شریعت۔ شیخ طریقت، فقیہ عصر، سیاسی قائد، ملی رہنما، بڑے باپ کے بڑے بیٹے، اور بھی کیا کیا امتیازی صفات تھیں حضرت مولانا میں، مگر میں تو ان کو صرف اپنے والد مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب کی سادگی و خلوص سے بھرپور، بے تکلف دوست ہی سمجھتا رہا۔ جس طرح ابّا سے بلا تمہید جو بات دل میں ہے کہہ دیتا ہوں اسی طرح سے حضرت مولانا سے بھی سادگی اور صفائی سے اپنی بات کہنے میں کبھی تکلف محسوس نہیں کیا، چھوٹے حکیم صاحب کے نام سے مخاطب تھا، کبھی حضرت مولانا نے نام نہیں لیا۔ کہیں بھی انہیں توقع رہی کہ میں ملوں گا۔ تو تلاش میں لپک دکھاتے اور ہلکی زیر لب مسکراہٹ سے تشریف لائیے، کہتے ہوئے گلے سے لگا لیتے۔

مولانا ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ ہجری کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں پیدا ہوئے یگانہ روزگار عالم دین حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ قرآن شریف اور

فارسی کی ابتدائی تعلیم خانقاہ ہی میں حاصل کی پھر گیارہ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن چلے گئے۔ وہاں نابغۂ روزگار عالم دین حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب سے ایک سال عربی صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں پھر چار سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۳۴۹ ہجری میں تکمیل علوم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

مولانا کے والد حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اسلام کی نشاط وفروغ کے سلسلے میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بنیاد انہوں نے ہی ڈالی انگریزوں کے دور میں عیسائیوں سے رد عیسائیت اور اسلام کی حقانیت پر مناظرہ کرتے رہے پھر مونگیر میں مستقل قیام نے خانقاہ رحمانی کو ایک بڑا دینی، علمی اور تبلیغی مرکز رشد وہدایت بنادیا جس سے نہ صرف بہار فیضیاب ہوتا رہا بلکہ خاص طور پر مشرقی ہندستان، بنگلہ دیش اور عام طور پر سارا ہندوستان، پاکستان، عالم اسلام کی تحقیق تعلیمات سے منور وروشن ہوتا گیا۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اپنے والد مرحوم سے بیعت تھے اور انہی سے اجازت بھی حاصل تھی، بہار وبنگال، اڑیسہ میں اور ہندستان وبیرون ہند انہوں نے اس نہج سے بھی انسان کی خدمت کی اور ان گنت افراد نے اصلاح حال کے لئے ان سے بیعت کی۔ اس افادۂ باطنی کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی رہا۔ نیز ساتھ ہی ساتھ تحریک آزادی کے ایک سرگرم سپاہی کی حیثیت سے ہمیشہ ان کی تگ ودو جاری رہی ہے نہ صرف مادر وطن کو آزاد کرایا بلکہ آزادی کے بعد آخری سانس تک اس کی دیکھ ریکھ اور ترقی کے لئے کوشاں رہے۔

مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ہمیشہ سوچتے رہتے اور اگر کوئی بات ذہن میں آگئی اسلامی مزاج کے مطابق مشورے میں لاتے دوچار، چھ آدمی جو بھی اس معیار کا ملتا کہ اس سے اس موضوع پر بات کی جائے تو زیر فکر مسئلہ کا اس سے تذکرہ کرتے بہت کھل کر واضح طریقے سے اپنے کو برابر رکھ کر گفتگو کرتے اور وہ بات اگر کرنے کی سمجھ میں آجاتی تو پھر تن، من، دھن سے صبح وشام دیکھے بغیر اس کی انجام دہی میں لگ جاتے اسے بھی بے نیاز ہوجاتے کہ کوئی ساتھ دے رہا ہے کہ نہیں۔ اور جب تک اس کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچاتے سونا جاگنا، کھانا پینا تقریبًا نہیں بنالیتے یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا نے جب بھی کسی کام میں ہاتھ ڈالا وہ پایہ تکمیل تک پہونچا آزادی کی لڑائی ہو یا علم دین کی اشاعت

جامعہ رحمانی ہو یا دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ یا امارت اور مسلم پرسنل لاء بورڈ، اپنے طور پر حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس میں مولانا کے پرخلوص عمل کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔

مولانا صاف گوئی میں بھی بے مثال تھے اعترافِ غلطی جس خندہ پیشانی سے مولانا کرتے ویسا آدمی میں نے کم دیکھا ہے تصنع سے توکوسوں دور تھے۔ ہاں موقع محل کی شناخت اور تاڑنے کی صلاحیت ان کے اندر بہت تھی اور کام کب اور کیسے ہونے والا ہے، اس کو جان جاتے ٹھیک اسی وقت اسے انجام دینے کی سعی میں لگ جاتے اور وہ کام ہو بھی جاتا۔

مولانا نے اپنی صاف زندگی کا مشن "کام" ہی بنا رکھا تھا۔ ہر وقت" کام ہی کام" ملک کے لئے ہو، ملت کے لئے اپنے لئے ہو دوسروں کے لئے کسی کے لئے بھی، مشغولیت چاہیئے بے کاری اور بے شغلی سے انہیں شدید الجھن ہوتی اور ان کا تصور تھا کہ بے مصرف زندگی "عذاب" ہے ان کی تگ ودو اور فکرمندی دیکھتے ہوئے بارہا والد صاحب نے ان سے کہا کہ اپنی صحت کا خیال رکھنا مقدم ہے بھاگ دوڑ کم کیجئے، ہنسنے لگے۔ اور بہت عجیب انداز میں فرمانے لگے، پھر کون کرے کوئی آدمی بھی تو معیار پر نہیں اترتا، اور حکیم صاحب، اگر نہ کیا جائے تو مزید تباہی منھ کھولے کھڑی ہے پھر کیا حشر ہوگا خدا کو ہی معلوم!

۲۸ سال سے حضرت امیر شریعت کو میں دیکھ رہا ہوں، اگر یہ کہوں کہ ان کی گود میں پلا بڑھا تو بیجا نہ ہوگا ان کی جلوت دیکھی، ان کی خلوت دیکھی، سفر میں ساتھ رہا ان کو ہر جگہ یکساں پایا۔ بھاری بھرکم پر خلوص انسان ہی ہر جگہ "یکساں" رہتا ہے لئے دئے رہنا تو خالی ہونے کی نشانی ہے۔ مولانا ہر وقت اپنوں میں چہکتے رہتے، کبھی لطائف وحکایت کا بیان رہتا اور اپنی بات بتا کر کہتے کہ تم لوگ سوچ کر مجھے رائے دو۔ ہاں بے محل جگہ خاموشی کو ترجیح دیتے۔

مولانا کلکتہ بہت آتے رہتے تھے ان کے کثرت درود اور کثرت مریدین و محبین کے اعتبار سے کلکتہ ان کے لئے وطن ثانی کا درجہ رکھتا تھا، یہاں کے حالات اور لوگوں سے انہیں بہت تعلق تھا اور یہاں کے لوگ بھی انہیں دل وجان سے عزیز رکھتے۔ ابا کو تو بہت عزیز رکھتے دونوں کی جب بھی ملاقات ہوتی وہ دلچسپ اور خوشگوار فضا چھا جاتی، پرانی یادیں تازہ ہو جاتیں اور دونوں کے چہرے بشاشت سے دیکھنے لگتے۔ مطب میں آتے اور عمدہ عطر چھانٹ کر جیب میں رکھ لیتے، کبھی ابا بھول گئے تو فرمائش کرتے کہ اس

دفعہ آپ کے یہاں عمدہ عطر نہیں ہے کیا؟ میرے یہاں ہے میں بھجوا دوں گا؟ ابّا کہتے بھئی نہیں؟ عطر میرے یہاں ہے اور عمدہ ہوگا' عرفان میاں مولانا کو دکھاؤ اور لفافے میں رکھ کر پیش کرو مولانا جزاک اللہ کہکر عطر کی شیشی رکھ تو لیتے مگر نوک جھونک کی تکمیل ایسے ہوتی کہ فرماتے اس سے عمدہ تو نہیں مگر ایسا ہی عطر میری اٹیچی میں ہے" ایک مرتبہ آپ فرمانے لگے میری مجلس میں یا میری موجودگی میں حکیم صاحب کی شکایت کوئی کرتا اور میں سن لوں اس سے بہتر ہے کہ میری موت ہو جائے۔

مولانا پچھلی تاریخ سے جڑے ہوئے ایک واقعہ کا تسلسل تھے' جنگ آزادی کی بات ہوتی یا ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود کے مسائل' مولانا اس میں پیش پیش رہتے اپنا فرض ہی نہیں حق بھی سمجھتے کہ اس ملک کی بازیافت میں ان کا اور ان کے خاندان کا بھرپور حصہ رہا ہے۔

غم اس کا ہے کہ بزرگوں کی یہ نسل ختم ہوتی جا رہی ہے جبکہ موجودہ حالات میں ان کی سخت ضرورت ہے۔

خدا کا بھید خدا ہی جانے ہم تو اس کے قائل ہیں؛

موت العالِم۔ موت العالَم "عالِم (جانکار) کی موت پوری دنیا کی موت ہے"

٭٭٭

حضرت امیر شریعت رح

خدمات اور کارنامے

از :۔ مولانا نیاز احمد رحمانی، استاذ حدیث جامعہ رحمانی، مونگیر، بہار

حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی یگانہ روزگار اور مرد حق آگاہ شخصیت کا وصال عالم اسلام بالخصوص ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے ایسا تاریخی حادثہ ہے جس کی کسک بہت عرصے تک محسوس کی جائے گی۔ جنہوں نے اخلاص وعمل، علم وتحقیق، دینی وملی قیادت اور فکری اصابت میں بے نظیر اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں، جن کو استقامت وعزیمت کا پہاڑ کہا جاتا تھا، اتحاد ملت کا علم بردار اور اسلاف واکابر کے فکر وعمل کا امین وراز دار شمار کیا جاتا تھا۔ بانی ندوۃ العلماء قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کا لخت جگر، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کا نور نظر، خانقاہ رحمانی مونگیر کا سجادہ نشیں، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا روح رواں، مسلم پرسنل لا بورڈ کا جنرل سکریٹری، سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کا آفتاب وماہتاب، شریعت وطریقت کا جامع، مسلمانان ہند کی نگاہوں کا مرکز اور تحفظ شریعت کے اس عظیم قائد کی روحانی نسبت اعلیٰ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے جا ملتی ہے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ منگل کے دن خانقاہ رحمانی میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ منت اللہ نام اور ابوالفضل کنیت رکھی گئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اور عربی صرف ونحو اور منطق کی متعدد کتابیں انجمن حمایت اسلام مونگیر میں فقیہ زمانہ

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت امارت شرعیہ سے پڑھیں۔ گیارہ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ اور سال بھر حضرت قطب عالم مولانا محمد علی مونگیریؒ کے قدیم رفیق کار اور مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی سے عربی زبان و ادب اور معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور چار سالوں تک وہاں کے نامور اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ اردو اور عربی زبان و ادب میں اچھی مہارت پیدا کی، فطری صلاحیت اور تعلیمی ذوق و شوق کیوجہ سے ہمیشہ درجہ میں اول آئے۔ ابھی آپ نے عالمیت کا امتحان پاس کیا تھا کہ والد گرامی حضرت مولانا سید محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً) یہی وہ زمانہ تھا کہ پہلی مرتبہ پورے خاندان کے ساتھ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد خانقاہ رحمانی سے نکلنے والے مشہور ماہنامہ "الجامعہ" کی ادارت نہایت خوش اسلوبی اور سلیقہ سے انجام دی۔ آپ کی تحریری صلاحیت منظر عام پر آئی۔ علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے آپ کی قدر و منزلت کا اعتراف کیا۔

۱۹۳۰ء میں علم حدیث کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور اس عہد کے باکمال اساتذہ اور محدثین سے علوم دینیہ۔ معقولات اور احادیث کی تعلیم مکمل کی ______ قیام دارالعلوم کے زمانہ میں علمی ترقی اور تقریر و تحریر کی مشق کے لئے طلبہ صوبہ بہار کی ایک تنظیم "انجمن اصلاح البیان" قائم کی۔ جو آج بھی حلقہ دارالعلوم میں سجاد لائبریری کے نام سے معروف ہے۔ ایام طالب علمی ہی میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قربت اور ان سے بے پناہ تعلق کیوجہ سے آزادی ہند کی تحریک میں آپ نے پر جوش حصہ لیا۔ طلبہ کے ایک جلوس کے ساتھ دہلی میں گرفتار کر لئے گئے اور ہفتہ بھر دہلی کوتوالی میں رکھے گئے۔ ہندوستان کی جہاد آزادی اور راہ حق کی یہ پہلی قربانی تھی۔ آپ کی عزیمت و استقامت اور جرأت و بیباکی کو دیکھتے ہوئے ضلع سہارنپور کی سول نافرمانی تحریک کا آپ کو انچارج بنایا گیا۔ آپ کی سرگرمیوں سے خوف زدہ ہو کر حکومت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور چار ماہ تک سخت سردی کے موسم میں سہارنپور سنٹرل جیل میں قید و بند کی صعوبت سے دوچار ہوئے اور زندان یوسفی کی سنت آپ نے تازہ کی۔ قید و بند کی سخت تکلیف میں بھی نماز، روزہ، تراویح اور درس حدیث کا سلسلہ اسطرح آپ نے قائم کیا کہ محصور قلعہ میں ایک دینی درسگاہ کی فضا پیدا کر دی۔ ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے

آپ نے سند فراغت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی مونگیر میں کتابوں کے مطالعہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتار نویسی کے کاموں میں آپ مشغول ہو گئے۔ ذہانت خداداد تھی، علمی صلاحیت ٹھوس تھی، اور طبعی طور پر آپ کا مزاج بھی علمی اور تحقیقی تھا۔

ہفت روزہ الہلال کی ادارت اور انگریزی زبان کی تعلیم

اسی زمانے میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے ہفت روزہ الہلال جاری کیا تو اخبار کی پالیسی کا نگراں اور منتظم اعلیٰ آپ ہی کو قرار دیا گیا۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ادارت میں نہایت قیمتی اداریے اور نوٹس سپرد قلم فرمائے آپ کو اس کا شدت سے احساس پیدا ہوا کہ انگریزی زبان میں مہارت حاصل کئے بغیر ملی کاموں کا انجام دینا دشوار ہے۔ چنانچہ سات آٹھ مہینوں کی محنت میں [illegible] صلاحیت آپ نے پیدا کر لی کہ بے تکلف انگریزی اخبارات پڑھتے اور انگریزی مقالوں کا ترجمہ فرماتے۔ یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۱۹۸۲ [illegible] حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مالدہ کا سفر فرمایا۔ یہ عاجز بھی شریک سفر تھا۔ ضلع مالدہ اور اس کے اکثر تھانوں میں خانقاہ رحمانی کے متوسلین اور معتقدین کی کثیر تعداد ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں شہر مالدہ میں ایک دینی مدرسہ عرصہ سے چل رہا ہے۔ مدرسہ کی میٹنگ تھی حاضر ارکان میں بحث و گفتگو تیز ہونے لگی تمام حضرات بنگلہ میں گفتگو کر رہے تھے اختلاف رائے میں شدت پیدا ہوگئی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خاموش کرنا چاہا اور ان لوگوں کے بیجا اصرار کی تردید کرنا چاہی، مگر اردو وہ حضرات اچھی طرح نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ بعض انگریزی داں حضرات جو اردو بولنے پر قادر نہ تھے انگریزی میں سوالات کرنے لگے۔ حضرت علیہ الرحمۃ غصے میں کھڑے ہو گئے اور تقریباً آدھ گھنٹے انگریزی میں دینی ادارہ کی اہمیت اور مسلمانوں پر دینی تعلیم کی اشاعت کی ذمہ داری، اور مدرسہ کے ذمہ داروں پر عائد ہونے والے فرائض کو اس طرح سمجھایا کہ مجمع پرسکون ہو گیا۔ اور پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ تجاویز ہی متفق علیہ قرار پائیں۔ میں نے پہلی مرتبہ یہ مشاہدہ کیا کہ حضرت بوقت ضرورت انگریزی میں بھی اپنی باتیں مخاطب کو سمجھانے پر اس قدر قادر ہیں۔ دس دنوں کے اس سفر میں دس ہزار سے زیادہ لوگوں نے حضرت علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں پر توبہ کیا اور سلسلہ رحمانیہ میں داخل ہوئے۔

حضرت امیر شریعت رح کی بعض تصنیفات

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۳ء میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف (تعلیمی ہند) کے نام سے منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں زمانہ قدیم سے لے کر ۱۹۳۰ء تک کی تعلیمی تاریخ بیان کی گئی ہے، ہندستان کے نظام تعلیم میں انحطاط کہاں سے شروع ہوا اور انگریزوں نے ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کو نظام تعلیم کے ذریعہ کس عیاری اور چابکدستی سے نقصان پہونچانے کی سعی کی ہے اس کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے اس وقت علمی دربار میں وہ کتاب بے حد پسند کی گئی اور آپ کے قلم کی عظمت کا اعتراف کیا گیا۔ جس نے آپ کے حوصلے کو توانائی بخشی اور دوسری کتاب "صنعت وتجارت" کے نام سے آپ نے لکھی، جس میں برطانوی حکومت کی عیاریوں اور چالاکیوں کا تذکرہ ہے کہ کس طرح صنعت وتجارت کی راہ سے ہندوستانیوں پر ان کے مظالم ہوئے۔ انہی کی تصنیفات کے حوالوں سے آپ نے یہ کتاب ترتیب دی اور نہایت جرأت مندی سے آپ نے ان سازشوں کا پردہ چاک کیا ۳۹ء میں حکومت نے بحق سرکار یہ کتاب ضبط کرلی تھی۔

فتنہ انکار حدیث پر ایک اہم تصنیف

فتنہ انکار حدیث کی راہوں میں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کتابت حدیث کا انکار بھی تھا۔ اس موضوع پر سن ۱۹۵۰ء میں آپ نے قلم اٹھایا اور ایک جامع کتاب "کتابت حدیث" کے نام سے مرتب فرمائی جو اپنے موضوع پر نہایت وقیع، پُرمغز اور مدلل کتاب ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوئی اس کتاب کے ذریعہ انکار کتابت حدیث کے فتنہ پر آپ نے ایک آہنی روک لگادیا۔ اردو میں اپنے موضوع پر یہ بے نظیر تصنیف ہے۔

خلق خدمت میں آپکی دلچسپی

۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء کو صوبہ بہار میں قیامت خیز زلزلہ آیا۔ مونگیر ضلع میں بڑی تباہی آئی۔ کتنی بستیاں ویران ہوگئیں، آزمائش کے اس مرحلہ میں خلق خدمت کے لئے آپ بے چین ہوگئے، آپ نے ایک ریلیف کمیٹی قائم کی اور آٹھ ماہ تک مسلسل پوری جانفشانی کے ساتھ بے لوث خلق اللہ

کی خدمت کی۔ یہی وہ جذبہ تھا کہ جب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی قائم کی تو آپ سرگرم رکن کی حیثیت سے اس میں شریک ہو گئے۔ اور ۱۹۳۶ء میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر سپول، مدھے پورہ (ضلع سہرسہ) کے حلقہ سے اسمبلی کی رکنیت کے لئے کھڑے ہوئے، آپ کو اتنی شاندار کامیابی حاصل ہوئی کہ مخالف کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ اس زمانے میں ہر امیدوار کے بیلٹ پیپر کا بکس الگ ہوا کرتا تھا۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا بکس کھولا گیا تو اس میں بیلٹ پیپر کے ساتھ سیکڑوں روپئے کے نوٹ بھی نکلے جو عقیدتمندوں نے ڈالے تھے۔ اس وقت اسمبلی کے تمام ممبروں میں آپ سب سے کم سن ممبر تھے اس کے باوجود آپ کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ مختلف مسلم مسائل پر نہایت مؤثر اور مدلل تقریریں کیں جو بہت مقبول ہوئیں اور کئی اہم معاملے میں حکومت کو اپنا موقف بدلنا پڑا۔

خانقاہ رحمانی کی سجادگی

۱۹۴۲ء میں حضرت قطب عالم مولانا محمد علی مونگیریؒ کے جملہ خلفاء اور مریدوں نے خانقاہ رحمانی کا آپ کو سجادہ نشیں بنادیا۔ آپ نے خلق اللہ کی ہدایت اور روحانی تربیت میں پوری صلاحیت لگادی اور چند ہی سالوں میں آپ کی نالہ نیم شبی اور آہ سحر گاہی نے خانقاہ رحمانی مونگیر کو تشنگان معرفت اور جویندگان حقیقت کی آماجگاہ بنادی۔ خلق اللہ کا ازدہام اور رجوع اس قدر ہونے لگا کہ بعض بعض دنوں میں دو دو سو مہمانوں کی آمد ہونے لگی جس میں عقیدتمندوں کے علاوہ مختلف حاجات اور ضروریات والے، دعا و تعویذ والے ہوتے تھے۔ اسی طرح تزکیہ نفوس کے لئے ذکر و شغل کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے علاوہ مدارس کے اساتذہ اور ذمہ داروں کی بھی آمد و رفت اپنے اپنے مسائل و معاملات کے سلسلہ میں ہوتی تھی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے مشرقی ہندوستان، بنگلہ دیش سمیت آپ کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں اور سلسلہ رحمانیہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد پانچ لاکھ سے بھی متجاوز تھی۔ آپ کے عہد زریں میں خانقاہ رحمانی کے ظاہر و باطن میں کافی ترقی ہوئی، وسیع اور پرشکوہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔ کتب خانہ رحمانیہ اور مہمانوں کے قیام کے لئے جدید حجروں کی تعمیرات میں کافی اضافہ ہوا۔ علوم دینیہ کے طلبہ کا ہجوم، علماء و صلحاء کی آمد اور یہاں کی فضاؤں میں قال اللہ وقال الرسول اور ذکر اللہ کی حلاوت نے ایک پُر فضا اور نورانی ماحول پیدا کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا زریں کارنامہ

حضرتؒ نے اپنے زریں عہد میں علم دین کی اشاعت کے لئے جامعہ رحمانی کو از سر نو دوبارہ قائم کیا۔ دراصل اس ادارہ کو حضرت قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری نے قائم کیا تھا مگر ۳۴ء کے تاریخی زلزلہ نے جامعہ رحمانی کی عمارتوں کو شدید نقصان پہونچایا تھا اور مجبوراً مدرسہ بند کر دیا گیا تھا۔ علم کے اس خوشک سوتے کی آپ نے آبیاری فرمائی اور ابتدا سے کام شروع کیا۔ باصلاحیت اور ذی استعداد اساتذہ کو جمع کرنے اور ان کی تربیت کرنے کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہوا کہ چند سالوں میں جامعہ رحمانی مشرقی ہندوستان کا ایک ممتاز دینی ادارہ بن گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہاں سے فارغ ہونے والے علماء اور حفاظ کی بڑی تعداد ملک میں پھیل گئی، تعلیم دین اور تبلیغ دین کی خدمات انجام دینے والوں میں ایک قابل ذکر تعداد جامعہ رحمانی کے فیض یافتہ حضرات کی ہے۔ ان حالات نے جامعہ رحمانی کے اعتماد و وقار میں چار چاند لگادیا۔ آج ملک کے چند اداروں کے ساتھ اس کا نام بھی عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کا نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ایک خاص فکری رجحان تھا۔ جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اسی فکر و نظر کی روشنی میں اصلاح نصاب کے لئے صوبہ بہار کے علماء، مدارس کے اساتذہ اور اصحاب فن کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ رحمانی میں جمع کیا اور کافی غور و بحث کے بعد ایک نصاب مرتب ہوا جو بہار کے آزاد مدارس میں آج بھی رائج ہے۔ جامع رحمانی کی تعلیم و تربیت اور نظم و انتظام میں جو اعتدال و توازن نظر آرہا ہے وہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور فکری کارناموں کا آئینہ دار اور آپ کی زریں خدمات کا شاہکار ہے۔ اس علمی انحطاط کے دور میں بھی جامعہ رحمانی علم کا مینار اور امیدوں کا مرکز شمار کیا جاتا ہے۔ جامعہ رحمانی کی سرپرستی کے ساتھ سیکڑوں دینی مدارس آپ کی سرپرستی میں پروان چڑھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شوریٰ اور مجلس منتظمہ میں رکن کی حیثیت سے تاحیات شرکت اور سرپرستی فرمائی۔

امیر شریعت اور امارت شرعیہ

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی گہرائی، بے پناہ عملی

صلاحیت اور خدمت خلق کے جذبہ اور تڑپ کو دیکھتے ہوئے علمار اور اکابرین ملت نے ۱۹۵۷ء میں آپ کو امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا۔ امارت شرعیہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے جس کا مقصد وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت مسلمہ کی دینی اور شرعی تنظیم کا قیام، مسلمانوں میں دینی جذبہ بیدار کرنا اور اسلامی زندگی گذارنے کی سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ جب اس عظیم ادارہ کی سربراہی آپ کے سر ڈالی گئی تو آپ کی محنت، جدوجہد اور دوربین نگاہ نے چند برسوں میں اس ادارہ کو بڑی ترقی دی۔ خاص طور پر مسلمانوں کے آپسی معاملات اور جھگڑوں کو سلجھانے اور حقدار کو حق پہونچانے کے لئے محکمۂ قضار کے نظام کو بڑی وسعت دی۔ دو درجن سے زیادہ دارالقضار کی شاخیں کھولی گئیں، علمار کی تربیت کے لئے کیمپ لگائے گئے اور سیکڑوں علمار کو قضا کے کاموں کی تربیت دی گئی۔ پہلی مرتبہ جب تربیت قضا کی مجلس خانقاہ رحمانی میں منعقد ہوئی تو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے قضا کے موضوع پر ایک پُرمغز مقالہ پڑھا جو قضا کی تاریخ پر ایک قیمتی دستاویز ہے، جس میں قضا کی شرعی حیثیت قضا کی شرطیں اور قاضی کے لئے فہم معاملات، علمی استعداد اور عدل وانصاف کی صلاحیت اور دوٹوک فیصلے کی جرأت جیسے امور پر مدلل انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ "قضار کی شرعی اور تاریخی اہمیت" کے نام سے یہ رسالہ متعدد بار طبع ہوا ہے۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور امارت میں امارت شرعیہ کے دارالافتار کے نظام کو بھی مرتب اور منضبط فرمایا۔ استفتار کے جوابات اور اس کے باضابطہ نظم وترتیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اہم اور قابل ذکر دارالافتار میں اس کا شمار ہونے لگا۔ آپ کو دارالافتار کے کاموں سے ابتدار ہی سے دلچسپی رہی۔ تقریباً بیس سالوں تک مسلسل آپ نے استفتار کے جوابات لکھے۔ آپ کے دئے ہوئے جوابات کی نقل کا ایک ذخیرہ غیر مطبوعہ شکل میں ابھی بھی محفوظ ہے جسے دیکھ کر آپ کی علمی بصیرت اور فقیہانہ مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کے دئے ہوئے فتاویٰ کی زبان نہایت سہل اور آسان ہے، واضح بیان اور مؤثر انداز ہونے میں ممتاز ہے۔ ان گراں قدر تحریروں کی اشاعت کا نظم ہوجائے تو کئی جلدوں میں اہل علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہوگا۔ امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔

امارت شرعیہ کا ایک اہم شعبہ تبلیغ وتنظیم بھی ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا، دین اور اس کے تقاضوں کو سمجھانا، قوانین شریعت پر عمل کرنے کی تلقین کرنا، غلط رسوم ورواج کو مٹانے

اور اسلامی طریق زندگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے، حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک عہد میں تبلیغ و تنظیم کے دائرہ کار میں بڑی وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانان بہار کی بڑی آبادی امارت شرعیہ سے قریب ہوئی۔

حضرت امیر شریعتؒ کی باوقار شخصیت

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی عہد ساز شخصیت اور آپ کی فکر انگیز صلاحیتوں نے مسلمانان ہند کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف ہند و بیرون ہند کے سربراہان مملکت نے بھی کیا ۱۹۶۴ء میں حکومت مصر نے دعوت دے کر اپنے یہاں بلایا۔ وہاں علماء اور دانشوروں کی عالمی اجتماع میں آپ نے شرکت فرمائی۔ مصر سے واپسی کے بعد، سفر مصر و حجاز کے نام سے آپ کی تصنیف سامنے آئی جسے ارباب علم نے بے حد پسند کیا۔ یہ کتاب پانچ مرتبہ شائع ہوئی، یہ سفر نامہ اتنا دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ متعدد مرتبہ حکومت سعودیہ کی دعوت پر رابطہ عالم اسلامی اور موتمر عالم اسلامی کی کانفرنسوں میں آپ نے شرکت فرمائی۔ شام، عراق، اردن، لبنان اور کویت وغیرہ کا بھی آپ نے سفر کیا اور حکومت روس کی دعوت پر تاشقند تشریف لے گئے۔ روس کے سفر میں بخاری، سمرقند وغیرہ اور وہاں کے تاریخی آثار کا قریب سے مشاہدہ فرمایا۔ سفر روس کے بعد ایک مختصر سفر نامہ بھی آپ نے ترتیب دیا تھا۔ مگر اس وقت ملک کے سیاسی حالات ایسے نہیں تھے کہ اس کی اشاعت عمل میں آتی، اور بھی کئی دوسری تحریریں جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں جمع ہو جائیں تو اس کی اشاعت عمل میں لائی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ مجموعہ معلوماتی، علمی اور نادر ہوگا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام اور اس کے پہلے جنرل سکریٹری

آزاد ہندوستان میں جب دستور سازی ہوئی تو دستور ہند کی دفعہ ۲۵ء اور ۲۹ء کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو قانونی تحفظ دیا گیا لیکن دستور کے رہنما اصول دفعہ ۴۴ء میں یہ کہا گیا کہ ریاستیں کوشش کریں گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں قانون نافذ ہو، اس طرح سے مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا بیج بو دیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں جب ہندو پرسنل لا میں ترمیم کی گئی اور ہندو کوڈ بل پاس ہوا تو اس وقت کے وزیر

قانون مسٹر پاٹکر نے کہا تھا کہ:

"ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی"

وزیر قانون کا یہ بیان دراصل حکومت ہند کی پالیسی کا اعلان تھا۔ اسی کے ساتھ کچھ نام نہاد مسلمانوں کو بھی اس کام کے لئے آگے بڑھایا گیا۔ جنہوں نے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ترقی پسندی کے نام پر مسلم پرسنل لار میں ترمیم کا نعرہ بلند کیا۔ اخبارات ورسائل، سمینار وسمپوزیم اور پبلسٹی کے تمام ذرائع مسلم پرسنل لار کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ ان حالات میں علمار، عمائدین ملت، مسلم قانون دانوں اور دانشوروں نے مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کیا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ حساس لوگوں کو ملکر بیٹھنے اور غور وفکر کرنے کی توفیق دی اور سب سے پہلی مجلس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوئی۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کے معزز ارکان شوریٰ کے علاوہ مسٹر محمد یونس سلیم سابق گورنر بہار نے بھی شرکت کی، مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ڈاکٹر طاہر محمود صاحب نے اپنا ایک مقالہ پڑھا، شوریٰ نے طے کیا کہ ایک وفد بمبئی جائے اور مسلم پرسنل لا کے نام پر ایک کنونشن کی تیاری کرے، چنانچہ حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سرکردگی میں حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب پر مشتمل ایک وفد بمبئی پہونچا اور کئی ہفتے کی محنت کے بعد کنونشن کی تیاری مکمل ہوئی، جس کے نتیجے میں دیوبند سے روانہ ہونے والا چھوٹا سا قافلہ ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں ملتِ اسلامیہ کا سیل بیکراں بنکر ابھرا اور مسلم پرسنل لا کے موضوع پر وہ تاریخی کنونشن ہوا جس کی مثال ہندوستان میں نہیں ملتی۔ باہمی جھگڑوں، سیاسی اور علاقائی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا نمائندہ ترین کنونشن نے قانون شریعت کی حفاظت کے لئے پوری قوت اور کامل اتحاد کے ساتھ اپنے واضح موقف کا دوٹوک یہ اعلان کیا۔

"شریعت اسلامیہ کے احکام وحی الٰہی پر مبنی ہیں، ان میں نہ کوئی کمی ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ کوئی زیادتی ہے جسے کم کرنے کی حاجت پیش آئے"

اس تاریخی کنونشن کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے بنیادی ارکان کا انتخاب عمل میں آیا اور مسلم پرسنل لا سے متعلق اصولی باتیں متفقہ طور پر طے پائیں پھر اپریل ۱۹۷۳ء

میں بورڈ کا اجلاس حیدرآباد میں منعقد ہوا جس میں بورڈ کا دستور اساسی منظور کیا گیا اور بورڈ کی تشکیل باضابطہ اور مکمل ہوئی جس میں ہر طبقہ اور مسلک ومشرب کے نمائندوں پر مشتمل ایک سو ارکان افراد بورڈ کے ارکان منتخب ہوئے۔ عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں آیا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اس کے پہلے صدر اور حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ بورڈ نے اپنا کام شروع کر دیا اور شریعت اسلامیہ کے عائلی قوانین کے تحفظ، مسلمانوں کو معاشرتی زندگی کے احکام وآداب سے واقف کرانے اور معاشرہ کو صالح بنیاد پر استوار کرنے کے لئے ایک جامع منصوبہ بنایا۔

حضرت امیر شریعتؒ نے مسلم پرسنل لا کو تحریک کی شکل دی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بے پناہ محنت اور جد وجہد فرمائی۔ عام مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے ملک کے ہر گوشہ میں مقامی، ضلعی اور صوبائی سطح پر کانفرنس اور اجتماعات منعقد کئے، جس سے عام لوگوں کو مسئلہ کا علم اور اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا مسلمانوں میں اپنے حقوق کے تحفظ کا جذبہ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس جاگا، یہ امت مسلمہ ہندیہ کے لئے تاریخ ساز اور قابل قدر پیش رفت تھی۔ حضرت امیر شریعتؒ نے مسلم پرسنل لا کے مسئلہ سے عام لوگوں کو واقف کرانے اور آنے والے خطرات سے بیدار کرنے کے لئے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر تین رسالے مسلم پرسنل لا، مسلم پرسنل لا کا مسئلہ نئے مرحلے میں اور مسلم پرسنل لا بحث ونظر کے چند گوشے، ملک کی مختلف زبانوں میں شائع فرما کر ہزاروں ہزار کی تعداد میں عام مسلمانوں تک پہونچایا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جد وجہد سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک تحریک کی شکل دیدی اور مسلمانان ہند کا ایسا نمائندہ اور حسین گلدستہ بنا دیا جس میں مختلف دینی ملی جماعتوں، تحریکوں اور مسلم سیاسی تنظیموں کے سربراہوں اور نمائندوں کی نمائندگی کے ساتھ علماء کرام اور مفتیان عظام کا بھی طبقہ شریک وسہیم ہو گیا، مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک جیسے جیسے آگے بڑھی مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ لگانے والوں کے لہجہ میں معذرت کا انداز پیدا ہوتا گیا، ان کے بڑھتے ہوئے قدم رکنے لگے اور یہ کہا جانے لگا کہ جب تک خود مسلمان نہ چاہیں مسلم پرسنل لا میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔

بورڈ کی پہلی کامیابی

جس وقت مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا اس سے چند ماہ پہلے ۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو راجیہ سبھا میں متبنّیٰ بل کا مسودہ پیش ہو چکا تھا، اس بل کو پیش کرتے ہوئے وزیر قانون مسٹر ایچ، آر، گو کھلے نے کہا تھا کہ یہ مسودۂ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف پہلا مضبوط قدم ہے۔

یہ دراصل ایک متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم قانون وراثت اور قانون نکاح کو بے اثر کر دینے کے مرادف تھا اور سراسر شریعت اسلامیہ کے خلاف تھا جس نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا تھا۔ علماء دین، ماہرین قانون اور مسلم دانشوروں نے قانون شریعت پر آنے والے خطرات کو محسوس کیا اور بمبئی میں منعقد ہونے والے تاریخی کنونشن میں اس بل کی شدید مخالفت کی گئی اور قرار داد میں کہا گیا کہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کو اپنی موجودہ شکل میں یہ اجلاس قانون شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

متبنّیٰ بل کے خلاف بورڈ کی قرار داد، اجتماعات، تجاویز اور ٹیلی گراموں کی کثرت نے بالآخر مرکزی حکومت کو محسوس کرا دیا کہ مسلمانوں میں اس بل کی وجہ سے بڑی بے چینی ہے، چنانچہ اس پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے حکومت نے متبنّیٰ بل کا مسودہ پارلیمنٹری سب کمیٹی کے حوالے کر دیا جسے ہندوستان کے مختلف بڑے شہروں میں جاکر قابل ذکر مسلمانوں سے شہادت لیکر مسلم رائے عامہ معلوم کرنا تھی، اس موقعہ پر حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "متبنّیٰ بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ" نامی رسالہ لکھکر اس بل کی حقیقت کو آشکارا کیا۔ یہ رسالہ ہندوستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں شائع ہوا اور پورے ملک میں پہونچایا گیا۔ اس رسالہ کا انگریزی اور ہندی ترجمہ تمام ممبران پارلیمنٹ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔

حضرتؒ کی بر وقت بے چینی نے اہل علم اور عوام کے سامنے بل کی خرابیوں اور اس کے دور رس اثرات کو بالکل واضح کر دیا اور مسلمانوں کو آمادہ اور تیار کر دیا کہ وہ پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے حاضر ہو کر مضبوط بنیادوں پر بل کی مخالفت کریں اور بتلائیں کہ یہ بل شریعت اسلامیہ کے قطعاً خلاف ہے۔ طویل جدوجہد کے بعد بحمد اللہ بورڈ کو کامیابی ہوئی اور ۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو حکومت نے مسلمانوں کے متفقہ

مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے بل واپس لے لیا اور اس وقت کے وزیر قانون مسٹر اشوک شانتی بھوشن نے پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ :

"اسلامی فقہ متبنی کو وراثتی حقوق عطا نہیں کرتی ، یہ قانون مسلمانوں کے جذبات کے مغائر ہے اس لئے بل واپس لیا جارہا ہے "

۱۶ دسمبر ۱۹۸۰ء کو دوبارہ پارلیمنٹ میں متبنی بل پیش ہوا لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کی جدوجہد اور بروقت بیداری کے نتیجے میں واضح الفاظ میں مسلمانوں کو قانون متبنیت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

حضرت کی بے مثال جرأت مندی

ایمرجنسی کے نازک دور میں فیملی پلاننگ کے تحت نسبندی کی جبری کوشش کے خلاف بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے اعلان حق کا جو کارنامہ انجام دیا تھا وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔

جون ۱۹۷۵ء میں جب ملک میں ایمرجنسی نافذ کی گئی اس وقت جس مسئلے نے عام مسلمانوں کو سب سے زیادہ بے چین کیا وہ جبری نسبندی کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے نے پورے ملک کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ایمرجنسی کا زمانہ تھا، اخبارات اور پریس کی پابندی نے رائے عامہ کو بھی سامنے آنے سے روک رکھا تھا، گرفتاریوں، ایذارسانیوں اور آزمائشوں کی اس نازک گھڑی میں حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی جرأت اور استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔

۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء کو دہلی میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلاکر جبری نسبندی کے خلاف ایک تجویز پاس کی جس میں مسئلہ کی صحیح وضاحت کی گئی اور نسبندی کے مسئلہ پر شرعی موقف واضح کیا گیا۔ پریس نے ان فیصلوں کو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بورڈ نے اپنے ذرائع سے شرعی موقف کو طبع کرایا اور بورڈ کے دفتر کے علاوہ مختلف ملی جماعتوں، اداروں اور افراد نے بھی اس کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ اس طرح بورڈ نے بروقت اور جرأت مندانہ رہنمائی کی۔ اس موضوع پر بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رسالہ "خاندانی منصوبہ بندی" کے نام سے اردو ہندی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثیر تعداد میں چھپوا کر پورے ملک میں پہونچایا۔ رسالہ میں اس موضوع کا علمی، دینی اور عقلی نقطہ نظر

سے مکمل طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔

لازمی نسبندی کے خلاف بورڈ نے جو واضح اور مضبوط موقف اختیار کیا، یقیناً اس اقدام سے ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں جرأت مندی، عزم و استقامت اور اظہار حق کی بہترین مثال قائم ہوئی اور مسلمانان ہند کو بروقت رہنمائی ملی ———— جو بورڈ کا ایک اہم اور جرأت مندانہ کارنامہ ہے۔

مساجد و مقابر کے تحفظ کا مسئلہ

اکتوبر ۱۹۷۸ء میں الہ آباد ہائی کورٹ کے لکھنؤ بنچ نے مساجد و مقابر سے متعلق ایک فیصلہ دیا جس نے مسلمانان ہند کو تڑپا دیا۔ اس فیصلہ کے تحت لکھنؤ کی دو مسجدوں اور قبرستان اور جے پور کی ایک مسجد کو وہاں کی کارپوریشن نے ایکوائر کرلیا۔ مساجد و مقابر کی مسلمہ حرمت ختم کردی گئی اور حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ جس مسجد یا قبرستان کو مفاد عامہ کی خاطر اپنے قبضہ میں لینا چاہے لے سکتی ہے اور اس کی ملکیت کو سلب کرکے کسی بھی مصرف میں استعمال کرسکتی ہے۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جنرل سکریٹری بورڈ نے اپنے گشتی مراسلہ کے ذریعہ ملک کے مسلمانوں کو اس فیصلہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور اس کے مضر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے حکومت کے ذمہ داروں کو اس کے خلاف تجاویز اور ٹیلی گرام بھیجنے کی اپیل کی۔ جناب جنرل سکریٹری بورڈ کی ہدایت کیمطابق پورے ملک میں اس فیصلہ کے خلاف اجتماعات منعقد ہوئے اور ہندوستان بھر میں سیکڑوں خاموش جلوس نکالے گئے۔ بورڈ کے ذمہ داروں نے اس موضوع پر متعدد مرتبہ وزیر اعظم سے ملاقاتیں کیں۔ میمورنڈم پیش کئے۔ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ سنٹرل ایکویزیشن ایکٹ میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے ہر مذہب کے تقدس والے مقامات محفوظ ہوجائیں اور انہیں گورنمنٹ یا کوئی بااختیار ادارہ ضبط نہ کرسکے۔ نیز بورڈ کے ذمہ داروں نے جنتا پارٹی کے صدر مسٹر چندر شیکھر، اقلیتی کمیشن کے چیرمین مسٹر انصاری، پٹرولیم کے وزیر مسٹر ہیم وتی نندن بہوگنا سے ملکر اور وزیر اعظم مسٹر مرار جی ڈیسائی، وزیر داخلہ، وزیر قانون، مسٹر رام نریش یادو چیف منسٹر یوپی، مسٹر بھیرو سنگھ شیکھاوت چیف منسٹر راجستھان کو میمورنڈم دیا، اور خطوط لکھے۔ سبھوں کے خاطر خواہ جوابات آئے، جن کی نقلیں دفتر میں موجود ہیں۔

اس کے بعد مسٹر رام نریش یادو اور مسٹر بھیرو سنگھ شیکھاوت نے بورڈ کو لکھا کہ ضروری

کارروائی کا حکم دیدیا گیا ہے۔ سابقہ نوٹس جس میں مسجد بھی شامل تھی اس کی اصلاح کی جارہی ہے۔ اور سرکار مسجد کو ایکوائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لکھنؤ کی دونوں مسجدیں وقبرستان اور جے پور کی مسجد الحمد للہ مسلمانوں کو واپس کر دی گئیں اور آج بھی بدستور قائم ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے نام پر قانون سازی کا تاریخی کارنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے پیش نظر بورڈ کے قیام کے بعد ہی سے نیا ضابطۂ فوجداری ۱۹۷۳ء توجہ کا مرکز بنا رہا۔ جس میں مطلقہ کے لئے تاحیات یا تا نکاح ثانی سابق شوہر سے نفقہ دلانے کی تجویز تھی، بورڈ کے ذمہ داروں نے متعدد مرتبہ اس وقت کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے ملاقاتیں کیں۔ مسئلہ کی پیچیدگی اور شریعت اسلامیہ سے اس کے تصادم کو واضح کیا۔ انہوں نے اس قانون میں ایسی ترمیم کا وعدہ کیا جس کے ذریعہ مسلمانوں کا شرعی قانون متاثر نہ ہو، اس کے باوجود چند ترمیموں کے ساتھ پاس ہو کر قانون بن گیا۔ نیو سی۔ آر۔ پی۔ سی کی دفعہ ۱۲۵ واضح طور پر شریعت اسلامیہ کے قانون نفقہ سے مختلف تھی۔ بورڈ کی جدوجہد کے نتیجہ میں دفعہ ۱۲۷ میں ایک شق کا اضافہ کیا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر طلاق دینے والے شوہر نے شرعی واجبات ادا کر دیئے ہیں یا مطلقہ نے معاف کر دیا ہے تو دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ حاصل شدہ ڈگری منسوخ ہو جائے گی۔ گرچہ یہ ترمیم بھی مسلم پرسنل لابورڈ کے منشا کے بالکل مطابق نہیں تھی۔

اسی دوران گجرات ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جس میں دفعہ ۱۲۵ کے پس منظر اور قانون ساز ادارے کے پیش نظر مقاصد پر بحث کرتے ہوئے شوہر کی طرف سے واجبات کی ادائیگی کا حکم نفقہ کی منسوخی کے لئے کافی قرار نہیں دیا بلکہ عورت کی طرف سے ان واجبات کو قبول کر لینا ضروری قرار دیا۔ اس طرح ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔

ان ہی دنوں سپریم کورٹ نے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو کیس میں نہ صرف یہ کہ مطلقہ کے لئے تاحیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کیا۔ بلکہ قرآن پاک کی من مانی تفسیر کی اور ایسا مطلب بیان کیا جو اسلامی تاریخ میں کسی نے نہیں بیان کیا تھا۔ جو احادیث رسول، آثار صحابہ، اور فقہ اسلامی کے بالکل خلاف تھا اور شریعت میں کھلی مداخلت تھی۔ بورڈ نے اس کا بھرپور نوٹس لیا۔ پورے ملک میں سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف تحریک چلائی۔ الحمد للہ بورڈ کی آواز پر مسلمانان ہند نے لبیک کہا اور ہندوستان بھر میں یہ تحریک

وسائل وذرائع کی کمی کے باوجود اتنی ہمہ گیر اور منظم طور پر ہوئی جس کی مثال کم از کم آزاد ہندوستان میں نہیں دیکھی گئی ــــ حضرت امیر شریعتؒ نے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود پورے ملک کے اہم شہروں کا دورہ کیا، بورڈ کے ذمہ دار حضرات بھی شریک ہوئے۔ میں نے اس لانبے اور تھکا دینے والے سفر میں قریب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بے چینی اور "یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید" کی کیفیت اور عزیمت کا مشاہدہ کیا۔ اور خاص طور پر یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اس تحریک میں مسلمان عورتوں نے بھی پورا حصہ لیا۔ ملک میں سیکڑوں چھوٹے بڑے جلسے عورتوں نے منعقد کئے جن میں ہزارہا عورتوں نے شرکت کی اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کو دین میں کھلی مداخلت قرار دیا اور عورتوں نے اپنے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ ہمیں سپریم کورٹ کا فیصلہ نہیں شریعت کا حکم چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بورڈ کے صدر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اور بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر اعظم سے براہ راست ملنے اور ان کو مطمئن کرنے کی ضرورت محسوس کی ــ ۳۰ جولائی ۱۹۸۵ء کو ایک نمائندہ وفد جس میں بورڈ کے متعدد ارکان شریک تھے، وزیر اعظم سے ملا اور یادداشت پیش کی۔ پھر ۲ فروری ۱۹۸۶ء کو حضرت صدر محترم نے اور پھر ۱۷ فروری ۸۶ء کو حضرت صدر محترم، حضرت جنرل سکریٹری اور ۱۹ و ۲۳ اپریل ۱۹۸۶ء کو بھی ہر دو ذمہ داران بورڈ نے وزیر اعظم سے ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے نفقہ مطلقہ کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا، انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وزیر اعظم نے اس مسئلہ پر کافی تیاری کی ہے اور یہ تاثر پیدا ہوا کہ وزیر اعظم کا ذہن کھلا ہوا ہے وہ مسائل کو سمجھنا اور پھر انہیں حل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہر دو حضرات کا یہ بھی خیال تھا کہ انہوں نے بڑی حد تک وزیر اعظم کو مطمئن کر دیا ہے۔ اس خیال کی تائید وزیر اعظم کے اس بیان سے ہوئی جو انہوں نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایک تامل اخبار کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

"اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دئے ہیں وہ کہیں نہیں ملتے"

آخر کار اس تحریک کے نتیجہ میں حکومت ہند نے ۶ مئی ۱۹۸۶ء کو قانون حقوق مسلم مطلقہ ۱۹۸۶ء پاس کر کے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو رد کر دیا اور اسلامی قانون نفقہ جاری کیا۔ اس مطلقہ بل کے سلسلہ میں جس کا تعلق صرف مسلم مطلقہ عورتوں سے تھا، نیشنل پریس یعنی انگریزی و ہندی اخبارات نے مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا اور بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب، انگریزی و ہندی اخبارات نے اس قانون کی مخالفت اس انداز میں کی کہ گویا کوئی غیر ملکی طاقت ہندوستان پر حملہ کرنے والی ہے

نہ صرف یہ بلکہ حکمراں جماعت کی بہت بڑی اکثریت بھی اس قانون کے خلاف تھی لیکن وزیر اعظم نے اپنا منصب داؤ پر لگا کر اس قانون کو پاس کرایا۔

بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں پہلی مرتبہ شریعت اسلامیہ کے نام پر قانون سازی ہوئی اور بلا شبہ یہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تاریخی کارنامہ ہے۔

اس قانون کی ترتیب کے وقت ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب بورڈ کے ذمہ داروں سے کہا گیا کہ سپریم کورٹ میں اس قانون کو ضرور چیلنج کیا جائے گا اور دستور کی دفعہ ۱۴ و ۱۵ سے متصادم ہونے کے باعث رد ہو جائے گا اور پھر حکومت دوسرا قانون نہیں لائے گی۔ البتہ دفعہ ۱۲۵ سے استفادے کی شرط اس قانون میں جوڑ دی جائے تو پھر دستور سے اس کا تصادم ختم ہو جائے گا اور حکومت ضامن ہوگی کہ پارلیمنٹ سے اس کو پاس کرائے اور سپریم کورٹ کے مقدمہ کی پیروی کرے اور اگر یہ شرط نہ لگائی گئی تو قانون پاس ہو جائے گا لیکن سپریم کورٹ کے مقدمات کی پیروی اور قانون کو دوبارہ پارلیمنٹ سے پاس کرانے کی ذمہ داری حکومت قبول نہیں کرے گی ــــــــ اس معاملہ کی نزاکت پر بورڈ کے اٹھارہ بیس ممبران نے مل کر کافی غور کیا، جس میں علماء اور قانون داں بھی شریک تھے۔ تحریک طویل ہو چکی تھی اور حکومت سے کچھ حاصل کئے بغیر تحریک کا ناکام ہو جانا ایک تاریخی چوک ہوتی۔ اس لئے طے کیا گیا کہ دفعہ ۱۲۵ کی شمولیت کے ساتھ جو ہمیں مل رہا ہے اس کو لے لینا ہی وقت کا اہم تقاضہ ہے، اس فیصلہ میں جناب غلام محمود بنات والا جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ، جناب سید شہاب الدین ممبران پارلیمنٹ، جماعت اسلامی کے ذمہ دار، مسٹر یوسف حاتم مچھالا ایڈوکیٹ، جناب عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ حیدرآباد وغیرہ سب ہی شریک تھے۔ قانون کے بعض نقائص کو اس وقت بھی محسوس کیا گیا تھا اور اس کے دفعیہ کے لئے ترمیمات مرتب کر کے حکومت کے حوالہ کی گئیں۔ جواب میں یہی کہا گیا کہ اس وقت تو قانون کو پاس ہو جانے دیجئے۔ ترمیم تو آرڈیننس کے ذریعہ بھی ہو جائے گی۔ لیکن ہماری کوششیں جاری ہیں اور ہمیں اللہ کے فضل سے امید ہے کہ ہم ترمیم منظور کرا کے قانون کے نقائص کو دور کرا دیں گے۔

تحفظ حقوق مسلم مطلقہ بل قانون بن چکا ہے۔ لیکن اس کے خلاف متعدد مقدمات سپریم کورٹ میں دائر ہیں جن میں اس ایکٹ کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ بورڈ ان مقدمات کی پیروی کر رہا ہے اور سینئر وکلاء کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ انشاء اللہ خدا اس میں بھی کامیابی دے گا۔

سپریم کورٹ نے مقدمات کی سرسری سماعت کے بعد انہیں قانونی بنچ کے حوالہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پاس شدہ قانون کو روکا نہیں جائے گا، اس کے تحت مقدمات دائر ہوں گے اور فیصل ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی دفعہ ۱۲۵ کے تحت جو مقدمات دائر ہو چکے ہیں، انہیں خارج نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کی سماعت ملتوی رکھی جائے گی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حقوق مسلم مطلقہ ایکٹ کے تحت اب تک کئی مقدمات فیصل ہو چکے ہیں۔ پٹنہ ہائی کورٹ اور حیدر آباد ہائی کورٹ نے جو فیصلہ دیا وہ قانون شریعت سے ہم آہنگ اور اس ایکٹ کے مطابق ہے۔

اوقافی جائداد کا تحفظ

اپریل ۸۰ء میں انکم ٹیکس کے نئے قوانین میں اوقافی جائداد کی آمدنی پر انکم ٹیکس رگانے کی گنجائش پیدا کی گئی تھی۔ اس موقعہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پندرہ دنوں دہلی میں قیام فرمایا اور بڑی جد وجہد کے بعد یہ بلا مسلم اوقاف کے سر سے ٹلی، قانون وقف کے سلسلہ میں بورڈ کے پلیٹ فارم سے آپ برابر اس کی جد وجہد فرماتے رہے کہ اوقاف کے قانون میں ایسی ترمیم لائی جائے جس سے وقف بورڈ کی جمہوری حیثیت نمایاں اور اوقاف کی جائداد کو قانونی تحفظ حاصل ہو۔

اصلاح معاشرہ کے لئے آپ کی جد وجہد

مسلم معاشرہ میں پھیلے ہوئے رسم ورواج اور خرابیوں کو دور کرنے اور مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لئے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی محنت صرف کی، نکاح وطلاق وغیرہ کے موضوعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں نہایت مختصر آسان اور سہل لٹریچر تیار کیا اور ملک کی مختلف زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا اور بھیجا۔

سب سے بڑا علمی کارنامہ

۱۹۸۵ء میں مقدمہ شاہ بانو کے سلسلہ میں سپریم کورٹ نے ایک ایسا فیصلہ دیا جس میں آیات قرآنی کی غلط تعبیر وتشریح کی گئی تھی اور جس سے بڑے خطرناک نتائج کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ آل انڈیا

مسلم پرسنل لا بورڈ نے فیصلہ کیا کہ ممتاز علمار کرام، مفتیان عظام، وکلار، اور قانون دانوں کے مشورے سے عائلی قوانین کا ایک مستند مجموعہ تیار کیا جائے جو زمانۂ حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی کرتا ہو اور جس کو عدالتوں کے سامنے بھی بطور سند پیش کیا جاسکے چنانچہ یہ کام بورڈ کے فیصلے کے مطابق حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں خانقاہ رحمانی مونگیر میں شروع ہوا۔ ملک کے ممتاز علمار کرام اور مفتیان عظام اور قانون دانوں کا بار بار وہاں اجتماع ہوا اور الحمدللہ کہ حضرتؒ نے اپنی سرپرستی میں اس کام کی تکمیل فرمادی۔ انشار اللہ تعالیٰ مسلم پرسنل لا بورڈ کا وہ علمی اور تاریخی کارنامہ مستقبل قریب میں منظر عام پر آجائے گا اور مستقبل میں اسکی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ اور اس کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے تاحیات تقریباً بیس سال مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری رہے، ان کی فعال اور متحرک شخصیت نے مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک عظیم تحریک بنادیا، ان کی جرأت مندانہ اور دانشمندانہ حکمت عملی سے قانون شریعت پر پیش آنے والے خطرات اور مسائل میں بورڈ کو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں، اس مرد حق آگاہ نے اپنی زندگی اور تمام تر صلاحیتوں اور وسائل کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے وقف کر دیا تھا، ان میں مختلف الخیال لوگوں کو جمع کرنے اور باصلاحیت افراد سے کام لینے کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کی شب میں تراویح کی رکعتوں میں اور سجدے کی حالت میں قلب کا دورہ پڑا جس کے نتیجے میں علم وعرفان کا یہ چراغ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً)

حضرت امیر شریعت کی

ایمانی اور دینی دعوت

در بھنگہ

از ــــ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، قاضی شریعت و شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول

حضرت امیر شریعت و مرشد طریقتؒ کی بابرکت زندگی کے اتنے متنوع گوشے ہیں کہ ہر گوشہ مہر درخشاں کی طرح خنداں و تاباں ہے ایک طرف خانقاہ رحمانی کے مسند سے فیوض و ارشادات کی روحانی بارش برستی تھی اور مردہ دلوں کے لئے آپ کی زندگی آبِ حیات کا سرچشمہ تھی۔

تو دوسری طرف جامعہ رحمانی سے علوم دینیہ کا سرچشمہ آب رواں کی طرح آپ کی نگرانی میں جاری ہوا۔ علماء و مشائخ و دانشوروں اور محققین کے لئے علمی خزانے کا وہ نادر سرمایہ یکجا فرمایا کہ آج بھی دبستان علم دفقہ کو اس خزانۂ عامرہ پر رشک ہے جس کی پیشانی سے "فیہا کتبٌ قیمۃ" کی علمی دعوت ملتی ہے جہاں بیٹھ کر قوانین اسلامیہ کی تدوین و ترتیب کی گئی، تبرکات صالحین و آثار سلف جن کی شرعی حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے آج وہ بھی اپنی پوری اصلیت و معنویت کے ساتھ موجود ہے جس کے سامنے بادشاہوں کے تخت و تاج اور ہیرے جواہرات بھی ہیچ ہیں۔

جامعہ رحمانی کی بے نظیر و منفرد جامع مسجد اور اس کے ہر چہار جانب مہمان خانے فن تعمیر کی جدت طرازی کے ساتھ معمار اعظم کی یاد میں محو ہیں۔ مسجد سے قریب جنوبی گوشہ میں قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مقدس مزار ہے (اسی احاطہ میں حضرت امیر شریعت رابعؒ کا مزار اقدس بھی ہے) جو متوسلین و معتقدین کے لئے تذکار آخرت ہے اور رنگ و روغن سے خالی ہونے کے باوجود پر کشش بھی! سالانہ فاتحہ کا علمی و روحانی اجتماع و انعقاد مروجہ عرسوں سے بالکل جداگانہ انداز کا ہوتا رہا ہے، درحقیقت یہ اجتماع ایک طرف قلب و روح کو سکون بخشتا تو وہیں ملت اسلامیہ کے تحفظ کے لئے صاحب فکر علماء کا مرکز مشورہ ہوتا۔ اور دعوت الی اللہ کے کام کے نقشے مختلف حلقوں کے لئے بنائے جاتے۔

اور علمار کے وفود کی ترتیب وتشکیل پاتی اور مدارس کے اجتماعات پرشور رہے ہوتے ۔ بہ مصداق قول علامہ اقبال:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

حضرتؒ نے ملی قیادت کے لئے امارت شرعیہ کو نہ صرف زینت بخشی بلکہ اس کے ہر شعبہ کے لئے فعال، مخلص باصلاحیت افراد کو تیار فرمایا، اور تحفظ شریعت کے لئے ہر مسلمان کو جانباز بنایا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بنیاد ڈال کر ہر مکتب فکر کے علمار، ودانشوروں کو منظم ومتحد فرمایا، دراصل حضرتؒ کی ولایت وکرامت توان ملی خدمات کے دامن میں روپوش ہے کسی کتب خانہ میں بیٹھ کر تصنیفی خدمات انجام دینا، خانقاہ کے گوشہ نشینی کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ، درس وتدریس کا سلسلہ سبھی دینی کام ہیں ـــ لیکن الحاد وبے دینی اور خدا بیزاری کی بڑھتی ہوئی تاریک فضا میں اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کا کام، دینی دعوت کی فکر واہتمام، عقیدہ کی اصلاح اعمال کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ، احیار سنت کی جد وجہد، شریعت مطہرہ پر چلنے کا عہد وپیمان اور قعر مذلت و انحطاط سے نکلنے کے لئے دینی درسگاہوں کے قیام کی تاکید دراصل یہ باطن کی وہ نورانی کیفیات اور ایمانی جذبات ہیں جو اہل اللہ اور خاصان خدا کی خاص پہچان ہے اور یہی اعمال نبوت واشغال ولایت ہیں۔

اولیار اللہ کی شان میں یہ قرآنی بشارت پڑھئے کہ الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون (سورۂ یونس) مفسرین ومشائخ احسان وسلوک نے یہ حقیقت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ عام اہل دنیا دنیوی آرام وراحت اور عیش وعشرت میں منہمک رہتے ہیں اور دولت وثروت کے دیوانے ہوتے ہیں ذرا سی پریشانی پر بے چین ہو کر تدبیروں میں مشغول ہو جاتے ہیں لیکن اہل اللہ کی نگاہ میں نہ دنیا کی دولت اور نہ اس کا اقتدار ان کے لئے کوئی راحت کی چیز ہے اور نہ یہاں کی تکلیف وپریشانی اور رنج وغم ان کے لئے صدمۂ جانکاہ ہے۔

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے

بہ پیش ہمت ما ہرچہ آمد بود مہمانے

اہل اللہ کو قرب الٰہی کا وہ مقام نصیب ہوتا ہے کہ اس کا دل ذکر الٰہی میں ایسا محو ومستغرق ہو جاتا ہے کہ کسی کی محبت اس پر غالب نہیں آتی جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے۔ ایسے خاصان خدا ایک ذکر کی کثرت میں مشغول رہتے ہیں تو دوسری طرف طاعت وبندگی اور تسلیم ورضا کے پیکر ہوتے ہیں اتباع سنت وشریعت کو اپنی زندگی کا مقصود حقیقی تصور کرتے ہیں۔ حضرت امیر شریعت انہیں خصوصیات وکمالات کے مظہر تھے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو احسان واخلاص کے اسی

قیمتی مایہ سے نوازا تھا، جو ہر چیز کا اصلی سرچشمہ بنا۔

اہل اللہ کی علامت حدیث پاک میں یہ بتلائی گئی ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ یعنی جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

ایک حدیث قدسی میں یہ بھی وارد ہے کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد سے میں یاد آؤں یعنی جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق ہو اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو۔" یہ ولی کی علامت ہے وہ نفوس ذکیہ جو اللہ کی یاد کے ساتھ یاد آویں" ھم عباد مکرمون کے مصداق ہیں۔

حضرتؒ کی پاکیزہ اور روح پرور صحبت سے بقدر ظرف ہر ایک نے حصہ پایا اور جن پر نگاہ عنایت پڑ گئی تو اس ذرہ کو نیر تاباں بنادیا۔

حضرتؒ کے مسلسل اسفار بالخصوص صوبہ بہار، بنگال کے دیہاتوں کے ناہموار سڑکوں پر سفر، کہیں بیل گاڑی، کہیں ٹائر اور کہیں جیپ کار اور کہیں کشتی کے ذریعہ پروگراموں میں جانا یہ ان کی ہی ہمت مردانہ تھی پھر اپنے مستقر پر پہونچ کر انفرادی واجتماعی ملاقاتوں کا تسلسل حسب مراتب اکرام وتکریم اور منکرات پر زجر و توبیخ کے عجیب وغریب کرشمے نظر آتے۔ اور پھر وہ منظر تو اور بھی اثر انگیز ہوتا جب آپ توبہ کرنے والوں سے عہد وپیمان لیتے۔ آیت بیعت میں مذکورہ ماموارت کا بڑے عظمت سے ذکر فرماتے اور منکرات سے بچنے کی تاکید فرماتے جو کوئی بھی اس نورانی مجلس کے قریب ہوتا وہ بھی اپنے خانہ دل ویراں کو اس توحید رسالت اور عقیدۂ آخرت کے ساتھ اعمال صالحہ کا ایک جذبہ محسوس کرتا۔

حضرتؒ کے سلسلہ قادریہ نقشبندیہ سے ہزاروں طالبان حق وابستہ ہیں اور نہ معلوم کتنے تائب ہوئے ہیں۔ اس سائنسی دور نے سفر واقامت کے لئے جو اسباب راحت مہیا کر دیئے ہیں کہ اب دیہاتوں کے سفر سے علماء بھی گریز کرتے ہیں۔ لیکن حضرتؒ نے بہار واڑیسہ، بنگال و بنگلہ دیش و نیپال کے اکثر اضلاع میں بیشتر دیہی مقامات کا بار بار دورہ فرمایا اور خلق خدا کا ہجوم، زیارت ومصافحہ اور دعاء کے لئے پہونچ جاتا مقبولیت ومحبوبیت کا یہ منظر تو اس سے پوچھئے جنہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا۔ غیر مسلم حضرات بھی فرش راہ بنتے رہے۔

اور کیوں نہیں ـــــ ہر کجا بود چشمۂ شیریں مردم ومرغ ومور گرد آئند۔

ایک بار حضرت سے میں نے عرض کیا کہ حضرت بلا اشتہار اتنا ہجوم جمع ہے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے میں نے ایک سفر میں یہی عرض کیا تو حضرت نے ایک شعر پڑھا تھا وہ سنو :

نہ با صحرا سرے داری نہ با گلزار سودائے

بہر جا می روی از خویش می جوشد تماشائے

بالکل وہی شعر آپ کی ذات پر صادق آتا تھا۔ کیوں نہیں آپ کو اللہ پاک نے حضرت مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا امین بنایا تھا، اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و فکری تربیت کا آپ کو فیض ملا تھا۔ اور اکابر و مشائخ روزگار کی دعاؤں، حضرت مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوریؒ کی باطنی توجہات و تربیت کا کرشمہ تھا۔ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ طاب اللہ ثراہ کے بہار میں خاص طور پر دورہ کے لئے اہتمام کراتے۔ اور یہ اکابر بیعت و ارشاد کے طالبین کو حضرتؒ کیطرف متوجہ فرماتے۔

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے دعوت الی اللہ اور قبولیت دعا کے ایک عجیب مقام پر فائز فرمایا تھا چنانچہ جب کوئی پریشان حال حاضر خدمت ہوتا تو حضرتؒ جملہ حاضرین کے ساتھ دُعا فرماتے اور بڑے الحاح وزاری کی دُعا ہوتی۔ اور اس آدمی کو ایک فوری راحت اور قلبی سکون تو اسی وقت مل جاتا۔

حضرت مولانا بشارت کریم علیہ الرحمہ جو سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے مرجع تھے ان کا بھی یہی معمول تھا۔ اور کیوں نہیں اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤمِنِیْنَ وَالدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ وَلَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ کی حقیقت ہمہ دم مستحضر تھی، اور حاضرین پر بھی استحضار کرانا ہوتا تھا، چنانچہ حضرت نے اپنے اکابر کی تالیفات فیوض رحمانی و اذکار رحمانی وغیرہ بڑی کثرت سے طالبین تک پہونچایا۔

حضرتؒ کی دینی دعوت کی دل سوزی اور اس کے لئے فکر مندی کا یہ عالم تھا کہ حضرتؒ کے نام جو خطوط کا تسلسل تھا (اور حضرت کی یہ کرامت تھی کہ ہر مکتوب کا جواب لکھواتے) ان ہزاروں خطوط میں آپ نے جہاں مطلوبہ امور میں اپنے مشورے دیئے ہیں وہیں آپ نے دین کی عظمت، آخرت کی اہمیت کے ساتھ انابت الی اللہ کے چند قیمتی مؤثر جملے ضرور تحریر فرمائے ہیں جس سے اس طالب کو اصلاحِ آخرت کی فکر ہوئی، اور اسے سکون بھی ملا۔ (کاش حضرت کے مکتوبات کی اشاعت ہو جاتی) کیونکہ اکثر خطوط معرکۃ الآرا مسائل، تصوف و اشغال تصوف، امور سیاست مدینہ و نظامہائے تعلیم و دیگر فقہی و علمی سوا د

پر مشتمل ہے۔ مشائخ کے سلسلۂ مکتوبات میں اس نصف صدی کا مکتوباتِ رحمانیہ ایک حسین گلدستہ ہوگا۔ جو جدید و قدیم کا مجموعہ ہوگا۔

حضرتؒ کے سارے معمولات و مشاغل کے باوجود ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیند اختیاری ہے رات کے جس حصہ میں بھی آپ بستر پر جائیں تہجد کے وقت بیدار ہونے کی عادت مستمرہ تھی، یہ آہِ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی صالحین کا وصف خاص ہے، قلیلاً من اللیل ما یھجعون و بالاسحار ھم یستغفرون (القرآن)۔ رھبان باللیل و فرسان فی النھار (الحدیث) میں ایسے ہی حق پرستوں کا ذکر جمیل ہے۔

حضرتؒ کی امامت

حضرتؒ جب جہری نمازوں میں قرأت قرآن حسن ترتیل اور تحسین صوت کی رعایت کے ساتھ جس سوز و گداز سے پڑھتے کہ ہر مصلّی پر ایک رقت و کیفیت پیدا ہو جاتی، اور جس نے ایک بار بھی حضرت کے پیچھے نماز ادا کر لی ہوتی اس کی خواہش ہوتی کہ پھر حضرت کی اقتدا نصیب ہو جائے اور واقعہ یہ ہے کہ "من صلّی خلف تقیٍ کانما صلّی خلف نبیٍ" کی بشارت ایسے امام و پیشوا کے بارے میں ہے۔

الحاصل حضرتؒ کو ولایت و معرفت، قرب و معیت اور فنا فی اللہ کے مدارج عالیہ حاصل تھے ہم جیسے سیاہ کاروں اور جاہلوں کو کیا علم! البتہ ان کی مجلس میں بیٹھ کر یقیناً ایمان و یقین میں زیادتی کا احساس ہوتا۔ اپنی غفلت پر ندامت ہوتی ان کی مجاہدانہ مشغولیتوں کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی۔ اور انزل الناس علی قدر منازلھم کی رعایت فرماتے ہوئے جو قدر و منزلت اور شفقت و محبت واردین و صادرین کے ساتھ فرماتے کہ اس سے بلاشبہ بہت سی نصیحتیں ملتی اس آیت کا مضمون سامنے آجاتا۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔

درحقیقت نورِ ولایت تو اتباع سنت کے انوار سے معمور ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ اور اولیاء اللہ کار نبوت کی امانت کے حامل ہوتے ہیں اس امانت کا حظ وافر حضرتؒ نے پایا تھا۔

مختصر یہ کہ دینی ادارے کی سرپرستی ہو، ملی و شرعی تنظیم کی سربراہی ہو یا بساطِ سیاست

کی قیادت ہو یا تعلیمی و تحقیقاتی کانفرنس کی سیادت ہو یا امت مسلمہ کی باوقار زندگی کا اہم موضوع ہو ہر جگہ اس مردِ مومن کا نورِ ایمانی ان کی رہنمائی میں ہوتا یسعیٰ نورھم بین ایدیھم اور ان کا جذبہ احسان و اخلاص ہر جگہ نمایاں ہو جاتا من المومنین رجال صدقوا ما عاھدو اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا ۔ (احزاب)۔ کتنے ایسے ایمان والے ہیں جنہوں نے اللہ سے جس بات کا عہد کیا تھا اس میں سچے اترے بعض تو وہ ہیں جو اپنی عہد و نذر کو پوری کر چکے اور بعض شوق شہادت کے انتظار میں ہیں اور اپنے عزم و حوصلہ پر اچھی طرح قائم و دائم ہیں۔ حضرتؒ بھی منھم من قضیٰ نحبہ کی صف میں چلے گئے۔

بس حرفے چند پر اکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ ہم خوشہ چینوں کو اور عقیدتمندوں کو بھی ان ابرار و صالحین کے زمرہ میں شامل فرمائے۔ آمین

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کے
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

حضرت امیر شریعت رابع

اور

اسلام کا نظام قضاء

حضرت مولانا انیس الرحمن صاحب قاسمی ۔ نائب قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی وسعتِ علم، فکر و تدبر، اخلاص و تقویٰ، زہد و عمل اور اللہ کی شریعت کو نافذ و جاری کرنے میں اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز و یگانہ تھے، خدا کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا، نظام عدالت کو قائم کرنا، اور اس کو وسیع کرنا، ان کی زندگی کا بنیادی و اہم مشغلہ تھا، چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۷ء کو جب ان کا انتخاب امیر شریعت بہار واڑیسہ کی حیثیت سے ہوا تو اس کے تیسرے دن ۲۷ مارچ کو دفتر امارتِ شرعیہ پھلواری شریف کے معائنہ کے بعد کتاب الاحکام پر اپنے پہلے حکم میں درج فرمایا:

> محکمۂ قضا، جو امارت کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ اس کے نظام کو پورے صوبہ میں پھیلانا بہت ضروری ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچ سکے اور مقدمات کے فیصلے جلد سے جلد ہو سکیں'

اس وقت نظام امارت کے قیام پر اگرچہ ۳۷ سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا، مگر دار القضاء عملاً صرف اس کے مرکزی دفتر پھلواری شریف میں تھا، جس کی وجہ سے صوبہ کے مسلمانوں کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس کے پیشِ نظر حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طے کیا کہ دونوں صوبوں میں جہاں بھی مناسب اشخاص میسر ہو سکتے ہوں وہاں دار القضاء قائم کیا جائے، لیکن دار القضاء کے لیے ضروری تھا کہ ہوشمند صاحب عقل و فہم اور متدین علماء کا انتخاب کر کے ان کو پہلے قضاء کی تربیت دی جائے، کیونکہ قضاء کا کام علمی اور عملی دونوں ہے اور قاضی شریعت کا جہاں فقہ اسلامی سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے وہیں دعویٰ دائر کرنے، شہادت و بیان، جرح و بحث اور فیصلہ تک ہر مرحلہ میں عملی جہتیں ایسی آتی ہیں جن کے لیے اس کا تربیت یافتہ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے

چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر حضرت امیر شریعت نے دونوں صوبوں کے ۴۶۴ اکابر علماء و مشائخ کا انتخاب کر کے ان کے نام مندرجہ ذیل مضمون کا خط جاری فرمایا :

مکرم بندہ زاد لطفہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ .

یہ عریضہ ایک اہم دینی ضرورت سے ارسال خدمت ہے ، صوبہ میں ہر سال ہزاروں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ لوگ نکاح کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ ظلم وستم کرتے ہیں ، طلاق دیئے بغیر چھوڑ دیتے ہیں ، مفقود الخبر ہو جاتے ہیں ، مہلک امراض میں مبتلا ہو کر حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں رہتے ، لیکن ان کی منکوحہ بیوی ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے طلاق بھی نہیں دیتے ، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ان کے نام پر اپنی زندگی نہایت کس مپرسی اور فقر وفاقہ میں گزار دیتی ہے یا پھر غیر شرعی طریقے اختیار کرتی ہے ، اور طلاق حاصل کیے بغیر کسی دوسرے سے ناجائز طور پر عقد کر لیتی ہے ، نتیجہ میں اسلامی معاشرہ برباد ہوتا ہے اور دین محمدی کی علانیہ خلاف ورزی کی جاتی ہے اب اگر عورت حکومت کی عدالت میں درخواست دے کر ایسے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو ظاہر ہے عدالتوں میں مسلم اور غیر مسلم حاکموں میں کوئی امتیاز نہیں . بالعموم عدالتوں میں نکاح کے فسخ کرنے والے حاکم غیر مسلم ہی ہوتے ہیں اور شرعاً ان کا فسخ نافذ نہیں ، اس لیے اگر وہ اس قسم کے فسخ کے بعد عقد ثانی کرتی ہے تو پھر بھی زندگی بھر ایک حرام فعل میں مبتلا رہتی ہے ، اس دینی مشکل کا حل صرف امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے پاس ہے اس ادارہ میں نکاح وطلاق کے معاملات کے لیے قاضی مقرر ہیں جن کے فیصلے شرعاً نافذ اور قابل قبول ہیں اس وقت تک دفتر دار القضاء امارت شرعیہ صرف ایک ہے اور وہ پھلواری شریف میں ضلع پٹنہ میں ہے . ظاہر ہے کہ ایک دفتر ایک قاضی پورے صوبہ کی اس اہم اور کثیر الوقوع ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا ، اس لیے ضروری ہے کہ جہاں جہاں بھی قضا کا نظم ممکن ہو کیا جائے جس کے ذریعہ متعلق حلقہ کی ضرورت پوری ہو سکے ، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے پاس اتنا وقت اتنا فنڈ نہیں کہ وہ ہر جگہ باضابطہ دار القضاء کا دفتر کھول کر باتنخواہ قاضی مقرر کر سکے ، اس لیے اس اہم دینی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر حسب ذیل لائحہ عمل بنایا گیا ہے .

ا ــــ صوبہ میں ایسے لوگوں کو قاضی مقرر کیا جائے جو دینی علم اور عقل و دیانت میں امتیاز

رکھتے ہوں اور اعزازی طور پر اس دینی کام کو انجام دے سکیں۔

۲ــــ ان مقرر شدہ قاضیوں کا تعلق کسی مدرسہ سے ہو تو بہتر ہے۔

۳ــــ مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ امارت کے مقرر کردہ قاضی کو ہفتہ میں دو دن (جمعرات، جمعہ) قضاء کا کام کرنے کی اجازت دیں۔

۴ــــ مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ ایک کمرہ دفتر دار القضاء کے لیے عنایت کریں، جس پر دفتر کا بورڈ لگا ہوا ہو اور جس میں قاضی بیٹھ کر اپنے فرائض کو انجام دے سکے۔

۵ــــ مدعی اور مدعا علیہ سے مقدمہ کے اخراجات کے لیے کوئی مقررہ رقم لی جائے نیز عرضی دعویٰ بیان تحریری اور درمیانی امور کی درخواستوں کے لیے فارم طبع کرالیے جائیں جو لوگوں کو قیمتاً حاصل ہو سکیں اور اس آمدنی سے مقامی دفتر دار القضاء کا خرچ پورا کیا جائے۔

۶ــــ مذکورہ بالا امور کے پیش نظر جتنے حضرات بھی صوبہ کے اندر مل سکیں انہیں مقررہ تاریخوں پر کسی مناسب جگہ جمع کیا جائے اور روزانہ مقدمات کی پیشی ان کی موجودگی میں ہو، نیز وہ حضرات زیر تجویز اور فیصل شدہ مقدمات کی مسلوں کا مطالعہ کریں تاکہ مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلوں کا اسلوب و منہج ان کی نظر سے گذر جائے اور پھر انہیں مقدمات کے فیصلہ میں سہولت ہو۔

۷ــــ مذکورہ بالا تربیت کے بعد انہیں مختلف علاقوں میں بحیثیت قاضی مقرر کیا جائے اور یا تو انہیں فی الفور فیصلہ کے اختیارات دیدیئے جائیں یا سر دست صرف مقدمات کی مسلوں کی تکمیل ان کے سپرد رہے اور جب قاضیٔ شریعت کو ان کے پختہ کاری کا یقین ہو جائے تو پھر فیصلہ کا حق بھی انہیں دیا جائے۔ مذکورہ بالا لائحہ عمل کے پیش نظر ۲۹ محرم ۱۳۷۸ھ (۱۶ اگست ۱۹۵۸ء) سے ۵ صفر ۱۳۷۸ھ (۲۱ اگست ۱۹۵۸ء) تک اور ۱۴ صفر ۱۳۷۸ھ (۳۰ اگست ۱۹۵۸ء) سے ۱۹ صفر ۱۳۷۸ھ (۴ ستمبر ۱۹۵۸ء) تک خانقاہ رحمانی مونگیر میں مقدمات کی تاریخیں رکھی گئی ہیں اور ان کی سماعت کا نظم رکھا گیا ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اس دینی کام میں تعاون کریں۔ اور اپنا قیمتی وقت عنایت فرما کر مذکورہ بالا تاریخوں میں مونگیر تشریف لائیں اور مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلوں کو بچشم خود دیکھیں اور پھر اگر کسی حلقہ میں قضاء کی ذمہ داری

جناب کے سپرد کی جائے تو اس کو قبول فرمائیں، اس عریضہ کے جواب سے پہلی فرصت میں مطلع فرمائیں۔ نوازش ہوگی نیز اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور وقت سے بھی مطلع کریں۔

منت اللہ رحمانی عفرلہٗ

۳؍محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

اس خط میں مسئلہ قضا کی اہمیت وضرورت، امارت شرعیہ کا منصوبہ، آئندہ کے لیے لائحہ عمل اور تربیت کے مقاصد، تمام امور آگئے ہیں، جب یہ خط علماء ومشائخ کی خدمت میں پہونچا تو ہر جگہ گرم جوشی سے اس کا استقبال ہوا، مختلف مدارس اور انجمنوں نے اپنی مجلس شوریٰ بلائی اور اس میں اس جد وجہد پر اپنی خوشی ومسرت کے اظہار کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلایا، اور اپنے منتخب نمائندوں کو تربیت کے لیے بھیجا، یہ تربیت دو مرحلوں میں، ایک ایک ہفتہ میں انجام پائی۔ ۲۹ محرم ۷۸ھ مطابق ۱۶ اگست ۵۸ء سے خانقاہ رحمانی مونگیر میں تربیت کا پہلا ہفتہ شروع ہوا، جس کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت امیر شریعت نے فرمایا۔

اللہ ہی کے نام سے سارے کاموں کی ابتداء ہے اور انتہاء بھی، اور اسی کے ساتھ ہر طرح کا خیر وفلاح وابستہ ہے، پس آج ہم اپنے اس اجلاس کو بھی اسی کے نام سے شروع کرتے ہیں جسکی نظر کرم ہی کے نتیجہ میں ساری نیکیاں تکمیل کو پہونچتی ہیں،

اس موقع پر حضرت امیر شریعت نے دو مقالے تحریر کیے تھے، ایک مقالہ قضا کی حقیقت اور اس کی بنیادی شرطوں کے عنوان سے اور دوسرا قضا کی تاریخی اہمیت کے نام سے، یہ دونوں مقالے رسالہ کی شکل میں مکتبہ امارت شرعیہ سے شائع ہو چکے ہیں، اس رسالہ میں اسلامی قانون کی اہمیت اور حیات انسانی کے لیے اس کی ضرورت وہمہ گیری پر بحث کرتے ہوئے ہندوستان میں نظام قضاء کے تاریخی حیثیت کو واضح کرنے کے بعد انگریزی عہد میں اس کے تعطل اور پھر امارت شرعیہ کے ذریعہ اس فریضہ محکمہ کے احیا پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ قضاء کیا ہے، زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے، قاضی کو کن صفات کا حامل ہونا چاہئے اور موجودہ دور میں قضاۃ کے لیے علم وفضل اور ذکاوت کا کیا معیار ہونا چاہئے، اس بارے میں ان کا نظریہ کیا تھا وہ خود تحریر کرتے ہیں۔

قضاء کا منصب بڑا اہم ہے اور اس سے صرف دنیاوی ہی نہیں دینی مصالح بھی وابستہ ہیں، جو منصب جتنا اہم ہوگا، اس کی اہلیت کی شرطیں بھی اتنی ہی اونچی ہوں گی، لیکن ہم اور آپ خیر القرون سے بہت دور آچکے ہیں، اس لیے قاضی کی اہلیت وصلاحیت کے لیے گزرے ہوئے زمانوں کا معیار اس وقت تلاش کرنا مناسب

نہ ہوگا بلکہ یہ کام سے بھاگنے کی اچھی تدبیر ہوگی، اس وقت ہیں قاضی کی تقرری کے لیے تین بنیادی شرطیں بہرحال ملحوظ رکھنی ہونگی،

علم: علم تو قاضی کے لیے ضروری ہی ہوگا، کیونکہ قضاء تو نام ہی ہے **الحکم بما انزل اللہ** ، کا جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کا علم نہ ہوگا، فیصلہ کس طرح کریگا، قاضی ابویعلیٰ نے لکھا ہے کہ احکام شرعیہ کا علم قاضی کے لیے ضروری ہے اور اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے بھی واقف ہونا چاہئے اور سلف نے جن امور پر اجماع کیا ہے اس سے بھی اسے بے خبر نہیں رہنا چاہئے اور قاضی کو اس کا اہل ہونا چاہئے کہ مسائل مختلف فیہ میں مجتہدانہ رائے قائم کر سکے۔

عقل وفہم: عقل وفہم تو ایک بے بہا نعمت ہے جو انسانوں میں بہت تھوڑے لوگوں کو ملتی ہے۔ اور دنیا و دین کے ہر سلسلہ میں کام آتی ہے اور قضاء میں تو اس کی ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے قاضی اگر بے عقل و نافہم ہو تو وہ منصب قضاء کی ذمہ داریوں کو انجام دے ہی نہیں سکتا ہے۔ حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنا چاہا، جانے سے پہلے آپ نے کچھ سوالات کئے، اخیر میں حضرت معاذ ابن جبل رضؓ نے جواب دیا کہ اگر فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کتاب و سنت میں کوئی چیز نہ ملی تو میں اجتہاد سے کام لوں گا، آپؐ نے حضرت معاذ کے اس جواب پر مسرت کا اظہار فرمایا! تو کیا اجتہاد عقل وفہم کے بغیر ممکن ہے؟

عدالت

عدالت کی شرط بھی قاضی کے لیے لازمی ہے، اس کے پاس تو لوگ آتے ہی ہیں، عدل وانصاف کے لیے، قرآن میں ارشاد ہوا: واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ (جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسری جگہ یہودیوں کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔ وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط۔ (اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) اسلام نے عدل وانصاف کو صرف مسلمانوں کے ہی درمیان ضروری قرار نہیں دیا بلکہ ساری مخلوقات کے لیے عدل وانصاف کا حکم ہے جس کی حیرت میں ڈالنے والی مثالیں قرون اولیٰ کے اندر ملتی ہیں بعض

باتیں اور صفتیں ایسی ہیں، جن سے قاضی کو بہر حال پاک ہونا چاہئے۔ وہ چیزیں اور صفتیں اگر قاضی کے اندر پائی جائیں تو وہ کسی طرح قضاء کا اہل نہیں، اس میں سب سے اہم اور بنیادی چیز رشوت ہے، یعنی قضاء اور فیصلہ کو پیسے دیکر خریدنا رشوت ہے قطعاً حرام ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں مجرم و گنہ گار ہیں، رشوت لینے والا قاضی انصاف نہیں دے سکتا ہر زمانہ میں رشوت کی مختلف شکلیں نکلتی رہتی ہیں صرف روپے دینا ہی رشوت نہیں ہے، اس زمانہ کی ڈالیاں اور پارٹیاں دینا بھی رشوت ہیں، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے فرمایا: لاتشتر ولاتبع ولاترتش۔ (نہ تجارت کرو اور نہ رشوت لو) لالچ و طمع بھی قاضی کے لیے سم قاتل ہے، اگر قاضی کی نگاہ دوسروں کی جیبوں پر ہوگی تو وہ صلاح و تقویٰ کو کھو بیٹھے گا، اور پھر وہ صحیح و عادلانہ فیصلے نہ کر سکے گا۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:— جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک قاضی کا امتحان لینے لگے، تو سوال فرمایا "قضاء" کی صلاح کس طرح ممکن ہے؟ قاضی نے جواب دیا "ورع" (پرہیزگاری) کے ذریعہ، حضرت علیؓ نے پوچھا اور اس کا فساد کیا ہے؟ قاضی نے جواب دیا "طمع" (لالچ) حضرت علیؓ نے فرمایا "قضاء" تیرا حق ہے۔ (مبسوط ص۱ ج۱۶)

اسی طرح قاضی کو مغلوب الغضب نہیں ہونا چاہئے اور اگر اسے غصہ آتا ہو تو غصہ کی حالت میں مقدمہ کی سماعت اور فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، فقہائے کرام نے اور متعدد شرطیں قضاء کی اہلیت کے لیے لکھی ہیں، مثلاً اسلام، بلوغ، عقل ظاہر ہے کہ یہ تو ہر دینی کام کے لیے ضروری ہے، فقہاء نے منصب قضاء کے لیے مرد ہونا بھی ضروری لکھا ہے۔ القضاء فی الاسلام ص۳۸ پر لکھا ہے۔ "وذهب جمهور الفقهاء الى عدم جواز ولاية المرأة للقضاء مطلقاً"، (جمہور فقہاء نے عورتوں کے لیے ولایت قضاء کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے) قرآن میں ارشاد ہوا۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض (نساء) (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر) اور حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (بخاری کتاب الفتن والمغازی) (کوئی قوم عورتوں کو والی بنا کر ہرگز فلاح نہیں پا سکتی)۔ قضاء کے اصول پر یعنی فیصلہ کس طرح کیا جائے، اور فیصلہ کرنے میں کن باتوں پر نظر رکھی جائے، فقہاء کرام نے ان سے متعلق تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وہ خط جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا گیا تھا، باب قضاء میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خط کو امام سرخسی نے "مبسوط" میں اور صاحب بدائع نے نقل کیا ہے، اور اس کے بارے میں فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ۔ "هذه الرسالة اصل فی ما تضمنته من اصول القضاء"، یعنی یہ خط قضاء کے اصول اور اس کے متعلقات میں اصل ہے، اختصار کے پیش نظر خط کا خلاصہ درج کیا جا رہا ہے

"اما بعد! ع۱ بالتحقیق "قضا" فریضۂ محکم ہے اور ایسی سنت ہے جس کی پیروی ہمیشہ کی گئی ہے ع۲ مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرلو، سمجھ لو۔ اور پھر فیصلہ کرو ع۳ فریقین کے ساتھ یکساں برتاؤ کرو ع۴ مدعی کے ذمہ "بینہ" اور مدعی علیہ کے اوپر "حلف" ہے ع۵ مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے، جائز نہیں ع۶ اگر تمہیں اپنے سابقہ فیصلہ پر غور وفکر سے، پہلے سے بہتر رہنمائی ملی تو تمہیں فیصلہ بدلنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ ع۷ جس مقدمہ کا حل تمہیں قرآن وسنت میں نہ ملے، اس میں خوب غور وفکر سے کام لو، اس جیسے معاملات وواقعات کا علم حاصل کرو۔ اس کے بعد قیاس واجتہاد کے ذریعہ تمہاری جو رائے حق سے قریب تر ہو اس کا فیصلہ کرو ع۸ جو شخص غیر موجود حق یا گواہ کا دعویدار ہو، اسے حاضر کرسکنے کی مہلت دو ع۹ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان پر گواہی دینے کا حق ہے مگر وہ جس کو جھوٹی تہمت پر حد لگ چکی ہو یا جس کے بارے میں جھوٹی گواہی دینے کا تجربہ ہوچکا ہو یا جس نے غلط ولی کی طرف یا غلط حسب ونسب کی طرف اپنے کو منسوب کیا ہو ع۱۰ خبردار! حق وانصاف کے موقع کو اپنے غصہ، اکتاہٹ اور چڑچڑاپن سے بچاؤ ع۱۱ جو شخص اپنی نیت میں اخلاص رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں اس کی کفالت کرتا ہے اور جو شخص خلافِ واقعہ ریا ودکھلاوا کرتا ہے خدا اسے داغدار کردیتا ہے پس خدا کے دنیاوی انعام اور اس کی آخری رحمت سے متعلق اچھی طرح سوچو"

(خطبہ افتتاحیہ دار القضاء بنگلور۔ کرناٹک)

یہ اقتباس اگرچہ طویل تھا مگر اس سے حضرت امیر شریعت کی فکر کی پوری عکاسی ہوجاتی ہے۔ اس لئے نقل کردیا گیا، اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ موجودہ دور میں قضاۃ کرام کے انتخاب میں ان کا کیا معیار تھا، حضرت ؒ قاضی کے تقرر میں محتاط تھے، وہ ایسے ہی افراد کا اس منصب پر تقرر کرتے جن کے علم وعمل اور اخلاص وتقویٰ پر پورا بھروسہ ہوتا؛ وہ قاضی کے تقرر کے لیے اہتمام بھی بہت فرماتے، جس علاقہ کے لیے قاضی کا تقرر طے کرتے پہلے اس علاقہ میں مبلغینِ امارتِ شرعیہ کو بھیجتے جو گاؤں گاؤں جاکر مسئلہ قضاء کی اہمیت وضرورت لوگوں کو سمجھاتے اس کے ساتھ ہی مختلف پوسٹر اور ہینڈ بل طبع کراکر بھیجا جاتا، جس سے قضاء کے سلسلہ کی تمام ضروری باتیں لوگوں پر واضح ہوتیں، اس کے بعد علاقہ کے مرکزی مقام پر عظیم الشان اجلاس منعقد ہوتا جس میں علاقہ کے علماء ومشائخ اور اربابِ حل وعقد شریک ہوتے، صوبہ اور کبھی بیرونِ صوبہ کے اکابر علماء بھی جلسہ میں مدعو ہوتے اور وہ مجمع سے خطاب کرتے اور اسی مجمع عام میں قاضی کے تقرر کا اعلان ہوتا اور حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ قاضی کو سند دیتے، جس میں قاضی کے نام اور حلقۂ قضاء کی تعیین کے ساتھ امورِ قضاء سے متعلق نصائح ہوتے

کا حق دیتا ہوں۔ (نقیب ۳ر فروری ۱۹۶۰ء)

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ قاضیوں کے احوال سے غافل بھی نہ رہتے تھے، اکثر براہِ راست ان کے احوال اور دار القضاء کے کام سے آگاہی رکھتے تھے، اگر کوئی شخص کسی دار القضاء کے طریقۂ کار یا فیصلہ میں تاخیر کی شکایت کرتا تھا تو فوراً اس پر کارروائی کرتے تھے، متعلقہ قاضی شریعت سے استفسار کرتے، اور کبھی متعلقہ مسل کو اپنے پاس منگا لیتے یا پھر مرکزی دار القضاء بھیجدیتے، اگر کسی قاضی شریعت یا کارکن کے بارے میں ضوابط کی خلاف ورزی کا ثبوت ملتا تو پھر اس کی تنبیہ فرماتے، ایک بار ایک صاحب نے ایک برانچ دار القضاء کے بارے میں شکایت لکھ کر بھیجدی تو اس کی تحقیق کے لئے اپنا خصوصی نمائندہ بھیجا۔

اپیل کا نظام

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے نظام قضاء کو ہر اعتبار سے مکمل اور فعال بنائے رکھا، کارِ قضاء میں چونکہ ایک مرحلہ اپیل کا بھی آتا ہے جس میں فریق اگر کسی قاضی شریعت کے فیصلہ میں واضح شرعی نقص محسوس کرتا ہے تو وہ فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرتا ہے، امارتِ شرعیہ کے نظامِ قضاء میں یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ مرکزی دار القضاء کے کسی فیصلہ کے خلاف اگر مرافعہ کرنا ہوتا ہے، تو حضرتِ امیر شریعت کی خدمت میں سابقہ فیصلہ کی باضابطہ نقل کے ساتھ موجباتِ اپیل نوّے دن کے اندر تحریر کرکے پیش کیا جاتا ہے اور اگر ماتحت دار القضاء کے فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کرنی ہوتی ہے، تو مرکزی دار القضاء کے قاضی شریعت کی عدالت میں مذکورہ شرط کے مطابق درخواست پیش کرنی ہوتی ہے، اس نظام کے تحت حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں اپیل بھی پیش ہوتی تھی اور وہ مقدمہ اپیل کی سماعت کے بعد فیصلہ بھی دیتے تھے۔

نظام قضا پر کتابیں

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ دار القضاء کے نظام کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کو اس نظام سے واقف کرانے کے لیے رسالے لکھوانے اور شائع کرانے کا اہتمام رکھتے تھے، اس کے ساتھ قضاۃ کرام کی واقفیت کے لیے اس موضوع پر کتابیں لکھوانے کا منصوبہ شروع سے ان کے فکر و دماغ میں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ امیر شریعت ہونے کے بعد تیسرے دن جو پہلا حکم لکھا اس میں یہ بھی تحریر فرمایا۔

وہ سند عربی میں عطا فرماتے تھے جس کے الفاظ عام طور پر یہ ہوتے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

" یقول العبد الضعیف منت اللہ الرحمانی امیر الشریعۃ لولایۃ بہار واریسہ لما ظہر عندی صلاح الاخ مولانا .... وعد الۃ وکفایتہ لامور القضاء مع ما علمہ اللہ تعالیٰ من علم الاحکام والوقوف علی الحلال والحرام ولیتہ ولایۃ القضاء بین المسلمین بھذ المنشور ونصبتہ فی ناحیۃ .... لیسمع الدعوی وجواب المدعیٰ علیہ وشھادۃ الشھود، ثم یتوسط بینھما بتراضیھما ویفصلھما فان صلح الامر فبھا والا فیرسل بکل ذالک الی قاضی الشریعۃ لیفصل بینھما، واوصیہ ان یتامل فی کل حادثۃ تاملاً شافیًا ولا یحامی شریفا لشرفہ ولا یظلم ضعیفا لضعفہ، وامرتہ بطاعۃ اللہ تعالیٰ وتقواہ فی جمیع احوالہ سرًا وعلانیۃ وان یاتی باوامرہ وینتھی عن زواجرہ، فھذا عھدی الیہ واللہ الموفق "

انہوں نے امارتِ شرعیہ کے ماتحت بہار واڑیسہ کے اضلاع میں ۲۵ قاضی مقرر کئے، جنہوں نے تاریخ قضاء میں روشن کردار ادا کیا۔ حضرت امیر شریعت کو اپنے مقرر کردہ قضاۃ پر بڑا اطمینان ہوتا تھا وہ نجی گفتگو اور جلسوں میں بھی اس کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک بار دار القضاء دملہ، ضلع دربھنگہ کے قیام کے موقع پر اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مجھے اس پر پورا اطمینان ہے کہ جن حضرات کو مختلف مقامات پر قاضی مقرر کیا جا رہا ہے وہ آپ کے صوبہ میں علم وعمل اور صلاح وتقویٰ کا خلاصہ ہیں اور انہیں کے دم سے علم کی بہار اور دین کی روشنی قائم ہے، میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان جیسے لوگ تو مل سکتے ہیں لیکن ان سے بہتر قاضی کا ملنا مشکل ہے اور پھر انہیں قضا کی تربیت دیکر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی انتہائی احتیاط برتی جا رہی ہے، چنانچہ نئے مقرر ہونے والے قاضیوں کو ابتداء میں فیصلہ کا اختیار نہیں دیتا ہوں، صرف مقدمہ کی سماعت اور رپورٹ

"قاضیوں کی سہولت کے لیے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات، فرائض، مقدمات میں شہادت کے شرعی اصول اور ضابطے، فسخ نکاح اور خلع کے وجوہ اور طریقے، اور ان سے متعلق مسائل درج کئے جائیں۔ اور بطور مثال و نظیر عہدِ رسالت وصحابہ اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں اور مقرر کیے جانے والے قاضی باضابطہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تاکہ اس کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرسکیں۔"

اس مقصد کے حصول کے لیے اولاً حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ نے "کتاب الفسخ والتفریق" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اسلامی معاشرہ میں قضاء کے مقام اور اس کے متعلق فقہی احکام اور مسئلہ قضاء پر بحث کے علاوہ فسخ و تفریق کب اور کن حالات میں ہوتی ہے، فسخِ نکاح اور طلاق میں کیا فرق ہے اس پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ فسخ و تفریق کے سولہ اسباب پر فقہی حیثیت سے بحث کر کے قضاۃ کرام کے لیے نئی راہ پیدا کی، یہ کتاب کئی بار مکتبہ امارتِ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع ہو چکی ہے۔

قضاۃ کرام کو مقدمات کی سماعت کے دوران نئے نئے مسائل سے بھی سابقہ پڑتا رہتا تھا، قضاۃ کی طرف سے جو سوالات آتے تھے۔ ان کے دریافت کرنے پر نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تحقیقی جواب لکھا یہ بھی رسالہ کی شکل میں "قضاء کے چند اہم مسائل نئے تقاضوں کی روشنی میں" کے نام سے مکتبہ امارتِ شرعیہ سے شائع ہو کر مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے دو مقالے قضا کی شرعی و تاریخی اہمیت کے نام سے اور دیگر رسالے شائع ہوئے، اور آخر میں اسلام کے پورے نظام عدالت کو سامنے رکھ کر فقیہ عصر قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم نے اسلامی عدالت کے نام سے وہ بے نظیر کتاب لکھی جس نے اسلام کے عدالتی نظام کو بدلتے ہوئے دور میں واضح کر کے قضاۃ و علماء کرام کو روشن راہ دکھائی۔

نظامِ قضاء کی کل ہند توسیع

حضرت امیر شریعتؒ پورے ہندوستان میں قضاء اسلامی کے نظام کو قائم کرنا انتہائی ضروری سمجھتے تھے،

وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور خواہشات کی پیروی نہ کی جائے، حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور ظلم کو مٹانا شریعت کا عین تقاضہ ہے اور یہ افضل ترین عبادت ہے، اور یہی عقل کا فیصلہ ہے کیونکہ نظام قضا ہی کے ذریعہ مظلوم کے ساتھ انصاف ہوتا ہے اور مستحق کو اس کا حق ملتا ہے اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور انہی مقاصد سے انبیاء ورسول مبعوث ہوئے اور خلفاء راشدین اسی میں مشغول رہے بلکہ تاریخِ اسلامی کا کوئی زمانہ وعہد اس فریضہ کی ادائیگی سے خالی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ دین سے غافل بادشاہوں نے بھی اس شعبہ سے غفلت نہیں برتی، وہ فرماتے تھے کہ دارالقضاء کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق اپنے معاملات کا فیصلہ کروانے والے دونوں فریق نفع میں رہتے ہیں، جس شخص کے موافق فیصلہ ہوتا ہے اس کو دین ودنیا دونوں کی سرخروئی حاصل ہوتی ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کی آخرت محفوظ رہتی ہے کیونکہ وہ حکم الٰہی کے آگے سر جھکاتا ہے۔

اسی لیے وہ نہ صرف بہار واڑیسہ میں دارالقضاء کو قائم کرنا ضروری سمجھتے تھے بلکہ ہندوستان کے دیگر صوبوں کے لیے اس کو لازمی کام تصور کرتے تھے، اسی لیے مختلف صوبوں میں اپنی جد وجہد اور کوشش سے امارت کا نظام قائم کرایا اور نظام قضاء کو وسعت دلوائی۔ ریاست کرناٹک، اندھرا پردیش، اور آسام اس کی واضح و بین مثالیں ہیں، اور جہاں نظامِ امارت قائم نہیں ہوسکا، وہاں کے ارباب حل وعقد کے ذریعہ قاضی کا تقرر کرایا۔ جیسے مہاراشٹر، یوپی اور مدھیہ پردیش وغیرہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جس کے وہ بانی تھے، اور تاحیات اس کے جنرل سکریٹری رہے، اس پلیٹ فارم سے دارالقضاء کے قیام کے لیے وہ برابر کوشاں رہے، وہ فرماتے تھے کہ مسلم پرسنل لاء کے نفاذ کی عملی شکل دارالقضاء ہے، یہ ہر اس جگہ قائم کیا جائے۔ جہاں اس کا قیام ممکن ہو اور اگر مسلمان مسلم پرسنل لاء کا تحفظ اور عائلی مسائل میں سرکاری عدالتوں کے غیر اسلامی فیصلوں سے اپنا بچاؤ چاہتے ہیں تو اس کا واحد حل دارالقضاء کا قیام ہے، ان کا یہی نظریہ تھا جس کے پیشِ نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس ہفتم کلکتہ میں کل ہند سطح پر دارالقضاء کے قائم کرنے کی تجویز پاس ہوئی جس میں کہا گیا کہ:

—— مسلم پرسنل لاء بورڈ کتاب وسنت کی روشنی میں ملک کے ہر حصہ بلکہ ہر ضلع میں جہاں نظم امارت وقضاء نہیں ہے، دارالقضاء کا قیام عمل میں لائے، اور متقی واہل علم قاضیوں کا تقرر کرے۔

بورڈ کے اس فیصلے کے بعد انہوں نے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے پورے ملک میں دارالقضاء قائم

کرنے کی تحریک چلائی، اخبارات میں بیانات دیئے، رسالے لکھوائے، جلسے اور کانفرنسیں کیں، جس سے ملک کے بیشتر حصوں میں لوگوں کے ذہنوں میں اس کی ضرورت واہمیت اور افادیت کا احساس پیدا ہو، مگر "قضاۃ" کے تقرری سے پہلے بنیادی ضرورت اس کی تھی کہ ایسے علماء دستیاب ہوں جنہوں نے قضاء اسلامی کی تربیت حاصل کی ہو، ہندوستان میں نظام قضاء کے تعطل کی وجہ سے علماء بھی اکثر جگہوں میں اس سے غافل و بے توجہ تھے۔ اس مقصد کے پیش نظر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف پٹنہ میں پندرہ دنوں کا تربیتی کیمپ لگوایا۔ اور صدر بورڈ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اس تربیتی کیمپ کے افتتاحی اجلاس کی صدارت کی، اور حضرت امیر علیہ الرحمۃ نے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس تربیتی کیمپ میں سات صوبوں سے ۹۴ علماء کرام شریک ہوئے۔ ان تربیت پانے والوں میں سے کئی حضرات نے ملک کے مختلف حصوں میں قضاء کی ذمہ داری سنبھالی، اور پورے ملک میں اس کی راہ ہموار ہوئی۔ اس طرح حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے قضاء اسلامی میں ایک روشن راہ دکھائی۔ اور عام مسلمین کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ ان شاء اللہ ان کی اس عظیم خدمت کے صلہ میں اللہ جل شانہ، جنت میں انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائیں گے۔ آمین۔

حضرت امیر شریعت اور عالم اسلام

مولانا خالد صدیقی

امارت شرعیہ

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے اسلام کے ان عظیم بطل جلیل میں سے ہیں جن کی ذات پر اسلامی تاریخ ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ وہ گوناگوں صفات کا حسین سنگم تھے وہ ایک عالم بھی تھے، ایک عابد بھی تھے، ایک صوفی بھی تھے، ایک مدبر اور سیاست داں بھی، انہوں نے جہاں اپنے علم کی تب وتاب سے برسوں بزم گہ علم کو درخشندہ رکھا وہیں رزم گاہ استقامت میں ان کے پاؤں میں لغزش تک پیدا نہیں ہوئی۔ اگر انہوں نے اپنی خلوتوں کو ذکر و اذکار، اللہ سے مناجات اور آہ وفغاں سے آباد رکھا تو ان کی جلوت لوگوں کی اصلاح، ملی مسائل کے حل، افراد سازی اور بے شمار تعمیری کاموں کی کامیاب کوششوں سے خالی نہ رہی، وہ وقت کے نباض، بدلتے ہوئے حالات کے رمز شناس، قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی مثبت یا منفی تبدیلیوں سے خوب خوب آگہی رکھتے تھے، ان کی بے مثال جرأت اور ایمانی جوش و جذبہ اور مدبرانہ قیادت نے امت مسلمہ کو ہر نازک موقعہ پر سہارا دیا ہے، ملت کے لیے درد

وکرب کا احساس اور ان کا ایمانی جوش و جذبہ ہر ایسے موقعہ پر انہیں میدان میں لا کھڑا کرتا تھا جبکہ ملت فرقہ پرستوں، حکومت کی نااہلی اور مغربی طاقتوں کی چیرہ دستی سے خود کو پریشان محسوس کرتی تھی۔ ان کی نگاہیں صرف امارت شرعیہ کے استحکام، جامعہ رحمانی کی ترقی، مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور ہندستانی مسلمانوں کے دیگر مسائل کے حل کے لیے ہی نہیں اٹھتی تھیں، بلکہ وہ امریکہ اور برطانیہ کی جارحیت اور اجارہ داری پر بھی تلملا اٹھتے تھے، اسرائیل کی غنڈہ گردی اور عربوں پر مظالم کے خلاف ان کی آوازوں کی گونج آج بھی سنائی دے سکتی ہے، بنگلہ دیش میں ـــــــ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل عام پر وہ خون کے آنسو روتے ہیں، اور اس کے انسداد کے لیے ہر امکانی تدبیریں اختیار کرتے ہیں، عالم اسلام میں خواہ داخلی انتشار ہو یا بیرونی یلغار ہر موقعہ پر وہ اپنی مؤمنانہ فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو متوازن اور قابل عمل مشورہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عرب اسرائیل جنگ

آئیے ہم ذیل کی سطروں میں عالم اسلام کے مسائل اور ان میں حضرت امیر شریعت کے رول کا مختصر تجزیہ کرتے ہیں:

عالم اسلام کے لیے اسرائیل کا وجود شروع ہی سے پریشانی کا سبب رہا کیا ہے۔ مغربی طاقتوں نے اسرائیل کے ناپاک بیج کو عالم اسلام کے قلب میں اسی لیے بویا تھا تاکہ عالم اسلام کے لیے وہ مستقل دردِ سر بنا رہے۔ ایسی بات نہیں تھی کہ یہودیوں کو دنیا کے دوسرے خطہ میں نہیں بسایا جا سکتا تھا، بلکہ یہودیوں پر جن ممالک نے ظلم ڈھائے تھے اس کو دیکھتے ہوئے انصاف کا تقاضا تھا کہ ان سے اس ظلم کا بدلہ لیا جائے اور وہاں یہودیوں کو بسایا جائے۔ لیکن عرب میں یہودیوں کو بسا کر ان کا حق دلانے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے یہودیوں پر ظلم کیا تھا، پھر وہ ایسا کیوں کرتے؟ حضرت امیر شریعتؒ اس سلسلہ میں اپنے ایک ہندی کتابچہ "عرب اسرائیل یدھ کا اصلی سوروپ" میں لکھتے ہیں:

> "مغربی یورپ کے ممالک میں بہت ظلم اور ناانصافی ہوئی ہے، جرمنی میں تو ان کی جڑ کھود کر پھینک دی گئی ... اس ظلم اور ناانصافی کا بدلہ مغربی یورپ کے ممالک سے لینا چاہیے۔ اور ان کا ملک جرمنی کو قرار دینا چاہیے۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر امریکہ اور برطانیہ چاہیں تو یہودیوں کو اپنے یہاں آباد کر سکتے ہیں۔

کناڈا بہت بڑا ملک ہے، اس کی آبادی کے مقابلہ میں اس کا زمینی رقبہ کئی گنا زیادہ ہے، وہاں اسرائیل جیسے یہودیوں کے ایک نہیں کئی ملک قائم ہو سکتے ہیں۔ اگر مغربی ممالک یہودیوں کو اپنے یہاں جگہ دینے پر تیار ہو جاتے تو نہ جرمنی کے یہودیوں کو اس قدر پریشانیاں اٹھانا پڑتیں اور نہ فلسطین کا مسئلہ کھڑا ہوتا۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اصل مقصد یہودیوں کو بسانا نہیں تھا بلکہ امریکہ اور برطانیہ کے مفاد کی حفاظت کے لیے فوجی اڈہ قائم کرنا تھا۔"

(अरब इजरायल युद्ध का असली स्वरूप पे. ५)

چنانچہ اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے ۱۵ر مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے نام سے ایک مملکت کی بنیاد ڈال دی گئی۔ مغربی طاقتوں نے جن مقاصد کے تحت اس کی پرورش کی، اس کے اثرات دیکھے جانے لگے۔ نہر سوئز پر قبضہ برقرار رکھنے اور تیل کی پیداوار پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، اسرائیل اور فرانس نے متحدہ طور پر مصر پر حملہ کر دیا۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مغربی طاقتوں کی یکطرفہ پالیسی نے ان کے عزائم کو اور بھی بے نقاب کر دیا۔

۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا۔ یہ واقعہ انسانیت کے منہ پر طمانچہ تھا اور اس واقعہ پر ہر صاحب دل، کا دل خونچکاں بن چکا تھا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے بھی ان حالات پر گہری نظر رکھی، اس ہولناک جنگ کے مضمرات مغربی ممالک کی اسرائیل کی پشت پناہی، عربوں کی بے بسی اور مظلومیت، سعودی عرب، شام اور مصر کے بڑے علاقہ پر قبضہ کے منصوبے سے مسلمانوں کو کھلے الفاظ میں روشناس کرایا۔ اس واقعہ کی شدید مذمت کی۔ حضرت کا کتابچہ "عرب اسرائیل یدھ کا اصلی سوروپ" اس کا کھلا ثبوت ہے۔ انہوں نے دنیا کی امن پسند اور انصاف پسند طاقتوں کی غیرت کو للکارا کہ اس عفریت کا متحد ہو کر سر کچل دو، ورنہ یہ ساری انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرے گا۔ آپ نے فرمایا:

"اس موقعہ پر دنیا کے امن و انصاف کے طرفداروں اور استعمار پسندی کے مخالفوں کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی، نہیں تو استعمار پسندوں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی اسرائیل ساری دنیا کے امن و شانتی کو برباد کر کے رکھ دیگا۔"

تحفظ فلسطین کانفرنس

۶۷ء کی جنگ اسرائیل کی جارحیت کا کھلا ثبوت ہے، اسرائیلیوں نے نہ صرف یہ کہ بیت المقدس جو پورے دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ اول ہے اور مسلمانوں کے دل کی دھڑکن ہے، پر قبضہ کر لیا، بلکہ وہاں کے مقامی باشندوں کو ناقابل بیان اذیتیں پہونچائیں، فلسطین کو اسرائیل کے ہاتھوں غلامی کی زنجیر پہنا دی گئی، دنیا کے ہر گوشہ میں مسلمانوں نے اس جارحیت کے خلاف آواز اٹھائی، حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کی کوششوں سے پٹنہ کے انجمن اسلامیہ ہال میں ۱۶ر اگست ۱۹۶۷ء کو تحفظ فلسطین کانفرنس منعقد کی گئی، کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ اس کانفرنس میں اسرائیل کے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کے خلاف کئی قراردادیں منظور کی گئیں، اور یہ مطالبات رکھے گئے:

"۱۔ اسرائیلی جارحیت کا خاتمہ بلا تاخیر کیا جائے، اور عربوں کو ان کی زمین اور خطے واپس کیے جائیں۔

۲۔ اسرائیل کو قطعی طور پر حملہ آور قرار دیا جائے اور بحیثیت ایک مجرم کے اس کی مذمت کی جائے۔

۳۔ اسرائیل کو عربوں کے نقصانات کی تلافی پر مجبور کیا جائے۔

۴۔ اسرائیلی سلطنت کے بنیادی مسئلہ پر اقدام کر کے عربوں کی تشفی کے مطابق اس کا حل نکالا جائے، اس لیے کہ اسرائیل کا وجود ہی غیر آئینی اور غیر جمہوری طور پر عمل میں آیا ہے۔"

لٹے پٹے بے خانماں برباد فلسطینیوں اور شامیوں کے لیے حضرتؒ نے مسلمانوں میں چندہ بھی کرایا۔ گرچہ اس وقت بہار کی معاشی حالت قحط کی وجہ سے کافی پریشان کن تھی۔ لیکن مسلمانوں نے حضرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پریشانی اور تنگ دستی کے زمانہ میں بھی اپنے عرب بھائیوں کے لیے امدادی فنڈ مہیا کیا اور انہوں نے اسلامی اخوت ایثار و قربانی کی ایک نئی مثال قائم کر دی۔ اس کانفرنس میں سفیر شام کو ۲۰ ہزار کا چیک پیش کرتے ہوئے حضرت امیر نے فرمایا:

" محترم سفیر شام! یہ رقم جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں عربوں کو جنگ میں پہونچنے والے نقصانات کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ لیکن آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ اسے اس نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ ہمارے عربوں سے تعلق و محبت اور حق کے لیے ہمارے جذبہ حمایت اور مظلوموں

کے ساتھ ہماری ہمدردی کے اظہار کا ذریعہ تصور کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ بہار بری طرح قحط اور خشک سالی کا شکار ہے پھر بھی عربوں کے ساتھ بے پناہ محبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بہار کے بعض علاقوں میں مسلمانوں نے روزے رکھے اور دن کے کھانے کی رقم بچا کر بیت المال امارت شرعیہ میں عرب مظلومین کے لیے امدادی فنڈ میں بھیجی

(نقیب، فلسطین نمبر)

مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت:

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے ۱۳۸۶ھ میں ۷، ۱۱ اپریل کو مؤتمر بلائی تھی۔ اس میں حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ ہندستان کے مندوبین میں شامل تھے۔ آپ نے رابطہ کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیا۔ اب تک جو خدمت یہ تنظیم انجام دیتی چلی آئی تھی اس کی خوب تحسین و تعریف بیان کی، اور جن جن امور پر تنظیم کو مزید توجہ دینا چاہیے تھی۔ اس کی طرف حضرت امیر نے تنظیم کی توجہ مبذول کرائی، اور درج ذیل تجاویز آپ نے پیش فرمائیں:

۱۔ رابطہ عالمی پیمانہ پر ایک نیوز ایجنسی قائم کرے، تاکہ عالم اسلامی ایک دوسرے کے صحیح حالات سے واقف ہو سکیں۔

۲۔ ہندستان کی ہر ہر یونیورسٹیوں میں توحید، رسالت اور آخرت کے موضوع پر ریسرچ کرنے کے لیے بلا امتیاز مذہب و ملت اسکالرشپ دیے جائیں۔

۳۔ ہندستان میں چند ایسے مراکز قائم کیے جائیں جو تبلیغی نقطہ نگاہ سے عربی اور انگریزی زبانوں میں لکھنے اور بولنے پر قدرت حاصل ہو سکے۔

۴۔ چند وفود مرتب کیے جائیں جو دنیا کے مختلف حصوں کا تفصیلی دورہ کریں اور ہر ملک کے خاص حالات کو سامنے رکھ کر رابطہ کے کاموں کا علیحدہ علیحدہ نقشہ تیار کریں۔

(نقیب، ۶/ جولائی ۱۹۶۲ء)

بنگلہ دیش کے بہاری مسلمانوں کے مسائل:

بنگلہ دیش میں قتل و خونریزی، پھر پاکستانی فوج کے ہاتھوں مظالم کا ڈھایا جانا اور پاکستان جو جغرافیائی لحاظ سے دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ کا دو حصوں میں دو ملک کی حیثیت سے تقسیم ہو جانا

مسلم تاریخ کا ایک تاریک باب ہے۔ اس موقع سے اپنوں نے اپنوں کے خون سے ہولیاں کھیلیں اور انسانی جان کا کوئی احترام باقی نہ رہا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد بنگالی اور غیر بنگالی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، جذبۂ انتقام کے تحت ہزاروں بہاری مسلمانوں کو اذیت دی گئی۔ حضرت امیر شریعت نے اس موقعہ سے بروقت کارروائی کی۔ اور اس وقت کی ہندوستانی وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی کے نام خط لکھ کر اس مسئلہ کے حل کے لیے توجہ دلائی، اندرا گاندھی بنگلہ دیش میں ان کو امداد پہونچانے کی وجہ سے کافی مقبول تھیں، اور ان کو کافی اثر ورسوخ حاصل تھا۔ حضرت امیر شریعت کا ان حالات میں اندرا گاندھی کو اس مسئلہ کی جانب متوجہ کرنا ان کی سیاسی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔ آپ نے اپنے مکتوب کے اخیر حصہ میں لکھا ہے:

"بنگالی ہوں یا غیر بنگالی سب انسان ہیں اور ان میں سے کسی کے بھی ساتھ ظلم اور قتل وخون ریزی کا معاملہ انسانیت کے لیے شرمناک ہے اس لیے میں آپ سے وزیر اعظم ہونے کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ ایک اچھا انسان ہونے کے ناطے اپیل کرتا ہوں کہ آپ ان مظالم کے خلاف مؤثر کارروائی کریں ..."

(نقیب ۱۴ر فروری ۱۹۷۲ء)

آپ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت اور ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے بنگلہ دیش کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمن کو اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

"..... اس ملک میں حالیہ قتل وغارت گری کے واقعات انسانی تاریخ میں ایک زبردست المیہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان المناک واقعات کی بنا پر جو دشمنی اور نفرت پھیل رہی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے ختم ہونا چاہیے۔"

.... میں امید کرتا ہوں کہ حالات کی خرابی کا احساس آپ کو بھی اچھی طرح ہوگا اور مجھے اس کی بھی توقع ہے کہ آپ میری اس بات سے متفق ہوں گے کہ موجودہ حالات میں ان لوگوں کو آپ کی خصوصی اور حفاظتی توجہ کی ضرورت ہے، انتظامیہ کے سربراہ ہونے کے ناطے ان لوگوں کے مسائل کو حل کرنا قطعی آپ کی ذمہ داری ہے ..."

آپ نے وہاں کے مسائل کے حل کے لیے اپنی خدمات بھی پیش کیں، اور وزیر اعظم بنگلہ دیش کے سامنے یہ تجویز رکھی:

"ہم لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو آپ اپنے ملک میں خیر سگالی کے مشن پر جانے دیں تاکہ ہم لوگ حالات کے اعتدال اور معمول پر لانے میں آپ کے ساتھ پوری طرح تعاون کرسکیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے درمیان جو بنگلہ دیش کے شہری کی حیثیت سے تقسیم ملک کے بعد ہندستان سے ترک وطن کرکے وہاں اب وہ بس گئے ہیں۔ مجوزہ وفد ان لوگوں پر مشتمل ہوگا جو انسانیت نوازی اور کھلے ذہن سے سوچنے سمجھنے اور سماجی کاموں میں اپنے آپ کو لگائے رکھنے کے لیے شہرت رکھتے ہیں ..."

(نقیب ۱۳ر مارچ ۷۲ء)

شاہ فیصل کی شہادت

عالم عرب بلکہ عالم اسلام میں شاہ فیصل مرحوم وہ واحد فرد ہیں جنہوں نے اپنی جرأت اور سیاسی بصیرت سے پورے یوروپ اور امریکہ کو عالم عرب کی بے پناہ حیثیت کے ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی۔ اور تاریخ کے دھارے کو یکسر تبدیل کر دیا تھا، ان کی حکمت عملی سے بغیر کسی جان کے ضائع ہوئے مغرب کی دولت سے اجارہ داری ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی، شاہ فیصل مرحوم پے در پے کامیابی حاصل کرتے جا رہے تھے کہ اچانک ۲۵ر مارچ ۷۵ء کو ان کی شہادت کا حادثہ جانکاہ پیش آگیا، عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، وہ لوگ جو اسلام کا احیاء اور مسلمانوں کی ترقی کے تہ دل سے خواہاں تھے خود کو یکہ و تنہا پایا۔ حضرت امیر شریعت کو بھی ان سے مزید توقعات تھیں، اور اگر اجل نے مہلت دی ہوتی تو انشاء اللہ ان کی توقعات ضرور پوری ہوتیں، ان کی شہادت پر حضرت کو شدید صدمہ پہونچا، حضرت ان کی خوبیوں کے معترف تھے اور اکثر تعریفیں کیا کرتے تھے مدیر نقیب شاہد رام نگری مرحوم کو انٹرویو دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا تھا:

"شاہ فیصل اس صدی کے سب سے بڑے مدبر تھے، انہوں نے اپنے تدبر فہم و فراست اور جرأت و حوصلہ مندی سے یوروپ اور امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے .... شاہ فیصل نے تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد اسے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے صورت حال کو یکسر

بدل دیا۔ تیل پر پابندی اور قیمتوں میں اضافہ کے بعد یورپ کے ممالک یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کی شہ رگ کٹ گئی ہے .... شاہ فیصل کی شہادت سے دنیائے اسلام کا نقصان تو ہوا ہی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا وقت کے بہت بڑے مدبر اور انقلابی سے محروم ہو گئی۔ تاریخ انہیں ایک ہیرو اور قوموں کی تقدیر بدلنے والے لیڈر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

(نقیب ۱۴/ اپریل ۷۵ء)

حضرت امیر شریعت کے یہ احساسات ان کے عالم اسلام سے گہرے تعلق، اس کے مسائل سے دلچسپی اور وہاں کی زندگی کے مختلف شعبوں کا وافر مطالعہ رکھنے کا آئینہ دار ہیں۔

افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت:

افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے، روس کے توسیع پسندانہ عزائم کی ایک کڑی افغانستان کی سرزمین بھی تھی، پہلے تو اس نے کابل میں کٹھ پتلی حکومت قائم کی اور کمیونزم کے نظریات کو طاقت کے بل پر پھیلایا جانے لگا۔ لیکن افغانستان کی غیور اور حریت پسند قوم نے اسے گوارا نہ کیا۔ کابل حکومت کی ناکامی پر روس نے اپنی فوج اتار دی، جو جدید اور تباہ کن اسلحوں سے لیس تھی۔ درندہ خور روسیوں کے لشکر نے جی کھول کر تباہی مچائی۔ ان کے اسلحوں کی تباہ کاری سے افغان کے کوہسار آہ و فغاں سے چیخ اٹھے۔ فضا میں ہر وقت زخمیوں اور جاں بلب مظلوموں کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ لیکن افغانیوں نے جد و جہد اور اپنی بقا کی جنگ نہیں چھوڑی، ابتدا میں نہتوں اور جدید اسلحہ سے مسلح افراد کی جنگ تھی۔ اس موقعہ سے پورے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ نے اس موقعہ سے ہندستان میں اپنا قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ نے ۱۱/ فروری ۸۰ء میں یہ بیان دیا کہ:

"افغانستان کے مسلم عوام کی مجاہدانہ جد و جہد ایک انسانی اور اسلامی مسئلہ ہے، واقعات نے جو رخ لیا ہے، اس نے افغانستان کو دنیا کے نقشہ پر سوالیہ نشان بنا دیا ہے... ہندستان کے مسلمانوں نے انسانی حقوق کی حفاظت اور اسلامی اخوت کی بنیاد پر دنیا بھر کے مسلمانوں سے برابر دلچسپی لی ہے، اور انہوں نے مختلف زمانہ میں

عالمی حالات کے پیش نظر اپنی متفقہ رائے ظاہر کی ہے۔ بڑی بڑی تحریکیں چلائی ہیں
افغانستان کے حالیہ حالات کا مطالبہ ہے کہ کم از کم مسلمانانِ ہند (جو بہت بڑی
انسانی طاقت ہے) کی متفقہ رائے دنیا کے سامنے آئے، اور دنیا کو یہ معلوم ہو کہ ہندستان
کے کروڑوں انسان افغانستان کے مسئلہ کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ مسلمان جگہ جگہ جلسے کرائیں اور روسی جارحیت کے خلاف اور مسلمانوں کی حمایت میں تجاویز منظور کر کے صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم ہند، روسی سفارت خانہ اور افغان سفارت خانہ کو بھیجیں۔

جہاد افغانستان کی کامیابی میں جہاں افغان مجاہدین کے سرفروشانہ جذبہ اور ان کی مجاہدانہ جدوجہد کو دخل ہے وہیں عالم اسلام سے ملنے والی حمایت کو بھی اس کامیابی میں اہمیت حاصل ہے، چنانچہ ان دونوں چیزوں نے مل کر ۔ جیسا کہ دنیا نے دیکھ لیا ۔ افغان مجاہدین کو سرخرو کیا۔ روس کی فوجی مداخلت اس کے موتی کے لڑیوں کی طرح بکھر جانے کا سبب بن گئی اور اسے ذلت ناک شکست نصیب ہوئی اور آج یعنی ۱۹۹۲ء میں کمیونزم کے تابوت پر افغانستان میں آخری کیل ٹھونک دی گئی ۔ بہر حال افغانستان کے مسئلہ پر حضرت امیر نے ہر ممکن توجہ دی، ان کی کوششوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

کلمۂ آخریں: مذکورہ مثال بطور "مشتے از خروارے" ہے ورنہ تو حضرت کی پوری زندگی مسلمانوں کے مسائل پر توجہ دیتے ہوئے گذری، امت مسلمہ پر جب بھی ظلم ہوا آپ کی ایمانی غیرت جوش میں آئی اور پوری شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی، آپ عالم اسلام پر خاص طور پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہاں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا کرتے تھے اور کوئی جامع اور ممکن العمل منصوبہ پیش کرتے۔

عالم اسلام میں ہزاروں لاکھوں فرزند پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان میں مشکل سے ہی کوئی، منت اللہ، پیدا ہوتا ہے، جو وقت کا نباض، عالم باعمل، سیاسی بصیرت رکھنے والا اور ملت کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتا ہو۔ آپ کی ایمانی جرأت، اسلامی اخوت، دینی دوستی اور عالم اسلام کے لیے انتھک جدوجہد اور قربانیاں آئندہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی، اور جب کوئی مورخ ہندستان کی بیسویں صدی کی تاریخ لکھے گا تو آپ کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ آپ کے بغیر ہندستان بلکہ عالم اسلام کی "تاریخ ادھوری اور نامکمل رہے گی۔

☆

حضرت امیر شریعت رابعؒ

اور

ان کی فقہی بصیرت

مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی
نائب مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف

حضرت امیر شریعت سید شاہ منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہٗ، شیخ طریقت عظیم المرتبت مدبر اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور دینی بصیرت سے نوازا تھا۔ وہ بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ آفتاب رشد و ہدایت تھے۔ کتاب اللہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر گہری نگاہ تھی حضرت مولانا کی زندگی جامعیت و توازن کا ایک ایسا نادر مرقع ہے جس کی مثال اس دور میں مشکل سے ہی ملے گی۔ للہیت کے ساتھ عشق خداوندی، کمال اتباع سنت، امت مسلمہ کی فکر، فراست ایمانی، حقیقت پسندی، زمانے کی نبض شناسی، آنے والے حالات سے آگاہی، تمام یکجا تھیں۔ تقریر و تحریر میں

فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ چاشنی تھی۔ اندازِ گفتگو فصیحانہ تھا۔ مناسب الفاظ کے انتخاب میں فقید المثال تھے۔ قرآنی آیات اور احادیث سے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل میں بڑی عمدگی کے ساتھ استشہاد فرماتے۔ فقہ اسلامی سے غیر معمولی لگاؤ اور کافی دلچسپی رہی جس سے برمحل نئے اور پیش آمدہ مسائل پر کتاب و سنت سے استدلال فرماتے۔ حضرت موصوف نے اپنے عہدِ زریں میں جس بصیرت ایمانی، دانشمندی، اور جراتمندی و ہمت کے ساتھ مسلم مسائل پر امت مسلمہ کی نمائندگی کی ہے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

حضرت مولانا کی دینی و ملی خدمات کے مختلف عنوان ہیں جن کو تحریری گرفت میں لانا تو دور کی بات ہے۔ اشارہ بھی مشکل ہے۔ وہ تفریق بین المسلمین کے سخت مخالف رہے۔ اس لئے امیر شریعت ہونے کے بعد پہلا فرمان اسی طرح کا جاری فرمایا اور بنیادی عقیدہ کی وحدت پر قوم و ملت کی تعمیر و ترقی اور استحکام میں زندگی کی آخری سانس تک مشغول رہے۔ انہیں اپنی زندگی میں اغیار کے طعنے، اپنوں کی مخالفت، اور دوسرے بہت سارے صبر آزما اور حوصلہ شکن مرحلوں سے گذرنا پڑا مگر ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ ہوئی وہ تمام دشوار گذار مرحلوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مقصد کی تکمیل میں آگے بڑھتے رہے اور کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

امیر شریعت بہار و اڑیسہ ہونے کی حیثیت سے آپ نے جو نقش چھوڑا ہے وہ ہر فرد و جماعت کے لئے مشعل راہ ہے۔ امارت شرعیہ جو آج ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے، یہ حضرت ہی کی انتھک کوشش اور بے لوث جد و جہد کا ثمرہ ہے جس کا نصب العین اور پاکیزہ مقصد مسلمانوں میں صحیح دینی جذبہ پیدا کرنا، تحفظ شریعت اور اسلامی زندگی گذارنے کے لئے امت مسلمہ کو کلمہ کی بنیاد پر زندہ اور حساس قوم کی طرح دیکھنا ہے ـــــ لیکن ان تمام کے ساتھ ان کی عملی زندگی کا اہم ترین کارنامہ شریعت اسلامی کے احکام و مسائل پر تحقیق اور پیش آمدہ نئے مسائل کا حل تھا بالخصوص معاشرتی مسائل، ان کی نگاہ فقہ، اصول فقہ پر گہری و عمیق تھی۔ اس لئے جدید مسائل کے حل کی راہ بھی ان کے سامنے روشن و صاف تھی۔

چنانچہ حضرت خود لکھتے ہیں:۔

ان حالات کی بنیاد پر میرے نزدیک صحیح راہ یہ ہے کہ ایک

طرف مقاصدِ شریعت اور روحِ احکام پر پوری نگاہ رکھی جائے۔ دوسری طرف اصول و کلیات اور اشباہ و نظائر کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کا حل نکالا جائے اور زمانے کے تغیر کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کیا جائے یہی وہ راہ تھی جسے صحابہ کرام اور اکابر علماء نے ہر دور میں اختیار کیا ہے۔

(رسالہ مسلم پرسنل لا ص۲۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

آج جب کہ استخراج احکام کی ضرورت ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ جدید مسائل پر ایسی رائیں دے رہے ہیں جو کتاب و سنت سے متعارض ہیں اور اپنی پشت پر اصول شرع سے کوئی استناد نہیں رکھتے جن سے سخت گمراہی اور فتنہ کا خطرہ ہے۔ ایسے حالات میں کسی خاص فرد کو تو یہ فرض سونپ دینا درست نہیں لیکن علماء اور اصحاب نظر کی ایک جماعت جو دین کے متعلق ضروری علوم میں پوری مہارت رکھتی ہو اور اس کی نگاہ زمانۂ حال اور اس کی ضروریات، ملک کے تمدنی و ثقافتی معاملات پر گہری ہو نیز تاریخ اسلام، فقہ اسلامی کے مختلف ادوار اور ان تاریخی عوامل پر نگاہ ہو جو مختلف مراحل میں قانون پر اثر انداز ہوئے ہوں ایسے لوگ جمع ہوں اور کتاب و سنت آثار صحابہ، اجماع متقدمین اور اجتہاد فقہا کو سامنے رکھ کر اپنی پوری صلاحیتیں اخلاص اور نیک نیتی کے

ساتھ صرف کریں تو امید ہے کہ ان مسائل کا حل نکل سکے گا۔

اور ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو شریعت
خداوندی کی طرف سے موجودہ حالات میں ہم پر عائد ہوتی ہے۔
(مسلم پرسنل لا ۴۳۔۴۴) حضرت امیر شریعت رابع

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسانی ضرورتوں کا ایک اہم باب فقہ اسلامی ہے جو ہر دور اور ہر زمانہ میں احکام خداوندی پر چلنے والوں کی تمام شعبہ ہائے حیات میں رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ عبادات و معاملات ہوں یا اخلاق و اعمال، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی ہر موقع پر فقہاء کرام اور مفتیان عظام کی کاوشوں سے تشنگی بجھتی ہے۔

افتاء اور کار افتاء کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے کما حقہ ہو جاتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنے طرف کی ہے۔

یستفتونک ؕ قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (قرآن آیت ۱۷۶ سورۃ النساء)
اور اس کی عملی شکل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہوتی ہے۔ پھر آپ کے بعد صحابہ نے اس کار خیر کو انجام دیا اسی طرح درجہ بدرجہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک جتنے حالات بدلے اور زمانے نے جس طرف کروٹ لی اور نت نئے مسائل ابھر کر سامنے آئے تو وقت کے صاحب بصیرت فقہاء، اور زعمائے ملت نے سر جوڑ کر کتاب و سنت کی روشنی میں ان نو پیدہ شدہ مسائل کا حل تلاش کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ فقہ اسلامی کے اصول و قانون ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہیں اور اس میں رفتار زمانہ کے ساتھ چلنے کی پوری قوت اور صلاحیت موجود ہے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع نور اللہ مرقدہٗ انہی یگانۂ روزگار اور عہد ساز شخصیتوں میں ایک عہد ساز شخصیت ہیں، جنہیں حق تعالیٰ نے فقہ اسلامی میں خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ انہیں فقہ اسلامی میں کافی دلچسپی رہی اور تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور خانقاہ رحمانی میں آنے والے استفتاء کا جواب پوری محنت اور شرح صدر کے ساتھ لکھتے رہے

جب خانقاہ رحمانی کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ امیر شریعت بہار و اڑیسہ کے منصب پر فائز ہوئے تو مزید ذمہ داریاں بڑھیں۔ اور آپ نے تمام مسائل کا سنجیدگی سے جائزہ لیا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے لگے۔ کار قضاء اور فقہ و فتاویٰ کا چولی دامن کا رشتہ ہے، بغیر تفقہ، حذاقت اور فقہ میں بالغ نظری کے اس کام کو انجام نہیں دیا جا سکتا۔ افتا کے مقابلہ میں قضاء کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھی ہوئی ہے کہ مفتی کا فتویٰ لوگوں پر نافذ نہیں ہوتا جبکہ قاضی کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ اس لئے قاضی کو زیادہ حزم و احتیاط کی راہ اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہ کام کتاب و سنت کی نصوص سے واقفیت عرف و عادت کی صحیح بصیرت، لوگوں سے احوال و کوائف سے آگہی، اور مناط حکم تک پہونچے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ امارت شرعیہ کے تحت اس وقت جو قضاء کا نظام چل رہا تھا وہ ضرورت کے لحاظ سے ناکافی تھا، حالات کا تقاضہ تھا کہ مزید قضاۃ کی تقرری کی جائے۔ اس کے لئے حضرت امیر شریعت نے جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں تربیت قضاء کا کیمپ لگایا۔ تربیت قضاء کا یہ اجتماع بہت ہی اہم اجتماع ہوا، علماء اکابر اس میں شریک ہوئے۔ حضرت امیر شریعت نے افتتاحی پروگرام میں اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرہ اور حیات میں اس کی ضرورت اور اہمیت واضح کرنے کے بعد فرمایا۔

> اسلام جس طریقۂ حیات کی رہبری کرتا ہے اس کو عملی زندگی میں
> جاری و نافذ کرنے کا دوسرا نام قضاء ہے پس قضاء ایک ایسا
> فریضۂ محکم ہے جس کا قائم کرنا امت مومنہ کا اولین فریضہ ہے۔

اس طرح آپ نے امارت شرعیہ کے دائرہ کار کو کافی وسعت دی اور باضابطہ مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے اس کے لئے مناسب اور باصلاحیت افراد کا انتخاب کیا۔ اور جس طرح قضا کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا اسی طرح آپ نے افتاء اور کار افتاء کی اہمیت اور نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے دار الافتاء کو براہ راست اپنی نگرانی میں خانقاہ مونگیر میں ہی رکھا خود ہی جواب تحریر فرماتے۔ کبھی لکھواتے، کبھی اساتذہ جامعہ رحمانی کے حوالہ کر کے جواب پر غور فرماتے اور اسی طرح اصلاح و رہنمائی کے بعد جواب ارسال کیا جاتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ امارت شرعیہ کے فتاویٰ کو ملک اور بیرون ملک غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور اب تک تقریباً چار لاکھ فتاویٰ مفتیان امارت شرعیہ کے قلم سے جاری ہوئے ہیں۔ ہر خاص و عام کو امارت شرعیہ کے فتاویٰ پر

اعتماد اور بھروسہ ہے۔ امارت شرعیہ کے فتاوے کو قدر کی نگاہ سے لوگ دیکھتے اور اپنی مشکلات کا حل چاہتے ہیں۔

حضرت امیر شریعت کے چند فتاوے نقل کئے جاتے ہیں جن سے حضرت کی فتاوی نویسی اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے چونکہ افتاء کا کام علمی کاموں میں بہت زیادہ مشکل اور اہم ترین کام ہے جو خاص تفقہ اور عمیق علم کو چاہتا ہے۔ جب تک فقہ سے مکمل اور غیر معمولی مناسبت نہ ہو اس کو انجام دینا مشکل ترین مرحلہ ہے۔

حضرت ممدوح کو اللہ رب العزت نے اس میں خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ بڑے سے بڑے مسئلہ کا جواب بے تکلف سفر وحضر میں قلم بند فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے سینکڑوں ہی اہم اور مشکل فتاوے سپرد قلم فرمایا ہے اور خانقاہ رحمانی میں موجود ہے۔ جو آپ کی خداداد علمی بصیرت اور تفقہ کی روشن دلیل اور حضرت ممدوح کی کمال استعداد، اور فقہ میں مہارت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ عرف و زمانہ سے کبھی صرف نظر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس پر گہری نگاہ رکھتے اور کبھی ایسی راہ اختیار نہیں فرماتے جس سے لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بلکہ ایسی راہ نکالنے کی سعی فرماتے جس میں سہولت اور آسانیاں ہوں۔ چنانچہ یہ نزاکت "نذرانہ تراویح کے جواز" کے سلسلے میں آپ محسوس کریں گے جو تفصیلی جواب حضرت ممدوح نے تحریر فرمایا ہے۔ اور فتویٰ دیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ اس طرح ہے۔

> تراویح کے سلسلے میں جو صورت حال ہے اس سے ہم نظری اور فرضی طریقوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہمیں واقعی اور عملی صورتوں پر غور کرنا ہوگا ــــ ہمارے خیال میں واقعی شکل وہی ہے جس کا نقشہ اوپر کھینچا گیا ہے۔ اس لئے ہماری رائے ہے کہ تراویح میں قرآن سنانے سے متعلق بھی وہی توسیع پیدا کیا جائے جو تعلیم قرآن، تعلیم حدیث، تعلیم فقہ، امامت، اذان واقامت کے متعلق کیا گیا ہے۔
>
> (تفصیل کے لئے دیکھئے نقیب ۹ جون ۱۹۸۶ء)

بجلی کے جھٹکے کے ساتھ ذبیحہ۔

انگلستان میں ذبیحہ کا طریقہ۔

فقہ و فتاوی کی کتابوں میں مذکور جزئیات کے مماثل پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں فتوی دینا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ ان جدید مسائل کا حل جن کا حکم صراحۃً فقہی ذخائر میں مذکور نہیں ہے۔ جدید مسائل پر قلم اٹھانے کے لئے نسبۃً زیادہ تفقہ، حذاقت اور دقت نظری کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرت امیرؒ میں جدید مسائل پر قلم اٹھانے کی بدرجہ اتم صلاحیت موجود تھی، چنانچہ ان کے فتاوے جو جدید مسائل سے متعلق ہیں ان کی ذہانت اور حذاقت کا آئینہ دار ہیں۔ درج ذیل استفتاء، اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

آج کل برطانیہ میں ذبح کرنے کا عام رواج یہ ہو رہا ہے کہ جانور کو ایک بجلی کا جھٹکا لگایا جاتا ہے، جس سے دو تین منٹ کے لئے بے ہوش ہو جاتا ہے اور اسی دوران اسے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ ذبح کرنے کے وقت جانور سے اسی طرح خون نکلتا ہے جیسا کہ اسے بغیر بجلی کے جھٹکا لگائے ذبح کیا جائے۔

یہاں کے بعض لوگوں کا (مسلمان) کا خیال ہے کہ اگر ایسے جانور کو بجلی کے جھٹکے کے بعد اسلامی طریقہ پر ذبح بھی کیا جائے تو بھی اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہوگا۔ ان لوگوں کو بعض علماء کی رائے حاصل ہے۔

کچھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ اگر بجلی کے جھٹکے کے بعد اسے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بجلی کا جھٹکا صرف اس لئے لگایا جاتا ہے کہ جانور تھوڑی دیر بے ہوش رہے اور اسی وقت اسے ذبح کیا جائے تو اسے تکلیف نہ ہوگی۔ ان لوگوں کو بھی بعض علماء کی رائے حاصل ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ اگر بجلی کے جھٹکے کی وجہ سے بے ہوش جانور کو پانچ چھ

منٹ چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر وہ اپنی پہلی حالت میں آنے لگتا ہے اور اٹھ بیٹھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بجلی کی وجہ سے اس کی موت واقع نہیں ہوتی ہے اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اس کا تفصیلی جواب ارسال فرمائیں۔ تاکہ اس کے مطابق قدم اٹھایا جا سکے۔

مولانا فرماتے ہیں۔

میں سفر میں تھا سفر ہی میں یہ سوال نظر سے گذرا میرے ذہن نے یہ فیصلہ کیا کہ بجلی کے جھٹکے کی حیثیت اسی انجکشن سی ہے جو آپریشن سے پہلے عضو کو بے حس کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے جس سے چیر پھاڑ کی تکلیف کم سے کم محسوس ہوتی ہے اور ذبح سے پہلے اور ذبح کے وقت بھی ایسا نظم کرنا جس سے جانور کو کم سے کم تکلیف پہنچے مستحسن ہے، اس لئے سفر ہی سے جواب دیا کہ اگر بجلی کے جھٹکے سے جانور کی موت واقع نہیں ہوتی۔ خون میں کمی نہیں آتی صرف بطلان حس ہوتا ہے۔ اور اسی غرض سے بجلی کا جھٹکا دیا جاتا ہے کہ جانور کو تکلیف کم سے کمتر ہو اور پھر جھٹکے کے بعد اسلامی طریقہ پر جانور کو ذبح کیا جائے تو گوشت حلال ہوگا۔ یہ طریقۂ ذبح کم سے کم ایذا رسانی کے باعث مستحسن ہے۔
مکان واپس آکر میں نے انگلستان سے آیا ہوا سوال مولانا محمد یحییٰ صاحب مفتی امارت شرعیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ مفتی صاحب نے غور وفکر کے بعد وہی بات کہی جو میں جواب میں کہہ چکا تھا اور پھر از راہ کرم مدلل طریقہ پر جواب قلم بند فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

الجواب:۔

شریعت نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا طریقہ اور انداز بھی بتادیا ہے کہ چھری کو تیز کرلو اور مذبوح کو جتنا کم تکلیف دے کر ذبح کر سکتے ہو وہ طریقہ اختیار کرو۔ حضور صلے اللہ علیہ کا ارشاد ہے ....
(احادیث نقل میں حذف کردی گئیں) انہیں احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے

یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جس طریقہ کو اختیار کرنے میں مذبوح کو بے فائدہ زیادہ تکلیف دینا لازم آئے مکروہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے مکروہ کی چند شکلیں لکھ کر یہ قاعدہ بتایا ہے۔ والحاصل ان ما فیہ زیادۃ ایلام لا یحتاج الیہ فی الذکاۃ مکروہ۔

(ہدایہ ص۴۲۳ ج۴ کتاب الذبح)

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام ایسا ہے کہ اس سے مذبوح کو زیادہ تکلیف ہو اور اس کی کوئی ضرورت ذبح کرنے میں نہیں وہ مکروہ ہے۔

ان احادیث اور فقہاء کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا ہے اس کو جتنا کم سے کم تکلیف دیکر ذبح کر سکتے ہوں ایسا طریقہ استعمال کرنا مستحب و مستحسن ہے بشرطیکہ اس طریقہ سے خون کے نکلنے میں کوئی کمی واقع نہیں ہو اور نہ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنا پڑے۔

احادیث سے مثبت طریقہ سے اور ہدایہ سے منفی طریقہ سے یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔ پھر ہدایہ کی عبارت سے کس طرح بطور مفہوم مخالف کے اس پر استدلال کیا گیا کہ کم سے کم تکلیف دینا جانور کو مستحب و مستحسن ہے۔ اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا عدم اعتبار صرف نصوص شرعیہ (کتاب اللہ اور سنت رسول) میں ہے۔ فقہ اور عام بول چال میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔ رد المحتار میں ہے۔
(عبارت نقل میں حذف کر دی گئی)

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ذبیحہ کو تکلیف کم سے کم تر دے کر ذبح کرنا امر مستحسن و مستحب ہے، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور فقہاء کے قول سے یہی ثابت ہے تو اگر بجلی کے جھٹکے سے تھوڑی دیر کے لئے جانور کا احساس ختم کر دیا جائے تاکہ ذبح بھی جلد ہو اور جانور کو تکلیف بھی کم پہونچے اور بجلی کے جھٹکے کے بعد جانور سے خون نکلنے میں کوئی کمی نہیں ہوتی تو ایسا کرنا اگر اسی نیت سے ہو کہ جانور کو کم تکلیف پہونچے تو یہ فعل مستحسن بھی ہوگا اور جائز بھی۔ اور اگر یہ نیت نہیں ہے تو مستحسن نہ ہوگا مگر اس کے جائز اور حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ اللہ کے نام پر ذبح

کیا جائے۔ ایسے طریقہ پر جو جانور ذبح کیا جائے گا اس کا گوشت بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

مفتی صاحب نے سوال وجواب دونوں کے دونوں، دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور،

اور ندوہ کے مفتی صاحبان کے پاس بھیجے ان حضرات نے بھی اپنی اپنی رائے لکھ کر بھیجدی، تینوں جگہوں کے مفتی صاحبان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ذبیحہ تو بہر حال حلال ہے لیکن جھٹکے کا فعل مستحسن نہیں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شیخ الحدیث جامعہ رحمانی مونگیر اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب استاد جامعہ رحمانی مونگیر کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن اب تک جناب مفتی صاحب اور عاجز کو بھی مذکورہ بالا بجلی کے جھٹکے کے قبیح ہونے پر اطمینان نہیں ہے بلکہ اس کی استحسان ہی کی طرف جھکاؤ ہے۔ مزید تحقیق اور علماء سے استفادہ جاری ہے۔

مسلم نعش پر عمل جراحی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش عملِ جراحی کے لئے میڈیکل کالج میں بھیج دی جاتی ہے۔ اب اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ

(۱) مسلم نعش پر شرعاً کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے مسلم نعش پر عمل جراحی جائز ہوگا۔؟

الجواب:-

مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے۔ مثلاً کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو تمام فتاویٰ میں یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔ درمختار

میں ہے۔ حامل ماتت وولدھا حی یضطرب شق بطنھا من الایسر ویخرج ولدھا۔

(در مختار ص ۶۰۲ ج ۱ حاشیہ رد المحتار)

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے جبکہ مرنے والی کے پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہو اور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ متحرک بچہ ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

وفی التجنیس من علامۃ النوازل امراۃ حامل ماتت واضطرب فی بطنھا شئی وکان راکبھم انہ ولد حیّ شق بطنھا۔

(فتح القدیر باب الشہید ص ۱۴۲ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں بچہ زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ نعش کو چاک کرنا جائز ہے۔ نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا روپیہ نگل جائے اور مر جائے۔ در مختار میں ہے۔

ولو بلع مال غیرہ ومات ھل یشق قولان. والاولی نعم اھ (قولہ والاولی نعم) لانہ وان کان حرمۃ الآدمی اعلی من صیانۃ المال لکنہ ازال احترامہ بتعدیہ کما فی الفتح ومفادہ انہ لو سقط فی جوفہ بلا تعد لا یشق اتفاقا۔

(شامی ص ۶۰۲ ج ۱)

وفی البیری عن تلخیص الکبری لو بلع عشرۃ دراھم ومات یشق دافاد البیری عدم الخلاف فی الدراھم والدنانیر۔

(رد المحتار)

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالتِ ضرورت عمل جراحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا۔

اس لئے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دو ضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہو تو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ سے ازالہ کیا جائے گا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لئے چیرا جانا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے۔

لوکان أحدھما اعظم ضرراً من الآخر فان الاشد یزال بالاخف

(الاشباہ والنظائر ص۱۴۳)

"تحت القاعدۃ الخامسۃ"

اس کے بعد اس کی مثالوں میں بہت سی مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ومنھا جواز شق بطن المیتۃ لاخراج الولد اذا کانت ترجی حیاتہ۔ وقد امر بہ ابو حنیفۃ رح فعاش الولد کما فی الملتقط۔

(الاشباہ والنظائر ص۱۴۴، ۱۴۵)

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عملِ جراحی کے باعث چونکہ سینکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچنے کے لئے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو۔ اور سینکڑوں جان بچنے کے لئے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو۔

هذا ما عندی فان اصبت فمن اللہ وان اخطئت فمنی ومن الشیطان۔

علماء کرام کے لئے قابل غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سینکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب ہوگا؟ یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے

اعظم اور اشد ضرر ہے یا نہیں۔

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سینکڑوں جانوں کی ہلاکت عظم اور اشد ضرر ہے۔

لہٰذا الاشباہ والنظائر کی تصریح کی بناء پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر جو عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعًا حدِ جواز کے اندر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(حضرت مولانا) منت اللہ رحمانی خانقاہِ رحمانی مونگیر

الجواب صحیح :۔

علم جراحی مسلمانوں کے لئے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے الضرر یزال اور الضروریات تبیح المحضورات۔ پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے۔ چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح کی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند،

۲۹/۷/۱ھ

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔

خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیت کریمہ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب، اور آیت قتال کے ارشادے بھی اسی طرف ہیں۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم

(مولانا مفتی) احقر نظام الدین دارالعلوم دیوبند،

(نظام الفتاوی ص۲۵۶ تا ۲۵۸)

لفظ "ڈائیورس" سے طلاق

سائل لکھتا ہے کہ :-

میری شادی کچھ عرصہ قبل ایک خاتون کے ساتھ ہوئی تھی، مگر شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی ہمارے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے اور الجھاؤ پیدا ہونے لگا۔ اور نباہ مشکل ہو گیا آخر مجبور ہو کر میں نے اپنی بیوی کو ڈائیورس دے دیا، اور اس طرح میں نے ڈائیورس دیا، ڈائیورس دیا ڈائیورس دیا، میں نے گواہوں کے سامنے یکم مئی ۱۹۸۸ء کو طلاق نامہ میں اس طرح لکھا ڈائیورس، ڈائیورس، ڈائیورس، میں نے اپنی بیوی، بی بی عابدہ نسرین بنت ڈاکٹر محی الدین کو دیا۔ آج تاریخ یکم مئی ۱۹۸۸ء کو باہم ناخوشگوار تعلقات کی وجہ سے ـــــ

اب واضح فرمائیں کہ اس کی روشنی میں میری بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئی، اور وہ میری بیوی رہی یا نہیں۔ نیز میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تمہارا مہر اکیس ہزار روپے ہے وہ کسی ایسے آدمی کو بھیجکر منگوالو جسے میں بھی جانتا ہوں۔ یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ منگوالو، عدت کا خرچ تیرہ سو روپے ماہوار دونگا۔ اور میرا بچہ جب تک تمہارے پاس رہے گا اس کا بھی خرچ دو سو روپے کے حساب سے دوں گا۔ فقط

سائل منظور عالم

الجواب :-

آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے انگریزی کا لفظ DIVORCE تین دفعہ استعمال کیا ہے۔ لفظ طلاق اگر بیوی کے لئے آپ تین مرتبہ استعمال کرتے تو بلاشبہ طلاق مغلظہ واقع ہوتی ـــــ اب یہ طے کر لینا ہے کہ انگریزی کا لفظ DIVORCE طلاق کے معنی میں ہے یا نہیں۔ شریعت میں حل

عقد النکاح کا نام طلاق ہے۔ یعنی نکاح کے گرہ کو کھول دینا۔ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری مصنفہ ڈاکٹر عبدالحق میں ہے:

DIVORCE کے معنی ہیں خلع، طلاق، قانونی فسخ نکاح، خلع طلاق یا خلع کی ڈگری دینا طلاق کے ذریعہ بیوی یا شوہر کو علیحدہ کرنا (اتحاد کو) توڑنا، جدا کرنا، افتراق کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ DIVORCE طلاق کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کے تمام معنی میں بیوی سے جدائی، علیحدگی اور رشتۂ نکاح توڑ دینے کے معنی مراد ہیں۔

آکسفورڈ ڈکشنری Oxford Dictionary میں اس کے معنی اس طرح لکھے ہیں Legal dissolution of marriage opposed to judicial Sepration of married pair. یعنی عدالت کے ذریعہ حاصل کی گئی علیحدگی کے سوا قانونی طور پر شادی شدہ جوڑے کی تنسیخ نکاح

مشہور مقنن جسٹس فیض بدرالدین طیب جی بارایٹ لا، کی کتاب، محمڈن لا، Mohammadan Law میں ایک عنوان ہے۔

Dissolution of marriage by Talaq or Divorce. یعنی طلاق یا ڈائیورس کے ذریعہ فسخ نکاح، اس عنوان کے تحت طیب جی نے دفعہ ۱۱۹ میں لکھا ہے

طلاق وہ فسخ نکاح ہے جو شوہر کی طرف سے واقع ہو اس اظہار کے ساتھ کہ نکاح ختم کر دیا گیا یا یہ کہ اب اس کے اور بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق نہیں رہیگا۔

دوسرے مشہور مقنن جسٹس ملا Mulla نے بھی اپنی کتاب Divorce سے متعلق دو دفعات قائم کی ہیں

دفعہ ۳۰۸ طلاق کے ذریعہ ڈائیورس Divorce by Talaq

دفعہ ۳۰۹ مشروط طلاق جس طرح Contigent Divorce

اکسفورڈ ڈکشنری Oxford Dictionary سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ divorce کے معنی مطلق طلاق کے ہیں۔ جسٹس طیب جی کی تشریح نے بھی واضح کر دیا کہ divorce اس طلاق کا نام ہے جو شوہر کی طرف سے واقع ہو جسٹس ملاجی نے بھی تبلایا کہ طلاق اور divorce ایک ہی چیز ہے۔

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بیوی کے لئے لفظ ڈائیورس استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسا لفظ طلاق استعمال کرتا ہے ڈائیورس انگریزی زبان میں طلاق ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ وہ طلاق کی کوئی قسم ہو۔

صورت مسئولہ میں شوہر نے بیوی کے لئے divorce) ڈائیورس، تین مرتبہ استعمال کیا ہے جس سے طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ نیز شوہر نے جو بیوی کے پاس طلاق نامہ بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ تمہارا مہر اکیس ہزار روپے ہے وہ لے لو اپنے کسی آدمی کو بھیج کر جس سے میری واقفیت بھی ہو یا بذریعہ بینک ڈرافٹ منگوالو، اپنی تین ماہ علت کا خرچہ بحساب تیرہ سو روپے ماہوار لے لو اور میرا بچہ جب تک تمہارے پاس رہے گا اس کا خرچ بھی دو سو روپے ماہوار کے حساب سے دوں گا۔ اس تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر نے بیوی کے مقابلہ میں لفظ ڈائیورس (divorce) تین دفعہ استعمال کر کے رشتۂ ازدواج کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لہذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب حلالہ شرعی کے بغیر شوہر کے عقد میں دوبارہ نہیں آسکتی۔ فقط

واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب

(حضرت مولانا) منت اللہ رحمانی

۲۵ محرم ۱۴۱۰ھ

(نقل از رجسٹر)

ہم اس وقت فقہ اسلامی کی تدوین کا اہم ترین کام انجام دے رہے ہیں

انسانی ضرورتیں، انقلاب زمانہ اور تقاضائے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہیں، ایجادات اور تجدد پسندی نے سادہ طرز معاشرت اور سادگی کو زندگی سے نکال کر نت نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اس لیے حالات اور وقت کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی دائمی تعلیمات اور فقہاء اسلام کے مرتب کردہ علمی و فقہی ذخائر کو ایک نئے انداز سے ترتیب دیا جائے بالخصوص پرسنل لا کو جسے ہر فرد آسانی اور سہولت کے ساتھ سمجھ سکے اور ایسا جامع ہو جو ہر لحاظ سے انسانی ضرورتوں کا ساتھ دے سکے اور لوگوں کو اس بات کا ثبوت فراہم کر سکے کہ اسلامی تعلیمات اور شرعی نظام حیات ایک دائمی اور ہمہ گیر نظام حیات ہے۔ اس کا اصول وقانون عالمگیر اور آفاقی ہے جو ہر دور اور ہر لحاظ سے تمام انسانوں اور خصوصاً اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ہر لحاظ سے انسانی ضرورتوں کا ساتھ دیتا ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع علیہ الرحمۃ کو اس ضرورت کا شدت سے احساس رہا ہے آپ ہمیشہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے بے چین اور کوشاں رہے کہ جدید طرز پر فقہ اسلامی کی تدوین کا کام کیا جائے۔ آپ ہمیشہ اس کا اظہار کرتے رہے اور نئے مسائل کے حل کی طرف علماء ربانی اور فقہاء امت کو توجہ دلاتے رہے جیسا کہ خود حضرت لکھتے ہیں۔

> آج بہت سارے نئے مسائل اور نئے حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ علماء فقہ کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

(رسالہ مسلم پرسنل لا ص ۳)

اس بارے میں کام کا خاکہ ان کے ذہن میں کیا تھا وہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> بہر حال اگرچہ قیاس کی حجیت کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن یہی وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ قانون شریعت کا بڑا حصہ ترتیب پایا ہے اور اسی کے ذریعہ قرآن وسنت کا اجمال اور

اس کے اصول و کلیات اور اس کے محدود قوانین اور احکام جامد ہونے کے بجائے قیامت تک کے لیے متحرک ہیں، زمانہ کو قرار نہیں صبح و شام تغیرات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہر نیا دور نئے تقاضے لیکر سامنے آتا ہے، خصوصاً بیسویں صدی کے نصف اول سے تغیر انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور زندگی کے معاملات اور مسائل ہر تھوڑے عرصہ کے بعد نئی شکلوں اور پیچیدہ صورتوں میں سامنے آرہے ہیں اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور زندگی کے نئے مسائل میں شرعی احکام بتلانے کے لیے قیاس و اجتہاد کے سوا کوئی اور راہ نہیں۔ اس کے ذریعہ ہم قیامت تک پیش آنے والے ہر نئے معاملہ کا جواب دے سکتے ہیں، اگر دروازۂ اجتہاد بند کر دیا جائے تو قرآن کریم کا آخری اور ابدی قانون ہونا اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ابدیت قائم نہیں رہ سکتی۔

اور پھر بطور مشورہ فرماتے ہیں۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اجتہاد اور قیاس کا حق اشخاص کے دائرہ سے نکال کر جماعت کو دیا جائے اور علماء و اصحاب نظر کی ایک مجلس بنائی جائے، مجلس کا ہر رکن علوم اسلامیہ کا ماہر ہو نیز ان کی نظر عصر حاضر اور اس کی ضروریات، عرف عام اور ملک کے تہذیبی اور ثقافتی معاملات پر گہری ہو، سائنٹفک ترقیات اور ثقافتی انقلاب نے جو گہرے اثرات انسانی زندگی اور اس کے گرد و پیش پر ڈالے ہیں اس سے بھی وہ پورے طور پر آگاہ ہوں۔

ایسے حضرات کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور فقہائے اسلام کے تیرہ سو سالہ عظیم کارناموں کو سامنے رکھ کر پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضامندی کے لیے شرعی حکم بتلائیں۔

انشاء اللہ قیامت تک جس قدر بھی نئے مسائل سامنے آتے رہیں گے
اس کا شرعی حکم معلوم ہوتا رہے گا اور مسلمان اس پر پورا اعتماد کرسکیں گے۔
(رسالہ قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل ص۴۱ تا ۴۳)

لیکن کسے خبر تھی کہ جس عظیم شخصیت کے دل سے یہ بات نکل رہی ہے یہ سعادت و نیک بختی انہی کے حصہ میں آنے والی ہے اور قدرت نے اتنے اہم ترین کام کے لیے آپ ہی کا انتخاب کیا ہے جو ہر اعتبار اور لحاظ سے بالکل موزوں اور مناسب ہے جس کی نگاہ بصارت کے ساتھ ساتھ نگاہ بصیرت سے منور و معمور ہے اور جس کا دل ملت اسلامیہ کے لیے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔

مارچ ۱۹۸۶ء کی وہ مبارک تاریخ تھی جس میں باضابطہ قانون شریعت کی ضابطہ بندی اور تدوین فقہ کے کام کا آغاز خانقاہ رحمانی میں جید علماء اور مفتیان کرام کی موجودگی میں ہوا۔ اور حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ نے حاضرین سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔

> الحمد للہ آج ہم لوگ اس اہم اور تاریخی کام کے لیے مستحکم عزم لیکر بیٹھے ہیں بڑے نازک اور اہم کام کی شروعات کی جاچکی ہے۔
> آپ لوگ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہونچائے اور خلق خدا کی نفع رسانی کا ذریعہ بنے۔

اسی سے متعلق انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں نومبر ۱۹۸۶ء میں فرمایا۔

> ہم اس وقت فقہ اسلامی کی تدوین کا اہم ترین کام بھی انجام دے رہے ہیں اور آپ کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ یہ کام سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں اورنگ زیب عالمگیر نے کیا تھا اور ان کی کتاب عالمگیری ہے۔ اور اس کے بعد یہ کام سلطنت عثمانیہ یعنی ترکوں نے قسطنطنیہ میں کیا اور ان کی یادگار 'مجلہ' ہے۔ ادھر کی پوری اسلامی تاریخ میں بس یہ دو ہی کام ہوا۔ عالمگیری، مجلہ، سلطنت مغلیہ کی یادگار عالمگیری اور سلطنت عثمانیہ کی یادگار 'مجلہ' اور اب ہم۔ ہماری بھی یادگار رہ جائے گی۔ غلاموں کی بھی ایک یادگار رہ جائے گی۔

یہ مجموعہ نکاح وطلاق، ظہار، حرمت مصاہرت، مہر، نفقہ، عدت، حضانت، رضاعت، وراثت، وصیت ہبہ اور وقف وغیرہ جیسے اہم معاشرتی وپرسنل معاملات کے مسائل پر مشتمل ہے۔

مفکر اسلام اور عالم اسلام کی معروف ومقبول شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے خطبہ صدارت اجلاس ہشتم بمبئی ۱۹۸۶ء اور اجلاس نہم بمقام کانپور منعقدہ ۱۹۸۹ء میں اس اہم اور تاریخ ساز کام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

> آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور اس کے واجب الاحترام امیر کی ذاتی نگرانی میں مستند علماء اور ماہرین فقہ کے ذریعہ جدید زبان واسلوب وترتیب کے ساتھ عائلی قانون اور مسائل نکاح وطلاق، حقوق وفرائض کی تدوین کا کام جو چند مہینے پہلے شروع کیا گیا تھا، مرتب ہو کر ممتاز وصاحب فن علماء کی نظر سے گذر کر مکمل ہو گیا ہے۔ اس کی ترتیب کے بعد عدالتوں اور مجلس قانون ساز اور معترضین کو یہ کہنے کا حق نہیں رہا کہ ہمارے پاس سوا قدیم تراجم کے علاوہ جو زیادہ تر غیر مسلم قانون دانوں اور مصنفین کی مرتب کی ہوئی ہیں، شریعت اسلامی کی مستند وبراہ راست مجموعہ قوانین نہیں ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع کی فقہ وفتاوی اور قضاء کی خدمات، ملی اور ملکی مسائل کے حل کی کامیاب کوششوں سے قطع نظر صرف تدوین فقہ کی خدمت ان کی ایسی عظیم الشان خدمت ہے جو انشاء اللہ ہندستان کی تاریخ میں سنہرے حروف سے یاد کی جائے گی اور آپ کا نام پورے تب وتاب کے ساتھ آسمان علم پر جگمگاتا رہے گا۔

اس موضوع پر ماضی میں جو کام ہوا ہے یقیناً قابل قدر اور ہمارے لیے بیش قیمت ذخیرہ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن موجودہ ہندستان میں تدوین فقہ کے عظیم الشان کارنامہ کو دو لحاظ سے نسبتاً زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ایک مالی اسباب ووسائل کی قلت کے باوجود اس کام کو انجام دیا جانا جبکہ عالمگیری اور مجلہ الاحکام العدلیہ کی تدوین میں ہندستان کی عظیم الشان سلطنت کی سرپرستی اور تعاون اور خلافت عثمانیہ ترکی کی نگرانی شامل حال رہی ہے۔

دوسرے اس لحاظ سے کہ اس وقت مسائل میں اتنا تنوع پیدا نہیں ہوا تھا۔ یورپ کا صنعتی انقلاب رونما ہونے والا تھا آج کی طرح دنیا میں ہر شعبۂ زندگی میں یورپ کی چھاپ نہیں تھی۔ آج صنعتی اور معاشی انقلاب کے

نتیجے میں علماء جن مسائل سے دوچار ہیں ان سے کل نہیں تھے یقیناً ان کی یہ محنت، یہ قربانی اور جدوجہد رنگ لائیگی اور آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کے اس کارنامہ پر فخر محسوس کریں گی۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ ہندستان کی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل کے لیے ججوں اور قانون دانوں کے پاس کوئی مستند کتاب نہیں تھی جس سے بڑی دشواریاں پیدا ہوتی تھیں اور نئے نئے مسائل جنم لیتے تھے انشاء اللہ ہمارے بزرگوں کی یہ کاوش کافی سہولت کا باعث ہوگی اور لوگوں کو اسلامی شریعت کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے کا صحیح موقع مل سکے گا۔

آخر میں ہم اللہ رب العزت سے دعاگو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی ملت اسلامیہ کو حضرت امیر شریعت جیسا صاحب ایمان، صاحب بصیرت، عابد و زاہد، علم کا شناور، عزیمت اور راہ حق میں استقامت کا پہاڑ اور درد مند اور ملت اسلامیہ کے لیے سوز دروں رکھنے اور اپنے خون جگر سے ملت اسلامیہ کی نئی تاریخ لکھنے والا عظیم فرد دے جو وقت کی کلائی کو ملت اسلامیہ کے حق میں مروڑ دے اور ملت کے لیے ہر نازک موقع پر سیسے کی دیوار بن کر کھڑا ہو جائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

-:-

فرقہ وارانہ فسادات کا حل اور خدمات

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب قاسمی، رفیق مجمع الفقہ الاسلامی

۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا، مسلمانوں نے سوچا تھا کہ ظالم انگریزوں کے پنجۂ جبر واستبداد سے نجات ملی ہے، اب چین وسکون کی سانس لینے کا موقع ملے گا، اور آزاد ہندوستان میں اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آئے گا ــــــ مگر ابھی مسلمان اقتصادی اور معاشی اعتبار سے سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ پورے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہوگیا، یہ فسادات نہیں بلکہ مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے مفلوج اور ان کی نسل کشی کی گھناؤنی سازشیں اور منظم کوششیں ہوتی ہیں۔ جن میں فرقہ پرست عناصر اور ملک دشمن افراد کے دوش بہ دوش خود حکومت کی ایڈمنسٹریشن سرگرم عمل ہوتی ہے ان فسادات میں مساجد، مراکز علمی، تجارتی وصنعتی اداروں، فیکٹریوں اور مسلمانوں کی دیگر املاک وجائداد کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے، ہزاروں مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا ہے، معصوم بچوں کو شہید کیا جاتا ہے اور عورتوں کی چادر عصمت وعفت کو چاک چاک کیا جاتا ہے ــــــ عام طور پر یہ فسادات ان بڑے شہروں میں کرائے جاتے ہیں، جہاں مسلمان صنعت وحرفت اور دستکاری کے میدان میں آگے ہوتے ہیں، مرادآباد، علیگڈھ، میرٹھ، رانچی، جمشید پور، وارانسی، مئو، بھاگلپور اور اس طرح کے دیگر شہر جہاں مسلمان تجارت، صنعت وحرفت کے میدان میں آگے تھے، فرقہ پرست عناصر نے ان شہروں میں بھیانک فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کو مفلوج اور بے دست وپا کرنے کی بھرپور کوشش کی، ان فسادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو معاشی واقتصادی اعتبار سے مفلوج اور بے دست وپا کر دیا جائے، انہیں اس طرح کے حالات سے ہراساں اور خائف کر دیا جائے تاکہ وہ علمی، سیاسی، اقتصادی

کسی بھی میدان میں آگے نہ بڑھ سکیں، اور حالات سے مایوس ہو کر اپنے کو ان کے رحم و کرم کے حوالہ کر دیں، انہیں باور کرا دیا جائے کہ ہندوستان میں ان کا مستقبل محفوظ نہیں ہے،

ہندوستان کے ان مایوس کن حالات، حوصلہ شکن فسادات، اور روح فرسا واقعات میں فرقہ پرست عناصر کی سازشوں کو ناکام بنانے، فسادات پر قابو پانے اور ملک کی سالمیت و وحدت کی بقا، اور حالات کو سازگار بنانے کے لیے حضرت امیر شریعت بہار واڑلیسہ اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے مسلمانوں کو جو پیغام دیا وہ ان کی قوتِ ایمانی، غیرتِ ملی، مومنانہ فراست و بصیرت، جذبۂ حب الوطنی اور دردِ انسانیت سے معمور دل کا مکمل آئینہ دار ہے، انہوں نے اپنے پیغام میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا!

"آج ہمارا ملک مختلف اہم اور پُر پیچ مسائل میں گھر گیا ہے۔ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ فرقہ واریت کا ہے، اس لعنت نے ملک کے کڑوروں افراد کو متاثر کر رکھا ہے ملکی معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اس کو درست کریں، شر کو خیر سے بدلیں، آپ اس ملک میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، ملک کی تاریخ کو نیا رُخ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ اس کے لیے آمادہ ہوں، اتنی سی بات یاد رکھئے کہ ایک بہت بڑی تعداد کا مزاج تخریبی بن چکا ہے، اسے توڑ پھوڑ، شکست و ریخت سے خاص دلچسپی ہو گئی ہے، اگر آپ اصلاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ آپ خود بھی مضبوط ہوں، اپنی قوت جمع کریں، شر پسند، فتنہ پرور اور شہری زندگی کے امن و سکون کو برباد کرنے والوں کے مقابل مضبوط اور بہترین دفاع کے لیے تیار ہوں، آپ کی اپنی قوت اور دفاعی صلاحیت وہ بنیادی چیز ہے، جس کے ذریعہ آپ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں ____ آپ مرنا سیکھیں بزدلوں کو ہر روز صبح و شام موت آتی رہتی ہے، جوانمرد ایک اور صرف ایک بار مرتا ہے میں آپ سے صرف یہ کہوں گا کہ آپ دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں، خدا سے لو لگائیں اور اپنے مستحکم دفاع کے لیے تیار رہیں، کسی پر حملہ کے لیے، بدنیتی سے نہیں، قتل و غارت گری کے ارادہ سے نہیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے ملک کے انتظام کو صحیح رُخ پر لانے اور صحیح طریقہ پر چلانے کے لیے ____ موجودہ صورتِ حال میں بڑھتی ہوئی

فرقہ واریت اور نسل کش حملوں کا علاج میرے خیال میں یہی ہے کہ مظلوموں کو چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کریں ـــــ دفاع آپ کا قانونی حق ہے، جسے کوئی بھی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی"۔ (بحوالہ رحمانی جنتری)

آپ کے اس پیغام نے ہندوستانی مسلمانوں کو حالات سے نمٹنے، فرقہ وارانہ جارحیت کا خاتمہ اور ہندوستان کے رخ بدلنے، مؤمنانہ شان وشوکت سے زندہ رہنے اور شیروں کی طرح زندگی گزارنے کا حوصلہ بخشا اور ان میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ حالات سے مایوس نہ ہوں،

حضرت امیر شریعت کے دور امارت وقیادت میں، سیتامڑھی، آخته، رانچی، راورکیلا، جمشید پور، ملبنڈ، سورسنڈ، کلکتہ، جبل پور، احمدآباد، بھیمڑی، تینوگھاٹ، ہزاری باغ، آوا پور، کھراپاں، پھترا، اور حالیہ سالوں میں مرادآباد، میرٹھ، علی گڈھ، حیدرآباد، بھاگلپور، پٹنہ سیٹی اور مونگیر میں زبردست فرقہ وارانہ اور نسل کش فسادات ہوئے جن میں ہزارہا ہزار مسلمان شہید کئے گئے، اربوں کی املاک تباہ کی گئی، مکانات، فکٹریاں مساجد نذرِ آتش کی گئیں، حضرت امیر شریعت کا دل ان فسادات سے سخت دکھی ہوا، بعض مقامات پر آپ خود تشریف لے گئے، وہاں کے مظلوم مسلمانوں کو تسلی دی، ان کے درد کا درماں فراہم کیا، فسادات پر قابو پانے کی انہیں تدابیر بتائی اور امارت کے ریلیف فنڈ سے اجڑے ہوئے لوگوں کو آباد کیا اور جتنا ہوسکا ان کا مالی تعاون کیا، بعض مقامات پر آپ نے امارت کے ذمہ داروں کو بھیج کر مظلوموں کی مدد اور ان کی آبادکاری کرائی، اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے صوبائی اور مرکزی حکومت پر برابر دباؤ ڈالتے رہے کہ ان فسادات پر قابو پانے کی مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں اور مسلمانوں کو ان کا آئینی حق دیا جائے، فرقہ پرست عناصر کے ناپاک ارادوں اور بڑھتی ہوئی جارحیت کو فوری طور پر روکا جائے، ورنہ ہندوستان کی سالمیت کو زبردست خطرہ پہنچے گا، اخبارات، ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ حکومت کو برابر فسادات پر قابو پانے کے لیے متوجہ کرتے رہے اور حکومت کو پولیس وفوج میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دینے اور امن فورس کے قیام پر مجبور کرتے رہے۔ ـــــ ان تمام فسادات کا تفصیلی تذکرہ اور آپ کی خدمات کے بیان کے لیے ایک دفتر بھی کافی نہیں ہے، اس جگہ ہم صرف چند بڑے فسادات اور آپ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں، جن سے آپ کی دوراندیشی، دانشمندانہ قیادت اور ملی غیرت وحمیت کا اندازہ لگ جائے گا

رانچی کا فساد

اگست ۱۹۶۷ء میں رانچی میں زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا، جس میں فرقہ واریت کا عفریت

اور جارحیت کا ناگ ہفتوں شہر میں ناچتا رہا۔ اور قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا، ناظمِ امارتِ شرعیہ کی سروے رپورٹ کے مطابق اس میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں کی تھی اور متأثر ہونے والوں کی تعداد سات ہزار کے قریب تھی، تین ہزار کے قریب لوگ بے گھر ہوئے، سو سے زیادہ دکان و مکان برباد ہوئے امارت نے اس موقع سے متأثر افراد کی آباد کاری اور اجڑے ہوئے لوگوں کو بسانے اور انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ہزاروں روپیہ ریلیف فنڈ سے خرچ کیا۔ ناظم امارتِ شرعیہ خود وہاں رہکر فساد زدہ لوگوں کی آباد کاری میں مشغول رہے، اس کے بعد خود حضرتِ امیر شریعت رانچی تشریف لے گئے۔ فساد زدہ مقامات کا دورہ کیا، متأثر افراد سے ملاقات کی، انہیں اس موقع پر صبر اور خدا سے لَو لگانے کی تلقین کی، رانچی سے واپسی پر آپ نے اخبار میں یہ بیان دیا:

"رانچی کا المیہ اس وقت پورے ہندوستان کے لیے سوالیہ نشان کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، ہندوستان میں صدیوں سے مختلف مذہبوں کے ماننے والے رہتے چلے آئے ہیں، انگریزوں کے دور میں بھی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہے ہیں اس وقت ہم انگریزوں پر الزام دیا کرتے تھے، آزادی کے بعد جب کہ ہم تعلقات کی خوشگواری کی بجا طور پر امید کر سکتے تھے، کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں بڑے فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوئے ہوں ـــــــ پچھلے دنوں کلکتہ، جمشید پور، راورکیلا، فیروز پور وغیرہ میں جو فسادات ہوئے، اس سے یہ بات صاف محسوس ہوئی کہ منظم طور پر صنعتی اور کاروباری حلقوں سے ایک فرقہ کو ختم کرنے کے لیے قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا گیا"۔

عام طور پر فسادات کی آگ بھڑکانے میں بلوائیوں کے ساتھ خود پولس اور حکومت کا عملہ ہوتا ہے، جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو جان و مال کا تحفظ دیں، مگر ہندوستان کا المیہ ہے کہ جان کے رکھوالے خود لٹیرے بن جاتے ہیں، رانچی فساد کے بھڑکانے میں بھی پولس اور حکومت کے عملہ کا ہاتھ تھا، حضرت امیر شریعت نے ان کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

سب سے زیادہ مجھے جس چیز نے متأثر کیا وہ پولس، ہوم گارڈ اور حکام کا وہ طرزِ عمل ہے جو فساد کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا، پچھلے سارے فسادات کی طرح وہ لوگ جن سے بجا طور پر حالات کو قابو میں کرنے اور فسادات کو روکنے کی امید کی جا سکتی تھی

نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی بلکہ فساد کی آگ کو بھڑکانے اور کمزوروں پر ظلم کے مرتکب ہوتے رہے۔ آرم فورس کے جوانوں نے مسجدوں کی بے حرمتی کی مصلیوں کو زدوکوب کیا رنگساز مسجد کے امام جو سترّ اسّی سال کے بوڑھے، دین کے بڑے عالم اور امارتِ شرعیہ کی طرف سے رانچی ضلع کے قاضی شریعت بھی ہیں، انہیں رائفل کے کندوں سے مارا گیا یہاں تک کہ وہ گر کر بے ہوش ہو گئے، مسلمان مردوں کو زدوکوب اور بے عزتی کے ساتھ گرفتار کیا گیا، اور مردوں سے خالی مکانات میں گھس کر عورتوں کے زیورات چھینے گئے، سَو سے کچھ زیادہ لوگوں کو ایک گاڑی میں بھر کر لیجایا گیا، اور بارہ گھنٹے تک ان کو اسی گاڑی میں بند رکھا گیا، جنہیں ایک گلاس پانی بھی نہیں مل سکا۔ جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ گرمی اور پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو گیے"۔

کرفیو کے اوقات میں لوگوں پر قاتلانہ حملے ہوتے رہے۔ پولس اور فوجیوں کی ڈیوٹی زیادہ سے زیادہ مسلم اکثریت کے محلوں میں رہی، اسپتال میں اقلیتی واکثریتی فرقہ کے درمیان نمایاں فرق محسوس کیا گیا۔ فسادات کا شکار بھی زیادہ مسلمان ہوئے، اور ایڈمنسٹریشن کی زیادتیوں کے بھی"۔

رانچی میں جو حالات پیش آئے، ان کی بنیاد پر یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگا کہ وہاں ایڈمنسٹریشن فیل ہو گیا یا غافل رہا۔ بلکہ اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ ایڈمنسٹریشن اپنی جگہ پوری طرح چوکس اور مستعد رہا، پولس پوری طرح ایکشن میں رہی فرق صرف اتنا ہے کہ علی العموم اس تیز اور مستعد حرکت وعمل کا مقصد مظلوموں کی مدد اور امن کے قیام کے بجائے اقلیتی فرقہ کو زیادہ نقصان پہنچانا تھا۔

میں نے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا۔ ہٹیا کے کارخانہ کے سیکٹروں میں اگرچہ وزیر اعظم کے آنے کی تقریب میں صفائی بھی کی گئی، لیکن ابتک بہت سے کوارٹر میں قتل و خون کے آثار موجود ہیں"۔

فسادات، فرقہ پرست عناصر کی منصوبہ بند کوششوں اور منظم سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوتے ہیں، مگر عام طور پر ان فسادات کا رُخ مسلمانوں کی طرف موڑنے اور انہیں

مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ رانچی کے فساد میں بھی یہی ہوا، حضرت امیر شریعت نے اس خطرناک پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے بیان میں فرمایا:

"واقعات کا افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ اب ان عظیم فسادات کے بعد منظم طور پر واقعات کا رُخ موڑ دینے کی جد وجہد کی جارہی ہے چنانچہ اخبارات اور زبانی پروپیگنڈوں کے ذریعہ مظلوم اقلیتی فرقہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ خبر پھیلائی جارہی ہے کہ فساد کی ابتدا مسلمانوں ہی نے کی تھی۔ اور اس فساد کا شکار جو سب سے پہلے بنا وہ ایک ہندو ہے جس کا نام شادی لال ملہوترہ ہے۔" (ہفتہ وار نقیب ۱۶ دسمبر ۱۹۶۷ء)

۱۹۶۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں پورے ملک میں عموماً اور بہار میں خصوصاً مسلمانوں کے لیے جو سنگین مسائل، بحرانی حالات پیش آئے، ان سے نمٹنے، حالات کو سازگار بنانے، فرقہ وارانہ اور فسطائی ذہنیت سے نجات پانے اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے آپ نے پورے صوبہ کے دردمند اصحاب اور اہل الرای کا ایک اہم نمائندہ اجتماع ۳ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دفتر امارتِ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں بلایا، جس میں بلا لحاظ مسلک تمام نمائندگان نے شرکت کی اور گھنٹوں غور وفکر کے بعد، حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا:-

"حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی لہر نے پھر ایک بار مسلمانانِ ہند کے سامنے بہت سے نازک مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ہم دستخط کنندگان ذیل نے بلا لحاظ اختلاف مسلک وخیال جملہ حالات کا جائزہ لیا ان سارے حالات کی روشنی میں ہم مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہونچے۔

(۱) اکثریت کی بڑی تعداد فرقہ واریت کی زہر سے متاثر ہے، پڑھا لکھا قوم کا طبقہ زخم پر مرہم رکھنے والے ڈاکٹر، ملک کی حفاظت کی ذمہ دار فوج اور امن کی حفاظت کی ضامن پولیس اور ملک کی انتظامیہ کے ذمہ دار۔ اربابِ حکومت کے طبقے بھی اس فرقہ سے محفوظ نہیں ہیں۔

(۲) ان فسادات کے ذریعہ مسلمانوں میں خوف وہراس، احساسِ کمتری کے رجحانات پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ہم دستخط کنندگان امتِ مسلمہ اور اکثریت کو مخاطب کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں،

(۱) ہم مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ عظیم اور ابدی پیغام (اسلام)

اور قرآن نے مایوسی کو حرام قرار دیا ہے، مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت اللہ ہے مسلمانوں کی تاریخ بھی یہ سبق دیتی ہے کہ وہ نازک ترین حالات میں بھی مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ اس لیے ان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ پوری جرأت واستقامت کے ساتھ ملک میں زندہ رہیں اور یہیں مریں، ان کا اس ملک میں پورا حق ہے، اس لیے جو احساسِ کمتری کے رجحانات پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کے منصوبوں کو اپنی استقامت کے ساتھ شکست دیں۔

مسلمانوں کو مخاطب کر کے دوسری بات یہ کہنی ہے کہ زندگی عطیہ ہے اور اس کی بقا وتحفظ ہر شخص کا انسانی اور قانونی حق ہے۔ جو لوگ مسلمان سے ان کا یہ حق چھین لینا چاہتے ہیں، وہ انسانیت کی عدالت میں مجرم ہیں، اور مسلمانوں کو دنیا کے تمام قوانین کی رو سے اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو پر کیے جانے والے حملہ کا مضبوط اور منظم دفاع کریں۔ اس لیے ہم مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ حالات سے ہراساں نہ ہوں، اور ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر لمحہ تیار رہیں اور اس سلسلہ میں مؤثر اور مناسب تدابیر اختیار کریں۔

(۳) اکثریت کے صاف ذہن لوگوں سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ اگر وہ فرقہ وارانہ فسادات کے اس تسلسل کو پوری قوم اور پورے ملک کے لیے مہلک اور تباہ کن سمجھتے ہیں، تو ملک کو اس مہلک زہر سے نجات دینے کے لیے آگے آئیں اور وقت کے اس نازک سوال کا جواب بروقت دیں، وہ آگے آکر ملک میں ایسی تحریک کی قیادت کریں جو ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہو۔ اس وقت شر کی قوت بڑھتی جا رہی ہے اگر امن چاہنے والے اور ملک کی بھلائی چاہنے والے اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ آگے نہیں آئے تو ملک ایک عظیم خطرہ سے دوچار ہو جائے گا اور پھر اس کا ازالہ ناممکن ہوگا۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ امن وسلامتی کے قیام کی ہر کوشش میں انہیں ہمارا تعاون حاصل ہوگا۔

دستخط کنندگان

جناب مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی، مولانا محمد عثمان غنی، پھلواری شریف، جناب عبد المالک وکیل داناپور، جناب ابوالاحد محمد نور ایم، ایل، سی، جناب عبد السمیع ندوی

ایم، ایل، سی مدیر ساعق، مولانا قاضی محمد عثمان صاحب سیوپول دربھنگہ، جناب حفیظ اللہ راہی داناپور، خورشید انور عارفی ایڈیٹر صدائے ہند پٹنہ، جناب عبدالقیوم قائد پٹنہ، جناب انیس الرحمن پٹنہ، جناب نظام الدین خان دھنباد، جناب اسد علی خان کتراس گڈھ، جناب حکیم منظر الحسن خادم عزیزی مظفر پور، جناب ڈاکٹر سید اظہار صاحب دربھنگہ، جناب غلام سرور ایڈیٹر سنگم پٹنہ، جناب شاہد صاحب ایڈیٹر نقیب، جناب بدیع الزماں بچہ بابو سیتامڑھی، جناب محمود عالم صاحب ایڈوکیٹ سیتامڑھی، مولانا اقبال احمد، جناب محمد یونس ایڈوکیٹ مونگیر، جناب مولانا زین العابدین بھاگلپور، محمد حفاظ الدین پورنیہ، جناب محمد محبوب علی پورنیہ، مولانا احمد علی قاسمی رانچی، مولانا محمد ہارون الرشید مدرسہ اسلامیہ سیتامڑھی، مولانا اقبال حق فاربس گنج پورنیہ، قاضی مسعود مشرق کوئلور آرہ، جناب نجم الہدیٰ مظفر پور، جناب م۔س سلام مظفر پور، جناب زکریا فاطمی پٹنہ۔ جناب قاضی محمد سعید پٹنہ، جناب محمد علی ایڈوکیٹ سیتامڑھی،

اس میں آپ نے فساد کے اسباب اور اس کے محرکات بھی واضح کر دیئے اور ساتھ ہی فسادات پر قابو پانے اور حالات کو بدلنے کی تدابیر بھی بتادی ـــــ مسلمان کے لیے اللہ کی شریعت نے مایوسی اور بزدلی کو حرام قرار دیا ہے، اسے کبھی بھی حالات سے ہراساں نہیں ہونا چاہئے، آپ نے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ پوری جرأت واستقامت کے ساتھ اسی ملک میں زندہ رہنے اور یہیں مرنیکا فیصلہ کریں۔ اور جو عناصر ان کے اندر مایوسی یا احساس کمتری کے رجحانات پیدا کرنا چاہتے ہیں اپنی ثبات قدمی اور استقامت سے انہیں ناکام کردیں' اپنی جان ومال کا تحفظ ان کا مذہبی قانونی حق ہے جو ان سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی، وہ اپنی جان ومال عزت وآبرو پر ہونے والے حملہ کا مضبوط دفاع کریں ـــــ آپ کے نزدیک ہندوستان کی موجودہ زہرآلود فضا، کو بدلنے اور حالات کا رخ موڑنے کا واحد طریقہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں، اپنے دل میں صرف ایک خدا کا خوف پیدا کریں اور دنیا کی ساری قوت وطاقت کا خوف نکال دیں، اپنے دفاع اور جان و مال کے تحفظ کی قوت اپنے اندر پیدا کریں، اس کے لیے مناسب لائحہ عمل طے کیا جائے، آپس کے اختلاف وانتشار کو دور کیا جائے اور اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، سیکولر اور صاف ذہن رکھنے والے اکثریتی فرقہ کے لوگوں کو اعتماد میں لے کر خیرسگالی کا ماحول پیدا کیا جائے ـــــ رانچی اور ملک کے دیگر فسادات کے بعد آپ نے پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کو جو جرأتمندانہ پیغام دیا تھا وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ پیغام کا متن ملاحظہ فرمایئے !!

آج ملت اسلامیہ جس آزمائشی دور سے گزر رہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں

ابھی ہم عرب مظلومین کی امدادی مہم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رانچی کا حادثہ پیش آیا۔ اور پھر ملک کے دوسرے حصوں میں فسادات کے شعلے بھڑکے رانچی اور ملک کے دوسرے حصوں میں ہم کو مجروحین کی مرہم پٹی سے فرصت نہیں ملی تھی، کہ سرسنڈ کا دردناک واقعہ پیش آیا، اور ابھی سرسنڈ کی سرزمین سے خون کے نشانات نہیں مٹے ہیں کہ موضع رامپور خاص کو قتل وخون، لوٹ مار اور آتشزدگی کا نشانہ بنایا گیا، ان واقعات کی تفصیلی رپورٹیں ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، اس لیے واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ان واقعات کے نتیجہ میں اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے خوف وہراس کی روشنی میں ہمارے لیے ایک راہِ عمل طے کرنا ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ان سارے فسادات کا پسِ منظر ایک ہی ہے، بلوائیوں نے منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر بلا استثناء مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیے، مال لوٹا، مکانات جلائے، مسجدوں اور قرآن مجید کی بے حرمتی کی گئی، ان فسادات میں پڑھے لکھے تعلیم یافتہ، ذہین، صنعت کار اور مہذب لوگوں نے بھی درندگی کا مظاہرہ کیا، علی العموم حکومت اعلیٰ ذمہ دار خاموش رہے اور انہوں نے فسادات کے سدباب کے لیے کوئی مضبوط عملی قدم نہیں اٹھایا۔

جہاں تک پولس کا تعلق ہے، اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے فرض سے غفلت برتی بلکہ کہیں۔ اس نے فسادات کی قیادت کی، کہیں اس نے بلوائیوں اور دوسروں کی جان ومال سے کھیلنے والوں کا پورا پورا تحفظ کیا۔ انتظامیہ نے فسادات کے بعد لٹے پٹے اور زخموں سے کراہتے ہوئے لوگوں کو جیل کی کوٹھری میں بند کر دیا، اور حملہ آوروں، لوٹ مار کرنے والوں کو پوری طرح آزاد چھوڑ دیا ـــ ان حالات میں اگر مسلمان اپنے کو ہر لمحہ خطرات کے درمیان گھرا ہوا محسوس کر رہے ہیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ اور ان سارے واقعات کا جائزہ لینے کے بعد میں صرف دو باتیں کہنا چاہتا ہوں، ایک حکومت سے اور دوسری بات مسلمانوں سے۔

مجھے حکومت سے یہ کہنا ہے کہ پورے ملک میں ہونے والے فسادات نے

یہ بات ثابت کردی ہے کہ وہ فسادات اور یکطرفہ قاتلانہ حملوں کی روک تھام میں ناکام ہو چکی ہے، اس کی مشنری امن قائم نہیں کرتی، بلکہ فسادات کی آگ کو ہوا دیتی ہے، پولس نے ان واقعات میں ظلم کو ڈھونے والی گاڑی کے انجن کا کردار ادا کیا ہے اور اس کے ذریعہ مظلوموں کا نہیں، بلوائیوں اور حملہ آوروں کا تحفظ کیا ہے اور جہاں حملوں کا نشانہ بننے والے لوگ کسی حد تک خود دفاع کر سکتے تھے وہاں بھی پولس کی مداخلت نے اسے ناممکن بنا دیا، اس لیے میں حکومت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسی پولس اور ایسے انتظامیہ کی ہمیں ضرورت نہیں ہے جو ہماری حفاظت کے بجائے ہم پر ظلم کی راہ نکالتی ہو۔

مجھے دوسری بات مسلمانوں سے کہنی ہے اور وہ یہ کہ ان واقعات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی حفاظت آپ کرنی ہے اور اللہ پر اعتماد ان کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اپنے جان و مال کی حفاظت ہمارا اخلاقی اور قانونی حق ہے اس لیے ہمیں ہر لمحہ ہر خطرہ کا دفاع مضبوط کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ فسادات رکنے کی اب صرف ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ حملہ کرنے والے خود اپنے لیے بھی خطرہ محسوس کرنے لگیں۔ لہذا اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے ہر لمحہ پوری طرح مستعد رہنا اور ہر طرح کے حالات کا جرأت اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ سامنا کرنا ہمارا فریضہ ہے، ہمیں اسی سرزمین پر رہنا اور یہیں جینا اور یہیں مرنا ہے، اس لیے فرار اور گریز کی راہ اختیار کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بس ہمیں اپنے ممکن وسائل کے ساتھ اپنے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ اپنے دین پر قائم رہنا ہے اور اس طرح اس سرزمین پر عزت کے ساتھ جینے کی راہ نکالنی ہے۔ (بحوالہ نقیب ۱۹۶۷ء)

(فاللہ نعم المولیٰ ونعم النصیر)

بہار شریف کا فساد

بہار شریف ایک زمانہ میں علم وفن کا مرکز اور علماء ومشائخ کا مولد ومسکن رہا ہے، دسمبر ۱۹۷۹ء میں فرقہ پرست اور فسطائی ذہنیت رکھنے والے افراد کی منصوبہ بند اور منظم سازشوں کے نتیجے میں بہار شریف میں بھیانک فرقہ وارانہ فساد برپا کیا گیا جس میں مسلمانوں کی جان، ان کی عزت وآبرو املاک، اور دکانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا، مہینوں فساد کی تیز وتند آندھی چلتی رہی، اور وہاں کے مسلمان

فساد کی آگ میں جھلستے رہے، اس فساد سے شہر کے علاوہ قرب وجوار کے تقریباً ۳۲ گاؤں متاثر ہوئے، ان میں سے سات آٹھ گاؤں میں بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا، سینکڑوں مکانات اور دکانیں نذر آتش کی گئیں، صرف خلیل عبدالستار فرم کا بیڑی گودام تباہ ہو جانے سے ۳۰ لاکھ روپے کا نقصان ہوا۔

اس موقع پر حضرت امیر شریعت کے حکم کے مطابق ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ بہار شریف تشریف لے گیے، فساد زدگان کی امداد وآباد کاری کے لیے "امارت شرعیہ ریلیف مشن" قائم کیا گیا، متاثرین کی آباد کاری کے لیے امارت کے ریلیف فنڈ سے ایک لاکھ سے زائد خرچ کیے گیے۔

حضرت امیر شریعت علیہ الرحمہ نے اس وقت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام ایک تفصیلی ٹیلیگرام بھیجا، جس میں انہیں بہار شریف کے حالات سے باخبر کیا، حکومت کے وعدے یاد دلائے، اور ان سے مطالبہ کیا کہ فساد کے ذمہ دار افسران کو سزا دی جائے اور انہیں کیفر کردار تک پہونچایا جائے، متاثر خاندانوں کو امداد دیا جائے، شہداء کے ورثاء کو معقول معاوضہ دیا جائے، ٹیلیگرام میں حضرت امیر شریعتؒ نے تحریر فرمایا:

"بہار شریف میں حکومت کے اعلان اور عمل میں واضح فرق پایا جاتا ہے جو ہرگز نہیں ہونا چاہئے، حکومت نے اب تک صرف ۳۶ شہداء کے وارثین کو معاوضہ دیا ہے جبکہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے ذمہ دار جانچ کے بعد ۱۰۲ شہداء کی مکمل فہرست شائع کی ہے اور حکومت کو بھیجا ہے۔

آپ نے کہا کہ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ افسروں کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا مگر آج تک اس پر عمل نہیں ہو سکا، حکومت نے انکوائری کا اعلان کیا تھا اب تک انکوائری نہیں ہوئی ہے اور نہ افسروں کو سسپنڈ کیا گیا ہے، غیر جانب دارانہ تحقیقات کے لیے سسپنڈ کیا جانا ضروری ہے، مسلمانوں کو جھوٹے مقدمے میں پریشان کیا جارہا ہے، باعزت شہریوں کی کمر میں رسہ باندھ کر ہتھکڑی لگا کر تھانے جایا گیا، جس کا مقصد صرف بے عزت کرنا ہے، جناب حکیم محمد عارف اور ڈاکٹر اسرع جیسے لوگوں کو پریشان کیا گیا، یہ ایسے امور ہیں جو حکومت کے اعلان اور عمل کے فرق کو واضح کرتے ہیں،

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ٹیلی گرام میں اس طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ جو لوگ کیمپوں میں زندگی گزار رہے

ہیں انہیں برسات سے قبل گھروں میں بسادیا جائے اور انہیں روپے کے ساتھ مکان کا سامان دیا جائے اور ان کی حفاظت کا معقول نظم کیا جائے ، ایسے حضرات جو فساد کے بعد سے ابتک لاپتہ ہیں انہیں مردہ مان کران کے خاندان کو امداد دی جائے ، بہار شریف کے فساد میں چھوٹے اور متوسط طبقہ کے مسلمان تاجر بھی متاثر ہوئے ہیں ، ایسے تمام متاثرین کو اپنی تجارت دوبارہ شروع کرنے کے لیے بلاسود قرض دینے کے احکامات جاری ہونا ضروری ہیں ۔
(ہفتہ وار نقیب)

جمشید پور کا فساد

جمشید پور ایک صنعتی اور نو آباد شہر ہے جہاں زیادہ تر لوگ باہر کے ہیں ، جمشید پور شہر میں ہر طرف کارخانوں اور فیکٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے ۔ جن میں ہر چھوٹی بڑی چیز تیار ہو کر پورے ملک میں درآمد ہوتی ہے فرقہ پرست عناصر نے وہاں کی معیشت اور صنعت وحرفت کو تباہ کرنے کے لیے ۱۱ اپریل ۱۹۷۹ء کو زبردست فرقہ وارانہ فساد کرایا ، حضرت امیر شریعت کے الفاظ میں "جمشید پور کا خونی المیہ فساد نہیں ، پولس ایکشن اور مسلمانوں کے خلاف منظم سازش کی کامیابی تھی" ، جس میں سینکڑوں زندگی ختم ، بے شمار مسجدیں تباہ دو ہزار سے زیادہ مکانات نذر آتش ، ہزاروں دکانیں خاکستر کی گئیں ، تقریباً پچاس ہزار افراد اس فساد سے متاثر ہوئے ، اور پناہ لینے پر مجبور ہوئے ، امارتِ شرعیہ کی سروے رپورٹ کے مطابق مسلمان شہدا کی تعداد تین سو تھی ، اس فساد میں شہید ہونے والوں کی نوے فیصد تعداد وہ ہے جو پولس کی گولیوں سے ہلاک ہوئے ، امارت شرعیہ نے جمشید پور کے فساد زدگان کی امداد اور آبادکاری پر ڈیڑھ لاکھ سے زائد خرچ کیا ، مہینوں امارت کی طرف سے ریلیف اور امداد کا کام ہوتا رہا ، گدڑی مارکٹ کی از سر نو تعمیر کرائی گئی ، سترہ خاندان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے رقم دی گئی ، اور شہداء کے خاندان والوں کو امداد دی گئی ،

ہندوستان کے مشہور صحافی کلدیپ نیر نے جمشید پور کے فساد زدہ مقامات کا دورہ کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا :

میں سنبھل اور علی گڈھ میں اتر پردیش کی ہتھیار بند پولس کا مشاہدہ کر چکا ہوں لیکن جمشید پور میں جو کچھ میں نے دیکھا وہ اس سے کہیں زیادہ سنگین

ہے بہار ملٹری پولس نے جمشید پور میں تمام حدوں کو روند ڈالی، انتقامی جذبے نے اسے اس قدر غضب ناک اور بے خوف بنا دیا تھا کہ اس نے تمام افسروں کے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا، اور ایک موقع پر وارننگ دینی پڑی کہ اگر وہ مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی پر قابو نہیں پائے گی تو اس پر گولی چلا دی جائے گی۔

جس وقت جمشید پور میں فساد کی بھیانک آگ بھڑکی اس وقت حضرت امیر شریعتؒ بنگلہ دیش کے دورہ پر تھے، ۲۴/اپریل کو بنگلہ دیش سے واپس ہونے پر آپ نے فوراً دفتر امارت سے جمشید پور کے حالات کے بارے میں تفصیلی واقفیت حاصل کی، اور امدادی کاموں کے لیے ضروری مشورے دیئے اس کے بعد ۲۷/اپریل کو آپ حضرت ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحب کے ساتھ جمشید پور تشریف لے گئے، وہاں کے دورانِ قیام آپ نے تباہ شدہ بستیوں کا جائزہ لیا۔ لوگوں سے تفصیلی حالات سنے، اور کیمپوں میں جاکر مصیبت زدہ لوگوں کو تسلی دی اور ڈھارس بندھائی ____ جمشید پور سے واپسی کے بعد آپ نے مدیرِ نقیب جناب شاہد رام نگری کو تفصیلی انٹرویو دیا، جس میں فساد کے اسباب و عوامل، فساد کی تباہ کاری، حکومت اور پولس کی جانبدارانہ روش پر مکمل روشنی ڈالی گئی، آپ نے فرمایا:

"جمشید پور پہنچ کر ہم لوگوں نے حالات کی سنگینی اس سے کہیں زیادہ پایا جو اخبارات میں پڑھا تھا، لوگوں سے سنا تھا یا وفدِ امارت کی رپورٹ سے معلوم ہوا تھا، ہم فساد زدہ علاقوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مظلوموں کی آہیں اپنے کانوں سے سنکر اور تمام حالات کا تفصیلی اور گہرا جائزہ لے کر پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہندو مسلم فساد نہیں، مسلمانوں کے خلاف پولس ایکشن تھا۔

فسادات کرانے کے بعد فرقہ پرستوں کی کوشش ہوتی ہے کہ فساد کی ذمہ داری مسلمانوں کے سر ڈال دی جائے جمشید پور میں بھی یہ کوشش کی گئی، حضرت امیر شریعت نے اس موقع پر وہاں کے مسلمانوں کی امن پسندانہ کوششوں کو سراہتے ہوئے فرمایا:

انہوں نے تو امن کی خاطر جمشید پور میں وہ رول ادا کیا جس کی مثال ملنی مشکل ہے، انہوں نے رام نومی کا جھنڈا ہاتھوں میں اٹھا کر ۱۴ نمبر روڈ یعنی مسلم آبادی سے ۱۴ میل

کے فاصلہ پر مین روڈ تھانہ تک پہونچا دیا۔ اور کوئی بدامنی نہیں ہوئی لیکن اکھاڑا سمیتی کے ذمہ داروں نے جلوس کو روکے رکھا اور یہ مطالبہ سامنے رکھا کہ جو لوگ پہلے گرفتار ہو چکے ہیں، انہیں رہا کر کے یہاں لایا جائے، تب ہی جلوس آگے بڑھے گا، لوگ آتے رہے اور مجمع بڑھتا گیا اور جب جلوس کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے تجاوز کر گئی، فساد شروع کر دیا گیا، اور مانگو تھانہ کے ٹھیک سامنے مسلمانوں کے مکانات لوٹے اور جلائے گئے پولیس تماشہ دیکھتی رہی اس لیے یہ کہنا کہ فساد کی ابتداء مسلمانوں نے کی ہے سراسر ظلم اور بہتان ہے،

اس فساد کی جانی و مالی تباہی کا حال خود حضرت امیر شریعت کی زبانی سنیے :

"اس فساد میں مرنے والوں کی نوے فیصد تعداد وہ ہے جو پولس کی گولیوں سے ہلاک ہوئے مزید برآں پولیس نے مختلف آبادیوں میں خوف وہراس پیدا کر کے انہیں وہاں سے خالی کرایا اور وہاں کے رہنے والوں کو مختلف مقامات پر منتقل کرایا اور ان کے جانے کے بعد خالی مکانوں کے قیمتی سامانوں کو لوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا، ہمارے خیال میں مسلمان شہداء کی تعداد کسی طرح ڈھائی تین سو سے کم نہیں، جن کی لاشیں بھی پولیس نے مسلمانوں کے حوالے نہیں کیں، اور جنازہ کی نماز کے بغیر کہیں ڈالدی گئیں، شہید ہونے والوں میں نوے فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے، چھان بین کرنے پر جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا، ہندو بھائیوں کی بارہ تیرہ لاشیں دستیاب ہوئی ہیں،

حالات کی سنگینی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک ایمبولینس جس میں دو بوڑھے مردوں کے سوا باقی سب عورتیں اور بچے تھے، جن کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ تھی، بھالو یاسہ کیمپ لے جاتے وقت راستہ میں روک کر پیٹرول چھڑک کر زندہ جلا دیئے گئے، ان میں سے بچی ہوئی تین زخمی عورتوں کو ہم لوگوں نے اسپتال میں جا کر دیکھا، جن میں ایک ضعیفہ ہیں اور زندگی کی آخری سانس لے رہی ہیں، فساد میں زخمی ہونے والے بھی ایک ہزار سے کم نہیں۔

مسلم علاقوں میں مکانات کی بربادی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی کوئی شخص اس پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا، پورا مکان خالی ہے کہیں کہیں جلے ہوئے کپڑے، چھوٹے بچوں کی چپلیں، اور ایسی ہی کچھ چیزیں جو لوٹنے والے چھوڑ گئے پڑی ہیں، اور مکانات جلے ہوئے کھڑے ہیں، کھپڑا پوش مکانات کی چھتیں بالکل ختم ہو چکی ہیں، پختہ مکانات بھی رہائش کے لائق نہیں ہیں، اس طرح کے مکانات کی تعداد تقریباً دو ہزار ہوگی

مکانات کے علاوہ مسلمانوں کی دکانیں چن چن کر جلادی گئی ہیں، دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہی لائن میں ایک ہی طرح کی متعدد دکانیں ہیں، اس میں جو مسلمانوں کی ہیں، سامان کے ساتھ خاکستر کردی گئی ہیں، اور جو ہندو بھائیوں کی ہیں وہ باقی ہیں۔ صحیح اندازہ کرنا تو مشکل ہے مگر نقصان کا تخمینہ کروڑوں سے آگے ہے۔ کسی جگہ بھی آگ بجھانے کے لیے فائر بریگیڈ استعمال نہیں کیا گیا، اور نہ آج تک کسی جگہ سے لوٹ کا مال برآمد کیا گیا۔"

جمشید پور سے واپسی پر آپ نے اخبارات ورسائل کو ایک تحریری بیان ارسال فرمایا، جس میں فساد کی ابتداء، پولس کے عملہ کی جانبداری، مسلمانوں کے اجتماعی قتل، اقتصادی بدحالی اور دیگر پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۴ مئی ۱۹۷۹ء کے نقیب کے حوالہ سے آپ کا وہ بیان یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ درندہ صفت انسانوں اور بی۔ ایم۔ پی کی سازشوں کا پردہ چاک ہوسکے، آپ لکھتے ہیں:

"جمشید پور میں ۱۱ اپریل ۱۹۷۹ء سے ۱۲ اپریل تک جو مظالم کئے گئے اس کا اندازہ اخبار میں شائع شدہ خبروں سے نہیں لگایا جا سکتا ہے جمشید پور کا فساد فساد نہیں تھا یہ آر ایس ایس کی منظم سازش کا نتیجہ تھا، جسے بی ایم پی نے کامیاب بنایا۔ جمشید پور پہونچ کر اس کی جو صورت سامنے آئی اس کے نتیجہ میں اس حادثہ کو پولس ایکشن کے علاوہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا، اگر بی ایم پی حفاظت کے نام جمشید پور میں سامنے نہ آتی تو اتنا جانی اور مالی نقصان ہرگز نہیں ہوتا۔ اس ہنگامہ میں مسلمانوں کا رول قابل قدر رہا ہے، انہوں نے بلوائیوں کے مقابلہ کی کوشش کی، بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا، لیکن انہوں نے کسی پر ظلم نہیں کیا، جن جگہوں پر ہندو بھائی کم تعداد میں تھے ان کی پوری حفاظت کی۔

فساد کی ابتداء

اس فساد کی ابتداء ہندو مسلم اختلاف سے نہیں ہوئی، واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ۵ اپریل کو مہاویر جھنڈا اٹھا تھا، ان لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ روڈ نمبر ۱۴ سے جلوس کو گزرنے دیا جائے، جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، اس راستہ سے کبھی

جلوس نہیں گزرا تھا، گذشتہ سال بھی حکومت نے اس مطالبہ کو رد کر دیا تھا، ایس پی نے اس کی اجازت نہیں دی، اس لیے جلوس کا پروگرام ملتوی ہو گیا، اور شری رام نومی کیندریہ اکھاڑا سمیتی کی طرف سے ۱۱ اپریل کو جلوس نکالنے کا اعلان کیا گیا، اس سمیتی کی طرف سے ایک اشتہار تقسیم کیا گیا، جس میں مذہبی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی، ایس پی جمشید پور کو ہندو مخالف بتایا گیا تھا اور یہ اطلاع دی گئی تھی کہ سارے ہوم گارڈ۔ حولدار اور سپاہی ان کے ساتھ ہیں، اشتہار میں اس کی بھی دعوت دی گئی تھی، کہ ۱۱ اپریل کو تمام اکھاڑے والے دن کے ۱۲ بجے مانگو (MANGO) روڈ ۱۴ کے قریب پہونچ جائیں بعد میں وہ اپنے محلوں کے جلوس نکالیں، روڈ ۱۴ سے جلوس نکالنے کے سلسلے میں حکومت کے ذمہ داروں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان گفت وشنید ہوتی رہی مسلمانوں نے یہی مناسب سمجھا کہ جلوس گزار دیا جائے، چنانچہ ۱۱ اپریل کو مسلمانوں نے شریک ہو کر اور جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لے کر روڈ ۱۴ سے جلوس گزار دیا۔ اس راستہ سے جلوس گزر کر شاہ راہ پر آگیا، اور تھانہ کے قریب جلوس رکا، مقامی ایم ایل اے مسٹر دینا ناتھ (جن کا تعلق آر ایس ایس سے رہا ہے) نے مجمع کو مشتعل کرنے والی تقریر کی اسی جگہ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوؤں کا عظیم الشان مجمع اکٹھا ہو گیا، اندازہ یہ ہے کہ ۲۵ سے لیکر ۳۰ ہزار افراد جمع ہوئے ہوں گے۔ اور انتظامیہ نے حفظ امن کے خاطر جن لوگوں کو گرفتار کر رکھا تھا انہیں رہا کرنے کا مطالبہ کیا، انتظامیہ کی طرف سے ان کی رہائی کا وعدہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ قانونی دشواریاں ہیں اس لیے ان کی رہائی بعد میں ہو سکتی ہے، بس اس جواب پر مجمع مشتعل ہو گیا اور اس نے قریب میں واقع مسلمانوں کے مکانوں پر حملہ شروع کر دیا، پتھر چلائے، تیر اندازی کی، انہیں لوٹا، آگ لگائی اور پھر تین دنوں تک جمشید پور میں شیطان کی ایسی حکومت قائم ہو گئی، جس نے انسان اور انسانیت کو لہولہان کر دیا۔

بلوائیوں کا جلوس

یہ مجمع جلوس کی شکل میں روانہ ہوا، ان کے پاس تیر تھے

لاٹھیاں تھیں، آگ لگانے کا سامان تھا، اسلحے تھے، تھانہ کے قریب سے جلوس آزاد نگر اور مانگو کے درمیان مسلمانوں کی دکانوں کو لوٹتا اور جلاتا ہوا مانگو پہونچا، پولس وہاں موجود تھی، اور اس نے بلوائیوں کا ساتھ دیا، جس کے نتیجہ میں سات مسلمانوں نے پولس کی گولیوں اور بلوائیوں کے ہتھیار سے شہادت پائی اور ایک سو ساٹھ دکانیں لوٹ لی گئیں۔

بھالوباسہ کی ویرانی

بھالو باسہ میں مسلمانوں کی آبادی رہی ہے اس آبادی پر ہزارہا فسادیوں نے حملہ کیا، مسلمانوں نے مسلسل اپنا دفاع کیا، اور شرپسند عناصر کو آبادی کو نقصان پہونچانے کا موقع نہیں دیا لیکن فسادیوں کی ناکامی دیکھ کر بی ایم پی نے مسلمانوں پر گولیاں چلائی جس کے نتیجہ میں ۱۴ مسلمان اسی وقت شہید ہوگئے، مسلمانوں نے ان حالات میں (کرم سیٹی کالج) جو وہاں سے فاصلہ پر ہے منتقل ہونے لگے، بھالو باسہ خالی ہو رہا تھا، کہ بلوائیوں نے پھر حملہ کیا اور بی ایم پی کی موجودگی میں تمام مکانات جلاکر خاکستر کر دیے گئے۔

ایمبولینس میں اجتماعی قتل

اس بھالو باسہ سے سب سے پہلے ایک ایمبولینس پر ایک سو سترہ افراد کیمپ کے لیے روانہ ہوئے جس میں دو بوڑھے اور ۲۵ بچے اور بقیہ سب عورتیں تھیں، عورتوں نے جاتے وقت اپنے زیورات اور نقدی روپے ساتھ رکھ لیے تھے، یہ ایمبولینس راستہ میں تھی کہ درندہ صفت انسانوں اور بی ایم پی کی سازشوں سے بس روکی گئی، پہلے عورتوں سے زیورات اور نقدی چھینے گئے اور پھر گاڑی کو نذر آتش کر دیا گیا، جس کے نتیجہ میں ایک سو گیارہ مسلمان عورتیں اور بچے جل کر راکھ ہوگئے، ایمبولینس میں سوا تین خاتون اب بھی ہاسپٹل میں زخمی حالت میں بربریت کے اس واقعہ کی زندہ تصویر ہیں، اور ایک بچہ بھی بچا ہوا ہے، اور زیر علاج ہے۔

اقتصادی بدحالی کیلئے

گول موری مارکٹ میں مسلمانوں کی تمام دکانیں لوٹ کر جلا دی گئیں، اور مسلمانوں نے مزاحمت کرنا چاہی تو بی ایم پی کی گولی نے انہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا، گول موری مسجد اور ساکچی کے درمیان مسلمانوں کی تمام دکانیں آگ کی نذر کر دی گئیں، اسٹیشن برج سے جگ سلائی جاتے ہوئے مسلمانوں کی سبزی، پھل اور مچھلی کی چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں، جنہیں جلا کر راکھ کر دیا گیا، ساکچی مارکٹ میں مسلمانوں کی دکانیں تھیں، اور یہ شہر کا سب سے بارونق اور مال سے بھرا بازار تھا، اب اس بازار کی دکان کا ایک سامان بھی موجود نہیں، بلوائیوں نے اس کے سامان کو لوٹا اور اس میں آگ لگا دی، تین پلیٹ میں مسلم آبادی کو بلوائیوں نے گھیر لیا، مسلمانوں نے اپنا تحفظ کیا، اس موقع پر بھی بی ایم پی کی گولیوں سے مسلمان شہید ہوئے، بلوائیوں کے واپس ہونے کے بعد یہ مظلوم "مسلم کلب" اور اسکول منتقل ہو گئے، ۱۳/ اپریل کی صبح کو بی ایم پی نے کلب اور اسکول کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اور فسادیوں کو کھلی چھوٹ دی گئی، مسلمانوں کے مکانات لوٹیں اور انہیں برباد کریں، پولیس کی یہ خواہش پوری ہو گئی تو قطعہ ڈیہہ اور جگ سلائی میں بھی بی ایم پی کی گولیوں سے مسلمان شہید ہوئے، پولیس کی موجودگی میں مسلمانوں کے مکانات جلائے گئے، کریم کالونی کے مکانات کو لوٹ کر جلایا گیا، ساکچی، گوری شنکر روڈ دھتکیڈر، شانتی نگر، بی ایچ ایریا، کدمہ کے مسلمانوں پر بڑی زیادتیاں ہوئیں، آزاد نگر روڈ پر دکانوں کو جلایا گیا، (جو چالیس مکانات پر مشتمل ہے) آزاد نگر منتقل ہو گئے تھے، وہاں کی آبادی کے غیر مسلموں نے مکان کا تالا توڑ کر سامان منتقل کیا، پختہ مکانات کے کواڑ اور کھڑکیاں اکھاڑ کر لے گئے، پھر آگ لگا دی۔

نقصانات کا اندازہ

جمشید پور کے نقصانات کا اندازہ مشکل ہے، ابھی بہت سے لوگ لاپتہ ہیں جن کے بارے میں آہستہ آہستہ اطلاعات مل رہی ہیں۔ پارلیمنٹ میں وزیر امور داخلہ نے اعلان کیا ہے کہ ۱۱۷ جانیں ضائع ہوئیں اور تین سو تیس نفوس

زخمی ہوئے، حکومت کی رپورٹ کب صحیح ہوتی ہے واقعہ یہ ہے کہ محتاط ترین اندازہ کے مطابق تین سو مسلمان شہید کیے گئے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس فساد کا مقصد جمشید پور کے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنا تھا، امارت شرعیہ ریلیف کمیٹی فساد کے فوراً بعد سے مظلوموں کی ریلیف کا کام کر رہی ہے، اس کا ابتدائی اندازہ ہے کہ کسی طرح بھی دس کروڑ سے کم مالیت کا نقصان نہیں رہا ہے، دکانوں کے علاوہ رہائشی مکانات برباد کر دئے گیے ہیں ۔

جمشید پور کے اس حادثہ کے دوران اور اس کے بعد ۱۴۴۵ گرفتاریاں ہوئیں جن میں اکثر مسلمان ہیں مسلمان گرفتار شدگان کے ساتھ پولیس برا معاملہ کر رہی ہے، بہتوں کو کھانا نہیں دیا جاتا ہے، دھوپ میں کھڑا رکھا جاتا ہے، مارپیٹ کی جاتی ہے، ان مظلوموں کو ایسے جیل میں بند کیا گیا ہے، جہاں لیٹنے کی بھی جگہ نہیں ہے، یہ پرانا جیل ہے جو سالوں سے بند پڑا تھا، اس کی چھت ٹین کی ہے، اس گرم موسم میں جمشید پور جیسے آگ اور لوہے کے شہر میں یہ جیل مظلوموں کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوگا اسکا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے، ایک افسوسناک واقعہ یہ بھی ہے کہ زخمی مسلمان جب ہسپتال سے تقریباً صحت یاب ہوکر باہر آتے ہیں تو ان میں سے متعدد کو گرفتار کرکے اسی جیل میں بھیج دیا گیا ہے، اور موجودہ حکومت نے بھی سابقہ کانگریسی حکومت کی اس روایت کو برقرار رکھا ہے، کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو گرفتار کیا جائے اور ظالم کی کم اور مظلوم کی گرفتاری زیادہ ہو، جو بڑے افسوس کی بات ہے، میرا یہ بھی احساس ہے کہ سیاسی جماعتیں اس فساد کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں ۔

اس حادثہ کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ افراد کیمپوں میں آ گیے ہیں، ان کے سر چھپانے کی بھی جگہ پوری نہ تھی، اس موقعہ پر کھانے کا نظم کمپنی نے کر رکھا تھا، کمپنی کھانا تیار کرا کے مظلومین میں تقسیم کراتی تھی، یہ نظم تھا مگر اب یہ کام حکومت نے لے لیا، وہ ناکافی غلہ دیتی ہے جس کے پکانے میں مظلوموں کو بڑی دشواری ہوتی ہے، مظلومین گھروں سے برتنوں کے ساتھ نہیں نکلے، کھانا پکانے کا نہ برتن ہے اور نہ سامان، میں نے دیکھا کہ بعض مظلوموں نے سڑک سے   پڑا ہوا کاغذ اٹھایا، اور اسی پر کھانا نکالا، مقامی مسلم ہوٹلوں سے بڑے بڑے دیگ آ گیے ہیں، جن سے یہ مشکل کسی قدر آسان ہو گئی ہے

امارت شرعیہ ریلیف مشن کی جانب سے بے خانماں لوگوں کو خاصی تعداد میں برتن دیے گئے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ ضرورت کے مقابلہ میں بہت تھوڑے ہیں، حکومت کی پالیسی ہے کہ جلد سے جلد ریلیف کیمپ ختم کر دیا جائے، اور لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، حکومت نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جن لوگوں کے مکانات برباد ہوئے ہیں۔ انہیں ڈھائی سو روپے دیں گے، موجودہ گرانی میں ڈھائی سو روپے کیا ہو سکتا ہے۔؟

حکومت کے بعض ذمہ دار کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کا بھی کیمپ ہے تحقیق کے باوجود ایسے کسی کیمپ کا پتہ نہیں چلا، پارلیمنٹ کے بعض ممبروں اور ایک مسلم وزیر کے اصرار کے باوجود کیمپ نہیں دکھایا جا سکا، اب بعض مقامات پر لوگوں کو جمع کر کے کیمپ کی شکل دی جا رہی ہے۔

سبھوں کی توجہ کے لئے

جمشید پور کا المیہ گزر گیا لیکن اب تک اس کے زخم ہرے ہیں، مکانوں کی تعمیر دوبارہ آبادکاری، کمزور حرفت اور پیشہ کرنے والوں کی امداد مقدمات کی پیروی جیسے اہم مسائل کے سوا ابھی کپڑوں اور غلّوں کی سخت ضرورت ہے، تاکہ ضرورتمندوں کو فوری طور پر یہ چیزیں پہونچائی جائیں، اور ان کے ساتھ اس رنج والم کے موقعہ پر پورا ساتھ دیا جائے۔ جمشید پور کے باحوصلہ اور صاحب خیر مسلمان خود بھی تعاون کر رہے ہیں، ساتھ ہی وہاں امارت شرعیہ ریلیف مشن کے تحت فساد کے فوراً بعد سے مظلوموں کی امداد کا کام ہو رہا ہے، امارت شرعیہ کے کارکن اور مخلصین شہر میں امن وامان قائم کرنے اور خوشگوار ماحول بنانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں،

اس لیے میری اپیل ہے کہ جمشید پور کے مظلومین کی دل کھول کر امداد کی جائے، اور زیادہ سے زیادہ رقمیں جمع کر کے " بیت المال امارت شرعیہ پھلواری پٹنہ "، کو بھیجی جائیں۔

حکومت کے لیے لمحۂ فکریہ جمشید پور کے اس حادثہ نے ایک بار پھر عدم تحفظ کا احساس پوری قوت کے ساتھ پیدا کردیا ہے، خود اکثریت کے جارحیت پسند افراد کو حوصلہ ملا ہے کہ وہ مختلف مقامات پر فضا کو مکدر کریں، اس کا نتیجہ ہے کہ صوبہ بہار کے مختلف مقامات خاص طور پر شہر پٹنہ کے بعض محلوں، مونگیر، بھاگلپور اور گیا کی فضا میں تناؤ ابھی بھی موجود ہے، یہ صورتِ حال ملک کے لیے انتہائی مضر ہے اور امن پسند شہریوں اور حکومت کے لیے ہر لحاظ سے لائق توجہ۔ علی گڈھ اور جمشید پور کے حادثات کا نمایاں اور مشترک رُخ یہ ہے کہ دونوں مقامات پر ملیٹری پولیس نے مسلمانوں کو برباد کرنے اور انہیں مارنے میں ساتھ دیا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ فساد کو روکنے کے لئے اور شہریوں میں تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ:

۱۔۔۔۔ ملیٹری پولیس میں مسلمانوں کو قابلِ لحاظ اور مؤثر نمائندگی دی جائے۔

۲۔۔۔۔ جمشید پور میں جن حکام کی ناعاقبت اندیشی، غفلت اور سازش سے یہ ہولناک فساد ہوا ہے، انہیں معطل کیا جائے، اور ان پر مقدمات چلائے جائیں۔

۳۔۔۔۔ عام پولیس اور فوج میں مسلمانوں کو مناسب ملازمت دی جائے۔

۴۔۔۔۔ بی ایم پی کی جن ٹکڑیوں نے گولیاں چلا کر قتل وخون کا بازار گرم کیا ہے اسے معطل کر کے سزا دی جائے۔

۵۔۔۔۔ مرنے والوں اور لٹنے والوں کو پورا معاوضہ اور مظلومین کو پوری امداد دی جائے اور نقصانات کی تلافی کرائی جائے۔

منت اللہ رحمانی

خانقاہ رحمانی مونگیر،

۳۰ اپریل ۷۹ء

مراد آباد کا ہولناک فساد

مراد آباد (یو پی) ہندوستان کے بڑے صنعتی شہروں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں مختلف قسم کی صنعتیں تیار ہوتی ہیں، اور ملک و بیرونِ ملک درآمد کی جاتی ہیں، ۱۹۸۰ء میں مراد آباد فساد میں جس درندگی، بربریت کا مظاہرہ کیا گیا، اس نے انگریزی دورِ حکومت کے جلیانوالا باغ کے واقعہ کو شرما دیا ـــــ مراد آباد میں عین اس وقت فرقہ پرست عناصر اور حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے فساد کی آگ بھڑکی جب کہ ۵۰، ۶۰ ہزار نمازی مرد اور بچے بچیاں عیدگاہ میں جمع ہو کر رب کائنات کے سامنے سربسجود تھے، عین اسی حالت میں نہتے مسلمانوں کو پولیس کی گولیوں نے بھون ڈالا ـــــ حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں مراد آباد کا فساد، فساد نہیں بلکہ مراد آباد پولس ایکشن تھا۔ ـــــ اس فساد میں سینکڑوں مسلمان شہید ہوئے، عورتوں اور بچوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا گیا، مکانات اور دکانوں کو لوٹ کر نذرِ آتش کر دیا گیا، کروڑوں کی املاک تباہ و برباد کی گئیں۔

حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ مسلم مجلسِ مشاورت کے ایک مؤقر وفد کے ساتھ مراد آباد تشریف لے گئے اور اپنی آنکھوں سے وہاں کی تباہی، مسلمانوں کے قتلِ عام، اور پولس کی ظلم و بربریت کا مشاہدہ کیا۔ واپسی میں آپ نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

مراد آباد کا پولس ایکشن ـــــ ظلم کی بدترین مثال

عید کے دن مراد آباد میں پولس نے مسلمانوں کے ساتھ جس بربریت کا مظاہرہ کیا وہ ظلم کا بدترین ریکارڈ ہے جس کی مثال آزاد ہندوستان میں نہیں ملتی اس ظلم اور بربریت کو غیر ملکی سازش اور عربوں کے روپے کا نام لے کر دبایا نہیں جا سکتا اور نہ بے لگام پولس کا جرم یہ کہہ کر کم ہو سکتا ہے کہ پہلی گولی مسلمان نے چلائی تھی،

واقعہ یہ ہے کہ حالیہ آئینی الکشن کے زمانہ سے ہی مراد آباد کی فضا رہ رہ کر گرم ہو رہی تھی، جس کی اطلاع صوبائی اور مرکزی ذمہ داروں کو بھی تھی، عید سے کوئی دو ہفتہ قبل، اکثریتی فرقہ کے کچھ لوگ (چمار) باجوں اور ڈھول کے ساتھ ٹھیک نماز کے وقت دھمکی دی کہ عید کے دن اس کا بدلہ لیا جائے گا عیدگاہ کے قریب اس طبقہ کی آبادی بھی ہے اور وہ

سور پالتے بھی ہیں، عید کے دن جبکہ مسلمان خوش خوش دوگانہ عید ادا کر رہے تھے نماز اور خطبہ کے درمیان صفوں میں سور گھومتے نظر آئے جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوئی، انہوں نے پولس سے دریافت کیا کہ سور کس طرح صفوں میں پہونچے کچھ تیز کلامی ہوئی اور پھر وہ منظر سامنے آیا، جس کے تصور سے کسی بھی باضمیر انسان کا دل دہل سکتا ہے ـــــ اس حادثہ کے بعد حکمراں سیاسی جماعت اور بعض سیاسی پارٹیوں کے لیڈر الزام تراشی اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مصروف ہیں، اور بار بار یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ گولی مسلمانوں نے چلائی، نہتے مسلمانوں کا اتنا بڑا مجمع جس میں ہزاروں نابالغ بچے بھی موجود تھے، کوئی مسلمان گولی چلا کر سبھوں کو خطرہ میں ڈالنے کی غلطی نہیں کر سکتا اور نہ مسلمان ہی ہتھیار بند ہو کر عید گاہ جاتے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حادثہ کے فوراً بعد ارکان پارلیامنٹ نے مراد آباد کا دورہ کیا، انہوں نے اسپتال میں زخمیوں سے ملاقات کی جس میں پندرہ پولس کے جوان بھی تھے، مگر پولس کے کسی جوان کو گولی کا زخم نہیں تھا، اینٹوں اور پتھروں کی چوٹ تھی، ـــــ کئی حضرات نے کہا کہ اس حادثہ میں عرب کے پیسوں کا دخل ہے، مراد آباد تجارتی شہر ہے اور وہاں سے دنیا بھر میں تجارتی سامان جاتا ہے جس کا نفع ہندو، مسلم، سکھ تاجروں کو ملتا ہے، تجارت عربوں سے بھی ہوتی ہے، جو رقمیں بھی آتی ہیں یا رفاہی اداروں کو جو رقمیں باہر سے ملتی ہیں وہ حکومت کے علم میں ہیں، اور ان کا تعلق کسی سازش سے نہیں ہے، اور نہ اسے کسی خفیہ کام میں استعمال کیا جاتا ہے، عرب ہند تعلقات یوں بھی خوش گوار ہیں، اور عربوں نے ہندوستان کے ساتھ برابر دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے، انہوں نے کبھی ہندوستان کے خلاف سازش نہیں کی ہے، اس لیے عربوں کا نام لے کر عرب سے تعلقات خراب تو کیے جا سکتے ہیں، اس کے ذریعہ حادثہ مراد آباد کی تہہ تک نہیں پہونچا جا سکتا ـــــ جن لوگوں کو اس حادثہ میں غیر ملکی ہاتھ نظر آ رہا ہے وہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہندوستان میں سراغ رسانی کا محکمہ کمزور نہیں ہے، اگر یہ کوئی غیر ملکی سازش کا نتیجہ تھا تو پھر سراغ رسانی

کے محکمہ کو بر وقت اس کی اطلاع ہونی چاہیے تھی ۔ ساتھ ہی یہ سوچنا چاہیے کہ یہ یکطرفہ ظلم پولس نے کیا ہے ، کیا پولس خود اس غیر ملکی سازش کا شکار ہے ؟ —— مرادآباد کے بعد دہلی ، علی گڈھ ، الٰہ آباد اور مختلف شہروں میں تشدد کی لہر پھیل گئی ، اور ان کے نتیجہ میں انسانی جانیں بھی گئیں ، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک بار پھر اتر ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم تعلقات خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ شرم کی بات ہے کہ پولس اور انتظامیہ خود اس میں شریک ہے —— حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پولس اور انتظامیہ پر کنٹرول کرے اور حالات کو خوش گوار بنائے رکھے ، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون کے ان محافظوں کو جو قانون شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں اور ظالموں کو سزا دی جائے ۔ —— مرادآباد کے ہولناک خونی حادثہ کے بعد اب یا تو الزام تراشی ہو رہی ہے ، سیاسی لیڈر دور کی کوڑی لانے کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر مستقبل کے پروگرام کا خاکہ پیش کیا جارہا ہے ان الزام تراشیوں اور مستقبل کے پروگرام کے فسادیوں ، خواہ وہ پولس ہی کیوں نہ ہو ۔ ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہر فساد کے بعد تجاویز اور پروگرام کی لہر آتی ہے اور گزر جاتی ہے ، حادثہ مرادآباد جو ہندو مسلم فساد نہیں مسلمانوں پر پولس کی بربریت اور یکطرفہ کاروائی کا کھلا ثبوت ہے کے سلسلہ میں صرف مستقبل کا پروگرام پیش کرنا مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے ، ابھی تمام متاثر مقامات پر ظالموں کو سزا دینے کی ضرورت ہے ، یہی چیز آئندہ ظالموں کو ظلم ، ناانصافی اور قانون شکنی سے روک سکتی ہے ، دو چار افسروں کا تبادلہ کوئی سزا نہیں ہے ، تبادلہ کو یوں بھی قانون کی نگاہ میں کسی درجہ سزا نہیں سمجھا گیا ہے یہ تبادلہ شہداء کی معصومیت اور کمزوروں کی بے چارگی کا مذاق اڑانا ہے ، انسانی جانوں سے کھیلنے والوں کو عبرتناک سزا ملنی ہی چاہیے ، ورنہ ظلم کا پنجہ دراز ہوتا جائے گا ۔ (نقیب ۵ ، دسمبر ۱۹۸۰ء)

میرٹھ کا فساد

میرٹھ ایک صنعتی شہر ہے جس کی آبادی دس لاکھ کے لگ بھگ ہے یہاں قینچیوں اور پاور لوم کا بڑے پیمانہ پر کاروبار ہوتا ہے ، ان صنعتوں میں بیشتر کاریگر مسلمان ہیں ، لیکن اکثر کارخانے غیر مسلموں

کے ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۲۵ ، ۲۴ فیصد کا ہے، محنت اور فنی مہارت کی وجہ سے شہر کی صنعتی اور کاروباری زندگی میں ان کا کردار نمایاں ہے، یوں تو اس شہر میں کئی بار فرقہ وارانہ فسادات ہوئے مگر ۱۹۸۷ء کا جو فساد ہوا۔ اس میں فرقہ پرستوں، انتظامیہ اور پولس کی ساز باز نے ایسا قہر برپا کیا، جس کی پورے ہندوستان میں کوئی مثال نہیں ملتی، شہر کے تقریباً ساٹھ محلے فساد سے متاثر ہوئے، اور جان و مال کا بھاری نقصان ہوا، اقلیت پر پولس کی موجودگی میں جارح عناصر نے مظالم کے پہاڑ توڑے اور پھر بعد میں لوگوں کو گھروں سے نکال کر پولیس چوکیوں اور یہاں تک کہ جیلوں میں بھی درندگی اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا ــــــ سینکڑوں مسلمانوں کا بہیمانہ قتل ہوا، مساجد، مکانات اور دکانوں کو نذرِ آتش کیا گیا، کروڑوں کی املاک تباہ کی گئیں ــــــــ حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ کے حکم کے مطابق میرٹھ کے فساد زدہ شہر میں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کا جائزہ لینے اور امارتِ شرعیہ کی طرف سے ان کی امداد اور آبادکاری کا نقشہ مرتب کرنے کے لیے جناب حضرت ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحب نے جولائی میں میرٹھ کا دورہ کیا ــــــ لیکن اچانک دوبارہ حالات خراب ہونے اور شہر میں کرفیو نافذ ہونے کی وجہ سے ان کا دورہ ادھورا رہ گیا، اسی دوران اگست میں پورا شمالی بہار سیلاب کی زد میں آگیا، اور لاکھوں انسانوں کو زبردست جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا، امارت کے ذمہ دار اور کارکن سیلاب زدگان کی راحت رسانی میں لگ گئے۔ اگرچہ امارت کے محدود وسائل کے مقابلے میں یہ بہت بڑا کام تھا، پھر بھی ہزاروں گاؤں میں پہونچ کر لوگوں کی امداد کی گئی، ــــــ مگر ان حالات میں بھی ذمہ دارانِ امارت میرٹھ کے فساد زدہ مسلمانوں کی مشکلات سے غافل نہیں رہے، چنانچہ جیسے ہی حالات پرسکون ہوئے، حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ نے امارتِ شرعیہ کے نائب ناظم مولانا احمد حسین کو میرٹھ کے دورہ پر بھیجا، ان کی رپورٹ پر دوبارہ مولانا سید نظام الدین صاحب میرٹھ تشریف لے گئے، اور وہاں ایک ہفتہ قیام کرکے نقشہ کار ترتیب دیا، مولانا احمد حسین ۱۴ ستمبر سے ۱۸ اکتوبر تک برابر امداد اور آبادکاری کے کاموں میں مشغول رہے۔

امارتِ شرعیہ ریلیف فنڈ سے توپ خانہ بازار، چھوٹی مسجد کے آس پاس کے محنت کش افراد جن کے مکانات جلا دیئے گئے تھے، ان کو سامانِ تعمیر فراہم کیا گیا، اور ان کو روزگار سے لگانے میں

مدد دی گئی۔ صدر بازار پورہ، فیاض علی شاستری نگر اور ذاکر نگر میں فساد زدہ خاندانوں کو معاشی بحالی کے لیے سلائی مشین، رکشہ، بیٹری چارجر مشین اور موٹر میکانک کے اوزار فراہم کیے گیے، وہ افراد جو جیل میں بند کر دیئے گئے تھے ان کے گھر والوں کو امداد دی گئی، بعض خاندانوں کو نقد رقم بھی فراہم کی گئی، اس طرح نہ صرف اجڑے ہوئے خاندان کو اپنے اپنے گھروں میں آباد کیا گیا، بلکہ دوسرے جن لوگوں کو مدد دی گئی وہ از سر نو اپنے اپنے کاروبار میں لگ گیے۔ ــــ امارت کی خدمات اور اس کی کارکردگی کو میرٹھ کے معزز اور ذمہ دار حضرات نے کافی سراہا، چنانچہ حضرت قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ نے حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمایا!

"حضرت والا کے نمائندہ مولانا احمد حسین صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ میرٹھ تشریف لائے، یہاں کے مختلف علاقوں کا جو فسادات سے متأثر ہوئے تھے انہوں نے مقامی ذمہ دار اصحاب کے ساتھ دورہ کیا۔ لوگوں کے مصائب اور مشکلات کا اپنی قدرت کی حد تک اندازہ کیا۔

پھر یہاں کے قومی کارکنوں کی مدد سے ان کی ضرورتوں کے مطابق سامانِ تعمیر اور نقد کی صورتوں میں تکمیل کی کوشش کی میں ان کی محنت اور کارکردگی کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی مساعی جمیلہ اور آپ کی توجہاتِ عالیہ کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ سب امداد دہندگان کو اور آپ کو اجر عطاء فرمائے"

(حضرت مولانا) قاضی زین العابدین

صدر رابطہ کمیٹی برائے امن و امداد میرٹھ ۔ یوپی

بھاگلپور کا خونی المیہ

۲۴ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بھاگلپور شہر میں ہولناک فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ بھاگلپور کا فساد اپنی سنگینی جارحیت اور بربریت میں دوسرے عام فسادات سے بڑھا ہوا تھا ــــ بھاگلپور کے فساد کی ہولناکی، اور جارحیت کا اندازہ حضرت امیر شریعتؒ کے ایک مکتوب کے بعض اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے، جو انہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی خدمت میں تحریر فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی نے کاروانِ زندگی حصہ چہارم میں

آپ کے تعارف کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ ہم یہاں اسے کاروان زندگی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ریاست بہار کے ضلع بھاگل پور اور اس کے اطراف میں جو کچھ ہوا، اخبارات اور سماجی کام کرنے والوں کے ذریعہ آپ کو اس کی کچھ نہ کچھ ضرور خبر ہوئی ہوگی، میں اس وقت جگر تھام کر اور دل پکڑ کر بہار کے ایک ایسے ممتاز عالم دین، سماجی کارکن اور ایک ایسی باوقار شخصیت کے ایک نجی خط کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں، جو پبلک اور حکومت دونوں کی نظر میں بڑی وقعت رکھتے ہیں ہندوستان کی صفِ اول کے مذہبی رہنماؤں میں ہیں، اور جو اپنے نظریات اور طریق فکر کے لحاظ سے شروع سے اس وقت تک نیشنلسٹ رہے ہیں، اور جو ملک کے تقسیم کے نظریہ سے بھی اتفاق نہیں رکھتے تھے وہ اپنے ایک تازہ خط میں جو ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۹ء کا لکھا ہوا ہے، لکھتے ہیں:

"محترما! اس دفعہ فرقہ واریت کے ننگے ناچ کا جو جنون دیکھنے میں آیا۔ اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں، درندے بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں نہ کرتے ہونگے جو انسانوں نے انسانوں کے ساتھ کی ہیں، بچپن سے سُن رکھا تھا، اور اب بھی اپنا یقین یہی ہے کہ انسان کی جان لینا اور اسے مار ڈالنا مشکل ترین کام ہے، اچھے اچھے شکاریوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں، بندوق اور رائفل ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتی ہے، لیکن اس دفعہ جو کچھ ہوا وہ یہ کہ انسانوں کے قتل کرنے اور مار ڈالنے کا ایک اچھا ذوق پیدا ہو گیا، اس مرتبہ وحشت و بربریت کے ایسے دردناک واقعات پیش آئے ہیں کہ ان کے سننے کے لیے بھی پتھر کا دل چاہیے۔

بھاگل پور ضلع میں "لوگائیں" نامی ایک گاؤں ہے، بھاگلپور سے ۲۲ کلومیٹر دور ایک چھوٹی سی مسلم آبادی یہاں بستی تھی، اہنسا کے پجاریوں اور "جیو ہتیا" کو سب سے بڑا پاپ ماننے والوں نے اس آبادی کو گھیرا اور ہر طرف آگ لگائی۔ جب شعلے بھڑکے تو مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے بچیاں گھروں سے نکل کر باہر بھاگے، انہوں نے مردوں، عورتوں کو قتل کیا، بچوں اور بچیوں کو ماں کی گود سے

چھین چھین کر آگ میں ڈالا، ۱۳۲ جان بچی تسلیم ہوئے (موت کے گھاٹ اترے) لاشیں گاؤں سے باہر اور گاؤں کے جلے ہوئے ملبہ پر سڑتی رہیں، آج بھی اس گاؤں کے پاس جانا مشکل ہے

مونگیر ضلع جھاجھا کے علاقہ میں تین مظلوموں کو پکڑا اور یکے بعد دیگرے ایک کو دوسرے کے سامنے مزہ لے کر قتل کیا، ایک کو قتل گاہ میں لائے، پہلے اس کے کان کاٹے پھر یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھ کاٹے جب وہ چیختا چلاتا اور تڑپتا رہا تو یہ جیو ہتیا کو سب سے بڑا پاپ سمجھنے والے ہنستے اور گالی دیکر کہتے کہ اور چیخو، جب تیسرے کی باری آئی اور خدا بخش مقتل میں لایا گیا تو اس نے بڑی خوشامد سے ان لوگوں سے کہا قتل تو مجھ کو ہونا ہی ہے، ایک درخواست ہے، جس طرح تم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے، مجھے اس طرح قتل نہ کرو، بس ایک وار میں میرا کام تمام کردو، خدا بخش کی درخواست منظور ہوئی اور وہ رکوع کی شکل میں (جھک کر) کھڑا ہوگیا۔ اس کی گردن پر ایک وار کیا گیا، اور وہ شہید ہوگیا، یہ سارا دردناک منظر ایک گھر سے چار آدمی دیکھ رہے تھے جن میں تین مسلمان اور ایک ہندو تھا" آگے لکھا ہے کہ :-

میں نے ۱۹۴۶ء کے تاریخی فساد میں بھی کام کیا ہے، اس وقت میں جوان تھا، اپنے بس بھر خوب محنت کی، یکم نومبر ۱۹۴۶ء کو فساد شروع ہوا، لکھن پور، غازی پور اور تاراپور (ضلع مونگیر) کے علاقہ میں ساڑھے چھ ہزار ۶۵۰۰ مسلمان شہید کیے گیے، خود میں نے سروے کیا تھا، رپورٹ تیار کی تھی۔ ۵ نومبر کو پہلا غیر سرکاری مسلمان اس علاقہ میں جانے والا میں ہی تھا، جو فوج کے ٹرک پر گیا، لیکن ۱۹۴۶ء اور ۱۹۸۹ء کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے، ۱۹۴۶ء میں فساد کے موقعہ پر لاٹھی، تلوار، بلّم، برچھا اس طرح کی چیزیں استعمال ہوتی تھیں، پولیس بڑی حد تک غیر جانب دار تھی، ۱۹۴۶ء کے فساد میں پورے صوبہ کے اندر صرف ایک جگہ پولیس کی نافرمانی کا واقعہ پیش آیا، اور پنڈت جواہر لال نہرو کو رائفل چھین کر خود چلانا پڑی تھی اس دفعہ تو بندوق رائفل اور بموں کا بے تکلف استعمال ہوا، چنانچہ آج کی تاریخ (۱۶ دسمبر) میں بھی شہر مونگیر کے گلزار پوکھر محلہ کے قریب بم کا دھماکہ ہوا اور گولی چلنے کی بھی آواز سنی گئی، فساد شروع ہوئے آج ڈیڑھ ماہ ہوچکے ہیں، اکثر جگہ بہار ملیٹری پولیس B.M.P. نے بلوائیوں کی قیادت کی ہے اور اپنی رائفلوں سے مظلوموں پر گولیاں برسائی ہیں۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ آج ان واقعات پر کوئی ندامت نہیں ہے، ۱۹۴۶ء میں جہاں جانا

ہوتا لوگ معافی طلب کرتے تھے، کہ بہت بڑی غلطی ہوگئی، ہم لوگ شرمندہ ہیں، اس موقعہ پر یہ بھی عرض کردوں کہ یہ ساری درندگی کے تربیت یافتہ رضا کاروں کے ذریعہ انجام پائی ہے، ۴۔ ۵ سو یہ رضا کار اور ان کے ساتھ مختلف موقعوں پر ہزاروں کا مجمع گھوم گھوم اور سانس لے لے کر ۲۴، ۲۹، اکتوبر تک پورے ذوق وشوق کے ساتھ قتل عام کا نیک کام انجام دیتا رہا، ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ ۴۶ء کا فساد ہفتہ عشرہ میں ختم ہوگیا تھا اور ۸۹ء کا فساد ۲۲، اکتوبر سے شروع ہوا ہے اور ابتک فضا مکدر ہے اور بموں کی آوازیں ہم لوگ سنتے ہیں،

(کاروان زندگی حصہ چہارم، ص۔ ۱۸۷، تا ۱۹۰)

امارت شرعیہ کی سروے رپورٹ کے مطابق بھاگل پور فساد میں ہزار سے زائد مسلمان مرد، عورت اور بچے بہیمانہ طور پر شہید کیے گیے، فرقہ پرست عناصر کی بربریت اور درندگی سے زیادہ، بی ایم پی (B.M.P.) کی گولیوں نے قیامت برپا کردیا، چندیری اور لوگائیں میں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا اس کے تذکرہ سے آج بھی بدن میں کپکپی طاری ہوجاتی ہے ۔ درندہ صفت انسانوں نے اس آبادی کا ہر طرف سے محاصرہ کرکے اس میں آگ لگادی، جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو مرد، عورت، بوڑھے، جوان اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بچیاں گھروں سے نکل کر بھاگنے لگے، انہوں نے مردوں، عورتوں کو قتل کیا، بچوں اور بچیوں کو ماں کی گود سے چھین چھین کر آگ میں ڈالا، ۱۳۲، افراد اس واقعہ میں شہید ہوئے، چندیری میں بھی مسلمانوں کا اجتماعی قتل ہوا ــــــ بھاگل پور کی جانی اور مالی تباہی اور نقصانات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ایسے موقعہ پر حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ کی ہدایت کی روشنی میں امارت شرعیہ کی ایک ٹیم اجناس وملبوسات سے اور مختلف ٹرکوں کے ساتھ بھاگل پور روانہ کی گئی، ــــ امارتِ شرعیہ کی ٹیم ۲، نومبر ۸۹ء کو بھاگلپور پہونچ گئی تھی، جبکہ یہ وقت بہت ہی خطرے کا تھا، ۴، نومبر ۸۹ء کو حضرت امیر شریعتؒ کی قیادت میں کل مسلم جماعتوں کا ایک مؤقر وفد بھاگلپور بذریعہ طیارہ پہونچا، اور خود حالات کا مشاہدہ کیا، جس کی رپورٹ اخبارات میں شائع کی گئی، امارتِ شرعیہ کی طرف سے بھاگلپور کے فساد زدگان کی امداد اور راحت رسانی اور آبادکاری کا کام زبر دست پیمانہ پر کیا گیا، ابتدائی ریلیف اور بحالی روزگار کے سلسلے میں دی جانے والی امداد کے

علاوہ ایک ہزار ۲۹ مکانات تعمیر کرا کر لوگوں کو آباد کیا گیا، ان سب کاموں پر تقریباً ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا ـــــ ۲۵ نومبر کو حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ نے بھاگلپور میں آباد کاری کے کاموں کا جائزہ لیا، اس موقع پر حضرت امیر شریعت نے بھاگلپور کے مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی، حالات سے نمٹنے اور اتفاق و اتحاد اور تنظیم کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین کی، حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

"بھاگل پور کے مسلمان بڑے صبر آزما حالات سے گذر رہے ہیں، امارتِ شرعیہ کی طرف سے تمام متاثرہ خاندانوں کی امداد اور آباد کاری اور آپ سب حضرات کی طرف سے اس کام میں تعاون ہم سب کا ایک دینی اور اخلاقی فریضہ تھا، ملک کے حالات ابھی تک پوری طرح معمول پر نہیں آئے ہیں، اس لیے ہم لوگوں کو حوصلہ اور ہمت کے ساتھ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے، امن و سلامتی کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے اور ناموافق حالات کا جرأت اور ہوشمندی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے، آپ نے حاضرین کو دین پر ثابت قدم رہنے نیز اتحاد اور تنظیم کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین کی، کجریلی سے جناب اطیع الرحمٰن کے مکان پر واپسی ہوئی، اور دن کا کھانا کھایا گیا، جس کا اہتمام موصوف کی طرف سے کیا گیا تھا، اس کے بعد حضرت امیر شریعت چمپانگر اور ناتھ نگر تشریف لے گیے۔ ۲۷ نومبر کو حضرت علیہ الرحمۃ نے شہر بھاگلپور کے قائدین علماء، دانشوروں اور سماجی کارکنوں کے نمائندہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کو "مسلمان کیا کریں" کے عنوان سے یہ پیغام دیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، اور حالات کا مقابلہ پوری جرأت، مومنانہ فراست، ایمانی بصیرت کے ساتھ کرنا چاہیے آپ نے اس موقع پر فرمایا تھا!

"ایک خدا کا خوف اگر دل میں پیدا ہو جائے تو سارے خوف مٹ جائیں گے ـــــ ملک دشمن عناصر اور حملہ آوروں کا ہمت اور جوانمردی سے مقابلہ کرو، بزدل کی موت سے لڑ کر مرنا کہیں بہتر ہے۔" ـــــ آپ نے اس نمائندہ اجتماع کو خاطب کرتے ہوئے فرمایا!

امارت شرعیہ نے مظلومین بھاگلپور کی امداد و آباد کاری کا جو تاریخی فریضہ انجام دیا ہے وہ آپ سب حضرات کے تعاون سے ممکن ہو سکا ہے اسلام نے مظلوموں کی امداد اور ان کے ساتھ

ہمدردی کی تعلیم دی ہے، ہمیں اپنے کاموں کو محض ریلیف پر ختم نہیں کرنا ہے، بلکہ اسلام کے امن و شانتی کا پیغام تمام انسانوں تک پہونچانا ہے، اور اس ملک میں اسلامی تشخص کے ساتھ زندگی گذارنے کا فیصلہ کرنا ہے، اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اصل عبادت خلق اللہ کی خدمت ہے، امارت شرعیہ نے یہ کام محض عبادت اور خدمتِ خلق سمجھ کر کیا ہے، امارت شرعیہ بھاگلپور کے مظلومین پر اب تک ۶۵ لاکھ روپے سے اوپر خرچ کر چکی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ بے گھر مسلمانوں سے نئی بستیاں آباد ہو چکی ہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دراصل ہمارا رشتہ خالق سے کمزور پڑ گیا ہے جس کے نتیجہ میں ہمیں ان مصائب سے دوچار ہونا پڑا، ـــــ ہمیں ایک جماعت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے اور غلط رسم و رواج کو مٹا کر اسلامی سنتوں اور طریقوں کو زندہ کرنا چاہیے، اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے زور دیکر فرمایا کہ ہم خدا کے سوا کسی طاقت اور حکومت پر بھروسہ نہیں رکھتے ہیں، اپنے تحفظ اور مدافعت کے لیے خود نظم کرنا ہوگا۔ ہم دوسروں کے رحم و کرم پر کب تک زندہ رہ سکیں گے، خدا پر توکل اور بھروسہ اور جرأت کے ساتھ ملک دشمن عناصر کا مقابلہ کرنا ہوگا، اور ظالموں کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ ان کا بھی نقصان ہوسکتا ہے، اور ان کی جان بھی جاسکتی ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ کے ان بیانات، تأثرات اور خیالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں آپ کی ذات پوری ملت اسلامیہ کے لیے ڈھال کی حیثیت رکھتی تھی، جہاں کہیں مسلمانوں پر کوئی آفت آتی، آپ مضطرب و بے چین ہو جاتے، رات کی نیند حرام ہو جاتی ـــــ اللہ نے آپ کو مؤمنانہ فراست، دردمند دل، اور ایمانی بصیرت، جرأت و استقامت کی دولت سے نوازا تھا، آپ نے ہر موقع پر مسلمانوں کو راہ حق دکھائی انہیں ہر حال میں اللہ سے تعلق قائم رکھنے اور اس پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کی، اپنے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کا آئینی اور شرعی طریقہ بتایا ـــــ

مونگیر اور جھاجھا کا فساد

۱۹۹۰ء میں "شیلا پوجا" کے نام پر ہندوستان کی فضا، فرقہ واریت اور منافرت کے زہر سے مسموم ہوئی، شمالی ہند میں "بہار" خاص طور پر ظلم وتشدد اور فرقہ واریت کا نشانہ بنایا گیا، بھاگلپور، مونگیر، سہسرام اور سیتامڑھی میں بلوائیوں نے دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی۔

شہر مونگیر بھاگلپور سے ملا ہوا ہے، اس لیے جیسے ہی بھاگلپور میں فساد کی آگ بھڑکی، اور وہاں قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوا، مونگیر ضلع کی مسلم آبادی پر بھی قہر وغضب نازل ہونا شروع ہوا ___ مختلف مقامات میں مسلمانوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا، تھانہ تاراپور کے دورائیں گاؤں میں شرپسندوں نے حملہ کیا مسلمان پہلے ہی گھر چھوڑ کر جا چکے تھے، جی بھر کر فسادیوں نے سارے مکانات کے سامان کو لوٹا اور فصل کے پکنے پر اسے کاٹ لیا، اسی تھانہ کے موضع گنیلی میں.. آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا، اور تقریباً سارے مکانات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے، جھاجھا تھانہ میں بھی شرپسندوں نے دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی، اور مسلمانوں کے ۱۶ گاؤں ان کے غیض وغضب کے شکار ہوئے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی نگرانی میں مونگیر اور جھاجھا کے فساد زدگان کی امداد اور آباد کاری کا کام انجام پایا، آپ نے ۲۸ اور ۲۹ مارچ کو جھاجھا تھانہ کے نصف درجن گاؤں کا دورہ کیا، جہاں امارت شرعیہ کے ذریعہ آباد کاری کا کام انجام دیا جارہا تھا، آپ نے دھوبیا کورا میں ایک نئی بستی کا سنگ بنیاد رکھا، جہاں فساد زدہ خاندانوں کو آباد کیا گیا، ایک دینی مکتب کا سنگ بنیاد بھی آپنے اپنے دستِ مبارک سے رکھا، اس موقع پر موجود لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے دین سے تعلق کو مضبوط بنانے اور بچوں کو بہتر تعلیم و تربیت دینے پر زور دیا تاکہ وہ اچھے شہری اور اچھے مسلمان بن سکیں ___ مونگیر فساد کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کا ایک بے مثال کارنامہ یہ بھی سامنے آیا، کہ اس موقع پر فساد میں نمایاں خدمت انجام دینے اور فساد کو روکنے کے لیے منظم اور باحوصلہ کام کرنے والے تین حضرات شری نند کشور سابق ڈسٹرکٹ جج، شری رام نرائن سنگھ اور شری چھٹو پاٹھک کو حضرت علیہ الرحمہ نے خلعت سے نوازا۔

حیدرآباد اور بجنور کے فسادات

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو شہر حیدرآباد میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ اس نے ظلم وتشدد اور بربریت کے تمام سابقہ ریکارڈوں کو پیچھے چھوڑ دیا، حیدرآباد کے اس خونی المیہ

اور خون ریزی میں خاص طور پر عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنایا گیا ــــــ حیدر آباد فساد کی خبر ملتے ہی حضرت امیر شریعت کی ہدایت پر امارت شرعیہ کے ایک دو نفری وفد جو حضرت ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین اور مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نائب قاضی امارت شرعیہ پر مشتمل تھا، ۲۱ دسمبر ۱۹۹۰ء کو شہر حیدر آباد اور ضلع رنگا ریڈی کے مواضعات کے دورہ پر روانہ ہوا ــــــ اس وفد کی سروے رپورٹ کے مطابق اس ۲۳ روزہ فساد میں شہر کے علاوہ ایک سو انسٹھ ۱۵۹ گاؤں میں ہزاروں مکانات کو لوٹا گیا، ان میں ۱۳۱ مساجد اور ۲۴ عید گاہوں کو بھی منہدم کیا گیا، بعض میں بت رکھے گیے، اور ۲۲ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا ــــــ امارت شرعیہ کی طرف سے پچاس ہزار کا چک مصیبت زدہ میں تقسیم کیا گیا۔

بجنور: ــــــ اتر پردیش کا شہر بجنور جو جنگ آزادی کا مرکز رہ چکا ہے، ہندو اور مسلمان عرصہ سے ایک ساتھ چلے آرہے تھے، مگر بالآخر اکتوبر ۱۹۹۰ء کو فرقہ پرست عناصر نے اسے تشدد اور ظلم کا نشانہ بنایا، اور اس کے امن وامان کو درہم برہم کیا، یہ شہر جہاں ۴۵ فیصد مسلمان اور ۵۵ فیصد غیر مسلم آباد ہیں، اور دونوں فرقوں کی عبادت گاہیں برابر واقع ہیں، کبھی ہندو مسلم فساد اس سے پہلے نہیں ہوا تھا اس فساد میں بھی مسلمانوں کے مکانات، دکانات اور ان کی املاک کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا تھا ــــــ سروے رپورٹ کے مطابق اس فساد میں پولس اور بلوائیوں کی گولیوں اور ہتھیاروں سے مختلف محلوں کے تقریباً ۲۷ افراد (مسلم) مارے گیے، تیرہ ۱۳ محلوں میں واقع ۴۶۶ مکانوں کو بلوائیوں نے لوٹا، ان میں سے ۵۵ کو نذر آتش کر دیا گیا، اس فساد میں ہونے والے نقصانات کا اندازہ ۲۷ کروڑ روپے کیا گیا ہے۔ حضرت امیر شریعتؒ کی ہدایت پر حضرت مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ اور مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی نائب قاضی بجنور کے فساد زدہ علاقوں کے دورہ پر تشریف لے گیے، وہاں کے معزز اور ذمہ دار حضرات کے ساتھ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا گیا، جانی ومالی نقصانات کا سروے کیا گیا، وفد امارت نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے ذریعہ مسلم ریلیف کمیٹی کو امارت شرعیہ کی طرف سے دس ہزار روپے ریلیف کے لیے دیئے ــــــ حضرت امیر شریعت رابع کی زندگی میں ہندوستان میں جس طرح فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور ان کے حل کی جو تدبیریں آپ نے پیش کی ہیں اور جس طرح مسلمانوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کی ہے وہ نئی نسل کے لیے ایک روشنی اور اسوۂ حسنہ ہے اس کی اتباع کی جانی چاہئے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

چند یادیں

(مولانا نور عالم خلیل امینی مدیر "الداعی" واستاذ دارالعلوم دیوبند)

۴ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کی صبح کو دیوبند میں۔ دیوبند ہی کے ایک دوست نے اچانک ملاقات کے دوران بتایا کہ آل انڈیا ریڈیو کے آج شب کے نشریہ سے معلوم ہوا کہ امیر شریعت بہار واڑیسہ وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی ۲-۳ رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹-۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء سہ شنبہ وچہار شنبہ کی درمیان شب میں اس جہان آب وگل سے روپوش ہوگئے۔

اس خبر وحشت اثر کو اچانک اور بغیر کسی ذہنی آمادگی کے سن کر دل دھک سے رہ گیا استعجاب وغم واندوہ کے ملے جلے جذبات کے درمیان کچھ دیر ہکا بکا سا رہا اور ایسا لگا جیسے کسی نے نہ صرف میرا بلکہ پوری ملت کا سرمایۂ حیات لوٹ لیا ہو، دل کی گہرائیوں میں معاً یہ معصوم خیال پیدا ہوا کہ کاش یہ خبر غلط ہو، لیکن دیگر ذرائع سے یہ تحقیق ہوگئی کہ حضرت منت اللہ صاحب رحمانی ہم مسلمانان ہند کو یتیم سا چھوڑ کر اپنے رب کے جوار رحمت میں جا چکے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ہر چند کہ مولانا سالہا سال سے شکر کے مریض تھے۔ لیکن اس موذی مرض کے تمام تر اثرات کے باوجود معاصر علما، ودانشوروں کے درمیان ان کی ممتاز، فعال، متحرک اور سرگرم شخصیت کے پیش نظر اس خبر کی تصدیق میں خاصا تردد ہوا، اور یہ حادثۂ وفات ایک "ناگہانی واقعہ" سا محسوس ہوا خصوصاً اس لئے کہ ان کے متعدد ہم عصر رفقائے کار علما، سن وسال میں ان سے بڑے اور امراض کی وجہ سے عرصہ سے رہینِ فراش ہیں، ذہن ان کی خبر وفات سننے کے لئے بہت حد تک تیار ہے۔

اس کے برعکس مولانا دم واپسیں تک سرگرمی زیست کی راہ پر محو سفر رہے، لیکن کیا کیا جائے کہ موت کا وقت معین جب آتا ہے تو ایک لمحہ کے لیے بھی مؤخر نہیں ہو پاتا۔ اور ہماری خواہشیں اور ضروریات اس کو نہیں ٹال پاتیں۔ إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون ۔

اور نگاہوں کے تیر، آج بھی ہیں دل نشیں

میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۸۱ھ سے جانتا ہوں جب میں مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ (بہار) میں درجہ ششم اردو کا طالب علم تھا، مولانا مدرسہ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لیے تشریف لائے تھے، مجھ جیسے وہ طلبا جنہوں نے انہیں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کے متعلق صرف سنا تھا (بلکہ اس سے قبل موجودہ ہندی مسلمانوں کی کشتی کی ناخدائی کرنے والے کسی قدآور عالم کی دید سے ان کی آنکھیں شرفیاب نہ ہوسکی تھیں) انہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے بیتاب تھے، مولانا کے اوصاف وکمالات کا ہلکا نقش میرے ذہن میں عقیدت ومحبت کے جذبات کے ساتھ پہلے سے صرف اسی درجہ قائم تھا جتنا ایک ۹۔۱۰ سال کے بچے کے ذہن میں قائم ہوسکتا تھا، میں نے مولانا کے متعلق جو کچھ پہلے سنا ہوگا، اس کا واحد ذریعہ میرے مربی اول واستاذ برادر معظم حضرت مولانا اویس القاسمی رانپوری تھے، جو اس وقت مدرسہ امدادیہ کے باوقار استاذ تھے۔

مولانا کی ایمبیسڈر کار مدرسہ کے میدان میں آکر رکی، اور مدرسین مدرسہ کے ساتھ ساتھ طلباء کے جم غفیر نے کار کو گھیر لیا، مدرسین استقبال کے لیے اور طلبا، دیدار کے لیے، مولانا کار سے اترے اور اپنی پر رونق شکل وصورت سے ہماری نگاہوں میں بس گئے۔ درخشندہ چہرہ، کشادہ پیشانی بڑی بڑی آنکھیں جو ذہانت اور فہم وفراست کی غماز تھیں، بڑا سا سر جو دماغوں اور خزانہ ہائے فکرونظر سے بھرا ہوا تھا اور دوہرا بدن ___ کچھ دیر بعد یعنی مغرب کے بعد جلسہ کی صدارتی تقریر کے دوران اپنی واضح اور گونجتی ہوئی آواز اور مربوط ومرتب گفتگو سے میرے معصوم دل کے سادہ صفحہ پر احترام و محبت کا پرشکوہ شیش محل بنا گئے۔ شعور وآگہی کے آئندہ دور میں بخوبی اندازہ ہوگیا کہ معاصر علماء وقائدین کے درمیان یہ صفت مولانا کے امتیازات میں سے تھی۔

سن شعور کو پہونچنے کے بعد مولانا ہم لوگوں کے لیے صرف ایک بڑے ہندوستانی عالم

نہیں رہ گئے، بلکہ وہ ہماری فرد خاندان اور ہمارے عقیدتوں کا گہوارہ بھی بن گئے، ہمیں ان سے ہزاروں مضبوط رشتے مربوط کر چکے تھے۔ ان رشتوں کا سرچشمہ ہمارے گھر، خاندان اور ہمارے وسیع تر علاقے میں ان کا مسلسل ذکر خیر تھا، ممکن نہیں تھا کہ علم وفضل کے حوالے سے کوئی مجلس منعقد ہو اور علماء وفضلاء کی زبان ان کے تذکرہ سے خالی رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بہار واڑیسہ کے اکثر مدرسوں کے مولانا صدر یا نگراں تھے، ان رشتوں کی دوسری بنیاد، ان کے علم وفضل کے ساتھ ساتھ برصغیر میں اسلام و مسلمانوں کی خدمت کے سلسلہ میں ان کی بے پناہ کوشش پیہم کی قدر دانی واعتراف تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ میرے دل ودماغ کو شاد اور فخر و نازش کے جذبات سے سرشار کرتا گیا، خدائے کریم انہیں نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنت الفردوس سے نوازے۔

نگہہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز

اگر یہ سچ ہے اور یقیناً ہے کہ توفیق وصلاحیت اللہ کے بندوں میں محض خدا کی طرف سے تقسیم ہوتی ہیں اور یہ کہ باری تعالیٰ ہی وقت کے تقاضے کے مطابق رجال کار پیدا کرتا ہے تو یقیناً یہ بھی سچ ہے کہ خدائے قدیر نے مولانا کو بیدار، باصلاحیت اور باتوفیق بنا کر پیدا کیا تھا تاکہ وہ آفتاب آزادی کے طلوع سے تا ہنوز تلاطم ہائے مصیبت میں گھرے ہوئے ہندی مسلمانوں کی کشتی کے سعادت مند ناخداؤں میں سے ایک ہوں۔ خدا نے انہیں دو ایسے زبردست اوصاف سے نوازا تھا جن میں معاصر علماء اور قائدین میں سے کوئی ان کا شریک نہیں تھا۔ یعنی ذہانت اور جرأت۔ اسی لیے آزاد اور سیکولر ہندوستان میں مذہب وعقیدت میں عمل پیرا ہونے کی راہ میں درپیش مسائل و آزمائش مولانا منت اللہ رحمانی اور ان جیسے ذہین و جرأت مند علماء، وقائدین کی موجودگی میں، مسلمانوں کے لیے حوصلہ شکن نہ بن سکیں۔ کیونکہ مذکورہ قسم کے علماء وقائدین نے انہیں مسائل ومشکلات سے نمٹنے، اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے، اور ((سیکولر قومی دھارے)) یا ((یکساں شہری قانون)) کی گردن پر لٹکتی ہوئی تلوار سے بچے رہنے کی ہمت دی۔ چنانچہ وہ خودداری وخود اعتمادی کے ساتھ زندہ رہنے کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ اور ملی وقومی زندگی کی بے حساب

و بے رحم ناہمواریاں ان کے صبر و عزیمت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان شاءاللہ آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔

میر کارواں

مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسٹیج سے ہندی مسلمانوں کے لیے مولانا کی زبردست خدمات ہمیشہ کے لیے ناقابل فراموش رہیں گی۔ یہ بورڈ ان کی اور دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولنا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی تحریک و دعوت پر بمبئی میں ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو منعقدہ تاریخ ساز اجلاس میں زیر عمل آیا تھا۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے علماء و فضلاء شریک ہوئے تھے۔

علماء و قائدین نے متفقہ طور پر مولانا منت اللہ رحمانی کو بورڈ کا سکریٹری جنرل اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کو صدر منتخب کیا۔ قاری صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ جو تاہنوز اس منصب جلیل کی زینت ہیں۔

اس بورڈ کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں نے پوری طاقت سے یہ اعلان کر دیا کہ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی دخل اندازی برداشت نہیں کریں گے۔ مسلم پرسنل لا پر زد پڑنے والے۔ ہندوستان کے قانون ساز اداروں کی طرف سے وضع کردہ قوانین پر مسلسل نظر رکھنے کے لیے بورڈ نے باقاعدہ کمیٹی بنائی۔ جس نے حسن و خوبی سے اپنی ذمہ داری ادا کی اور آئندہ بھی اسی جوش و جذبہ کے ساتھ ان شاءاللہ اس کا کام جاری رہے گا۔

مولانا منت اللہ رحمانی کی سعی مسلسل، ان کی بے پناہ بیدار مغزی اور ہوش مندانہ قیادت کے طفیل مسلم پرسنل لا کی حفاظت ہندوستان گیر تحریک بن کر ابھری، اور ملک کے طول و عرض اور شہر و دیہات میں مسلمانوں کے اندر اسلامی شعوری کی بیداری اور اسلامی زندگی اختیار کرنے اور جاہلی زندگی سے گریز کرنے اور مذہب و عقیدت کی راہ میں پیہم خطرات اور اندیشوں سے باخبر رہنے کا احساس اجاگر کرنے میں اس تحریک نے قابل ستائش کردار ادا کیا ـــــ نیز اس نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں جو مغربی تہذیب کا پروردہ اور مغربی ثقافت کا دیوانہ ہے، اسلامی شریعت

کی آفاقیت، ابدیت اور ہر جگہ و ہر زمانہ میں قابل عمل ہونے کے حوالہ سے اعتماد بحال کیا اور یہ یقین بھی کہ اسلامی شریعت اتنی جامع، کشادہ اور لچکدار ہے کہ اس کے پاس زندگی کے نت نئے مسائل کا کلی اور اطمینان بخش حل موجود ہے۔

کار خلیلاں خارا گدازی

ہندوستانی سپریم کورٹ نے ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ مسلم مطلقہ کو اس کے طلاق دہندہ شوہر پر اس وقت تک نفقہ واجب ہوگا جب تک مطلقہ شادی نہ کرلے، یہ حکم کھلم کھلا اسلامی شریعت پر حملہ تھا اور دوسری طرف بورڈ کے لیے ایک بڑا چیلنج اور مسلمانوں کی اپنے دین کے سلسلہ میں ذکاوتِ حس کا امتحان بھی۔ مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پوری طاقت وقوت کے ساتھ حرکت میں آگئے۔ اور ان کا بورڈ پوری طرح سرگرم عمل ہوگیا، مولانا اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر بستہ ہوگئے، ہندوستان کے طول وعرض کا سفر کیا۔ مسلم رائے عامہ کو اس حکم کے خلاف بیدار اور ہموار کیا۔ اور اس کے پیچھے مسلم پرسنل لاء میں دخل اندازی کے لئے کار فرما جذبہ سے عوام وخواص کو واقف کرایا۔ بورڈ نے اس سلسلہ میں ملک کے مختلف شہروں میں جلسے اور میٹنگیں کیں۔ قائدین نے اس کے خلاف بیانات دیئے۔ مولانا رحمانی کی حکمتِ عملی اور ان کی ذہانت وجرأت نیز بورڈ کے صدر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی بھاری بھر کم شخصیت اور بورڈ سے متعلق علماء وقائدین کے جہدِ مسلسل کی وجہ سے حکومت کو مسلمانوں کے ارادے کے سامنے سپر انداز ہوکر مطلقہ سے متعلق قانون میں مسلم پرسنل لاء کے مطابق بل پاس کرنا پڑا۔ یہ بورڈ کا بلکہ مولانا منت اللہ رحمانی کا ایک تاریخی کارنامہ تھا۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ہندوستان کی سابق وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی نے ہندوستان میں ایمرجنسی نافذ کی اور اپنے تیز طرار بیٹے سنجے گاندھی کے تعاون سے عام باشندوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً جبری نس بندی کا زور شور اور حکومت کی طاقت سے عمل شروع کیا۔ لوگوں کے منہ بند کر دیئے۔ زبانیں منجمد کر دی گئیں

قلم توڑ دیے گئے، پریس اور ذرائع ابلاغ پر سخت قسم کا سنسر عائد کر دیا گیا۔ عوام تو عوام خواص کو ڈرا دھمکا کر بھیگی بلی بنا دینے کی کوشش کی گئی، شہریوں پر آہنی گرفت عمل میں لائی گئی کہ اللہ کی پناہ وطن عزیز کے عزیزوں کو ذلیل کیا گیا۔ حرمت وعزت کو پامال کیا گیا۔ ظلم وجور کے آہنی شکنجوں سے ملک کی چیخ نکل پڑی، بڑے بڑے قائدین اور ملک وملت کے جاں فروشوں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ جبری نس بندی کے خوف سے لوگ بعض دفعہ اپنا گھر چھوڑ کر جنگلوں، دھان، گیہوں اور گنّے کے کھیتوں میں چھپ کر رات گزارنے پر مجبور رہوتے، مسلم علماء کو کبھی ترغیب کبھی تحدید کے ذریعہ رام کرنے کی کوشش کی گئی، مفتیان کرام کو نس بندی کے حق میں فتوے دینے پر مجبور کیا گیا۔ اور زعمائے ملّت سے زبردستی انٹرویو کر کے ان کی گفتگو کو بدل کر اور سیاق وسبق سے ہٹا کر ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات میں نقل کیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت کلمۂ حق کا اظہار برے سے برے نتائج کو دعوت دینا تھا۔ چنانچہ بہت سے علماء کسی گوشۂ نامعلوم میں خلوت گزیں ہو گئے یا مصیبت کے ٹلنے کے انتظار میں خاموش رہے، وہ ایسا وقت تھا جب خلق خدا زبانِ حال وزبانِ قال سے کہہ رہی تھی۔ «متیٰ نصرُ اللّٰہ» خدا کی مدد کب آئے گی؟ اور گویا پوری قوم یہ کہہ رہی تھی ؎

نازجس خاک وطن پر تھا مجھے آہ، جگر،
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے،

یہاں یہ بھی کہنے دیجیے کہ آخرش یہی واقعات آنجہانی اندرا گاندھی کی حکومت کے اختتام کا باعث بنے اور اس وقت کے انتخابات میں انہیں شکست فاش کھانا پڑا تھا، کیوں کہ انہوں نے نوشتۂ دیوار پڑھنے کی کوشش نہیں کی ؎

آسودۂ ساحل تو ہے مگر، شاید یہ تجھے معلوم نہیں!
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

ان حالات میں مولانا رحمانی آگے بڑھے، کلمۂ حق کے اظہار کا بیڑا اٹھایا، دہلی میں مسلم قائدین کا اجلاس منعقد کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تمام مسلم علماء وزعماء سے پہلے وہ اور ان کے دست وبازو رفقائے کار دہلی پہنچے، دیگر علماء وقائدین یہ معلوم کرنے کے بعد دہلی پہنچنے کی جرأت کر سکے کہ مولانا رحمانی دہلی پہنچ چکے ہیں، مسلم قائدین نے اور مولانا نے جبری نس بندی کے خلاف بیانات

دیئے اور متعدد رسائل تصنیف کئے، جن میں نس بندی کے متعلق اسلام کا موقف واضح کیا گیا ملک کی مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا، اور ہر چہار طرف انہیں تقسیم کیا گیا۔ شہریوں خصوصًا مسلمانوں میں اس جدوجہد کی وجہ سے اعتماد پیدا ہوا۔ اور حکومت کو اپنے نامۂ اعمال کا جائزہ لینے کی تحریک ہوئی اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو ظلم کے خلاف کہنے سننے کا حوصلہ ہوا ____ یہ واقعہ بھی مولانا رحمانی کی مثالی بے باکی کا غماز ہے۔

عیش منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام

آزادی کے بعد سے اب تک فسادات کی آتشِ فروزاں میں مسلسل جلنے اور خانما برباد ہونے والے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے میں مولانا کا کردار بھی نمایاں رہا ہے۔ وہ حکاموں سے ملتے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرتے، اسباب ونتائج پر حکومت کی توجہ مبذول کراتے، مصیبت زدوں کو ہر ممکن مدد پہنچاتے، ان کی اشک سوئی اور دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ وہ یہ سب کچھ ایک فوجی کی چستی، چوکی دار کی بیداری، مومن کی احساسِ ذمہ داری اور مجاہد فی سبیل اللہ کی قربانی کی روح کے ساتھ کرتے تھے۔

ہر قدم معرکۂ کرب و بلا ہے درپیش

یوپی کی صوبائی حکومت نے بابری مسجد کے گیٹ پر ۱۹۵۲ء سے پڑا ہوا تالا ہندوؤں کے لیے کھول دیا۔ اور بابری مسجد کے ممبر ومحراب میں کھلے عام بتوں کی پرستش کی اجازت دیدی اور مسلمانوں پر مسجد کو کلیتًا حرام کردیا۔ پھر تشدد اور تعصب پسند ہندو جماعتوں نے رتھ یاترا، پدیاترا اور طرح طرح کے یاتراؤں کے ذریعہ ملک کے طول وعرض میں آگ سی لگادی۔ فرقہ وارانہ فسادات کی لَو پہلے سے زیادہ تیز کردی گئی۔ قریہ قریہ اور شہر شہر مسلمان ہراساں وخوف زدہ کردیئے گئے۔ زمین مسلمانوں پر اپنی تمام تر کشادگیوں کے باوجود تنگ ہوگئی، خونِ مسلم آب سے زیادہ ارزاں بنادیا گیا۔ مسلمانوں کی عزت وناموس کو پامال کیا گیا۔ ظلم وجور کے ایسے مناظر سامنے آئے کہ دیکھنے اور سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میرٹھ، ملیانہ اور بھاگلپور وغیرہ ہندوستانی

تاریخ سیاست وحکومت پر ایک بدنما داغ بن کر ابھرے اور ظلم وبربریت کے ننگے ناچ کے لیے ضرب المثل کے طور پر صحافی، مؤرخ اور عوام کے قلم وزبان پر رواں ہو کر تاریخ کا ناقابل محو جزء بن گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملیانہ وبھاگلپور وغیرہ کی داستان خونچکاں قلم بند کرتے ہوئے کس طرح قلم کاروں کے ہاتھ کانپنے لگتے تھے۔ روح فرسا واقعات کی حکایت کرتے وقت الفاظ زبانوں پر ٹوٹ پھوٹ جاتے۔

اس رنگ سے اٹھائی، کل اس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے، غمناک ہو گئے

دوسری طرف اسلام ناشناسا، انگریزی تعلیم یافتہ وہ طبقہ جس کے ساتھ موروثی طور پر (مسلمان) کا نام چپک گیا ہے اور جو صرف مغربی تہذیب وتمدن کو راہ سعادت ونجات سمجھتا ہے علما، دین پر سکوت وجمود کی تہمت کا علم لے کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی تحریر وتقریر میں حسب عادت ان کو زمانہ ناآشنا، تنگ نظر، حالات سے چشم پوش رہنے وغیرہ کہنے لگا۔ اور ساتھ ہی یہ فتوی بھی صادر کرنے لگا کہ مسلمان کی جان ومال کی حفاظت کی خاطر بابری مسجد سے دست کش ہو جانا چاہیئے۔

ان حالات میں مولانا منت اللہ مرحوم پھر سامنے آئے اور انہوں نے دسمبر ۱۹۹۰ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سایہ تلے مسلم علما اور زعما، کو جمع کیا۔ اس اجلاس نے حکومت اور مسلم عوام کے نام دو الگ الگ پیام دیئے۔ حکومت کو یاد دلایا گیا کہ :-

اقلیت کی حفاظت کے بغیر ملک کا مستقبل ہر وقت خطرے میں رہے گا اور ملک کا سیکولر وجمہوری کردار لاء اینڈ آرڈر کے ذریعہ ہی باقی رہ سکتا ہے۔ قانون کی بالادستی حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ مسلسل تین سال سے فرقہ پرست ملک کے اطراف واکناف میں اشتعال انگیز تقریروں، تحریروں اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ فرقہ پرستی کو شعلہ زن کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف جگہ بدترین فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ان پر قابو پانا اور روک لگانا حکومت کی ذمہ داری ہے مسلمانوں نے ابتک ملک کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صبر کا دامن تھامے رکھا ہے۔ اور انہوں نے تشدد کا جواب تشدد سے دینے میں گریز کیا ہے "بورڈ بابری مسجد کے حوالہ سے اپنا موقف واضح کر دینا چاہتی ہے کہ مسجد اور مسجد

کی جگہ خدا کی ملکیت ہے لہذا ان میں کسی طرح کی تبدیلی یا ان کی خرید و فروخت یا کسی جماعت، فرد یا حکومت کو کسی عقد صلح کے ذریعہ سپردگی جائز نہیں اور نہ ہی حکومت کو اکوائر کرنے کا حق ہے ـــــ ناقابل انکار دلائل و دستاویزات سے ثابت ہے کہ بابری مسجد مسجد ہی ہے۔ اور بابری مسجد کسی غصب شدہ زمین یا کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی ہے۔ لہذا شرعاً اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی مسجد کی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء والی پوزیشن کے ساتھ بابری مسجد کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا جانا چاہیئے۔"

مسلمانوں کے نام پیغام میں کہا گیا کہ :۔

"اس ملک میں مسلمانوں کا وجود کسی حکومت، کسی اکثریت یا کسی فرقہ کی رہینِ منت نہیں ہے مسلمان محض خدا کے بھروسہ پر یہاں جی رہے ہیں۔ وہ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے ذریعہ ہی آئندہ بھی یہاں رہ سکتے ہیں، اور محض خدا کے طفیل سے وہ دین و ایمان پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ روشن مستقبل کی طرف محوِ سفر رہیں گے۔"

مسلمانوں سے مزید کہا گیا کہ :۔

"فسادات کو خود ہوا نہ دیں، لیکن ان کی جان و مال اور آبرو پر جب حملہ ہو تو خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے، اپنا دفاع کرنے سے گریز، دریغ نہ کریں۔"

اس موقع سے ایک باوقار وفد کی سربراہی کرتے ہوئے مولانا رحمانی نے وزیر اعظم چندر شیکھر سے ملاقات کر کے بابری مسجد کے تعلق سے اسلام کا موقف واضح کرنے اور فرقہ وارانہ فسادات کے دہکتے ہوئے شعلوں کو فرو کرنے کے لیے حکومت کی توجہ مبذول کرانے کی سوچی کہ ؎

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلادوں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

مولانا نے جب مذکورہ مسائل پر گفتگو شروع کی تو مسٹر چندر شیکھر نے نہایت نامعقول جواب دیا جو ہندوستان ایسے ملک کے وزیر اعظم کے لیے کسی طرح موزوں نہ تھا، انہوں نے کہا

"آپ سب لوگ بھنگ کے کنویں سے پانی پی کر آئے ہیں"؟ مولانا کہاں چوکنے والے تھے۔ آپ نے ترکی بترکی جواب دیا کہ ؎

طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے
آدمی ہوں، میرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی

مولانا نے چندر شیکھر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "حکومت تو پاگل نہیں ہو گئی ہے" اس جملہ کے بعد چندر شیکھر کو ہوش آیا۔ اور انہوں نے سنجیدہ ماحول میں وفد کی گفتگو سنی۔

پہلے تو عرض غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے
پھر کچھ سمجھ کے سوچ کے شرما کے رہ گئے

ادھر چند سالوں سے موجودہ ہندوستان میں مولانا کی حیثیت ہندی مسلمانوں کے لیے ایک ماہر حکیم کی ہو گئی تھی۔ جس سے لوگ پیچیدہ اور لاعلاج مرض کے سلسلہ میں رجوع کرتے اور اس کی صحیح تشخیص و تجویز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نازک ترین وقت میں بھی مسلمانوں کو اس سے ڈھارس بندھتی تھی کہ ہمارے درمیان مولانا رحمانی ایسے لوگ موجود ہیں۔ اس مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل خدا کی مدد اور توفیق سے ضرور نکل آئے گا۔

زندگی میں آگیا جب کوئی وقت امتحان
اس نے دیکھا ہے جگرؔ بے اختیارانہ مجھے

تو مرد میداں تو میر لشکر

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے اسٹیج سے۔ جس کے وہ ۳۲ سال امیر رہے، ان کی خدمات ان زندہ جاوید کارناموں کے نامۂ اعمال میں روشن ستارے کی طرح چمکتے اور ہمیشہ کے لیے زمانہ کی زبان پر نغمۂ شیریں بن کر گونجتے رہیں گے ——— ان کے عہد عمارت میں امارت شرعیہ نے کماً و کیفاً ہر سطح پر ترقی کی، اس کے شعبوں، اداروں اور شاخوں میں وسعت و بہتری آئی۔ اور امارت کو مسلمانوں کی دینی و ملی زندگی کے سنوارنے اور قانون شریعت کے مطابق استوار کرنے میں قابل ذکر و شکر کردار ادا کرنے کا موقع ملا۔

دونوں صوبوں میں مختلف مقامات پر دار القضاء کا قیام عمل میں آیا، قضاۃ سازی اور مفتیان کرام کی ٹریننگ کا باقاعدہ نظام قائم ہوا۔ اس کے لیے باقاعدہ بجٹ کا ایک حصہ مخصوص کیا گیا۔ امارت کے قائم کردہ دار القضاء کی وجہ سے مسلمانوں کو عائلی مسائل میں سیکولر عدلیہ کا سہارا لینے کے عذاب سے نجات حاصل ہوئی۔ سرکاری سطح پر بھی دونوں صوبوں میں ان دار القضاؤں کی حیثیت تسلیم کی گئی، اور پرسنل لأ اور عائلی مسائل میں حکومت نے ان سے رجوع کیا۔

بہار واڑیسہ میں امارت کی کارگزاری کو دیکھ کر قائدین کی خواہش ہوئی کہ اس کو وسعت دیکر ملک گیر کر دیا جائے، اس سمت میں مولانا کے جوش عمل کے نتیجہ میں پیش رفت بھی ہوئی۔ اور متعدد صوبوں خصوصاً جنوبی اور مغربی علاقوں میں امارت کے طرز پر کام شروع ہو چکا ہے اور وہاں کے دار القضاء سرگرمی سے اپنی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔

امارت نے بیت المال کے نظام کو بھی وسعت دی اور اسے نہایت درجہ فعال ادارہ بنا دیا۔ سیلاب اور فسادات سے تباہ حال ادارو کی امداد، بیوہ گان اور یتیموں کی کفالت اور غریب لڑکیوں کی شادی ایسی خدمات میں بیت المال نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نیز بہار واڑیسہ میں مختلف مساجد میں ائمہ ومؤذنین کے انتظام اور ان کی تنخواہ کے بندوبست میں اس نے مدد دی۔

چند سال قبل امارت شرعیہ کی مرکزی عمارت کی تعمیر زیر عمل آئی جو دفاتر، لائبریری میٹنگ ہال اور ایک پر وقار اور قابل اعتبار فلاحی ہسپتال پر مشتمل ہے۔ عمارت سادہ و پرکار ہے اس کے علاوہ بہت سے منصوبے زیر غور اور بہت سے زیر تنفیذ تھے، ان کے لیے مال اور وسائل کی فراہمی کا کام بھی جاری تھا۔ لیکن — مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ۔

مولانا نے اپنی توجہ اور نگرانی میں فقہ اسلامی کی تدوین کا کام بھی شروع کرا دیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے اہل اختصاص علماء کا انتخاب کیا تھا۔ بڑی حد تک یہ کام ہو بھی چکا ہے اگر اسے سلیقہ سے شروع کر دیا گیا تو علماء، مفتیان، قاضیوں اور طلبہ سب کے لیے مفید ہوگا۔

لذت تقریر

مولانا کی تقریر پر مغز ہوتی تھی۔ بچے تلے الفاظ استعمال کرتے، لیکن مضامین مرتب، مدلل اور لہجہ واضح اور گونج دار ہوتا، اکتا دینے والی طوالت اور خلل انداز ایجاز بیانی

دونوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے، تقریر میں حافظہ، تعبیر، الفاظ اور مضامین سبھی ان کا ساتھ دیتے۔ جب وہ کرسی خطابت پر فروکش ہوتے، تو حاضرین کی نگاہیں ان کی بھاری بھرکم، پروقار اور جاذب نظر شخصیت کی دید سے لبریز ہو جاتیں۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ سامعین کے دل میں پیوست ہوتا جاتا۔ اس لیے کہ وہ اسے ایک ماہر اور ذہین استاذ کی طرح استعمال کرتے تھے جو درس سے قبل اپنے محاضرہ کو تیار کر لیتا۔ اور اس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر کی رعایت کر چکا ہوتا ہے۔

سلیقۂ تحریر

وہ اردو میں تصنیف و تالیف کا حسین ذوق رکھتے تھے۔ لیکن مذہب و ملت کی خدمت کے سلسلے میں مسلسل اسفار اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پیہم آمد و رفت نیز دوران قیام نوع بنوع مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لیے نہ وہ وقت نکال سکے اور نہ ہی انہیں وہ سکون و اطمنان حاصل ہو سکا جس کے بغیر اس طرح کا کام انجام دینا ممکن نہیں ـــــــ اس کے باوجود انہوں نے مختلف فقہی موضوعات پر متعدد پر مغز اور کار آمد رسالے لکھے۔ نیز مختلف اوقات میں مختلف عنوان پر بوقت ضرورت بہت سارے مضامین ان کے علمی قلم سے نکلے۔ ان کی نگارشات میں "مکاتب گیلانی" کے نام سے علامہ مناظر احسن گیلانی (متوفی ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء) کے گراں قدر خطوط کی جمع و ترتیب بھی پایہ کی چیز ہے۔

بندۂ مولیٰ صفات

مولانا اپنے پہلو میں ایک نہایت ہمدرد دل رکھتے تھے۔ مجھے طالب علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد بارہا ان سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ان سے ہر بار مل کر انسانیت اور شرافت کا صحیح معنی و مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملی۔ ۱۹۷۱ء میں، میں مدرسہ امینیہ دہلی میں طالب علم تھا۔ میرے شفیق و محترم المقام استاذ، فقہ و تاریخ کے عظیم مصنف مولانا سید محمد میاں دیوبندی ثم الدہلوی (متوفی ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء) نے مجھے حکم فرمایا کہ میں مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوبند سے آتے ہوئے پرانی دہلی کے اسٹیشن پر استقبال کروں۔ پروگرام کے مطابق مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیۃ بلڈنگ گلی قاسم جان میں "ادارہ مباحث فقہیہ" کے دفتر میں قیام کرنا تھا۔ مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ اس ادارہ کے ذمہ دار تھے۔ اس دوران

دو روز تک مولانا کی خدمت میں بار بار آنے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ میں نے مولانا میں وقار کے ساتھ تواضع، ذہانت کے ساتھ علم۔ زود فہمی کے ساتھ دور رسی۔ چھوٹوں پر شفقت کے ساتھ دنیا و آخرت میں اس کی بھلائی کی نصیحتیں۔ اور تعجب خیز تک حلم و بردباری دیکھی۔

۱۹۷۹ء کے اواخر میں، فقیہہ العصر مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہٗ کے حکم پر، میں نے عربی زبان میں امارت شرعیہ کے تعارف میں ایک دراز نفس مقالہ لکھا، جسے کچھ ہی دنوں بعد امارت والوں نے "خدمۃ دینیۃ عظیمۃ" کے عنوان سے مستقل رسالہ کی شکل میں چھاپ دیا اس تحریر پر مولانا مجاہد الاسلام صاحب اپنے گراں قدر تأثرات کا اظہار ایک سے زائد خط میں طباعت سے قبل اور طباعت کے بعد کر چکے تھے۔ اس کے کچھ روز بعد حضرت مولانا رحمانی کا مندرجہ ذیل خط باعث سرفرازی ہوا جو گویا ایک اہل نظر، اور عظیم اہل علم کی ایک طالب کے لیے قیمتی سند ہے، مولانا نے گرامی نامہ میں شدت کے ساتھ مونگیر آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن افسوس کہ اپنی مشغولیات کی وجہ سے اس وقت مونگیر نہ جا سکا، اس سے قبل بھی کبھی نہ جا سکا تھا، اور تادم تحریر مونگیر نہ دیکھ سکا۔

"عزیز مکرم! وفقکم اللہ لما یحب ویرضیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ ابھی ابھی مولوی ولی سلمہٗ نے "خدمۃ دینیۃ عظیمۃ" کا ایک نسخہ مجھے بھی دیا۔ تحریر بلند اور طباعت ناقص ہے جو اس دور کے لیے مناسب نہیں، بہرحال اس تحریر کے سامنے آتے ہی آپ یاد آگئے اور آپ کا وعدہ مونگیر آنے سے متعلق بھی یاد آگیا۔ آپ ۲۴؍جون کی شام تک مونگیر آئیں۔ ان شاء اللہ میں بھی رہوں گا۔ اور ولی سلمہٗ بھی اور ٹریننگ کیمپ بھی چل رہا ہوگا۔ اگر ۲۴؍کو نہ آسکیں تو ۲۵، ۲۶ کو ضرور آئیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس میں آپ تکلف نہ کریں گے میں آپ کا منتظر رہوں گا۔"

والسلام۔ منت اللہ

۱۶؍جون ـــــ ۱۹۸۰ء

تیرے نفس سے ہوئی آتش گل تیز تر

دار العلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں مولانا سے کثرت سے ملنے اور ان کی ذہانت اور علم و فکر سے حسب ظرف خوشہ چینی کا موقع ملا ـــــ دار العلوم دیوبند سے مولانا کو چونکہ غیر معمولی تعلق خاطر تھا۔ اور وہ اس کی ترقی اور بہبود کے لیے ایک ہوش مند اور سپوت فرزند کی حیثیت سے کوشاں

اور فکر مند رہا کرتے تھے۔ اس لیے شوریٰ کے اجلاس سے عموماً دو ایک روز قبل دیوبند تشریف لے آتے اور تین روزہ اجلاس کے ایک دو روز بعد تشریف لے جاتے۔ مولانا کی رائے اور مشورہ کو فکر رسا پر مبنی ہونے کی وجہ سے دار العلوم کی شوریٰ میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ سال میں دو مرتبہ شوریٰ کے اجلاس اور دیگر تقریبات کے مواقع سے مولانا کے کئی روزہ قیام دار العلوم سے طلبائے دار العلوم کو مستفیض ہونے کا سنہرا موقع ہاتھ آجایا کرتا تھا۔

دار العلوم میں میرے چند رفقاء کی ایک جماعت تھی، خیالات و رجحانات کی یکسانیت اور زبان و ادب سے مناسبت کے قدر اشتراک نے ہم لوگوں میں ایسا تعلق خاطر پیدا کر دیا تھا۔ جسے انشاء اللہ موت ہی ختم کر سکتی ہے۔ ہماری اس جماعت کے سربراہ اردو زبان کے ممتاز اور صاحب طرز رائٹر اور دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کے بانی و سرپرست برادر معظم مولانا محمد رضوان القاسمی تھے۔ اس کے ممبران میں اردو کے فطری شاعر ادیب، حافظ قاری بشیر احمد دربھنگوی، ممتاز عربی داں و عربی انشاء پرداز برادر محترم مولانا بدر الحسن قاسمی (حال مقیم کویت) حافظ ابرار احمد دربھنگوی (امام و خطیب جامع مسجد لہریا سرائے دربھنگہ) اور حافظ دستگیر احمد قاسمی دربھنگوی تھے۔

ہماری یہ جماعت مولانا کے قیام دیوبند کو بطور خاص غنیمت جان کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی تھی، کبھی کبھی ہم لوگوں کے ساتھ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ بہاری استاذ دار العلوم اور حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی مفتی دار العلوم بھی مہمان خانہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں تشریف لے آتے تو مجلس اور بھی مفید اور پر لطف ہو جاتی۔

تربیت فکر و آگہی

کسی انسان کی قیمت اس کے حسب و نسب کے بجائے اس کی اپنی لیاقت اور جوہر سے متعین کی جاتی ہے۔ مولانا کی یہ سعادت تھی کہ وہ الحمد للہ دونوں پہلو سے بڑے تھے۔ علم و فضل و تقویٰ میں مولانا کو جو مقام حاصل تھا۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ دوسری طرف وہ عظیم ترین باپ یعنی بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیر (متوفی ۱۳۴۶ھ۔ ۱۹۲۷ء) خلیفۂ خاص حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کے فرزند ارجمند تھے۔ وہ اسی علمی و دینی گھرانہ میں ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم مونگیر وحیدر آباد میں حاصل کرنے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے جہاں وہ چار سال تک زیر تعلیم رہ کر وہاں کے باکمال اساتذہ سے مستفیض ہوئے ۱۳۴۹ھ میں ایشیاء کی عظیم و قدیم و رجال ساز درس گاہ و دانش گاہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، وہاں انہوں نے صاحب عزیمت مجاہد و شیخ و محدث مولانا سید حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ - ۱۹۵۷ء) آخری دور میں برصغیر کے جلیل القدر عالم مولانا مفتی شفیع دیوبندی ثم الباکستانی الکراچوی (متوفی ۱۳۹۶ھ - ۱۹۷۶ء) عالم باعمل مولانا سید اصغر حسین دیوبندی (متوفی ۱۳۶۴ھ) ماہر معقولات و منقولات علامہ ابراہیم بلیاوی (متوفی ۱۳۸۷ھ) شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی (متوفی ۱۳۷۴ھ) ایسے یگانۂ روزگار علماء سے اکتساب علم و آگہی کی۔ دیوبند میں زمانۂ طالب علمی میں انہوں نے جدوجہد آزادی ہند میں حصہ لیا اور سہارنپور میں اس کی وجہ سے گرفتار بھی ہوئے۔

۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علمائے بہار کے ناظم عمومی منتخب ہوئے ۱۹۳۵ء میں ہی ابوالمحاسن مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پارٹی تشکیل دی اور مولانا کو اس کا ممبر نامزد کیا۔ اسی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے وہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں بہار قانون ساز اسمبلی کے سہرسہ سے ممبر چنے گئے۔ ۱۳۶۱ھ میں خانقاہ رحمانی کی سجادہ نشینی کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے۔ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء میں مادر علمی دار العلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے اور تادم حیات اس عہدہ پر فائز رہے اور دار العلوم کو اپنے قیمتی مشوروں۔ طویل تجربوں اور روشن افکار و خیالات سے فائدہ پہونچا کر اپنا دامن اجر و سعادت سے بھرتے رہے ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء میں امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے چوتھے امیر شریعت کا منصب جلیل سپرد کیا گیا۔ امارت شرعیہ کو ابوالمحاسن مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۶ء میں قائم کیا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا نے جامعہ رحمانی کو از سر نو زندہ کیا۔ اس کی بنیاد خود حضرت مولانا مونگیری نے اپنے دست اقدس سے رکھی تھی۔ مولانا نے اپنی نتیجہ خیز صلاحیت و ذہانت و مساعی سے اسے ہندوستان کا ممتاز ادارہ اور بہار کا بڑا مدرسہ بنا دیا تھا۔ ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۴ء میں انہوں نے قاہرہ میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ واپسی پر سفر کی روداد بھی قلمبند کی، اسی طرح پہلی بار جب حج و زیارت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے تو ہندوستان واپس آکر سفر نامۂ حج مرتب فرمایا۔ متعدد عربی اور اسلامی ملکوں میں

منعقدہ کانفرنسوں اور مجالس علمیہ میں شرکت کی اور ہر جگہ اپنی ذہانت و فراست اور علم و تجربہ کا نقش لافانی ثبت کر دیا۔

نظر کیمیا اثر کی کرشمہ سازی

ہندوستان کے جن علماء و قائدین کو ہمیں دیکھنے، برتنے، جینے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے ان میں متعدد اور اکثر کو ہم نے پایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس بات کے کوشاں نظر آئے کہ ((قد آوروں)) کے قد تراش دیں، تاکہ وہ منفرد "قد آور" رہ جائیں اور سارے "بڑوں" کو کسی طرح نگل کر تنہا "بڑے" رہیں اس لیے وہ علماء، جو بذات خود "بڑے" ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے "بڑے" بن جانے یا "بڑا" بنے رہنے کو نہ صرف یہ کہ گوارا کر لینے کا ظرف رکھتے ہیں۔ بلکہ چھوٹوں کو بڑا بنانے کی صلاحیت رکھتے اور بڑا بنا دینے کے لیے اپنی ممکنہ صلاحیتوں اور ذرائع کا کشادہ نفسی و سلیقہ مندی سے استعمال کر کے ایسے رجال کار اور جانشینِ باکمال پیدا کر جاتے ہیں جو ان کے بعد لیاقت کے ساتھ ان کی قائم مقامی بھی کرتے۔ ان کے چھیڑے ہوئے کاموں اور چھوڑے ہوئے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے اور ان کی دکھائی راہ پر پورے اعتماد و بصیرت کے ساتھ منزل مقصود کی طرف محوسفر ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہی بڑے علماء و قائدین کہلانے کا حق رکھتے ہیں اور اسی قسم کے علماء و مشائخ اس لائق ہیں کہ ان کی عظمت کی چوکھٹ پر قدر دانوں کی جبین نیاز و سپاس خم ہو کہ یہی لوگ درحقیقت راہ سلف کے مسافر اور ان عظمائے اسلام کے نقش کف پا پر چلنے والے ہیں جنہوں نے علم و معرفت، فکر و نظر، رشد و ہدایت اور زہد و قناعت کے ایسے بلند مینارے تعمیر کیے، جن کی روشنی میں قافلۂ بشرف شاہراہ صواب پر صدیوں سے بغیر بھٹکے ہوئے سفر کرتا آرہا ہے۔ رحمہم اللہ۔

مولانا رحمانی انہیں خوش نصیب علماء میں تھے، مولانا نے علم و فکر و عمل کے میدان کے مسافران نو پا "سپاہ تازہ" کو ان کے ذوق و رجحان کے مطابق کام میں لگا کر ان کی صلاحیتوں کو اس طرح مہمیز کیا کہ وہ ان کی زندگی ہی میں "بڑے" ہونے کی سند عوام و خواص کی زبان حال و اعتراف قال سے حاصل کر لی۔ میں ان میں سے صرف تین آدمی کا اس وقت نام لے سکتا ہوں۔ یعنی

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ، برصغیر کے فقیہ وقت اور دارالعلوم دیوبند کے لائق ونازش افتخار فاضل مولانا مجاہدالاسلام قاسمی۔ خادم ملت اور امارت شرعیہ کے بارگراں کو اپنی دوش پر لیاقت کیساتھ کسی اکتاہٹ، تھکاوٹ یا شکایت کے بغیر مسلسل اٹھائے رہنے والے مولانا نظام الدین صاحب اور ہر مجلس میں اپنی ذہانت، سوجھ بوجھ اور ہنر مندی کا سکہ جمادینے والے مولانا رحمانی کے پسر خوش خصال مولانا محمد ولی رحمانی صاحب۔

نو وارد میخانہ تھا، ساقی نے یہ کیا کر دیا
پینے والے کہہ اٹھے "یا پیر میخانہ" مجھے

میں ان سطروں میں مولانا رحمانی کو برصغیر کا سب سے بڑا اور عدیم المثال عالم نہیں کہنا چاہتا لیکن مجھے یہ کہنے دیجئے کہ مولانا کو قسام ازل نے جو صلاحیتیں ودیعت کی تھیں ان میں ان کے معاصرین ورفقائے کار علماء میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔ کہ

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

خدائے حکیم ہر ایک کو دین و دنیا سے متعلق سرگرمیوں کی ایک الگ توفیق سے نوازتا ہے اور علم وفضل میں سے ہر ایک کا حصہ اپنے اندازے سے متعین کرتا ہے۔ از آدم تا ایں دم انسانوں سے متعلق اس کی یہی سنت رہی ہے۔ — ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (خدا کی سنت تبدیل نہیں ہوا کرتی)۔

خدا ان کو ان کے اعمال کی بہترین جزا دے، انہیں جنت الفردوس کا مکیں بنائے۔ ان کی قبر پر باران رحمت تراوش کرے۔ اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے بہرہ مند کرے۔

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

حضرت مولانا رحمانی کی رحلت

امت کے لئے ایک عظیم سانحہ

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہری، قاضی شہر کانپور

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی وفات حسرت آیات ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے اور اس دور قحط الرجال میں بہت ہی بڑا سانحہ ہے. مولانا کے ارتحال سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے بظاہر اس کا پر ہونا مشکل نظر آرہا ہے. ویسے تو اس دار الفناء سے کوچ کا سلسلہ برابر جاری ہے اور ایک کے جانے کے بعد کوئی نہ کوئی اس کی جگہ لے ہی لیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے. کسی کو جامعیت بخشی جاتی ہے تو کوئی ایک فن کا ماہر ہوتا ہے. حضرت مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی جامعیت ہے. موصوف ایک طرف خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین اور ایک بڑے حلقہ کے پیر طریقت تھے تو دوسری طرف جامعہ رحمانی مونگیر کے مہتمم اور امارت شرعیہ بہار کے امیر تھے اور ان کی ماتحتی میں بہار کے ایک درجن سے زاید مقامات قضاء شرعیہ کا کام بحسن و خوبی جاری ہے جسکے قاضی القضاۃ اسم با مسمیٰ مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی ہیں.

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس دار العلوم دیوبند میں ہوئی جسکے صدر اول حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ تھے بعد میں مولانا رحمانی کی کوششوں سے بورڈ کے حلقہ اثر میں مزید وسعت پیدا ہوتی گئی کہ جب ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تو بورڈ مسلمانوں کا متحدہ پلیٹ فارم بن گیا.

مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو جوڑے رکھنا ایک عظیم کارنامہ ہے جسے حضرت مولانا نے اپنی حکمت اور خداداد بصیرت سے آخری دم تک بحسن و خوبی انجام دیا. حضرت مولانا عزیمت و استقامت کے پیکر تھے قائدانہ صلاحیت سے مالا مال تھے جرأت و بیباکی میں بے مثال تھے غرض ان تمام اوصاف عالیہ کے حامل جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے ناظم اعلیٰ کے لئے درکار تھے. حضرت مولانا نے ایک تجربہ کار جنرل کی طرح سب کو لئے ہوئے مشکل سے مشکل محاذ کو سر کیا. شاہ بانو کیس میں ڈٹ گئے بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوئے اور

خطرناک گھڑیوں میں بھی ہمت نہیں ہارے۔ حواس باختہ کر دینے والی ساعتوں میں بھی مولانا کی فراست اعلیٰ کام کرتی رہی وی پی سنگھ صاحب نے اپنی وزارت اعظمیٰ کے دور میں بابری مسجد اور ملحقہ وقف آراضی کو بحق سرکار ایکوائر کر لینے کا جو خطرناک کھیل کھیلا تھا اس ہمت شکن اور صبر آزما وقت میں اگر حضرت مولانا رحمانی اور دست راست مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نہ ہوتے تو مسلمان اپنا کیس ہار چکے ہوتے، پھر نہ تو کسی مسجد کی خیر تھی نہ کسی موقوفہ جائداد کی۔ یہ بہت بڑا کام تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سے لیا۔ جزاہم اللہ محسن المسلمین خیرا

پھر نومبر سنہ ۱۹۹۰ء کے دوسرے عشرہ میں جب بابری مسجد کا مسئلہ، مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ بن گیا اور اس کو بہانہ بنا کر سرزمین ہند مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنایا جا رہا تھا اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی اس وقت تین دھڑوں میں بٹ کر بکھر سی گئی تھی اور حالات ایسے خراب تھے کہ کہیں کوئی ملت فروش بابری مسجد کا سودا نہ کرے اور ملت کف افسوس ملکر رہ جائے ان حالات میں علماء کانپور نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ چونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانوں کا متفقہ مضبوط پلیٹ فارم ہے جسے مسلمانوں کے تمام مذہبی اور سیاسی طبقات کی نمائندگی حاصل ہے اس لئے اگر بابری مسجد کا معاملہ بورڈ کے سپرد ہو جائے تو بہتر انجام کی امید ہے اس کے بعد علمائے کانپور کا ایک موقر وفد بورڈ کے صدر حضرت مولانا علی میاں کی خدمت میں لکھنؤ حاضر ہوا مولانا نے وفد کی ہمت افزائی فرمائی اور مشورہ دیا کہ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر آپ لوگ پہلے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی سے ملیں ان کی تائید و تصویب ہی سے یہ کام انجام پذیر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اس وقت جب کہ سفر کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا ایک پانچ رکنی وفد راقم الحروف کی رفاقت میں پھلواری شریف پٹنہ پہونچا۔ حسن اتفاق سے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار اور جانشین حضرت مولانا رحمانی مولانا ولی رحمانی موجود تھے عرض مدعا کے بعد ان حضرات نے ہماری پوری تائید کی اور بڑی ہمت افزائی کی اور حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب نے بذریعہ ٹیلیفون پورے ہندوستان سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا۔ گویا کام کی ابتدا ہو گئی۔ لیکن اصل فیصلہ حضرت مولانا مونگیری کے ہاتھ تھا چنانچہ یہ وفد مونگیر حاضر ہوا۔

چونکہ اس وقت بھاگلپور میں امارت شرعیہ بہار کی جانب سے مظلومین بھاگلپور کے لئے جو کالونی بنائی گئی تھی حضرت مولانا اس میں ایک مسجد جدید کا افتتاح کرنے گئے تھے دوسرے دن جب مولانا کی واپسی ہوئی تو دھڑکتے دل سے ارکان وفد پیش ہوئے اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کی تو حضرت مولانا نے کافی غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد فرمایا کہ اگرچہ یہ مسئلہ بورڈ کا موضوع نہیں لیکن مسئلہ کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کے پیش نظر بورڈ اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور اس کے لئے بورڈ کی عاملہ کا اجلاس منعقد کرنا ہوگا اور وہ بھی دہلی میں۔ اور مصارف عاملہ کے سب اہل کانپور کو برداشت کرنے ہوں گے اور صرف ایک ہفتہ کی تاریخ رکھ کر ۳۰؍ دسمبر کو دہلی میں بورڈ کا ایک بے مثال اجلاس ہوا جس کی تفصیلات سے ناظرین آگاہ ہیں۔ اور اس شاندار اور نمائندہ اجلاس کی برکت سے سوداگران ملت کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔

ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے لوگ شریک ہوئے اور بتایا گیا کہ ایسا کامیاب اجلاس اس سے پہلے کم ہی دیکھا گیا۔ ایکشن کمیٹی اور رابطہ کمیٹی کے ذمہ داروں کی شرکت سے آپس میں جوڑ کی فضا پیدا ہوئی اور اس اجلاس کے بعد حضرت مولانا نے اس مسئلہ پر وزیر اعظم چندر شیکھر سے جو گفتگو کی اور حسن انداز سے انہیں جواب دیا وہ مولانا کی حرارت ایمانی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور ۱۹۵۵ء میں جب اس کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے تو آخیر لمحہ تک رکن رہے اور دس سال قبل جب دارالعلوم میں انتشار پیدا ہوا تو حضرت مولانا باوجودیکہ ذوقی اعتبار سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے قریب تر تھے مگر ذوق اور ذاتی روابط کو حق پر غالب نہ ہونے دیا اور اخیر تک مجلس شوریٰ کی ہمنوائی کرتے رہے جو حضرت مولانا کی حق پسندی اور حق گوئی پر شاہد عدل ہے۔

حضرت مولانا مرحوم پیرانہ سالی اور سلسلہ علالت کے باوجود افکار ملی سے کبھی فارغ نہ ہوئے اور ملی خدمات میں برابر لگے رہے اللہ تعالیٰ پوری ملت مسلمہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت کے درجات عالیہ سے نوازے اور غیب سے مسلمانوں کو مولانا کا بدل نصیب کرے اور مولانا کے مشن کو انتشار سے بچائے اور جملہ پسماندگان جسمانی اور روحانی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت یہ بھی تو ہے کہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھتے ہوئے اپنے مولا کے حضور حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں لے لے۔

ـــــ

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی چند دینی و ملی خدمات

از: مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات پر چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا، لیکن ان کی وفات کا حادثہ اب بھی دلوں میں تازہ ہے اور غالباً ایک مدت دراز تک تازہ رہے گا، ان کے رخصت ہونے سے ہندوستان کی ملی و دینی قیادت میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے۔ اس کا پر ہونا انتہائی مشکل نظر آتا ہے۔ ان کی شخصیت میں دین اور سیاست فہم اور فراست، عمل و ذکاوت کا حسین امتزاج، ان کی عظمت و افادیت میں چار چاند لگا رہا تھا۔ مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم اپنے ضعف و پیری کے باوجود جواں ہمت اور سرگرم عمل تھے۔ انتہائی نازک حالات اور نازک موقعوں پر انہوں نے ملتِ اسلامیہ ہندیہ کی رہنمائی اور قیادت جس دوراندیشی، سیاسی بصیرت اور ایمانی جرأت کے ساتھ کی، اس کا احاطہ چند صفحات میں نہیں کیا جا سکتا۔

خاندانی اور تعلیمی پس منظر

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی بہت بڑے باپ کے صاحب زادہ تھے، حضرت مولانا سید محمد علیؒ مونگیری بانی ندوۃ العلما، لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفۂ اجل تھے، انہوں نے اپنے عہد پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ندوۃ العلماء، کا قیام ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے تاریخ ہند میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، فرق باطلہ اور مذاہب باطلہ کی تردید میں ان کی کوششیں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ قادیانیوں اور آریوں کے خلاف ان کا لسانی اور قلمی جہاد اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ناقابل فراموش ہے۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مرحوم، حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے، انہوں نے خالص ایک علمی اور نورانی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ بلاشبہ ان کی نشو و نما اور کردار سازی میں خاندانی ماحول کا بہت بڑا حصہ ہے، مولانا مرحوم نے چند سال

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند میں تعلیم کی تکمیل کی موصوف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والوں میں سے تھے۔ حضرت مدنی کی زندگی میں مرحوم حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد ترین لوگوں میں تھے، مولانا مرحوم کے خاندانی حالات، ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں ان شاء اللہ ان کے منتسبین اور تلامذہ تفصیل سے لکھیں گے۔ مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے کہ قدرت نے انہیں ابتداء عمر ہی میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند جیسی دو عظیم علمی دانشگاہوں سے استفادہ کا موقع فراہم کرکے بہت سے وہ حقائق ان پر کھول دیئے جن سے انسان طویل تجرباتی زندگی گزارنے کے بعد واقف ہوتا ہے، گھریلو ماحول نے انہیں نہ صرف تابناک ماضی کی روشنی بخشی بلکہ مستقبل میں ان کے لیے جدوجہد کے میدان بھی متعین کر دیئے۔

امارتِ شرعیہ اور مولانا رحمانی مرحوم

ایک مدت سے مولانا مرحوم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے امیر تھے، ان کے دور امارت میں امارت شرعیہ کی عزت و وقار اور اثرات میں اضافہ ہوا، زندگی کے نئے نئے میدانوں میں امارت شرعیہ کا اثر و نفوذ پیدا ہوا۔ پورے صوبہ بہار میں بڑی خاموشی کے ساتھ شرعی عدالتوں کا جال پھیلا دیا گیا۔ جہاں مسلمانوں کے ہزاروں خانگی اور عائلی مقدمات اسلامی شریعت کے مطابق فیصل ہوتے ہیں۔ غلبۂ کفار والے ممالک میں بہار کا نظام امارت ایک روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نام کے سیکولر ملک میں جوں جوں اسلام دشمنی کی لہر تیز ہوگی، امارت شرعیہ جیسے اداروں کی ضرورت کا احساس بڑھتا جائیگا۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی فہم و فراست، سعی و عمل، دوراندیشی اور بصیرت، اخلاص و للہیت نے امارت شرعیہ کو ایک تناور درخت بنا دیا، ان کے دور امارت میں امارت شرعیہ کے اثرات بہار و اڑیسہ کے جغرافیائی حدود سے تجاوز کر کے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پھیل گئے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ

ہندگیر پیمانہ پر مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی شخصیت مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اسٹیج سے متعارف ہوئی، مسلم پرسنل لاء بورڈ

کا فکر وتخیل اگرچہ متعدد بلند پایہ شخصیات کے دماغوں کی پیداوار ہے. لیکن اس فکر وتخیل میں سب سے زیادہ حصہ مولانا منت اللہ رحمانی کا ہے. تقسیم ہند کے بعد ایک زمانہ تک تو مسلمان اپنے وجود کی جنگ لڑتے رہے۔ ابھی اس جنگ سے انہیں فراغت نہیں ملی تھی کہ دین وشریعت پر بڑی تیز یلغار شروع ہوگئی، حکومت کے ایوانوں سے لیکر قومی پریس تک ایک ہی غلغلہ بلند تھا، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) کو ختم کرکے یکساں سول کوڈ نافذ کر دیا جائے۔ اسلامی شریعت کے خلاف الزام تراشی کی فضا عام ہونے لگی، خود مسلمانوں کی صفوں میں ایسے لوگ دریافت کر لیے گیے جو اسلامی قوانین میں ترمیم واضافہ کا مطالبہ کرنے میں غیر مسلموں سے پیش پیش تھے، ان نازک حالات میں مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم اوران کے رفقاء کے دل ودماغ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا فکر وتخیل گردش کرنے لگا اوران حضرات نے ہندوستان کے ممتاز ترین علماء، مشائخ، اہل سیاست، ماہرین قانون اور مسلم دانشوروں کو جوڑ کر مسلم پرسنل لا بورڈ کی داغ بیل ڈالی، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے لیکر اپنی وفات تک بورڈ کے جنرل سکریٹری اور روح رواں رہے، ان کی اولوالعزمی، تنظیمی صلاحیت نے مسلم پرسنل لا بورڈ کو مسلمانوں کی سب سے باوقار اور متفقہ تنظیم بنادیا. مولانا مرحوم میں مختلف صلاحیت اور مزاج کے لوگوں کو جوڑ کر مفید کام لینے کی غیر معمولی صلاحیت تھی، اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور مخالف نقطۂ نظر کو پوری سنجیدگی اور متانت کے ساتھ سن کر اس کا تجزیہ کرنا مولانا مرحوم کے وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر وہ بڑے حساس اور نازک موقعوں پر بڑی کامیابی کے ساتھ گزر جاتے. مسلم پرسنل لا بورڈ کے پہلے صدر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور دوسرے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم ہیں، ان دونوں حضرات کو حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کے اخلاص اور اصابت رائے پر غیر معمولی اعتماد تھا، اس لیے بورڈ کا سارا علمی، تحریکی اور تنظیمی کام مولانا رحمانی مرحوم کے حوالہ تھا، مختلف مسلک، مختلف سیاسی نظریات اور مختلف طبقات اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے، ممتاز ترین افراد کو بورڈ کے پلیٹ فارم پر ایک ساتھ لے کر چلنا، بورڈ کے اجتماعات کو اختلاف وانتشار سے بچاتے ہوئے نتیجہ خیز بنانا۔ مولانا رحمانی مرحوم کا وہ عظیم کارنامہ ہے، جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ایمرجنسی کے دور میں مولانا مرحوم کی خدمات

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی جرأت وعزیمت کا ناقابل فراموش واقعہ ایمرجنسی کے زمانہ میں ان کا کردار ہے، اندرا گاندھی کے دور حکومت میں پورے جبر واستبداد کے ساتھ جبری نسبندی کا پروگرام پورے ملک میں روبہ عمل لایا گیا۔ مسلمان چونکہ نسبندی سے متنفر وگریزاں تھے۔ اس لیے حکومتی پیمانہ پر علماء پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ لوگ فیملی پلاننگ (نسبندی) کے جواز کا فتویٰ دیں، ہندوستان کے تمام باشندوں خصوصًا ممتاز علماء اور اصحاب افتاء کے لیے سخت آزمائشی دور شروع ہوگیا۔ حکومت کی ترغیب وترہیب سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے جواز کا فتویٰ بھی دے ڈالا، اکثر حضرات نے خاموشی کا رویہ اختیار کیا، ایمرجنسی کے نفاذ سے پورے ملک میں خوف وہراس کا ماحول پیدا ہوگیا۔ اور اچھے اچھے جری اور باہمت لوگوں کے لیے اپنی رائے کا اظہار مشکل ہوگیا، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مرحوم نے ایسے نازک دور میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے اور اپنی شخصی حیثیت سے بھی حق وصداقت کا برملا اظہار کیا انہوں نے اپنے کو خطرے میں ڈال کر شرعی مسئلہ کا بار بار اظہار واعلان کیا بیانات جاری کیے۔ اور بکثرت کتابچے شائع کیے، حکومت کی غضب آلود نگاہیں صداقت وعزیمت کی راہ سے انہیں روک نہ سکیں، ایمرجنسی کے زمانہ میں مولانا رحمانی مرحوم کے رویہ نے مسلمانوں میں عزم وہمت پیدا کی، ملت اسلامیہ ہندیہ کو نیا حوصلہ بخشا، اور ہندگیر پیمانہ پر مولانا کی شہرت وعظمت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

شاہ بانو کیس اور مطلقہ بل

شاہ بانو کیس کے بعد پارلیمنٹ سے تحفظ حقوق مطلقہ بل کی منظوری مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کا ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے، سپریم کورٹ کی آئینی بنچ کی طرف سے شاہ بانو کیس کا فیصلہ کیے جانے کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بجا طور پر اس فیصلہ کے عظیم نقصانات اور دوررس اثرات کا اندازہ لگایا۔ شاہ بانو کیس کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ نہ صرف یہ کہ ہندوستانی عدالتوں کے لیے مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے مستقل نظیر بننے والا تھا بلکہ اس نے ہندوستانی عدالتوں کے لیے

اسلامی قوانین کی من مانی تشریح کا دروازہ کھول دیا تھا، سپریم کورٹ کے اس فیصلہ میں پوری ڈھٹائی کے
ساتھ قرآنی آیات کی من مانی تشریح کی گئی تھی، اور اس سے آگے بڑھ کر حکومت ہند کو یکساں سول کوڈ
نافذ کرنے کا مشورہ اور ہدایت دی گئی تھی، مسلم پرسنل لاء بورڈ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
دامت برکاتہم صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جنرل سیکریٹری
مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رہنمائی میں پورے ملک میں شاہ بانو کیس کے فیصلہ کے خلاف پرامن تحریک
منظم کی، بورڈ کی قیادت نے پوری حکمت عملی اور بیدار مغزی سے اس تحریک کو طالع آزما سیاسی رہنماؤں
کے استحصال سے بچالیا۔ تحفظ شریعت کی یہ تحریک اتنی باوقار، سنجیدہ اور نتیجہ خیز رہی کہ حکومت ہند
کو شاہ بانو کیس کے فیصلہ کے اثرات کو مٹانے کے لیے پارلیمنٹ میں قانون سازی پر غور کرنا پڑا، بورڈ کے
ذمہ داروں نے وزیر اعظم اور حکومت کے اعلیٰ ذمہ داروں کے سامنے پوری علمی اور قانونی تیاری کے ساتھ
اپنے مطالبات رکھے، قومی پریس اور ہندو تنظیموں کی پوری مخالفت کے باوجود حکومت اس پر آمادہ ہوگئی
کہ وہ شاہ بانو کیس کے فیصلہ کو دفن کرنے اور مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے تحفظ حقوق مطلقہ بل پارلیمنٹ
سے منظور کرائے، تحفظ شریعت تحریک کو منظم کرنے، اسے نتیجہ خیز بنانے اور حکومت وقت کو مسلمانوں کے
جذبات کی مقبولیت کا قائل کرا کے مطلقہ بل منظور کرانے میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کا سب سے
نمایاں حصہ ہے۔ ہندوستانی پارلیمنٹ سے مطلقہ بل کی منظوری تقسیم کے بعد اسلامیان ہند کی تاریخ
کا ایک درخشاں باب ہے تحفظ شریعت تحریک میں کامیابی سے مسلمانوں کے عزم اور حوصلہ میں اضافہ
ہوا۔ ان کے سامنے اپنے مسائل کے لیے جد وجہد کا نیا راستہ کھلا۔

بابری مسجد کے مسئلے میں مولانا رحمانی مرحوم کا کارنامہ

بابری مسجد کے بارے میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا فیصلہ مولانا مرحوم کی زندگی کا اہم ترین آخری
کارنامہ ہے، بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک بعض اسباب کی بنا پر مسلم پرسنل لاء بورڈ نے خود اپنے
ہاتھوں میں نہیں لی، بابری مسجد ایکشن کمیٹی اور بابری مسجد رابطہ کمیٹی اس کام کے لیے آگے بڑھیں۔
ان کمیٹیوں کے طریقہ کار اور بعض اقدامات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان
کمیٹیوں کی کوششوں سے بابری مسجد کا مسئلہ ہندگیر بلکہ عالمگیر مسئلہ بن گیا۔ اس لیے ان کی کوششوں

کو کلی طور سے نظر انداز کر کے حالات کی خرابی کی ساری ذمہ داری انہیں لوگوں پر تھوپنا انصاف کی بات نہیں ہے، بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک لیکر جو لوگ اٹھے تھے۔ ان میں بعض علماء بھی شامل تھے۔ لیکن تحریک کی اصل قیادت غیر علماء کے ہاتھوں میں تھی، دوسری طرف اس تحریک کے قائدین میں خود اختلافات پیدا ہو گئے، جس کے نتیجہ میں یہ تحریک دو دھڑوں میں بٹ گئی، ان حالات کی وجہ سے مخالف طاقتوں نے چاہا کہ خود مسلمانوں میں بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک کے بارے میں شدید اختلافات پیدا کر دیئے جائیں، اور اس مسئلہ کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقات میں ایسی دراڑ پیدا کر دی جائے جو اس تحریک کو سرے سے بے جان بنا دے، اور مسلمان باہمی اختلاف کے بھنور میں پھنس کر چار و ناچار خود بابری مسجد حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں، اخبارات میں مراسلات اور مضامین آنا شروع ہو گئے کہ بابری مسجد کا مسئلہ علماء حل کریں کیوں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے اور اسے علماءٔ ہی حل کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے آواز بلند کی کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ بابری مسجد ایکشن کمیٹی وغیرہ کو بے دخل کر کے یہ مسئلہ اپنے ہاتھوں میں لے اور شاہ بانو کیس کی طرح اس کو بھی حل کرے، ہر روز بابری مسجد کے بارے میں نئی تجویزیں آنے لگیں اور جو لوگ بابری مسجد کا کیس عدالت اور عوام میں لڑ رہے تھے ان کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کرنے کی مہم تیز ہو گئی، قومی آواز لکھنؤ اس قسم کے مراسلے، مضامین اور تجاویز شائع کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس نے پوری فراخ دلی کے ساتھ اپنے صفحات اظہار رائے کے لیے وقف کر دیئے، اس پوری مہم کا اصل مقصد علماء، اور غیر علماء، کے درمیان بے اعتمادی کی فضاء پیدا کرنا تھا، اور یہ کوشش تھی کہ خود مسلمانوں کے مختلف طبقات، تنظیموں اور افراد کو آپس میں ٹکرا کر خود مسلمانوں میں غیر معمولی انتشار پیدا کر دیا جائے، بعض فقہی کتابوں کے حوالہ سے جزئیات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ بابری مسجد منتقل کی جا سکتی ہے غرضکہ عجیب افراتفری اور انتشار خیالات کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے پیہم مطالبہ پر ۳۰ دسمبر ۱۹۹۰ء کو دہلی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں بابری مسجد ایکشن کمیٹی، رابطہ کمیٹی کے اہم ذمہ داران واراکین اور مختلف مکاتب فکر کے علماء، اور قائدین ملت کو بھی شریک کیا گیا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس نے نہ صرف یہ کہ بابری

مسجد اور ملحقہ قبرستان کے بارے میں شرعی موقف کی وضاحت کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس وقت کے مضطرب حالات میں مسلمانوں کو حوصلہ افزا پیغام دیا۔ اور حکومت ہند کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلائیں، مجلس عاملہ کی یہ قرار دادیں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی تیار کردہ ہیں۔ بورڈ کی اس اجلاس کے ذریعہ مولانا مرحوم نے بابری مسجد کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی گھناؤنی سازش کو ناکام بنا دیا۔ اور بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک چلانے والے مختلف دھڑوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی، چنانچہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس نے مسلمانان ہند کو جو پیغام دیا اس کا ایک جز، یہ تھا۔

"اس تنازعہ کے حل اور بابری مسجد کے تحفظ کے لیے مختلف حلقوں، افراد، اور بالخصوص رابطہ کمیٹی اور ایکشن کمیٹی نے جو کوششیں کی ہیں، وہ قابل قدر ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کمیٹیوں کی کوششیں باہم اتنی مربوط ہوں کہ ان میں اتحادِ مقصد کے ساتھ اتحادِ عمل پیدا ہو سکے" مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۰ء کے اجلاس میں بابری مسجد کے بارے میں جو قرار دادیں منظور کی ہیں وہ مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی مذہبی وسیاسی بصیرت، دوراندیشی اور ذکاوت کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی قرار دادوں نے شک وشبہ اور بے اعتمادی کے ماحول کو ختم کیا۔ مسلمانوں کو بابری مسجد کے مسئلہ میں ایک موقف پر متحد کر دیا، علماء، غیر علماء ایکشن کمیٹی اور بورڈ کی کشمکش کا خاتمہ کر دیا۔

مولانا رحمانی مرحوم کا پیغام

بابری مسجد کا مسئلہ بیک وقت مختلف حیثیتوں کا حامل ہے۔ یہ مسئلہ بیک وقت مذہبی، سیاسی اور قانونی ہے، اس لیے مسلمان بابری مسجد کے محاذ پر اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جب ان کے علماء، اصحاب افتاء، ماہرین قانون اور سیاست داں پورے اخلاص واتحاد کے ساتھ اس محاذ پر اپنی توانائیاں صرف کریں، مسلمانوں کا کوئی طبقہ خواہ علماء کا ہو یا ماہرین قانون کا یا سیاست دانوں کا اگر اس مسئلہ کو دوسرے طبقوں سے بے نیاز ہو کر تنہا حل کرنا چاہے گا تو اسے ذلت آمیز ناکامی

ہوگی ، اور غیر محسوس طور پر سازش اور دھوکہ کا شکار ہو جائے گا، جو مسئلہ مختلف حیثیتیں رکھتا ہو اسے حل کرنے کے لیے مختلف صلاحیت کے افراد درکار ہوتے ہیں، مولانا منت اللہ مرحوم نے مسلم پرسنل لاٴ بورڈ کی قراردادوں کے ذریعہ دراصل اس مسئلہ میں امت کے مختلف طبقوں اور حلقوں کو جوڑنا چاہا، انہوں نے بورڈ کی قراردادوں کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ بابری مسجد کے تحفظ کی تحریک چلانے والے اپنی ذاتی رنجشوں اور رجحانات کو پس پشت ڈال کر متحدہ مقصد کے لیے عمل اور طریقۂ کار میں اتحاد پیدا کریں، تبھی انہیں کامیابی حاصل ہوگی ، بابری مسجد کا مسئلہ اب زیادہ نازک مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے، خدا کرے مسلم قائدین مولانا رحمانی مرحوم کے پیغام کی لاج رکھتے ہوئے پوری بیدار مغزی اور اتحاد کے ساتھ یہ محاذ سر کریں۔ مجلسِ عاملہ مسلم پرسنل لاٴ بورڈ کے اجلاس دہلی منعقدہ ۲ر دسمبر ۱۹۹۰ء کے بعد بھی حکومتی حلقوں کی طرف سے بابری مسجد کے بارے میں مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششیں ہوئیں۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم زندگی کے آخری لمحہ تک ہر ایسی کوشش کو ناکام بنانے میں لگے رہے اللہ تعالیٰ انہیں اس اہم کارنامہ پر جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

بعض خصوصیات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت مولانا کی تشریف آوری بار بار ہوا کرتی تھی، مجلسِ منتظمہ کی میٹنگ ہو یا بورڈ کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہو یا کوئی اور اہم پروگرام ہر ایک میں مولانا پابندی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ بسا اوقات کئی کئی روز قیام فرماتے، اور ان کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا تھا۔ یہ بات صاف طور پر محسوس ہوتی کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم انتہائی ضعف، پیری اور مختلف اعذار و امراض کے باوجود نماز باجماعت اور معمولات کے بہت پابند تھے، مولانا مرحوم کی قیام گاہ سے مسجد کا فاصلہ ان کے ضعف و پیری کے حساب سے اچھا خاصا تھا۔ سفر مرض اور ضعف جیسے متعدد اعذار مولانا کو لاحق تھے، پھر بھی پابندی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں پہونچ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔

مجلسِ عاملہ مسلم پرسنل لاٴ بورڈ کے مختلف اجلاسوں میں حضرت مولانا رحمانی مرحوم کی موجودگی

میں شریک ہونے کا موقع ملا، نجی محفلوں میں گفتگو اور تبادلۂ خیالات کا بھی بار بار شرف حاصل ہوا، میں نے محسوس کیا کہ مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم ہر شخص کی بات خواہ وہ کتنا ہی خورد ہو پوری توجہ کے ساتھ سنتے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگوں میں اول سے آخر تک اپنے ضعف و پیری کے باوجود جم کر بیٹھتے، ہر ایک کی بات پورے غور و توجہ سے سنتے، اور اپنی رائے پوری قوت کے ساتھ پیش کرتے، مخالف نقطۂ نظر کو سننے اور سمجھنے کی ان میں بڑی صلاحیت تھی، اچھی اور معقول رائے خواہ کسی کی طرف سے پیش کی گئی ہو قبول کرنے میں بہت فراخدل تھے، لیکن کسی کی رائے اور شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، کمزور بات خواہ کتنے زور سے کہی جائے، اور کتنے مدلل انداز میں پیش کی جائے مولانا کا ذہن اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اور بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار مولانا مرحوم کا خصوصی وصف تھا، ان کی وفات سے امت مسلمہ ہندیہ بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئی، مسلمانان ہند کی زندگی میں جب بھی کوئی نازک موقع اور نیا موڑ آئے گا مولانا مرحوم کی شخصیت بے اختیار یاد آئے گی، موصوف ہندوستان کے دینی و ملی قیادت کی آخری کڑی تھے، تحریک آزادی کے دور میں اور آزادی کے دورِ اول میں مسلم دینی قائدین کی جو نسل ابھر کر سامنے آئی تھی، مولانا اس کے ایک اہم فرد تھے، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کو ان کی وفات سے بہت زبردست دھچکا لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں اداروں کی حفاظت کرے اور صحیح طریقہ پر مسلمانان ہند کی رہنمائی کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، درجات بلند فرمائے۔

⁂

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی

ایک باوقار عالم ایک مخلص رہنما

حضرت مولانا شفیق الرحمٰن ندوی، استاذ ادب و فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے انتقال سے بیک وقت کئی چند اداس اور متعدد مسندیں سونی ہوگئیں۔ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے کل ہند جنرل سکریٹری تھے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قابل احترام امیر تھے، خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین تھے، اور جامعہ رحمانی مونگیر کے بانی روح رواں اور سربراہ تھے۔ اور پتہ نہیں ان کے علاوہ کتنے اداروں اور کتنی تنظیموں کو ان کی صاحب بصیرت شخصیت سے رہنمائی اور توانائی مل رہی ہوگی ان کی وفات کے نتیجے میں یہ سارے ادارے ان کی سرگرم قیادت اور پرعزم رہنمائی سے محروم ہوگئے

سیف الدولہ کے عم زاد، برادر نسبتی اور عباسی دور کے مشہور شاعر ابو فراس ہمدانی م ۳۵۷ھ کا ایک مصرع ہے۔

"وَفِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ يُفْتَقَدُ الْبَدْرُ" (شب تاریک ہی میں ماہ کامل کی کمی محسوس ہوتی ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے) شاعر کا مقصد گو اپنی اہمیت کا احساس دلانا ہے لیکن اس مصرع میں اس نے ایک روشن حقیقت کا اظہار کیا ہے، اس مصرع کی معنویت مولانا رحمانی کی وفات کے روز اچھی طرح سمجھ میں آئی، مولانا حیات تھے تو ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا۔ وفات کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا کی ذات میں ایک قد آور شخصیت تھی جو روپوش ہوگئی، جیسے کوئی تیز روشنی اپنے اردگرد پورے ماحول کو منور کر رہی ہو، اچانک ایک تیز جھونکا آئے اور وہ گل ہو جائے۔

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی ایک عظیم والد (مولانا سید محمد علی مونگیری) کے لائق فرزند تھے، انہیں دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند دونوں دبستانوں سے خوشہ چینی کا موقع ملا۔ ان چیزوں نے ان کی زندگی میں جلا بخشی اور اسے وقار عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی دینی و علمی شخصیت تیزی سے ابھرنے لگی، ۱۹۴۵ء میں جامعہ رحمانی کی داغ بیل ڈالی، مختلف تحریکوں اور تنظیموں میں قائدانہ حصہ لیا۔ صدی کی پانچویں دہائی میں بہار کے ممتاز دینی رہنماؤں میں ان کا شمار ہونے لگا تھا چنانچہ تیسرے امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین صاحب کی وفات کے بعد اس اہم منصب کے لئے علماء بہار کی نظریں مولانا رحمانی پر پڑیں، اور ۵؍ مارچ ۱۹۵۷ء کو علماء کے ایک

نمائندہ اجتماع میں آپ امیر شریعت رابع منتخب کرلئے گئے۔

سال کے مختلف موسم اپنے اندر الگ الگ اثرات اور خاصیتیں رکھتے ہیں، موسم کے تغیر کا اثر فضا، انسان اور نباتات پر پڑنا طبعی ہوتا ہے اسی طرح قیادت کی تبدیلی کا اثر اداروں، تنظیموں اور تحریکوں پر مرتب ہونا فطری ہوتا ہے۔ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا قیام ۱۹۲۱ء میں عمل میں آیا، قیادت اور سربراہی کا مسئلہ یوں آسانی سے حل ہوگیا کہ اس کے اصل روح رواں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے اول روز سے ایثار و قربانی کی راہ اپنائی۔ اپنے لئے قائد کے خادم کا منصب پسند کیا اور پوری زندگی اسی پر کاربند رہے، ان کے علاوہ صوبہ بہار میں دو ایسی شخصیتیں تھیں جن سے اس عہدۂ جلیل کی قدر و منزلت دوبالا ہوسکتی تھی۔ ایک خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین مولانا سید شاہ محمد بدرالدین کا نام نامی اس منصب جلیل کے لئے تجویز کردی۔ اس طرح امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے قیام کا مرحلہ بآسانی طے ہوگیا امیر شریعت اول کے بعد ان کے فرزند مولانا سید شاہ محمد محی الدین صاحب منتخب ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے برادر مولانا سید شاہ محمد فخرالدین صاحب نے اس عہدہ کو زینت بخشا، یہ تینوں حضرات ایک ہی خانوادہ کے تھے اس لئے قیادت کی تبدیلی ایک معمول کی چیز معلوم ہوئی، دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ہی قیادت کا امتداد تھا لیکن چوتھے امیر شریعت کے انتخاب کا معاملہ دوسرا تھا یہاں قیادت کے ساتھ ہی ساتھ مرکز اور خانوادے کی تبدیلی بھی تھی۔

اسباب جو بھی ہوں، نظر یہی آیا کہ قیادت کی تبدیلی کے ساتھ خزاں کا عمل شروع ہوگیا۔ پرانے کارکن ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ امارت شرعیہ کے بہی خواہ اس اندیشہ میں مبتلا نظر آنے لگے کہ خدانخواستہ کہیں یہ چراغ ہی گل نہ ہوجائے جس کی ضوفشانیوں پر اہل بہار کو بجا طور سے فخر و ناز ہے۔ خیریہ گذری کہ یہ عرصہ طویل نہیں ہوا، مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی صاحب بصیرت اور باتدبیر قیادت نے جلد حالات پر قابو پالیا اور اس کی رفتار میں فرق نہیں آنے دیا۔ خانقاہ مجیبیہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک نوزائیدہ پودے کی جڑیں مضبوط کیں، استحکام بخشا اور اپنے انفاس قدسیہ کے ذریعہ اس کے اندر توانائی بخشی۔ اور اسے برگ و بار لانے کے قابل بنایا، تو چوتھے امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی نے اس کو تناور اور شربار بنایا، امارت کے دفاتر کو پھلواری شریف کی تنگ گلیوں اور بوسیدہ کمروں سے نکال کر شاہراہ پر پختہ عمارت میں پہنچادیا۔ امارت شرعیہ کے بانی اور روح رواں مولانا سجاد صاحب کے نام نامی سے منسوب ایک معیاری ہسپتال قائم کردیا۔ پہلے صرف ایک مرکزی دارالقضا تھا۔ اہل حاجت کو دور دراز علاقوں سے سفر کرکے آنا پڑتا تھا اب صوبہ کے متعدد اضلاع میں دارالقضا قائم ہوچکے ہیں، یہ فیض صرف صوبہ بہار تک محدود نہ رہا۔ ملک کے متعدد صوبوں میں اسکی کرنیں پہنچی ہیں اور وہاں بھی شرعی قضا کا نظام شروع ہوچکا ہے بلاشبہ اسے فیض رحمانی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

آزادی کے بعد فرقہ وارانہ فسادات اور ریلیف کا کام دونوں لازم ملزوم سے ہوگئے ہیں۔ صرف ذات کے نام پر یکطرفہ قتل وغارت گری کا بازار سرد پڑ رہا ہے اور نہ ریلیف کے کام سے فرصت مل رہی ہے ایک زخم مندمل نہیں ہوتا کہ دوسرا گھاؤ کھل جاتا

ہے مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی رہنمائی میں امارت شرعیہ نے ریلیف کے میدان میں بھی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں صرف صوبہ بہار ہی میں نہیں ملیانہ، ہاشم پورہ اور دوسرے علاقوں میں بھی۔ امارت کے ذریعہ ہزاروں گھروں کی باز آبادکاری کا کام ہوا ہے۔ غرض دور رحمانی میں امارت کی خدمات کا حلقہ وسیع ہوا ہے ممکن ہے امارت شروع میں مولانا رحمانی کے تعارف کا ذریعہ بنی ہو۔ جلد ہی وہ وقت آگیا جب مولانا کی قدآور شخصیت امارت شرعیہ کی شہرت اور اس کے اعتبار و وقار کا وسیلہ بن گئی۔ امارت کے تئیں مولانا رحمانی کے کارناموں کا تذکرہ نامکمل رہے گا جب تک ان کی مردم شناسی کا تذکرہ نہ آجائے۔ ہمارے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ قضاء کے لئے مولانا محمد مجاہد الاسلام صاحب قاسمی اور نظامت کے لئے مولانا سید محمد نظام الدین صاحب قاسمی کا انتخاب ہے یہ دونوں حضرات حضرت امیر شریعت کے قابل اعتماد دست و بازو ثابت ہوئے۔ خاکہ مولانا رحمانی نے تیار کیا۔ اس میں رنگ بھرنے کی ذمہ داری ان دونوں حضرات نے نبھائی۔ یہ دونوں جب تک امارت سے وابستہ ہیں توقع یہی ہے کہ مولانا رحمانی کا فیض جاری رہے گا۔

آزادی کے نتیجے میں کانگریس پارٹی کی حکومت قائم ہوئی۔ آزادی کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کی بنا پر یہ پارٹی بجا طور سے اس اعزاز کی مستحق تھی۔ کانگریس نے جمہوریت اور سیکولرزم کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ ممکن ہے سیکولرزم کی تئیں بعض لیڈروں کا ذہن صاف ہو۔ ہر کانگریس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا میرے خیال سے حقیقت حال کی صحیح ترجمانی نہیں ہوگی۔ مبہم و متضاد بیانات اور مشکوک رویے نے مسلمانوں کو اپنے مذہب، ثقافت اور عائلی قوانین کے تحفظ کے بارے میں کبھی مطمئن ہونے کا موقع نہیں دیا۔ پارلیمنٹ میں متبنّیٰ بل کی پیش اور منظوری نے خطرات کی سنگینی کو اور بڑھایا۔ کل تک جس کا اندیشہ تھا وہ حقیقت کی روپ دھار رہا تھا۔ اس صورت حال نے عقیدے اور مسلک کے اختلاف کے باوجود تمام مکاتب فکر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور مشترکہ جدوجہد کی اہمیت میں اضافہ کر دیا کہ جب جڑوں پر تیشے چل رہے ہوں تو شاخوں اور پتیوں کی شادابی کب تک؟ ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام دراصل اسی احساس کا عملی نتیجہ تھا بورڈ کے پہلے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب منتخب ہوئے۔ قاری صاحب اپنی بزرگی، عوامی مقبولیت اور دل آویز شخصیت کی وجہ سے اس کے بجا طور سے مستحق تھے۔ بورڈ کے جنرل سکریٹری کے لئے لوگوں کی نگاہیں مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی پر مرکوز ہوگئیں اور وہ تاحیات بورڈ کے جنرل سکریٹری رہے۔ انھوں نے سرگرم، پرعزم اور جرأت مندانہ قیادت کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ علماء امت نے ان پر غلط اعتماد نہیں کیا تھا۔ اپنے تعزیتی خط میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی دامت برکاتہم کا یہ تحریر فرمانا کہ مولانا بورڈ کے بانی اور روح رواں تھے محض شدت تاثر کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک حقیقت پسندانہ اعتراف ہے۔

بورڈ کے قیام کا مقصد اسلامی ثقافت، عائلی قوانین اور اسلام سے متصادم سرگرمیوں کا جائزہ لینا اور اس کے تدارک کی کوشش کرنا تھا زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ بورڈ کو سنگین آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ ایمرجنسی کی چھتری میں جبری نسبندی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمان اس ظالمانہ کارروائی کا خاص نشانہ تھے۔ ایمرجنسی کی وجہ سے اس جبری کارروائی کے خلاف زبان کھولنا اپنے آپ کو قید و بند

کی صعوبتوں کے لئے پیش کرنا تھا۔ اس موقع پر بورڈ نے جرأت مندانہ قدم اٹھایا اور جبری نسبندی کے خلاف متفقہ فیصلہ کیا اور اسے غلط اور ناروا قرار دیا، بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مولانا رحمانی نے واضح بیان دیا۔ اس کے خلاف کتابچہ شائع کیا۔ جرأت مندانہ موقف کی وجہ سے مولانا کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ کل تک جو لوگ نکتہ چین تھے اب مداح بن گئے۔

شاہ بانو کیس میں ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کا فیصلہ اسلام کے عائلی قانون سے متصادم گیا۔ عربی سے نابلند ہونے کے باوجود چیف جسٹس نے سکنڈ ہینڈ معلومات کی بنا پر قرآنی آیات کی من مانی تشریح کی، یہ دراصل مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا امتحان تھا۔ ہندوستانی مسلمان اس امتحان میں کامیاب اترے مسلم پرسنل لا بورڈ نے فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ پوری قوم نے اس آواز میں اپنی آواز ملائی، بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی اور جنرل سکریٹری جناب مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی ہوش مندانہ قیادت میں فیصلہ کے خلاف تحریک چلی۔ ان دونوں بزرگوں نے تحریک کو سیاست اور سیاست والوں کے چنگل میں جانے سے بچایا، ان کی یہ ہوش مندی کامیابی کا ضامن بنی۔ مسلم مطلقہ بل اپنی بعض کمزوریوں کے باوجود ان دونوں کا ایسا روشن کارنامہ ہے جو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جلی حروف سے لکھا جائے گا۔

عائلی قوانین کو دفعہ وار مرتب کرانا مولانا رحمانی کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ مولانا نے پہلے مقامی علماء اور ماہرین قانون کی مدد سے اس کا خاکہ تیار کرایا۔ اسے ہندوستان کی معتبر دینی شخصیتوں، ماہرین فقہ اور مشہور دینی اداروں کو بھیجوایا۔ ماہرین فقہ کی رائیں طلب کیں۔ بعد میں چیدہ علماء کرام اور ماہرین فقہ کو خانقاہ رحمانی میں آنے کی دعوت دی۔ وقفہ وقفہ سے اس کے متعدد اجلاس ہوئے۔ ہر مرتبہ طویل نشستیں ہوئیں۔ ایک ایک دفعہ پر بحث ہوتی۔ مراجع سے رجوع کیا جاتا ہر طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ دفعہ تحریر کی جاتی مولانا کی دلچسپی، اور اس کام سے ان کے شغف کا یہ عالم تھا کہ از ابتداء تا انتہاء ہر نشست اور ہر اجلاس میں بنفس نفیس شریک ہوتے۔ بحث و مناقشہ میں عملی حصہ لیتے۔ مراجعت کا کام غالباً اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ بورڈ کے سامنے پیش کرکے تصدیق کرانے کا کام باقی تھا۔ اس کے بعد یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہوتا۔ پھر ماہرین قوانین کا تعاون حاصل کیا جاتا جو اس مجموعے کو انگریزی کے قالب میں ڈھالتے اور قانونی شکل دینے کے لئے حکومت کو پیش کیا جاتا۔ لیکن قضاء و قدر کے فیصلے ہر فیصلے پر غالب آئے۔ مولانا کی شدید خواہش کے باوجود ان کی زندگی میں قوانین کا یہ مجموعہ طبع نہ ہو سکا۔ لیکن خبروں کے مطابق اس کا بڑا مرحلہ طے ہو چکا ہے۔ توقع کرنی چاہئے کہ ان کے جانشین اور بورڈ کے دوسرے ذمہ دار اس مجموعہ کی اشاعت کو اولین ترجیح دیں گے۔ یہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کا ایک عظیم کارنامہ ہے اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بھی۔

مولانا ایک ملی رہنما اور ایک دینی قائد کے ساتھ ہی ایک پیر طریقت بھی تھے۔ امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہمہ جہت معروفیات کے پہلو بہ پہلو اصلاح و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس ضمن میں ان کے اسفار بھی ہوتے تھے مولانا خانقاہ رحمانی

مونگیر میں مقیم ہوتے تو طالبین کی آمد و رفت کا تسلسل قائم رہتا۔ ان کے مسترشدین اور دست گرفتہ افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ صوبہ کے اندر بھی اور صوبہ کے باہر بھی مختلف میدانوں میں مولانا کی ضو فگن شخصیت ضیاء پاشیاں کر رہی تھی کہ وہ لمحہ آگیا جس سے کسی جاندار اور کسی انسان کو مفر نہیں علم اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ اور قحط الرجال کے اس زمانے میں ایسا خلا چھوڑ گیا جس کا پر ہونا بظاہر دشوار نظر آتا ہے۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

٭٭٭

کچھ یادیں چند باتیں

مولانا محمد علاؤ الدین ندوی، بیپر الطیف ـــــ ضلع کھگڑیا، بہار۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات ⁂ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

نگاہ جب ماضی اور عمر رفتہ کی جانب دوڑاتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ زیب سجادہ خانقاہ رحمانی سے شرف زیارت ۱۹۵۰ء میں حاصل ہوا تھا اور باضابطہ تعارف و جان پہچان کی سعادت ۱۹۵۳ء میں میسر آئی۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۵۹ء سے ستمبر ۱۹۷۴ء تک ان کے زیر سایہ و سر پرستی جامعہ رحمانی میں تدریس کی بری بھلی خدمات انجام دینے کا زریں موقع ملا۔ اس دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفی کاموں میں بھی حسب ہدایت کام کرنے کی توفیق ملی، پھر کچھ گھریلو مجبوریوں اور پریشانیوں کے سبب جامعہ رحمانی سے پندرہ سالہ تعلق منقطع کرنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن الحمد للہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نیازمندی کا رشتہ و تعلق برابر قائم رہا۔ اور آپ بھی اس عاجز و ناکارہ کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ فرماتے رہے۔ جب کبھی مونگیر جاتا ہوتا تو قدمبوسی کے لئے حاضر ہونا اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتا۔ اور خیال آتا ہے کہ دو بار حضرت نے بھی اس عرصہ میں اس فقیر بے نوا کے غربت کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمدوش ثریا فرمایا۔ ستمبر یا اکتوبر ۱۹۸۶ء میں گرامی نامہ کے ساتھ آدمی بھیجکر بلوایا۔ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر میں میری تقرری فرمادی۔ میں بے چوں چرا حکم بجالایا اور اسی میں میں نے اپنی فلاح و سعادت سمجھی۔ الحمد للہ کہ اسی بہانہ حق تعالیٰ نے مجھے ان کی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے قریب رہنے کا موقع عنایت فرمایا۔ اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھتا ہوں تو یہ پوری مدت چالیس برسوں پر محیط نظر آتی ہے۔

اس طویل عرصہ میں ہر طرح کی چیزیں دیکھنے میں آئیں اور مختلف پہلوؤں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ ان کی شخصیت اور ان کے طریقہ کار کو دیکھ کر جذبہ اصلاح نفس بھی بیدار ہوا اور ان کے زیر قدم رہ کر بہت سی ایسی باتیں سیکھنے اور اختیار کرنے کی بھی توفیق نصیب ہوئی جنہیں شاید کسی دوسری جگہ نہ سیکھ پاتا۔

مسرت وغم، فکر و تردد اور راحت و رنج اس عالم ناسوت کی لازمی چیزیں ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں کم و بیش ہر انسان کو ان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ ان میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ ان حالتوں سے کون کس طرح عہدہ برا ہوا اور کس نے ان موقعوں پر کیا طرز عمل اپنایا۔ حضرت امیر شریعت پر بھی اس طرح کے حالات گذرے لیکن ان نازک موقعوں پر جس ضبط و تحمل، فکر و تدبر اور عزم و ثبات کے ذریعہ ان کا مقابلہ فرمایا وہ بس ان کا ہی حصہ تھا اور بعد کے حالات نے یہ بات واضح کر دی کہ شیطان پریشان تو کر سکتا ہے، مار نہیں سکتا، اور غلبہ و فتح حق و صداقت کا مقدر اور شکست و مغلوبیت باطل کا حصہ ہے۔

لیکن ۲ اور ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ (۱۹ اور ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء) کی درمیانی شب میں جس طرح اچانک اور بالکل غیر متوقع طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا رشتۂ حیات اس عالم ناسوت سے منقطع ہوا اس کا کوئی اندیشہ و خدشہ بھی کسی کے دل و دماغ میں نہ تھا، یہ بات کیونکر سوچی جا سکتی تھی کہ جس شخص نے اپنی رحلت سے صرف دو گھنٹے پہلے اپنی مجلس میں بیٹھ کر حاضرین سے باتیں کی ہوں، انہیں چائے سے نوازا ہو، ایک بچے کی خواہش و درخواست پر اس سے پیر دبوائے ہوں اور پھر عشاء و تراویح کے لئے اٹھے ہی نہ ہوں بلکہ عشاء کے بعد چار رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کی ہوں اور بغیر کسی سہارے کے اپنے پیروں چل کر اپنی قیام گاہ گئے ہوں۔ یہ سارے کام زندگی کی آخری ساعت میں انجام پا رہے، اور قیام گاہ کی سمت اٹھنے والے یہ چند قدم آخری ہیں۔ اب آئندہ ان پیروں کو اس روئے زمین پر قدم اٹھانے اور بڑھانے کا موقع نہ مل سکے گا۔ گویا یہ قدم ظاہری طور پر تو کمرہ کی جانب بڑھ رہے تھے، مگر در حقیقت خانۂ خدا سے نکل کر دربار خداوندی میں حاضری کی غرض سے اسی جانب اٹھ اور بڑھ رہے تھے۔ ایسے ہی موقعوں پر خدا کی قدرت اور موت کی حقانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اسے مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ حق تعالیٰ نے جس کی زندگی جتنی مقرر فرمائی ہے اور موت کے لئے جو ساعت متعین کی ہے اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی زیادتی نہیں ہو سکتی وہ بغیر کسی ظاہری وجہ و سبب خالق کائنات کے حکم سے اپنے ٹھیک وقت پر آکر رہتی ہے۔

اس عظیم و روح فرسا سانحہ کا جس حد تک اثر حاضرین، متعلقین و متوسلین خانقاہ اور اہل شہر پر پڑا اور جس قدر اس سے سب متاثر ہوئے اس کے اظہار سے زبان و قلم دونوں عاجز و درماندہ ہیں۔ اس ناقابل یقین حادثہ کی خبر شہر میں آناً فاناً پھیل گئی اور رات کا کافی حصہ گذر جانے کے باوجود آنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور پھر یہ سلسلہ تدفین تک جاری رہا۔ نماز جنازہ میں اتنا بڑا مجمع شاید مونگیر کی تاریخ میں انفرادی و تاریخی تھا۔ قرب و جوار کے شہروں اور دیہاتوں کے علاوہ کلکتہ اور پٹنہ وغیرہ سے بھی لوگ آئے اور تجہیز و تدفین میں شریک ہوئے۔ برد اللہ مضجعہ و نور مرقدہ، و ادخل جنانہ۔

بلاشبہ حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کا وصال صرف اہالیان مونگیر یا صوبہ بہار کا ہی ناقابلِ تلافی نقصان نہیں، بلکہ ملت اسلامیہ ہندیہ کا ایسا عظیم نقصان ہے جس کی تلافی کی اس دور قحط الرجال میں بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگرچہ قدرت الٰہیہ سے کوئی شئی بعید نہیں۔ خاص طور پر موجودہ پر آشوب دور اور نازک حالات میں جبکہ ہر قدم پر ان کے وجود کی اہمیت تھی اور ملک و ملت کے لئے عظیم سہارا تھے اور یہ بات بلاخوف تردید و تامل کہی جاسکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو جن خوبیوں اور خصوصیتوں سے نوازا تھا، اس وقت کوئی ان کا ہم پلہ و نظیر نظر نہیں آتا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات ایسی نہ تھی کہ ان کے حالات زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں کو کسی مختصر مضمون کے اندر سمویا جاسکے۔ اس لئے کہ کسی ایسی شخصیت کے بارے میں جس کی پوری زندگی ملت کے مختلف النوع بے شمار کاموں اور خدمتوں میں گذری ہو اور جس کا سرمایۂ حیات جس نوع سے بھی ممکن ہو اصلاح امت اور فروغ ملت کے لئے فکری و عملی جد و جہد رہی ہو اسے کیوں کر اور کس طرح کسی مختصر تحریر کے احاطہ میں لایا جاسکتا ہے۔ جس ایک ہستی کے دنیا سے اٹھ جانے پر بیک وقت مسند بیعت و ارشاد سونی ہوگئی ہو، امارت شرعیہ اپنے تاریخ ساز امیر شریعت سے محروم ہوگئی ہو، جامعہ رحمانی و خانقاہ رحمانی سے اس کے معمار و مربی کا سایہ عاطفت ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا ہو اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اپنے بانی، مفکر، روح رواں اور جری و اولوالعزم جنرل سکریٹری سے محروم ہوگیا ہو، ایسی گوناگوں شخصیت و ہستی کے کارناموں کا متحمل یہ چند سطری مضمون ہو بھی کیسے سکتا ہے؟

ان کا فکر و تدبر، حزم و احتیاط، عزم و ثبات، جرأت و ہمت، حق گوئی و بے باکی، طرز گفتگو و طریقۂ استدلال معاملہ فہمی، قوت فیصلہ، فیصلہ کر لینے کے بعد اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اور بڑی سے بڑی صاحب وجاہت و

و ہر سر اقتدار ہستی کے سامنے کسی شائبہ مرعوبیت کے بغیر بلا جھجک آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بالکل برابری و ہمسری کے انداز میں گفتگو کرنا اور مخاطب کو قائل و لاجواب کرنا یہ وہ اہم خصوصیات تھیں جن کا اعتراف ملک کے بڑے بڑے رہنماؤں خاص کر ملی قائدین کو بھی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے وقف تھی اور ہمہ وقت اسی فکر میں غلطاں رہا کرتے جس کا مشاہدہ عاجز راقم کو بیس سالہ مدت کے دوران بارہا ہوا۔ خانقاہ رحمانی، جامعہ رحمانی، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سلسلہ میں آپ نے جس دل سوزی سے کام کیا اور ان کو جس منزل پر پہنچایا۔ آج یہ سب ادارے خود اپنی اپنی زبانوں سے اپنے معمار و مربی کے ثناخواں ہیں۔ ہر دیکھنے والا انہیں دیکھ کر خود بھی اندازہ کر سکتا ہے۔ ان کے علاوہ صوبہ کے ہی نہیں بیرون صوبہ کے بھی متعدد دینی ادارے اور مدرسے ایسے ہیں جو حضرت کی زیر نگرانی و رہنمائی بام ترقی پر پہنچے اور عروج کی منزلوں سے آشنا ہوئے۔ اور بفضلہ تعالیٰ حسن و کامیابی کے ساتھ یہ سب اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے قیام سے پہلے صوبہ بہار میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالقضاء کی داغ بیل ڈالی۔ اور جب حضرت موصوف کے ہی ہاتھوں امارت شرعیہ قائم ہوئی تو دارالقضاء کو اسی کا ایک شعبہ قرار دیدیا یہ دارالقضاء الحمدللہ اپنے یوم وجود سے آج تک قائم و باقی ہے۔ اور زیادہ وسیع پیمانہ پر باحسن وجوہ مسلسل اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ دارالقضاء اور امارت شرعیہ کے بانی کا اخلاص تھا کہ دارالقضاء کا وقار و مرتبہ عام مسلمانوں میں تو باوقعت رہا ہی، اس کی ضرورت اور اہمیت کو بھی سبھوں نے تسلیم کیا۔ سرکاری عدالتوں میں بھی اس کے فیصلوں کی تائید و تحسین کی گئی۔ لیکن یہ دارالقضاء صرف مرکزی دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف میں واقع ہونے کے سبب ضرورت مند وہاں جاکر اپنے مقدمات دائر کرتے اور پھر فیصلے حاصل کرتے، حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ نے عام مسلمانان صوبہ بہار کی پریشانیوں کا خیال کرتے ہوئے صوبہ کے مختلف مقامات و اضلاع میں جہاں اس کی سہولت میسر آئی دارالقضاء کی شاخیں کھولیں تاکہ لوگوں کو لمبے سفر کی صعوبتوں اور کثیر اخراجات سے بچایا جاسکے۔ اس دارالقضاء کی کارکردگی و افادیت اور اس کی شرعی حیثیت و ضرورت کو دیکھ کر ملک کے چند دوسرے صوبوں کے لوگوں کو بھی رہنمائی ملی اور ان کے اندر اس کا داعیہ پیدا ہوا کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں دارالقضاء قائم کریں۔ جب لوگوں نے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کام کے لئے تعاون کی درخواست کی تو آپ نے نہ صرف یہ کہ ان سے تعاون کا وعدہ فرمایا بلکہ عملی طور پر بھی ہر طرح سے ان کی مدد کی، مقرر کئے جانے والے قضاۃ اور قضاء سے دلچسپی رکھنے والے علماء کے لئے دار القضاء امارت شرعیہ میں تربیت قضاء و قضاۃ کا خصوصی اہتمام و انتظام فرمایا، تاکہ وہ علمی اور عملی دونوں طرح کی تربیت حاصل کر سکیں کہ یہ کام صرف یہیں بحسن و خوبی انجام پا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ پورے ملک میں ایسا کوئی ادارہ نہیں جہاں اتنے قدیم عرصہ سے اتنے وسیع پیمانہ پر باقاعدگی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی جارہی ہو۔ اور پھر جب دوسرے صوبوں میں دار القضاء قائم کئے جانے لگے تو آپ نے بنفس نفیس ایسے جلسوں میں شرکت بھی فرمائی اور لوگوں کے سامنے دار القضاء کی ضرورت، اہمیت اور اس کی شرعی حیثیت پر تقریریں بھی فرمائیں۔ الحمد للہ کہ بیرون صوبہ کے یہ دار القضاء ہر طرح کامیاب و مقبول ہیں اور مسلمانوں کی اچھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

میں اس وقت دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تابناک و درخشاں کارناموں کی تفصیل قلمبند کرنے نہیں جا رہا کہ یہ کام نہ آسان و مختصر ہے کہ اس مضمون میں ان کا احاطہ کیا جاسکے اور نہ یہ عاجز اس کا اہل کہ آپ کی حیاۃ جو سراپا جہد و عمل کا نمونہ تھی اسے کماحقہ سپرد قلم کر سکے۔ خانقاہ رحمانی، جامعہ رحمانی، امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ یہ سب آپ کی حیات مبارکہ کے ایسے جلی عنوانات ہیں کہ ان میں کا ہر عنوان مستقل تصانیف کا متقاضی ہے ——— ان چند سطروں کے ذریعہ تو میں چندان باتوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جنہیں میں نے اپنے بیس سالہ قیام جامعہ و خانقاہ کے دوران دیکھا اور محسوس کیا۔

۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۴ء تک کی پندرہ سالہ جامعہ رحمانی سے طویل وابستگی اور حضرت کے قدموں میں رہنے کے دوران تقریباً ہر روز اس کا مشاہدہ ہوتا کہ آپ اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے، انہیں باصلاحیت بنانے اور ان کی رہنمائی کے لئے کس طرح کوشاں رہتے اور کس کس طریقہ و انداز سے انہیں سمجھاتے، سمجھانے کا انداز بھی ایسا ہوتا کہ نہ مخاطب کو بار گذرتا اور نہ اس میں وہ اپنی سبکی محسوس کرتا۔

اس طویل مدت میں متعدد ایسے واقعات و حادثات پیش آئے جن کے سبب عام لوگ تو عام ہی ہوتے ہیں بہت سے مخصوصین اور باہمت لوگوں کے لئے بھی جوش و جذبات میں بہہ جانا کچھ مستبعد نہ تھا، لیکن ان مواقع پر جس جرأت اور بے مثال حزم و ہمت کا مظاہرہ انہوں نے فرمایا اور جس پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا وہ ان کا ہی حصہ تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خصوصیت کے ساتھ ہدف بنا کر اخبار

میں سلسلہ مضامین شروع کیا گیا۔ ذیل میں اس عاجز راقم کے علاوہ ہمارے چند اور ساتھیوں کو بھی گھسیٹا گیا تھا میں نے مضمون دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت کیا ہمارے قلموں میں روشنائی نہیں، یا ہمارے پاس کاغذ کی کمی ہے۔ یا ہمیں اتنا بھی لکھنے کا شعور نہیں کہ ان باتوں کا مسکت جواب دے سکیں، جوانی کا عالم تھا اور میں جوش و جذبات میں تقریباً ان ہی الفاظ میں یہ باتیں کہہ گیا۔ میرے یہ جملے نہایت ہی پرسکون طور پر سننے کے بعد پوری متانت اور سنجیدگی سے دریافت فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے، تم نے جواب لکھا تو اس کے بعد کیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر ان کے اندر حیا و شرم نام کی کوئی چیز ہوگی تو خاموشی اختیار کر لیں گے، ورنہ جواب دیں گے۔ پھر فرمایا اس کے بعد؟ میں نے کہا میرا جواب الجواب، اس کے بعد اس کا سلسلہ جہاں تک چلے، اتنا سننے کے بعد فرمایا کہ ان ساری تحریروں اور جوابوں کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ وہ خاموش ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس سے آپ کو حاصل کیا ہوگا؟ آپ کے ذمہ یہاں کچھ کام بھی ہیں یا نہیں۔ عرض کیا بہت ہیں، اور جو ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ پھر نہایت سلجھے ناصحانہ و مشفقانہ انداز میں یوں گویا ہوئے کہ "دیکھئے ان لوگوں کے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ نہ خود یہ کچھ کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا اچھے کاموں میں مشغول رہے۔ ایک دو مضمون لکھنے کے بعد جواب میں ہماری جانب بے اعتنائی اور خاموشی دیکھیں گے تو خود وہ بھی خاموش ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور کچھ دنوں کے بعد نہ کسی کے ذہن میں یہ مضامین ہوں گے اور نہ ہمارے آپ کے تئیں کسی کے دل میں کوئی بات رہے گی، اور نہ مضمون نگار کسی کے گوشۂ ذہن میں محفوظ رہیں گے۔ ظاہر ہے ان کا یہ کام قوم و ملت کے فائدہ کے لئے بھی نہیں ہے۔ ان کی غرض صرف اتنی ہے کہ وہ ہمیں اپنے کاموں سے ہٹا کر لایعنی کاموں میں الجھا دیں۔ اس لئے اپنے کام محنت سے کیجئے اور ان بے لگام دریدہ دہن لوگوں کو خدا کے سپرد کیجئے" یہ باتیں دل میں اس طرح اتر گئیں کہ پھر کبھی ایسی باتوں کے جواب دینے کا خیال بھی نہیں آیا۔ اور اس کے بعد ان آنکھوں نے دیکھا کہ آج ان مضمون نگاروں کو نہ کوئی جاننے والا ہے اور نہ یاد کرنے والا اور نہ اس اخبار کی کوئی قیمت و وقعت۔ لیکن حضرت امیر شریعت قدس اللہ سرہ کی قدر و منزلت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ صرف اپنے صوبہ بہار اور ملک ہندوستان میں ہی نیک نام اور مقبول ہو کر نہیں رہے بلکہ مصر و عرب اور مشرق وسطی کے دیگر ممالک میں بھی لائق احترام سمجھے گئے اور وہاں بھی آپ کے شایان شان آپ کی پذیرائی ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے محض اپنے غلط جذبات کی تسکین کے لئے خانقاہ و جامعہ رحمانی کے خلاف

انتہائی نازیبا حرکتیں کیں جبکہ وہ خود بھی جامعہ رحمانی کے کارکن تھے، نہ معلوم اس سے ان کا کیا مقصد تھا، لیکن حضرت کے تدبر و تحمل نے ان کی ان ریشہ دوانیوں کو اس طرح ختم کیا کہ کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہوسکا۔ ان صاحب نے از خود علیحدگی اختیار کرلی اور وہ بات آئی گئی ہو کر رہ گئی۔

اسی طرح ایک موقع ایسا بھی آیا کہ جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی کے خلاف بڑا ہنگامہ برپا کرنے کی سعی نامشکور کی گئی۔ ایک بڑا فتنہ بپا کیا گیا۔ اس کے بھی سرغنہ اور کرتا دھرتا جامعہ کے پرداختہ تھے۔ اور جامعہ کے طفیل ہی وہ کسی قابل بن سکے تھے۔ انہوں نے جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے پوسٹر، ہینڈ بل اور رسالہ بھی لکھ کر طبع کرایا۔ ان میں حضرت پر نہایت رکیک و ناروا حملے کئے گئے تھے۔ اور منصوبہ بند طور پر ہنگامہ برپا کیا گیا۔ اس نازک اور صبر آزما موقع پر بھی ہم لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ کو پہاڑ کی طرح اٹل اور مضبوط پایا اور الحمدللہ کہ آپ کے ناخن تدبر نے اس کو اس طرح حل کیا کہ جامعہ اور خانقاہ کا تو کچھ نہیں بگڑا اور نہ آپ کی ذات و شخصیت کو ہی کسی نے مورد الزام ٹھہرایا۔ بلکہ ان فتنہ گروں کی شخصیتیں ہی مطعون ہوئیں۔ ان اہم واقعات کے علاوہ بھی بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے جو نہایت ہی ناخوشگوار تھے، اور ہر موقع پر انہیں عزم و ثبات اور حزم و ہمت کے بلند مینار پر ہی ایستادہ دیکھا گیا۔ جوش و جذبات کی جگہ فہم و ہوش کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا اور معاملہ کو عقل و تدبر سے حل کرنا ان کی فطرت ثانیہ تھی، کسی بھی موقع پر انہیں جذبات کی رو میں بہہ جانے اور غصہ میں آپے سے باہر ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اور نہ کسی نے کسی کے خلاف انتقامی کارروائی کے سلسلہ میں کوئی اقدام کرتے دیکھا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ خالق کائنات نے جیسے ان کے اندر یہ مادہ ودیعت ہی نہ کیا ہو۔ میں نے مذکورہ دونوں واقعات کے ذمہ داروں اور سرغنہ لوگوں کو بعد میں حضرت کے دربار میں حاضر ہوتے بھی دیکھا لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص ان کے تئیں ان کے رویہ سے یہ اندازہ بھی کرسکے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ماضی میں اس طرح کی نازیبا حرکتیں حضرت رحمۃ اللہ کے ساتھ کر چکے ہیں۔ ان کا دل جذبہ انتقام سے قطعاً عاری اور عفو و درگذر سے بالکل بھرا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں جس قدر وسیع قلب و نظر کا حامل بنایا تھا اس پایہ کے لوگ شاذ و نادر ہی ملیں۔ گویا ؎

دشنامِ خلق راند ہم جز دعا جواب ∴ ابرم کہ تلخ گیرم و شیریں عوض دہم

کا صحیح اور مکمل مصداق۔

دوسروں خاص کر اپنے ماتحتوں یعنی کارکنان جامعہ و خانقاہ کے جذبات و ضروریات کا بھی بدرجہ اتم

خیال رکھتے اور کبھی ایسا طرز عمل اور انداز گفتگو اختیار نہ فرماتے جس سے مخاطب کو ناگواری ہو۔ اور وہ ان باتوں کو اپنے لئے باعث عار و ذلت تصور کر سکے۔ چیزیں خواہ وہ کسی قیمت کی ہوں تقسیم کرنا ایک عادت بن گئی تھی، معمولی اور دو چار روپے قیمت کی چیزیں نہیں، بلکہ سیکڑوں روپے کی قیمتی اشیاء بھی کسی کو عطا کرنے میں کبھی تامل کرتے نہیں دیکھا۔ اگر کسی نے اس طرح کی کسی چیز کے لئے درخواست کی جو موجود نہ رہی ہو تو بلا تامل بازار سے منگوا کر نہایت خاموشی و راز داری کے ساتھ ان کے پاس بھجوا دیتے یا تنہائی میں بلاکر پیش فرما دیتے۔ کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک صاحب کو بار بار اصرار کرکے ایک قیمتی چیز عنایت فرمائی۔ ایک دن ایک صاحب جو جامعہ رحمانی میں اُن دنوں استاد تھے، حاضر خدمت ہوئے کرتہ ان کا بوسیدہ اور ایک جگہ تھوڑا سا پھٹا ہوا تھا، دیکھا اور قریب بلاکر کرتہ کی پھٹی ہوئی جگہ پر ہاتھ رکھا اور پوری متانت کے ساتھ اس چاک میں انگلی ڈال کر اسے خاصا لمبا کر دیا۔ حاضرین مسکرا اٹھے۔ پھر بعد میں انہیں چار کرتے بنوا کر پیش کر دیئے۔ سردیوں میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرتے اور ضرورتمندوں کو چادریں، کمبل، لحاف، سوئٹر اور شیروانیوں وغیرہ سے نوازتے۔ لنگی کرتوں کی تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ اور ایسا تو شاید کبھی نہ ہوا ہو کہ کسی نے کسی چیز کے لئے درخواست کی یا اپنی ضرورت و غرض بیان کی اور اسے خالی ہاتھ لوٹنے کی نوبت آئی ہو۔ اکثر بلا طلب بھی لوگوں کو مختلف قسم کی چیزوں سے نوازتے، ایک چیز اپنے استعمال میں ہوتی خواہ وہ چیز ہزار کی قیمت والی کیوں نہ ہوتی، اگر اس کی جگہ دوسری چیز آجاتی تو ہم لوگوں کی مانند اس پہلی چیز کو احتیاط کے ساتھ محفوظ نہ فرما دیتے بلکہ کسی کو دیدیتے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں میرے سامنے ہیں۔ خود میں بھی ان لوگوں میں سے ایک ہوں جسے متعدد موقعوں پر مختلف قیمتی چیزوں سے سرفراز کیا گیا۔ آج جب ان چیزوں پر نگاہیں پڑتی ہیں تو زبان پر دعاء مغفرت و رفع درجات اور آنکھوں میں نمی آئے بغیر نہیں رہتی۔ میرے ایک مخلص ساتھی دوست نے بڑے سوگوار انداز میں ایک دن مجھ سے کہا:" یار! اب کون ہے جو ہم لوگوں کو کرتہ، پاجامہ شیروانی چادر وغیرہ دے گا" اتنا کہتے کہتے ہم دونوں کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں، میں نے کہا اب تو کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی۔ ع

رفتید، ولے نہ از دلِ ما

یقیناً حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی اعلی اللہ مقامہ و برد مضجعہ کا سانحہ ارتحال اسلامیانِ ہند، متوسلین خانقاہ رحمانی، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، جامعہ رحمانی،

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور بہت سے دینی و مذہبی اور علمی اداروں کے لئے ایسا عظیم و ناقابل برداشت صدمہ ہے جسے برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت پروردگار عالم ہی عطا فرما سکتے ہیں اور ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی بظاہر دشوار تر نظر آتی ہے۔ آپ کی دائمی مفارقت سے ملک و ملت ایک بے مثال مفکر و مدبر، عالم باعمل مصلح، ہمدرد و غمگسار اور مرشد کامل اور مخلص قائد و رہنما سے محروم ہوگئی، ان کے انتقال سے جو جگہ خالی ہوئی ہے موجودہ دور قحط الرجال میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ پُر بھی ہو سکے گی۔ ویسے قدرت الٰہیہ سے بعید بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اپنی رضا و رحمت سے سرفراز کرے، قبر کو نور سے بھر دے۔ اور جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔ آمین

قوم و ملّت کے پاسبان

از ــــ ابن الانوار صفدری (بھوپال)

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ کی زندگی کو کھنگال کر دیکھا جائے تو تاریخ کا ایک ادنیٰ سا طالب علم یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ درحقیقت حضرت امیر شریعت ہی بیسویں صدی کے نقیب، ملت کے پاسبان اور امت کے بیباک ترجمان تھے۔ جنہوں نے ہر ہر موڑ اور ہر ہر راہ پر ملت کی پاسبانی اور امت کی ترجمانی کا ایک اہم فریضہ ادا کیا خواہ حالات مساعد رہے ہوں یا خواہ حالات مساعد نہ رہے ہوں، آپ کی ذات میں صرف علم و عمل، زہد و تقویٰ اور امانت و دیانت ہی کی قندیلیں روشن نہ تھیں بلکہ آپ کی ذات میں خالد بن ولید، عبیدہ بن جراح اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کی غیرت و حمیت اور جوش و ولولہ بھی ودیعت تھے۔ صدیق اکبرؓ کے وہ تاریخ ساز کلمے بھی آپ کے سینے کو ندر ہے تھے۔ جن کی ادائیگی انہوں نے منع زکوٰۃ اور ارتداد کے وقت کی تھی۔

قد کمل الدین وانقطع الوحی ــ دین مکمل ہو گیا اور وحی کا سلسلہ تاقیامت بند ہو گیا

اینقص من الدین شیئ وانا حی ــ کیا میرے جیتے جی دین میں کتر بیونت کی جائیگی؟

چنانچہ یہی عنصر تھا جس نے ہمیشہ آپ کو بیدار اور فعال بنائے رکھا جب بھی آپ کوئی ناگفتی بات سنتے یا کوئی نازیبا حرکت کی خبر ہوتی تو فوراً آپ تڑپ اٹھتے اور اسے فروکر کے ہی دم لیتے ہندوستان میں جب ایمرجنسی کی وبا پھیلی تو آپ حرکت میں آگئے اور میدان شور و غل میں کود پڑے یہ وہ گھڑی تھی، جس میں اچھے اچھے علما، اور قومی سورماؤں نے زچے کھائے اور رات و دن ہانپتے کانپتے گزارے اور للتراتی لیڈروں کا کہنا کیا وہ تو گھروں ہی میں چھپے رہتے۔

لیکن آپ کی بے باکی اور شرعی غیرت نے آپ کو چین سے رہنے نہیں دی، آپنے میدان میں آکر حکومت کو للکارہ اور ایمرجنسی کے خلاف آوازیں اٹھائیں یہ آوازیں آپ کی اس وقت تک ابھرتی رہیں جب تک کہ سن نہ لی گئیں۔

یکساں سول کوڈ کے موقع پر بھی آپ بھڑک اٹھے۔ اور اس وقت تک آپ بے چین رہے جب تک

کہ مسلمانوں کو اس اسے مستثنیٰ قرار نہ دیدیا گیا، شاہ بانو کیس میں بھی سپریم کورٹ کی بھی مداخلت اور نام نہاد مسلم ترقی پسند لوگوں کی ہدف تنقید کو برداشت نہیں کیا بلکہ حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے رہے اور مسائل کے موشگافیوں سے گتھیاں سلجھاتے رہے، یہ جنگی نقارہ اس وقت تک بجتا رہا جب تک کہ آپ کو فتح مبین کی مژدہ نہ سنادی گئی. متبنیٰ (پوسں پوست) کے مسئلہ پر بھی آپ کی آوازیں ابھریں اور اس میں بھی آپ کامیاب ہوئے۔

شروع میں آپ نے بابری مسجد کو بورڈ سے الگ رکھا، لیکن جب مسجد کو منتقل کرنے یا اس سے جزوی طور پر دستبردار ہونے کی چہ میگویاں ہونے لگیں تو آپ تڑپ اٹھے فوراً بابری مسجد کیلئے بورڈ کا اجلاس بلایا، اور مسجد کی شرعی حیثیت نہایت ہی اچھوتے انداز میں اجاگر کی، آپ نے ببانگ دہل اعلان کردیا کہ بابری مسجد ہمیشہ سے بابری مسجد رہی ہے اور رہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے. اس لیے ہمارا مطالبہ ہے کہ اس کی ۲۴ دسمبر ۱۹۴۹ء والی پوزیشن بحال کرکے مسلمانوں کے حوالہ کردی جائے. اس کے بعد جب مسلم پرسنل لا بورڈ کا وفد سابق وزیراعظم چندر شیکھر سے ملا تو انہوں نے دو ٹوک قرارداد پر اپنی ناپسندیگی کا اظہار کیا. اس پر آپ سے جھڑپیں ہوگئیں. بعد میں جب چندر شیکھر کو احساس ہوا کہ مولانا وزارت عظمیٰ کی دھونس میں آنے والے نہیں تب وہ نرم پڑے (نقیب)

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ من حیث القوم اور ملت وامت کے غم میں برابر کے شریک رہے جب باد عصیاں یا ناموافق ہوا ملت کی جڑ کو متزلزل اور امت کی ایکتائی میں انتشار وافتراق کی دراڑیں ڈالتی تو آپ بے چین ہوکر اس سے نبرد آزما ہونے کی ہر ممکن کوشش کی ہندوستان کے فسادات خصوصاً بھاگلپور کے دنگا میں آپ نے نمایاں کارنامے انجام دیئے، مسلمانوں کی آبادکاری کی بھرپور جتن کی، ان کے رستے ہوئے زخم پر خلوص وللہیت کے پھائے رکھے. ان کو ایک اور نیک بننے کی دعوت دی. اور ان کے جائز حقوق دلوانے کے لیے آپ نے حکومت پر دباؤ ڈالا۔

بچپن ہی سے آپ کی زندگی ایک فعال تحریک میں گزری، اور آخر تک اسی شان وبان میں رہی بلکہ یہ کہنا صد فیصد درست ہوگا کہ آپ کی آنکھیں ہی قوم وملت کی پاسداری میں کھلیں، اور یہ آنکھوں کا ڈھیلا ہمہ وقت اور ہمہ تن وگوش اس میں مصروف عمل رہا۔

آپ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے باوجود امت وملت کے غم میں دوڑے پھرتے

چنانچہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۹۰ء ہی سے مسلم پرسنل لابورڈ کے کاموں کے سلسلے میں جنوبی ہند کا طویل دورہ کیا، مختلف شہروں اور متنوع اجتماعات میں شرکت کے بعد جب آپ بنگلور پہونچے تو نقاہت آپ پر اپنی پوری قوت سے ڈورے ڈالنے لگی، مگر ملت کے معاملات اور امت کی فکر میں اپنی طرف سے کوئی کمی ہونے نہ دی، چنانچہ اسی حال میں آپ کو بابری مسجد تنازع کے سلسلے میں ۱۳ ر فروری کو لکھنؤ کا سفر کرنا پڑا۔ (دین مبین)

جس طرح سے آپ کی زندگی ملی خدمات کی تگ ودو اور قومی مسائل کی گتھیوں کے سلجھانے میں گزری، ٹھیک اسی طرح آپ کے پیغامات میں بھی یہ عنصر جھلک رہے ہیں آپ نے قوم مسلم کو جو پیغام دیا ہے، وہ درحقیقت ایک مشعل راہ جس سے رہنمائی کا کام اچھی طرح سے لیا جاسکتا ہے۔

بدنام زمانہ لال کرشن آڈوانی کی رتھ یاترا جب پورے ہندوستان میں آگ برساتی ہوئی گزر رہی تھی، جس سے مسلمانوں کی زندگی دوبھر اور ان کی آنکھوں کی نیند اڑ چکی تھیں، جگہ جگہ وہ مارے، کاٹے، لوٹے، اور گھر سے بے گھر کئے جارہے تھے، تو اس وقت آپ نے ایک پیغام دیا جو درحقیقت صبر وتحمل کی غمازیت کے ساتھ ساتھ جوش وولولہ اور غیرت وحمیت سے لبریز بھی تھا، آپ نے فرمایا کہ۔

آپ اس ملک میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں، ملک کی تاریخ کو نیا رخ دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ اس کے لیے آمادہ ہوں۔ اتنی سی بات یاد رکھئے کہ ایک بہت بڑی تعداد کا مزاج تخریبی بن چکا ہے، اسے توڑ پھوڑ اور شکست وریخت سے خاص دلچسپی ہوگئی ہے، اگر آپ اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ آپ خود بھی مضبوط ہوں، اپنی قوت کو جمع کریں، شرپسند فتنہ پرور اور شہری زندگی کے امن وسکون کو برباد کرنے والوں کے مقابل مضبوط اور بہترین دفاع کے لیے تیار ہوں، آپ کی اپنی قوت اور دفاعی صلاحیت عصر حاضر کی وہ بنیادی چیز ہے، جس کے ذریعہ آپ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں آپ مرنا سیکھیں، بزدلوں کو ہر روز اور ہر صبح وشام موت آتی رہتی ہے، اور جوان مرد صرف اور صرف ایک بار مرتا ہے، اب صرف میں یہی کہوں گا کہ آپ دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں، خدا سے لو لگائیں اور اپنے مستحکم دفاع کے لیے تیار رہیں، موجودہ صورت حال میں فرقہ واریت اور نسل کش حملوں کا علاج میرے خیال میں یہی ہے کہ مظلموں کو چاہئے کہ اپنا دفاع خود کریں۔ دفاع آپ کا قانونی حق ہے۔ جسے کوئی بھی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی (تعمیر حیات)

ایک اور موقع پر آپ نے حکومت کو للکارتے اور مسلمانوں کو صبر وتحمل کی تلقین کے ساتھ ساتھ

ان میں ملکی اور وطنی اسپیرٹ ڈالتے ہوئے فرمایا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس حکومت میں انسان اور انسانیت کا تحفظ نہیں ہوتا۔ جہاں انسان کے مال اور عزت کو پامال کیا جاتا ہو، جہاں انسانوں کی جانوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو وہ حکومت قائم نہیں رہ سکتی، اسے ختم ہونا ہے اور بہر حال ختم ہونا ہے۔ آج نہ سہی کل، خدا کی خدائی میں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کو خطرات میں مبتلاء ہونا پڑیگا، آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا، ان باتوں سے گھبرا جانا ہمارا کام نہیں، ہم ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں، یہیں بڑھے ہیں، اور یہیں ہمیں مرنا ہے، اس پر ہمارا حق ہے، اس ملک کو ترقی دینا اور اس کے کاموں میں حصہ لینا ہمارا فرض ہے، اس قسم کے حادثات ہمارے ارادوں کو بدل نہیں سکتے اور نہ ہمارے قدموں میں ہی ڈگمگاہٹ پیدا کر سکتے ہیں (خطبات امیر شریعت)

مسلمانوں کے تنزل اور انحطاط کے ایک سبب کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بیان فرمایا۔

مسلمانوں کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ انہوں نے خیر و بھلائی کے لئے محنت و مشقت کرنا چھوڑ دی، اسلام جو بھلائیوں کا حکم دینے والا، خیر کا سرچشمہ اور نیکی و پرہیزگاری کا مرکز ہے، مسلمان چاہتا ہے کہ وہ بے محنت کے حاصل ہو جائے، اسے اس کے لیے کسی قسم کی جد وجہد نہ کرنی پڑے قربانیاں نہ دینی پڑے، گھر بیٹھے یہ عظیم الشان دولت حاصل ہو جائے، یہ کس طرح ممکن ہے؟، اچھی چیزوں کو حاصل کرنا ہے تو قربانیاں دینا ہونگی، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات سے ثابت ہے کہ انہوں نے اسلام کے لیے جان کی بازی لگا دی تھی، اسلام کی راہ میں بڑی سے بڑی تکلیفیں برداشت کی تھیں۔

آگے پھر ذمہ داریوں کی نشاندہی اور انہیں بحسن خوبی انجام دینے کے اسلوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اس مجمع میں وکیل ہیں، مختار ہیں، تاجر و مزدور ہیں، ملازمت پیشہ اور کاشت کار بھی ہیں پیشہ کے اعتبار سے ہر شخص کی کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے، اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے پوری محنت کرتا ہے وکیل اپنی وکالت کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ اور راتوں کو جاگ کر مسلیں پڑھتا ہے، اور دن بھر عدالتوں میں بحث کرتا ہے۔ کاشت کار اپنے پیشہ کی ذمہ داریوں کے ماتحت تیز دھوپ، کڑاکے کی سردی اور موسلا دھار بارش کے

کے ہوتے ہوئے کھیت میں کام کرتا ہے، ایک تاجر سارے دن اپنی ذہنی اور جسمانی قوتیں صرف کرتا ہے۔ اسے بسا اوقات تجارت کی دھن میں اس کی خبر نہیں ہوتی کہ دن کس طرح بیتا اور رات کیسے آئی، یہی حال ہر طبقے کے لوگوں کا ہے۔ آدمی اپنی فانی زندگی کے لیے بڑی سے بڑی جدوجہد کرتا ہے اس کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے پوری تگ و دو کرتا ہے ادنیٰ درجہ کے خیر کے لیے اعلیٰ صلاحیتوں کو صرف کرتے ہوئے اسے ذرہ دریغ نہیں ہوتا، لیکن وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، افسوس ہے کہ بحیثیت مسلمان وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے، ان کی زندگی میں عملی جدوجہد کے جو خانے بنے ہوئے ہیں، ان میں اسلام کے لیے جدوجہد کا خانہ یا تو ہے ہی نہیں یا ہے بھی تو وہ بہت چھوٹا ـــــ ہماری زندگی کا جو خاکہ ہے اس میں ہر چیز کی گنجائش موجود ہے، اگر کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے تو وہ اسلام کی ـــــ جبکہ اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے اور اس میں اپنی صلاحیتوں کے صرف کرنے میں ہماری کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے۔ اسلام کا راستہ ہی ہماری موجودہ زندگی کو حقیقی مسرتوں تک پہونچا سکتا ہے اور اخروی زندگی میں سعادتوں اور کامیابیوں کے دروازے کھول سکتا ہے۔

آگے آپ نے امت کو شک و تذبذب ترک کرنے اور یقین محکم اپنانے کا جو پیغام دیا ہے۔ وہ درحقیقت چاندی کی تختی پر سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے آپ نے فرمایا:

مسلمانوں کا حال دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک اس قوم کی نہ راہ متعین ہے اور نہ اس کو اپنی منزل معلوم، اگر غور کیا جائے تو پتہ چلیگا کہ اس کی منزل سامنے ہے، اور راہ بھی دیکھی بھالی ہے لیکن شبہ ہوتا ہے کہ مسلمان منزل کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا ہے اور صراط مستقیم پر نقد و تبصرہ میں مشغول ہے اور کچھ ایسی بحث و فکر میں لگا ہوا ہے کہ یہ راہ منزل مقصود تک لے جائے گی، یا نہیں، کسی نے مسلمانوں کا حال ایک شعر میں کیا ہی خوب کہا ہے ؎

آیا پروانہ شمع پہ اور جل بھی مرا ـــــ تم ابھی سوچ رہے ہو کہ محبت کیا ہے

مسلمانو! اسلام امن و سلامتی کا پیغامبر ہے اس کی راہ عشق و محبت کی راہ ہے۔ اور عشق و محبت کی راہ میں استخارہ نہیں کیا جاتا اس راہ میں رکنا ٹھٹھکنا سب سے بڑا جرم ہے، یہ تو ذوق و شوق ہی کے ذریعہ طے ہوتی ہے، تکلیف و مصیبت اس راہ کے لیے زاد ہے دشواریاں اس کی عظمت ہیں جدوجہد، شوق مسلسل اور سعی پیہم اس کا سرمایہ ہے اس راہ میں چلنے والے کے لیے مسرت ہے

اور اس کی کٹھنائیاں مسافر کی زندگی کو تابناک بناتی ہے۔

اس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ تذبذب کو چھوڑ دیں۔ اعتماد بحال کریں، شک کے بجائے یقین پیدا کریں۔ اور اس یقین اور اعتماد کی راہ میں جس قدر بھی مصیبتیں سامنے آئیں اسے خندہ پیشانی سے قبول کریں اتنا پھر بھی یاد رکھیں کہ وہ مصیبتیں جو اس راہ یقین میں آئیں گی ان مصیبتوں سے یقیناً کم ہوں گی جو شک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یقین و اعتماد کے بعد آپ کا دل و دماغ مطمئن ہوگا، دشواری اگر ہوگی تو جسمانی ہوگی لیکن روح مطمئن رہے گی اور شک و تذبذب کی راہ میں ہو سکتا ہے کہ آپ کو مادی اور جسمانی سہولتیں مل جائیں مگر روح کا سکون، دل کا چین اور دماغ کا اطمنان نصیب نہیں ہو سکتا، اسی یقین کامل کو توحید خالص کہتے ہیں اس یقین کے بعد آپ کو صرف ایک کے سامنے جواب دہی کا احساس ہوگا، اس کے سامنے جھکیں گے، اسی ایک کی عبادت کریں گے، اور شک ہزار شکوک کو جنم دے گا شک اور تذبذب آپ کو در در کی ٹھوکریں کھلوائے گا۔

ﻫ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مسلمانو! اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرو، اور اسلام کی راہ میں مصیبتیں جھیلو دل میں خدا کا خوف اور اسلام کی محبت پیدا کرو، یہی خیر ہے اور اسی کے لیے جدوجہد کرنی ہے اسی کے لیے تمہیں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنی ہیں اگر اس راہ پر تم نے عمل کر لیا تو پھر دیکھو کیسے نہ کامیابی تمہارے قدم چومتی ہے۔

حضرت امیر شریعت کا یہ پیغام در حقیقت ایک نسخہ کیمیا، ہے جسے اپنا کر معاشرہ اور جماعت کا ہر ہر فرد بامراد ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے لیے سامان ہدایت اور ذریعہ کامیابی ہے کہ اگر ہم اس پر عمل درآمد ہوں تو پھر نہ کوئی قوم ہم پر غالب ہی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی ظالم ہم پر حکمرانی ہی کر سکتا ہے اسی مضمون کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ تم ہی غالب رہوگے اگر تم صاحب ایمان ہو۔

آہ وہ شخصیّت ساز شخصیّت نہ رہی

(حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی، شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السّلام حیدرآباد)

بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر صداقت سے اوپر اور تمام سچائیوں سے بڑھ کر ایک ایسی صداقت و سچائی بھی ہے جس کے حق اور سچ ہونے کا انکار نہ ابتک کبھی ہوا نہ آئندہ کبھی ہو سکے گا. اور وہ ہے حیات و موت کا ایک تسلسل۔

دنیا کی ساری آنکھیں ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہیں کہ اگر آج کہیں کسی نومولود کے جنم لینے پر خوشی کے گیت گائے جاتے اور شہنائیاں بجتی ہیں، تو وہیں کل کسی کی موت پر غم و ماتم کی صفیں بچھتی ہیں، اس طرح نہ حیات کوئی غیر معمولی صورت ہے اور نہ موت ہی کے اندر کوئی ندرت، لیکن اس کے باوجود کتنی عجیب سی یہ بات ہے کہ جب بھی ہم کسی کے مرنے کی خبر سنتے ہیں تو کچھ دیر تک اپنی سماعت پر بھروسہ نہیں رہتا اور دل اس خبر کی صداقت پر اعتماد نہیں کرتا، تاہم سچائی آخر سچائی ہوتی ہے، جس کے سامنے ہر تسلیم کو خم ہونا ہی پڑتا ہے۔

کچھ ایسی ہی صورتِ حال سے ہمیں سابقہ پڑا. چند ماہ پہلے رمضان المبارک کی غالباً تیسری صبح کا وقت تھا. پٹنہ سے بالواسطہ ٹرنک کال کے ذریعہ مسجد عامرہ حیدرآباد میں جب ہم تک یہ خبر پہونچی کہ آج کی رات، حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ مولانا منت اللہ صاحب اللہ کے جوار رحمت میں جا بسے، تو اوّل وہلہ میں اس کی صداقت پر یقین نہیں آیا، لیکن تابکے، آخر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا ہی پڑا. اور زخمی دل سے یہ آواز نکلی:

منت تیری جدائی کا صدمہ ہے دل خراش　　　احساس صبر و ضبط کا شیشہ ہے پاش پاش

بعد میں جب تفصیلات کا علم ہوا تو اس تصور سے دل بیقرار کو ذرا قرار آیا کہ گویا حضرت مرحوم دن بھر بحالت صوم "الصوم لی وانا اجزی بہ" کی بشارت سنتے رہے، شام ہوئی تو "ثبت الاجر" کا وعدہ یاد دلایا گیا. رات میں عشاء اور سنت تراویح میں شریک ہو کر مزید کچھ زاد راہ اپنے دامن میں سمیٹتے رہے اور آخر بعجلت تمام منزل نجات تک پہونچنے کے لئے شاہراہ مغفرت پر رواں ہو گئے، اور پھر یاد آئی حضرت علیہ الرحمہ کی وہ دلی تمنا جس کا اظہار اکثر کیا کرتے تھے، کہ اب جینے کا لطف نہیں، جینا جینا نہ رہا، زندگی کے کڑوے گھونٹ پینا بن چکا، بس دعا کرو کہ اللہ اپنے فضل سے چلتے پھرتے خاتمہ بالخیر فرما دے۔

یہاں کون کہہ سکتا ہے کہ جس قابل رشک اور غبطہ انداز کی موت رمضان جیسے بابرکت مہینہ میں اللہ نے ان کے نصیب میں لکھ کر ان کی دلی تمنا پوری کردی، وہ عند اللہ ان کی مقبولیت اور محبوبیت کی کتنی اونچی اور زبردست دلیل ہے، رَحِمَہُ اللہ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔ جانے والے جا چکے دنیا سے کسی کا جانا منطقی لحاظ سے کوئی غیر معمولی بات نہیں اور جبکہ موت بنص حدیث ایک مومن کے لئے دراصل وصال محبوب کا ایک پل ہے جس کے اس پار امن وسکون، نشاط ومسرت اور حیات ابدی کے دروازے کھلتے ہیں، تو عقلی طور پر بھی کسی مومن کی موت واقعتاً غم وآہ اور واویلا کے شور مچانے کی قطعاً اجازت نہیں دیتی لیکن یہ فطری بات اور خلقی تقاضہ ہے کہ انسانوں کو جن سے دلی تعلق ہوتا ہے، جن سے اخلاص ومحبت اور عقیدت کے رشتے استوار ہوتے ہیں، ان کی جدائی طبعی طور پر شاق گزرتی ہے اور چونکہ موت کی شکل میں ہونے والی جدائی تقریباً دائمی ہوتی ہے، اسلئے ہر نیاز مند کا دل دراصل ان کی موت سے نہیں بلکہ دائمی مفارقت کے تصور سے زخمی اور سراپا آہ بن کر کراہ اٹھتا ہے، پھر ان کی جدائی صرف ایک ذات کی جدائی نہیں بلکہ ان کی گوناگوں صفات سے ابتک استفادہ کی جو راہیں ہر نیاز مند کے سامنے وا نہیں ان کے دفعتاً مسدود ہونے سے یاس وحرماں نصیبی کا ایک کرب ناک احساس ابھرتا ہے اور انہیں اشکبار، فضا سوگوار، اور ہر دل ماتم گسار ہوجاتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ذات کن صفات کی جامع تھی وہ ایک دنیا کو معلوم ہے اور ہمیشہ ہر انصاف پسند اس کا معترف بھی رہا، آپ نہ صرف شرافت نفسی، خوش خلقی، سادگی وانکساری اور استغنا کے ایک اعلیٰ نمونہ تھے، بلکہ مستحکم کردار، چشم بینا، اور دل بیدار کے بھی مالک تھے، آپ جہاں روحانی اقدار کے شیدائی، حقیقت پسندی اور دور اندیشی کے فدائی تھے وہاں اس دور حاضر میں بھی حق گوئی وبے باکی اور اپنی پروقار عزم کے لحاظ سے متانت وسنجیدگی کے ساتھ اظہار حق کی بے مثال جرأت کے حامل تھے، متانت وثقاہت کے ساتھ خوش مزاجی اور شگفتہ طبعی نے انکی شخصیت کو ہمیشہ دل آویز بنائے رکھا۔ دل نوازی ودل گدازی آپ کا طرہ امتیاز تھا، ناقدانہ بصیرت کے ساتھ آپ کی جو رائے سامنے آتی وہ پرکشش اور فکر انگیز ہی نہیں، عقدۂ لاینحل کا آخری حل ثابت ہوتی، نرم دم گفتگو گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو پاک دل وپاکباز ہونا ان کی ایک عمومی شان تھی، ماضی قریب میں ان کی اس شان کا مشاہدہ کتنوں کو ہوا ہوگا۔ اور عمر وتجربہ کی پختگی کے بعد پچھلے چند سالوں میں ان کی روشن دماغی، حاضر جوابی اور اصابت رائے کی جو صدہا مثالیں سامنے آئیں، اس سے تو ایک زمانہ باخبر ہے لیکن شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنی ناقدانہ بصیرت اور مدبرانہ صلاحیت پر اصاغر ومعاصر سے نہیں بلکہ اپنے اکابر سے عمر کے اس حصہ میں خراج تحسین حاصل کیا تھا جسے عام طور پر فکر وشعور کی ناپختگی، اور ذہنی طور پر بے بصیرتی کا دور سمجھا جاتا ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ کم وبیش چالیس پینتالیس سال پہلے ہی کا وہ واقعہ ہو سکتا ہے، جبکہ حضرت علیہ الرحمۃ اپنی مادر علمی ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے رکن شوریٰ کی حیثیت سے دوسری بار وہاں شوریٰ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ وغیرہ جیسے اکابر ملت ارکان شوریٰ تھے، اور کہا جاتا ہے کہ پوری مجلس شوریٰ میں عموماً مجاہد ملت مرحوم چھائے ہوئے رہتے، اپنی بلند وبالا شخصیت طلاقتِ لسانی اور مدبرانہ صلاحیت سے اکثر ارکان شوریٰ کو مسحور بنائے رکھتے۔

حضرت علیہ الرحمۃ جنکی تربیت میں رہنے کا شرف بحمد اللہ ہمیں بھی حاصل ہوا ہے، اپنی مربیانہ شان کے ساتھ ایک خاص پس منظر میں اپنا یہ واقعہ سنایا کہ جب میں غالباً دوسری بار دار العلوم کی مجلس شوریٰ میں بیٹھا تھا، تو ایک خاص موضوع زیر بحث آیا، مولانا حفظ الرحمان علیہ الرحمۃ نے اپنے خاص انداز میں استدلالی رنگ کے ساتھ جب اپنی گفتگو ختم کی تو میں نے محسوس کیا کہ اکثر ارکان مولانا کی رائے سے تقریباً متفق ہو چکے ہیں، مگر بات میری سمجھ میں نہ آسکی اور ہمیں اس رائے سے متفق ہونے میں شرح صدر نہ ہوا، ہمارے اساتذہ واکابر وہاں موجود تھے، تاہم میں نے ہمت کر کے زبان کھولی اور صدرِ مجلس سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس سلسلہ میں اپنی ناقص رائے میں بھی ظاہر کردوں، ہمیں بڑی حیرت ہوئی جب اپنے ہی بزرگ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو بانداز خاص یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہاں بھئی سن لو ایک بہاری کو بھی عقل آگئی ہے، میری جوانی کا دور تھا، مزاج میں حدت وشدت اس عمر کا خاصہ ہوتا ہے، مگر اپنے پر مکمل قابو رکھتے ہوئے ادب وشائستگی کے ساتھ کہا کہ جی ہاں جب ازل میں عقل کی تقسیم ہو رہی تھی تو آپ کی جوتیوں کے پاس یہ حقیر بھی موجود تھا اور آپ کی ہی جوتیوں کے طفیل عقل کا کچھ حصہ میرے دامن میں بھی گر پڑا تھا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تو کچھ نہ بولے مگر حضرت شیخ الاسلام مدنی علیہ الرحمۃ کا اشارہ پاکر میں نے اپنی جو رائے پیش کی بحمد للہ اکابر کی نظر میں وہ رائے صائب اور پسندیدہ قرار پائی اور حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے جس پیار بھرے انداز سے میری تحسین اور حوصلہ افزائی فرمائی اسے میں نے اپنے حق میں فال نیک سمجھا، —— جانتا ہوں وہ میری حوصلہ افزائی تھی،

بات شاید دور جا پڑی میں کہہ رہا تھا کہ اللہ نے اپنی عنایتوں اور فضل ونوازشوں سے جیسی صلاحیتیں اور قابلیتیں حضرت کی ذات میں جمع کردیا تھا، وہ ایک استثنائی اور فضل خاص ہی کی صورت کہلا سکتی ہے، یُؤتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

ادھر چند برسوں سے ملت کی زبوں حالی پر ہمیشہ با چشم تر نظر آئے ایک حقیقت پسند مدبر کیطرح ملک وملت کے ہر مسائل کو نپے تلے اصول کے تحت ہی حل کرنے پر مصر رہے گو اس میدان میں کما حقہٗ انہیں کامیابی نہ ہو سکی پھر بھی نقادوں کا

ونظریات بلکہ متحارب رجحانات ومیلانات کے حامل افراد کا یکساں اعتماد انہیں برابر حاصل رہا، جو بلاشبہ ان کی عبقریت کی روشن دلیل ہے، ان کی بے داغ و باوصول زندگی کا ہر صفحہ دنیا وارانہ مصلحت کوشی، مداہنت اور کم ہمتی کے معمولی دھبے سے بھی ہمیشہ پاک صاف رہا۔ صبر و اعراض اور ضبط وتحمل کی قابل رشک اور بے پناہ قوت آپ کی خمیر تھی، بارہا میں نے دیکھا کہ صرف تیکھے انداز ہی نہیں بلکہ اوچھے لب ولہجہ کو بھی اپنی فراخ دلی اور استثنائی شان تحمل سے بر رنگ خاص ایک نیم کی ڈھال سے روکتے رہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا سالانہ اجلاس مدراس میں ہو رہا تھا، سابق صدر بورڈ حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحب علیہ الرحمۃ کی وفات کا حادثہ تازہ تھا، چنانچہ تجویز تعزیت کی ایک کاروائی کے طور پر بورڈ کے ارکان ومندوبین اس حادثہ پر اپنے اثرات اور حضرت حکیم الاسلام کی خدمات کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے اسی سلسلہ میں ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ نے صدر اجلاس کی حیثیت سے جب بمبئی کے ایک مؤقر رکن بورڈ کو اظہار تاثر کی دعوت دی۔ تو انہوں نے اسٹیج پر اگر خود اس کاروائی کی نسبتاً طوالت پر جس تیکھے اور تلخ انداز سے تبصرہ شروع کیا اس نے پورے ہال کو سناٹے میں ڈال دیا۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ صرف اتنا فرمایا، سنا جائے آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی اور تجویز تعزیت منظور ہوئی، ہم جیسے نیاز مندوں نے جب نجی مجلس میں اس جارحانہ انداز پر طبعی ملال اور آزردگی خاطر کے ساتھ جرح کیا تو حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی اس معمولی سے واقعہ پر یہ اثر پذیری ذکاوت حس کے درجۂ افراط کا نتیجہ ہے، یاد رکھیں اس مزاج کے ساتھ ملت کی شیرازہ بندی میں آپ کبھی کوئی موثر رول ادا نہیں کر سکیں گے، مختلف ذہنوں کو ساتھ لیکر چلنا اپنی جگہ مستقل ایک فن بلکہ آرٹ ہے، اور پھر دیر تک جو کچھ فرماتے رہے وہ ان کی حلیمی و وضعداری کے علاوہ مربیانہ شان کا خاص اقتضاء تھا۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے مزاج و کردار کی تشکیل جس مؤمنانہ فضا اور خانقاہی ماحول میں ہوئی تھی۔ اس نے آپ کی شخصیت کو جیسی دل کش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ اس کے ان کے نظریاتی مخالف بھی تھے۔ اور آپ یقیناً "الولد سر لابیہ" کے صحیح مصداق بھی اپنے والد بزرگوار حضرت مونگیری علیہ الرحمۃ کے عکس ہی نہیں پائیدار نقش تھے ان سے دانستہ کسی کی دل آزاری تو کیا ہوتی سارے جہاں کا درد خود ان کے جگر میں تھا، دوسروں کی تکلیف سے نہ صرف بے چین ہو جاتے بلکہ اپنی مقدرت بھر اسکے درد و تکلیف کو بانٹنے کی کوشش کرتے میں نے بارہا ضرورتمندوں کی مالی امداد کرتے ہوئے بھی دیکھا، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کے ساتھ کتنی ہی بے کس و بے سہارا کتخداؤں کی شادیوں میں ہاتھ بٹاتے بھی پایا، الغرض ؎

تھے وہ اپنی ذات سے ایک انجمن در انجمن
جنکے ماتھے پہ کبھی دیکھی نہ دنیا نے شکن

اپنے عزم و ہمت، مخلصانہ جد و جہد اور خلوص عمل سے کتنوں کی زندگی بنادی بلکہ سنوار دی اور نکھار دی، خدا جانے کتنے ہی انصاف پسندوں کا دل آج شہادت دے رہا ہوگا کہ منت اللہ واقعتاً اسم بامسمیٰ اللہ کا ایک احسان ہی تھے۔ ان کے نیاز مندوں کو آج یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ اپنی متاع عزیز اللہ کی اس نعمت کے چھن جانے پر اگر اقبال جیسی دیوانگی اپنے اندر پیدا کر کے محشر میں دامن یزداں چاک نہ کر سکیں گے تو اپنا گریبان آج چاک کرلیں۔

سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ چراغ روشن ہو تو نہ اسکی روشنی پہ نظر جاتی نہ چراغ کی کوئی اہمیت ہی محسوس ہوتی ہے مگر جب چراغ بجھتا ہے، ادرگرد، پس و پیش اندھیروں کا بار دیکھتا ہے تو اب چراغ اور اس سے پھوٹنے والی روشنی کی اہمیت و افادیت کا احساس و ادراک ابھرتا ہے، ہمارے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ جب تک ہمارے درمیان رہے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ ملک و ملت اور امت مسلمہ کی ایک ضرورت ہیں لیکن جیسے ہی اللہ کو پیارے ہوئے اجتماعی ضمیر چیخ پڑا اپنے اضطراب کا برملا اظہار کیا۔ اور سب نے اعتراف کیا کہ مولانا مرحوم اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایک ایسے روشن چراغ تھے جنکی روشنی فکر و شعور کی فضاؤں میں پیدا ہونے والے اندھیروں کیلئے موت کا حکم رکھتی ہے

کہنے والے کہتے ہیں کہ جامعہ رحمانی مونگیر اپنے عظیم و مدبر سرپرست سے محروم ہوگیا، خانقاہ رحمانی کی بزم بیعت و ارشاد سونی ہوگئی، مسلم پرسنل لاء کی اصل روح نکل گئی، امت مسلمہ یتیم بن گئی، اور امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اپنے اس جواں ہمت، بلند حوصلہ امیر شریعت کے لئے ترس گئی۔ جس نے اپنے خون جگر کا اسے سینچا تھا، جس نے کتنے ہی نازک لمحوں میں اپنے ناخون تدبیر سے ہر گتھیوں کو سلجھا کر اسے پروان چڑھایا تھا اور جس نے چند سال پہلے امارت شرعیہ کی نئی عمارت کی بنیاد کی تقریب میں خود اپنی ضعیفی اور عمر رسیدگی پر اپنے آپ طنز کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

باندھتی ہے ابد کے منصوبے ۔۔ کیا کلیجہ ہے عمر فانی کا

جو نہ صرف ان کی بلند ہمتی اور عزم آہنی کا غماز تھا بلکہ کتنے ہی کم ہمتوں کے لیے ایک مہمیز اور حوصلہ بلند رکھنے کا ایک زریں سبق بنا، بلا شبہ ان ساری باتوں میں صداقت ہے اور یقیناً وہ سب ہی چیزیں وقوع پزیر ہو چکی ہیں جسے کہنے والوں نے کہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا تو خیال یہ ہے کہ آہ وہ صاحب کمال اٹھ گیا جو اپنی مستثنیٰ فطری صلاحیتوں سے کتنوں کو باکمال بنا گیا، جن کے فیضان تربیت سے کتنے ہی معمولی شد بد والے نئے فضلاء ایک قابل اعتماد مدرس بن کر چمکے، کتنے ہی مدرس مفتی و قاضی بنکر ابھرے، کوئی صاحب قلم، صاحب طرز ادب بنے تو کوئی مفکر و مدبر اور کامیاب خطیب ہوئے، ایسی صورت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی موت

دراصل شخصیت سازی اور رجال کاری کا ایک کارخانہ بند ہوگیا۔

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار ان کا قدیم تھا

جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا

آہ، کہ ایسی شخصیت ساز عظیم شخصیت سے ہم محروم ہوگئے، میں جانتا ہوں کہ ایک نئے فاضل دیوبند جن کا تقرر جامعہ رحمانی مونگیر میں اولاً کتب خانہ ایخارج ولائبریرین کی حیثیت سے ہوا تھا، حضرت مولانا مرحوم کی بے رنگ خاص تربیت کے طفیل آج وہ ایک کامیاب اور اعلیٰ درجہ کے مدرس مانے جاتے ہیں، میرا قیام جامعہ مونگیر میں تقریباً دس سال رہا اس طویل مدت کے دوران حضرت علیہ الرحمۃ کی تربیت کے کیسے کیسے اچھوتے انداز سامنے آئے اور اس کا میری زندگی پر کیا اثر پڑا اسے صرف میں ہی جانتا ہوں، میں نے وہیں دیکھا کہ جب ملک کی کوئی نامور ہستی یا کسی عظیم درسگاہ سے منسلک عالم دین مونگیر میں پہونچتے تو اولاً حضرت مولانا علیہ الرحمۃ جامعہ کے خاص اساتذہ کو خبر کر دیتے کہ فلاں صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں وہ آپ کے فلاں سبق میں شریک درس ہوں گے، چنانچہ عموماً ہی ایسا ہوتا رہتا، میں نے ایک موقع سے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کون سی مصلحت ہے جو اتنا اور ایسا اہتمام کرتے ہیں؟

فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات میں خود اعتمادی و خود شناسی کا جوہر پیدا ہو اپنی صلاحیت پر بھروسہ اور ذہنی مرعوبیت دور ہو اور پھر ملک کی یہ نامور ہستیاں بھی جان لیں کہ جامعہ رحمانی کے اساتذہ کیا ہیں، اور یہاں کا تعلیمی معیار کیا ہے، اور پھر اس کی مناسبت سے تعلیم و نظام تعلیم کے موجودہ معیار پر ایک جامع فکر انگیز تبصرہ فرماتے ہوئے مدارس اور علماء سے متعلق دلچسپ لطائف سنایا اور میں نے محسوس کیا کہ علماء کی تربیت اور ذہن و فکر کی نشو و نما کا یہ بھی ایک انداز ہے، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

ہمیں وہ دن بھی یاد ہے مونگیر کی قیام کا میرا پہلا سال تھا، جب حکومت یوپی کی زیر سرپرستی لکھنؤ کے ناری نکیتن میں پرورش یافتہ ایک مسلم گھرانے کی لڑکی بالغہ ہو جاتی ہے تو حکومت اس کی شادی ایک غیر مسلم سے کر دینے کا پروگرام بناتی ہے،

مسلم پرسنل لا، کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے حضرت علیہ الرحمۃ نے اولاً وقت کے وزیراعلیٰ کے نام ٹیلیگرام کیا، اور اجمالاً ان پر واضح کر دیا کہ ایسی بین الملی شادیوں کی شریعتِ اسلامیہ میں گنجائش نہیں اور پھر ہمیں بلوا کر فرمایا کہ ایسا ویسا ٹیلیگرام تو چلا گیا ہے مگر ضرورت ہے کہ اس طرح کی بین الملی شادیوں کے متعلق جو دلائل اور مضار و مصالح ہیں ان پر مشتمل ایک مختصر تحریر بھی وزیراعلیٰ کے پاس پہونچے۔

آپ وہ تحریر مرتب کرکے لے آیئے۔ میں نے دبی زبان سے عرض کیا کہ میرا ذوق تحریری نہیں۔ ہمیں تحریر و تقریر کے فن سے خاص مناسبت نہیں، فرمانے لگے کہ بس آپ لوگوں کا یہی مزاج سہل پسندانہ سوچنے کا یہی طرز بلکہ ہمت وارادہ کی یہی کمزوری و پستی، ترقی کی راہوں میں رکاوٹ ہے، آپ جب پڑھے لکھے ہیں اور بحمد اللہ اندرونی صلاحیت موجود ہے تو اسے جلا بخشئے، طبیعت و مزاج پر بل ڈالیئے۔ اور احساس کمتری کا شکار مت ہویئے۔ ہر دن آپ طویل ومختصر فتویٰ لکھتے ہی رہتے ہیں یہ بھی تو ایک فتویٰ ہے ہوگا، جایئے آپ کی گھنٹیاں خالی کر دی گئی، اسباق مت پڑھایئے، جو کچھ میں نے کہا اس کی تعمیل کیجئے اور بعد عصر شام کی چائے پر ملیئے،

بہر حال ہم سے جس طرح اور جیسا بھی بن پڑا وہ مرتبہ تحریر لیکر شام کو حاضر ہوا، حاضرین مجلس نے دیکھا کہ بے حجابانہ توجہ بے تکلف التفات اس نے رسم ناز و نمکین توڑ دی میرے لئے۔ اور پھر تحریر پر ایک نظر ڈال کر اپنی مربیانہ شان کے ساتھ جو کچھ آپ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی خفتہ و خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا کیسا حسین سلیقہ اور کتنا زبردست بلکہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا ہے۔

ہمیں کوئی آپ بیتی بیان کرنا نہیں اور نہ خود اپنے اوپر بیتے ہوئے اس طرح کے انگنت واقعات ابتک ذہن میں اور بحمد اللہ حضرت علیہ الرحمۃ جو کبھی اس طرح کے موقع پر بظاہر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے ڈانٹ پلاتے اور پھر محبت و شفقت کے پر جوش انداز میں فرماتے کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے نوازنے میں کسی بخل سے نعوذ باللہ کام نہیں لیا ہے لیکن آپ میں اس کی قدر دانی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ہمیں یاد ہیں، مثالوں اور واقعات کو نقل کرکے تحریر لمبی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں، مقصد صرف اتنا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی ذات اپنی دیگر امتیازی خصوصیات کے ساتھ رجال سازی کی بے پناہ صلاحیت کی بھی حامل تھی اور واقعات کی دنیا میں آپ کی اس صلاحیت کے حاصل وثمرات اور نتائج کے کتنے ہی نمونے ملتے ہیں، اور آپ کی تربیت سے فیضیاب کتنے ہی لوگ مختلف لائنوں میں امتیازی شان کے ساتھ دین کی خدمتوں میں مشغول نظر آتے ہیں — ان تنگ نظروں اور تنگ ظرفوں سے بحث نہیں جو اپنی فطری سفالپن کے نتیجہ میں قدرتی طور پر اپنے محسن کی منت شناسی کے شریفانہ اور قابل قدر جذبہ سے یکسر محروم بنا دیئے گئے ہوں اور جنکی شرافت نفسی کی حس ہی مردہ ہو چکی ہو، ایسے ناقدروں کو استثناء کے بعد اہل علم اور باخبر لوگوں کا طبقہ بالعموم اور وہ حضرات بالخصوص میرے مذکورہ بالا تاثرات واحساسات پر مہر تصدیق ثبت فرمائیں گے جنہیں مختصر ترین عرصہ تک بھی حضرت علیہ الرحمۃ کی صحبت نصیب ہوئی ہوگی اور کبھی بھی آپ کے دامن تربیت

سے وابستہ رہنے کا شرف ملا ہوگا، دور کہاں جایا جائے، بحث ونظر کا شمارہ ۱۵۳ کے اداریہ کو دیکھ لیا جائے، ملک کے معروف ومشہور عالم دین حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاضی شریعت بہار واڑیسہ نے منت شناسی کا برملا اظہار کرتے ہوئے ایک روشن حقیقت کا کس طرح اعتراف کیا ہے، لکھتے ہیں (حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات) جہاں ملت کا عظیم حادثہ ہے وہاں راقم الحروف کے لیے ذاتی حادثہ ہے میں نے ان کے زیر سایہ تربیت پائی، میرے ذہن وفکر کی نشوونما میں ان کا بڑا حصہ ہے، شفقت میں وہ میرے باپ کی طرح تھے، تربیت میں استاذ کی طرح الخ۔ بلکہ حضرت علیہ الرحمۃ نے رجال سازی کی اپنی وہبی صلاحیت سے جس طرح کی جاذب نظر شخصیتیں پیدا کر کے قوم اور ملک وملت کی خدمت کے لیے انہیں ابھارا اور نکھار کر آگے بڑھایا اس کا اعتراف دیگر اہل نظر بھی کر رہے ہیں، چنانچہ اس کی ایک نہیں کئی مضبوط شہادتیں تو بحث ونظر کے اسی شمارے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

دار العلوم دیوبند سے "مدیر "الداعی" نے اپنے تعزیتی پیغام میں حضرت قاضی شریعت مدظلہ کو لکھا ہے" خانقاہ رحمانی کی مدرسی سے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور ملت کی قیادت کے مختلف اسٹیج پر مولانا نے آپ کو سلیقہ سے بیٹھایا اور آپ کی صلاحیت سے کام لیکر ملت کو فائدہ پہونچا کر اپنے بعد مستقل قیادت کے لیے آپ کو تیار کیا الخ۔

آج مولنا علیہ الرحمۃ ہمارے درمیان نہیں رہے اور کہا جا سکتا ہے کہ غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں، لیکن ملت کے ایسی حدی خوان جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کی کمی سطح بیں کو نہیں ژرف نگاہوں کو محسوس ہوتی ہے۔

یہاں ہر آنے والے جانے ہی کے لئے آتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر چلے جاتے ہیں، لیکن ان کی یاد کبھی بھلائی نہیں جاتی، میرے لیے بھی ان کی یادیں ان شاء اللہ زندگی کا سرمایہ رہیں گی تاہم حضرت علیہ الرحمۃ کے تمام ہی نیاز مندوں، عقیدت مندوں، اور ان کے اخلاف سے میری گذارش ہوگی کہ منت اللہ کی اصل منت شناسی صرف ان کی یاد کو باقی رکھنا نہیں بلکہ ان کی یادگاروں کی بقا اور حفاظت ہے، حضرت مرحوم کے تمام ہی پسماندہ متعلقین کی مشترکہ مگر بڑی نازک ذمہ داری ہے کہ سبھی لوگ اپنی اپنی بساط بھر باہمی تعاون وتناصر سے کام لیتے ہوئے حضرت کی یادگاروں کو چشم بد سے محفوظ رکھیں اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو آگے بڑھائیں اور برابر بڑھاتے رہیں۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی

اور مسلم پرسنل لاء بورڈ

حضرت مولانا محمد حنیف ملی، معہد ملت، مالیگاؤں

امیر شریعت رابع بہار واڑیسہ اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو قانون شریعت کی حفاظت اور مسلم مسائل کے عملی نفاذ کا جتنا خیال تھا اس کی بے چینی کا کچھ اندازہ انہی دوستو اور بزرگوں کو ہے جو مرحوم کی شب و روز کی سرگرمیوں اور معمولات سے واقف ہیں، خانقاہ رحمانی میں مولانا کی صبح و شام کس طرح بسر ہوتی تھی جنھوں نے اسے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرحوم کی دل کی خلش یہی تھی کہ آخر یہ ملت اپنی شاندار ماضی کی روایات کو بحال کرنے کے لئے کب بیدار ہوگی اور اس عظیم سرمایا کی حفاظت کے لئے خواب خرگوش سے کب جاگے گی، علماء اور قانون کے مسلم ماہرین کا وفد جب کبھی امارت شرعیہ کے دفتر پھلواری شریف یا خانقاہ رحمانی مونگیر آتا تو دیگر مسائل کے ساتھ مولانا کا یہی موضوع سخن ہوتا تھا مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ملت جس روز اپنی قانون شریعت کو اپنی زندگی میں حرز جاں بنائے گی ہندوستان میں انقلاب آجائے گا اس حقیقت کا اظہار مرحوم اپنی تحریروں اور تقریروں میں متعدد بار بڑے مخصوص لب ولہجہ میں فرماتے رہے ہیں ۱۹۷۲ء میں مونگیر کی عیدگاہ پر لاکھوں مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

> اسلامی شریعت خدا کا ازلی اور محبوب قانون ہے جس سے دل لگی انتہائی سنگین نتائج کا سبب ہوگی اگر یہ مذاق لاپرواہی کی صورت میں مسلمانوں کی طرف سے ہوا تو وہ سب سے پہلے عتاب خداوندی کا نشانہ بنیں گے اس لئے کہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلامی شریعت کے امین اور اس کے حامل ہیں اور دوسروں نے اگر قانون شریعت سے کھیلنے کی بات کی اور یکساں سول کوڈ کی خوش نما تعبیر کے ذریعہ اس میں تبدیلی لانے کی بات کی تو خدا کی سنت کے مطابق مٹانے سے پہلے خود مٹ جائیںگے یہ تاریخ کی عینی شہادت اور قدرت کا اٹل فیصلہ ہے میری وارننگ بھی ہے اور مخلصانہ مشورہ بھی کہ حکومت اس کا تجربہ نہ کرے اور قانون شریعت میں تبدیلی کا کوئی خیال بھی ہو تو اس سے باز آجائے۔

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "کاروان زندگی" حصہ چہارم ص ۱۸۱ تا ۱۹۴۔

اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ آنجہانی سمپورنا نند جی نے ایک طرف مسلمانوں کے قانون شریعت سے دلچسپی لیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں بھی اسے اچھا سمجھتا ہوں کہ بھارت میں تمام بسنے والوں کا ایک نظام زندگی اور ایک ہی عائلی قانون ہو تاکہ پست و بلند سما بھید بھاؤ اور سطحی نابرابری ختم ہو جائے وزیر اعلیٰ کی طرف سے یہ محض تفریح طبع کے لئے ایک بیان ہی نہیں بلکہ اس سازش کی صحیح عکاسی تھی جس کا اظہار آزادی اور تقسیم ملک کے بعد ہی سے ہندو رہنماؤں کی نجی مجلسوں میں ہونے لگا تھا ہمارے بزرگ علماء اور مسلم صحافیوں نے نہ صرف اس بیان کا تعاقب کیا بلکہ اس کا پردہ بھی چاک کر کے بتانے کی کوشش کی کہ برادران وطن کے دلوں میں اندر اندر مسلمانوں کی طرف کتنی بدگمانیاں بھری ہوئی ہے بحوالہ قائد لکھنو حضرت امیر شریعت مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ سمپورنا نند جی بھول گئے کہ قانون شریعت' رومن لا، کامن لا' ہندو کوڈ بل اور دیو مالائی قانون انسانی ذہنوں کی ایجاد نہیں ہے کہ جس میں کوئی گنجائش یا امکان کسی تبدیلی کا باقی ہو مسلم پرسنل لا، تو خدائی قانون ہے جس کی تبدیلی کے لیے جب کوئی ید باطن آگے بڑھا تو قدرتی بجلیوں نے فوراً اس کا حساب بیباق کر دیا، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدائی قانون کے ساتھ مذاق کوئی کھیل نہیں ہے جو وزارت عظمیٰ کے نشہ اور غرور میں ہوتا رہے۔ __________ قانون شریعت اور مسلم پرسنل لا بورڈ سے ایک عالم بے بدل ہونے کی وجہ مرحوم کو والہانہ لگاؤ تھا اس کی کچھ جھلکیاں تو مونگیر اور پھلواری شریف کی مجلسوں میں قریب سے دیکھنے میں آیا علاوہ ازیں ایک عبقری ہونے اور عالمی مسائل، حکومتوں اور قوموں کا نشیب و فراز پر نظر رکھنے والے کہنہ مشق سیاسی ہونے کی وجہ سے بھی حضرت مولانا تاریخ کے جبر کو کے جانتے تھے کہ ہندوستان مسلمان کا قانون شریعت بہر حال ہدف اور مورد خطر رہیگا۔ اس لئے تھی انہیں یہ فکر کھائے جا رہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پرسنل لا کو آخر دشمنان دین سے کیسے بچایا جائے جبکہ حکومت کی سازش اور غیر اسلامی سرگرمیوں سے یہ خطرہ فسادات کی صورت میں مسلمانوں کے متاع دین وجاں کو مسلسل آزمائش میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اس اہم خطرہ سے نمٹنے کے لئے حضرت امیر سے ضروری سمجھا کہ دفاعی کارروائی کرنے کے بجائے ہم مثبت انداز میں اپنی شریعت کی بنیاد مضبوط کریں اور علماء ہند کو مشورہ دیا کہ موجودہ مسلم تنظیموں اشتراک و تعاون سے اس محاذ پر جنگ لڑنے کے لئے مستقل محاذ مسلم پرسنل لا عنوان سے کھولا جائے اور فکر و خیال، مسلک و عقیدہ کے اختلاف کو بھلا کر مسلمانوں کے مسائل اور ان کے خلاف سوچنے والوں کو ایسا سبق پڑھایا جائے کہ پھر کبھی اس ملت سے دل لگی کرنے کی جرأت نہ کریں عقیدہ کے عبث اور فضول اختلافی جال میں پھنسی اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی اس ملت سے حکومت وقت مسلسل کھیلتی رہی وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے اور اور مسلکوں کے اختلاف کو ختم کیا جائے تو آنکہ اسے خود اپنی ملی مسائل اور قانون وراثت کا شعور پیدا ہو جائے حضرت امیر نے اس اہم کام کے لئے لمبے لمبے اسفار کیا اہل علم' علماء' دانشوروں اور مسلم تنظیموں کے سربراہوں سے رابطہ قائم کیا اور دارالعلوم کے فاضل مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحب بشمول ارکان شوریٰ سبھوں کو اس اہم کام کے لئے دارالعلوم ہی میں یکجا ہونے کا مشورہ دیا بالآخر تمام مسلم تنظیموں اور ہر مکتب فکر کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع دارالعلوم میں منعقد ہوا جس کی صدارت

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی! ہر چند کہ ملک میں اس وقت بڑے باکمال علماء مفتیان دین اور تحریکات میں پیش پیش رہنے والے بزرگوں اور دانشوروں کی کمی نہیں تھی مگر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب کی طرح جو دل مضطرب خدا نے حضرت امیر شریعت کو عطا فرمایا تھا اس لئے ہم تو بن ملی اور اجتماعی تحریک کا سہرا حضرت ہی کے سر بندھا مرحوم اس اجتماع کے روح رواں تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ملت کے ملکونے سے وہ کانٹا نکال دیا جائے جو شرپسند اور مسلم دشمن طاقتوں کے اشارے پر اپنی جڑوں کے ساتھ مستحکم ہوتا جا رہا تھا حضرت کے ایما پر علماء اور دانشوروں کا یہ اجتماع حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ہوا اور اس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل ہوئی اور تمام کاموں کی ذمہ داری حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے سر آئی اور آپ متفقہ طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری جنرل مقرر ہوئے اسی اجتماع میں یہ بھی طے ہوا کہ ایک کل ہند کانفرنس منعقد ہو جس میں تمام مسلم تنظیموں کے سربراہ متفقہ طور پر حکومت وقت سے صاف صاف کہدیں کہ قانون شریعت ہمارے ہاتھوں میں خدا کی امانت ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم ہم برداشت نہیں کرینگے اگر حکومت نے کسی تبدیلی کا اقدام کیا تو ملک میں جو حالات بھی پیش آئینگے اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ مسلمانان بمبئی نے بھی اپنی تاریخ ساز ماضی کی ضیافت کے پیش نظر اس کانفرنس کے لئے میزبانی کی ذمہ داری قبول کرلی اور توقع سے زیادہ اسے نبھایا بھی' کانفرنس کی تاریخ جیسے جیسے قریب آتی گئی حضرت مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بے چینی اور اسفار بڑھتے گئے اس ناتواں جسم میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قدرت جوانی کا شرارہ بھر دیا ہو لمبے لمبے سفر' ہجوم کار' اور صبر آزما بیماری کے باوجود مولانا نے بکمال جنون اس کام کو انجام دیا اور بمبئی کے حمیت پسند علماء خواص اور عوام کے تعاون سے وہ تاریخی آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس ہوئی جس نے علی برادران کے دوروں اور خلافت کانفرنس کی یاد تازہ کردی' فرقہ پرست طاقتیں کانفرنس کو ناکام بنانے اور ریاستی حکومت کے ذمہ داروں کو غلط مشورہ دینے میں لگی رہیں اور ملت کے یہ دیوانے برق و شرر کے ماحول میں منزل کی طرف بڑھتے رہے آخر کار لاکھوں شیدائیاں اسلام اور مینخانۂ توحید کے متوالوں نے اپنی ان بزرگوں کی قیادت میں حکومت وقت اور وزیر قانون سے صاف صاف کہہ دیا کہ مسلم لا خدا کا بنایا ہوا قانون ہے اس میں حکومت کسی ادنی سی ترمیم کا ارادہ رکھتی ہو تو باز آجائے کانفرنس کے صدر مولانا محمد طیب اور سکریٹری مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ نے اپنے صدارتی اور استقبالیہ خطبوں میں بہ بانگ دہل یہ اعلان فرمایا کہ "قانون شریعت ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے ہم اپنی جانوں سے تو دست بردار ہو سکتے ہیں لیکن قانون شریعت اور مسلم پرسنل لا سے کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہو سکتے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک و دعوت اور قاری محمد طیب صاحب کی آواز پر پورے ملک سے اعلیٰ دینی دماغ رکھنے والا طبقہ بمبئی میں سمٹ آیا اور اس طرح ننگ نام' بدنام زمانہ مرتد حمید دلوائی اور اس کے اسلام دشمن ٹولہ کو سبق پڑھا دیا گیا۔

ہم کو مٹا سکے یہ زمانہ میں دم نہیں — ہم سے زمانہ خود ہے زمانہ سے ہم نہیں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کیا وجود میں آیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانان ہند کے دل کی آواز اور دھڑکن بن گیا وہ جمود جو ملت اسلامیہ میں اپنی دین کی طرف سے بڑھتا جا رہا تھا بالاخر ٹوٹنے لگا اور قانون شریعت کے تحفظ کی ایسی فضا بنی کہ ایوان حکومت بھی لرز گیا اور ممبران پارلمنٹ کی مخالفت کے باوجود اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی کو اعلان کرنا پڑا کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں حکومت کسی ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی۔

بورڈ کے وجود میں آنے کے بعد ملک کے مختلف اہم مقامات پر اسکے سالانہ اجلاس ہونے لگے، دلی، مدراس کلکتہ حیدرآباد، پونہ، رانچی، بنگلور، پٹنہ وغیرہ میں اجلاس ہوئے جس میں حکومت کی معاندانہ اور قانون شریعت دشمن سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا درمیان میں اگرچہ جمیعۃ علماء نے بورڈ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا لیکن علما اس کا رویہ انتہائی فکر انگیز رہا تاہم امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ جمیعۃ علماء کے بزرگوں کو ہم اس اہم مشن اور کاز سے علیحدہ دیکھنا نہیں چاہتے وہ آئیں اور کشتی ملت کے ناخدا بن کر اسے پار لگائے مولانا کی ان تمام کوششوں کے باوجود بھی جمیعۃ علماء ہند اپنی اس روش پر قائم ہے جبکہ بوہرہ شیعہ سنی دیوبندی سب اس بڑے فتنے کے سامنے بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار) بنے ہوئے ہیں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل سے لیکر مولانا کی وفات تک بعض حلقوں سے اسے فتنہ میں مبتلا کرنے کی کوشش ہوتی رہی لیکن امیر شریعت نے ہمیشہ اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھا اور اعلان فرما دیا ہم اپنے اس ادارہ کو خالص دین کی بنیاد پر اپنے خون جگر سے سینچیں گے اور حتی الامکان ملک کے کسی بھی سیاسی موضوع پر بحث کی نوبت نہیں آنے دینگے چنانچہ کانفرنس اور اس کے جلسہ عام میں کسی مقرر نے اپنی ریاست کے کسی متعلق سیاسی مسئلہ میں تقریر میں ذکر کرنے کی کوشش بھی کی تو مولانا نے فوراً نکیر فرمائی اور مقرر سے درخواست کی کہ ملت کے اس خالص دینی اجتماع میں کسی سیاسی مسئلہ پر اظہار خیال کی اجازت نہیں ہے اور مقرر کو پھر روک ہی دیا امیر شریعت کی ژرف نگاہی اور دور اندیشی سے مسلم پرسنل لا بورڈ تبع بھی مسلمانوں کے وقیع اور نمائندہ وفد کی حیثیت سے ملک میں سرگرم ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اسی طرح سرگرم رہیگا۔ بلکہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملی سرگرمیوں اور پورے ملک کے مسلمانوں کی مکمل نمائندگی کی وجہ سے ملکی صحافت اور حکومت پر بھی عیاں ہو گیا کہ یہی تنظیم سپر پاور اور با اختیار ہے درحقیقت حضرت امیر شریعت کی ان خدمات کے نتیجے میں اور ان کے رفقاء کے تعاون سے اس ملک میں جو ملی اور اسلامی فضا بنتے جا رہی ہے یہ ہم لوگوں کے اوپر خداوند عالم کی عظیم الشان نعمت ہے یہی نہیں مسلم پرسنل لا کے وجود میں آنے کے بعد حکومت کا وہ تہور اور ایوان میں مسلم لا کے خلاف لن ترانیوں کا سلسلہ بھی ختم ہونے لگا، مخالفت کا فسوں ٹوٹا اور اب مسلمانوں کے خلاف اظہار خیال کرنے سے پہلے لوگوں کو سوچنا پڑتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مولانا منت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمت

مردانہ اور جرأت قلندری سے ملک کے مسلمانوں میں حوصلہ اور خود اعتمادی پیدا ہوئی اور مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اس ملک میں نہ ہم بے سہارا ہیں اور نہ ہمدردوں سے محروم۔

حالات کے تقاضوں کے پیش نظر بورڈ کے وجود میں آنے کے بعد حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں قانون شریعت کی تشکیل جدید کا ہونا ہے عدالتوں میں مسلمانوں کے نجی مسائل سے متعلق جو فیصلے ہوا کرتے ہیں اس میں شریعت سے چشم پوشی برتی جاتی ہے اور چونکہ مسلمانوں کے عائلی، ملی اور سماجی مسائل کی کوئی مرتب کردہ شکل نہیں تھی اسلئے بدگمانیوں اور شکوک و شبہات کے ساتھ در پردہ مسلم مسائل کی غلط اور خلاف واقعہ تشریح بھی ہوتی رہی جسے بھولے اور ناخواندہ مسلمان اسلام کا حکم سمجھتے رہے اس بڑی مشکل پر قابو پانے کے لئے ضروری تھا کہ انتہائی تحقیق، دقت نظر اور مصالح شرعیہ کو سامنے رکھ کر تدوین قانون اسلامی کا یہ اہم کام انجام پاتا جسے حضرت مولانا نے ملک کے مختلف فقہاء کے حوالہ فرمایا الحمد اللہ یہ کام بھی تکمیل کو پہنچ چکا۔ جس کا فائدہ اس ملت کو مستقبل قریب میں پہنچے گا اس اہم کام کی ترتیب و تکمیل میں حضرت کی خصوصی توجہ کو جو دخل ہے اسے کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہمیں خوشی ہے کہ مرتب شدہ قانون کا مسودہ نظر ثانی اور تبصرہ کے لئے بڑے اہتمام سے ہم ہیچمدانوں کو بھی ارسال فرمایا کرتے تھے ہم اس پر تبصرہ یا حاشیہ آرائی کیا کرتے ہاں بصد شوق فقہی ترتیب سے آراستہ مسودہ قانون شریعت کو بطور استفادہ دیکھتے اور اس کا مطالعہ کرتے رہے خدا حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے کہ تدوین قانون شریعت بلا شبہ ان کا تجدیدی کارنامہ ہے جسے مکمل کرنے کی ذمہ داری ان رفقاء کار پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت امیر شریعت نے اس قانون میں اپنے وقت کے بالغ نظر فقیہ مولانا مجاہد الاسلام کے توسط سے فقہی ابواب کی جو ترتیب قائم کی ہے اس سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کی مسلم پرسنل لا پر کتنی گہری نظر ہے یہی نہیں قانون شریعت پر مختلف زبانوں میں حضرت کے قلم سے جو لٹریچر ہمارے ہاتھوں میں آئے ہیں اس سے جہاں مسلم مسائل سے بے پناہ دلچسپی اور دلدادگی کا پتہ چلتا ہے وہیں ایک فقیہ مجتہد اور مسلم پرسنل لا کے حفاظت کے لئے محاذ پر نہ جھکنے والے اور تازہ دم سپاہی و محافظ دین کا بھی پتہ چلتا ہے مرحوم اکثر اپنی نجی گفتگو اور مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان ہونے کی بنا پر اولاً اور اس ملت کا ذمہ دار فرد ہونے کی بنا پر ثانیاً ہم فکر و عقیدہ کے ایسے محاذ پر ہیں جو سرد جنگ کی طرح کبھی نہ ختم ہونے والا ہے حکومت کی منشا یہ ہے کہ یکساں سول کوڈ کی دو دھاری تلوار سے مسلمانوں کو اس طرح ٹھنڈا کر دیا جائے کہ پھر وہ دوبارہ سر بھی نہ اٹھا سکیں۔

امیر شریعت چاہتے تھے کہ مسلم پرسنل لا کے عنوان سے جو اجتماعیت مسلمان علماء اور ذمہ داروں میں پیدا ہو چکی ہے وہ ہرگز نہ ختم ہو چاہے حکومت وقت میر جعفر جیسے ہوا خواہوں سے رخنہ اندازی اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا

کرنے کی کوشش کرتی رہے اسی اہم مقصد کے لئے ملک کے اہم ترین شہروں میں سالانہ کانفرنسیں ہوتی رہیں تاکہ پرانے شکاریوں کے نئے جال میں کوئی بھولا بھالا مسلمان پھنس نہ جائے ہم نے دیکھا ہے کہ امیر مرحوم نے ان کانفرنسوں کی مختلف نشستوں میں کس قدر بے نیاز ہو کر حکومت وقت کو قانون شریعت میں مداخلت کرتے پروارننگ دی ہے شاہ بانو کا کیس مسلم پرسنل لا کے لئے ایک زبردست چیلنج تھا لیکن بورڈ حضرت امیر اور صدر بورڈ مولانا علی میاں کی سرکردگی میں حکومت کو بل واپس لینے پر مجبور کر ہی دیا۔ علاوہ ازیں سالانہ کانفرنسوں کے ساتھ جو ضلعی اور ذیلی اجلاس ہوتے رہے اس میں بھی یہ پیر جواں ہمت ملت کا درد لئے شریک ہوتا رہا ایک مرتبہ مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ مالیگاؤں معہد ملت کی تقریب ختم بخاری جلسہ تعلیم اسناد میں شرکت کے لئے تشریف لائے دو روز قیام فرما کر حضرت نے اورنگ آباد کے ذمہ داروں کے اصرار پر مرہٹواڑہ کا دورہ فرمایا یہ عاجز کوئی پانچ دن حضرت کے ساتھ سفر میں تھا اس پورے دورہ میں جگہ جگہ میٹنگیں اور جلسے ہوئے مولانا نے مسلمانوں کو بس ایک ہی پیغام دیا کہ قانون شریعت کی طرف سے ان لگ بھگتوں کی نیت صاف نہیں ہے جو حکومت کی کرسیوں پر براجمان ہیں ان سے نمٹنے اور ان کے تمام حربے ناکام بنا دینے کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں اور یہ اعلان کر دیں کہ بورڈ ہمیں بھی جو ہدایت دیگا بس ہم اس کے پابند ہیں حکومت کی حکمرانی اور مجرمانہ تصرف کے ہم کسی قیمت پر روادار نہیں ہیں یہ بات مولانا نے اورنگ آباد کی پر شکوہ جامع مسجد میں ہزاروں کے مجمع میں فرمائی جسے ملت نے پسند بھی فرمایا۔

اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ضلع بیڑ کی وہ کانفرنس ہے جس میں دارالقضاء کے قیام کا اعلان ہونے والا تھا یہ جلسہ جامع مسجد محلہ قلعہ میں ہوا ہزاروں مسلمان اپنی بزرگ رہنما مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو سننے کے لئے جمع تھے اس روز مولانا نے مسلم پرسنل لا کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ

> "مسلمانو! خدا نے ہمیں اسلام کی صورت میں جو قانون شریعت عطا فرمایا ہے اس سے زیادہ بافیض اور جامع اصول کسی امت کو نہیں ملا ساری دنیا اس کی پابند ہے یہ دنیا کی بد نصیبی ہے کہ قرآن کریم سے الگ اپنا علیحدہ نظام چلا رہی ہے اور اس اسلامی نظام کو روز اول ہی سے ہر طرح کا چیلنج درپیش ہے وہ ہمارے اسلاف ہی کا جگر تھا کہ گردش ایام کے ساتھ اٹھتے ہوئے ہر فتنہ کا مقابلہ کرتے رہے تا آنکہ وہ امانت جاتے جاتے ہمیں سونپ گئے وہ ثابت قدم سرگرم تھے ہم غافل اور کمزور ہیں تبھی سارے قانون شریعت کو وہ خطرہ لاحق ہے ظاہر ہے اس فتنہ کا مقابلہ اسی وقت ہوگا کہ ہم ایک ہو کر اپنے علماء کے ہاتھ مضبوط کریں اور اعلان کردیں کہ ہم اس فیصلے کے پابند ہیں جو قرآن وحدیث کی روشنی میں

مسلم پرسنل لا بورڈ نے کیا ہے مسلم پرسنل لا میں مداخلت اس دستور کے ساتھ کھلی ہوئی خیانت ہے جو ہندو
مسلم رہنماؤں نے مرتب کیا ہے مسلم لا ہمارا حق ہے ہم کسی قیمت پر اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے"

میں نے اس پورے سفر میں دیکھا کہ امیر شریعت نے ہر جگہ بڑی خود اعتمادی اور دلسوزی کے ساتھ اسلامی قضیہ پیش کر کے حکومت کو وارننگ دی کہ یونیفارم سول کوڈ بل واپس لے اور مسلمانوں کے ایثار و قربانی اور ملی حمیت کا امتحان نہ لے ورنہ یہ سودا اس کے لئے مہنگا ہوگا" ایمرجنسی کے اس ملک پر جب منحوس سائے پڑ رہے تھے اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی تھی' اخبارات بھی بند تھے تو اس وقت سب سے زیادہ نشانہ بھی بے چاری ملت تھی اس وقت طاقت کے زور پر حکومت نے برتھ کنٹرول کی لعنت مسلمانوں پر زبردستی تھوپنے کی کوشش کی تھی اس منحوس سایہ کے خلاف کوئی نہیں تھا کہ اس کھلی ہوئی عملی مداخلت فی الدین کے خلاف آواز اٹھا کر اس غیر فطری اقدام پر روک لگاتا۔ ایسے نازک وقت میں حضرت امیر شریعت بہار اڑیسہ مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقدام کے خلاف بورڈ کی انتہائی اہم میٹنگ دہلی میں طلب کی یہ اجلاس فوج اور سنگینوں کے سائے میں ہوئی اور متفقہ طور پر امیر شریعت نے سب سے پہلے اعلان فرمایا کہ نس بندی کے لئے مسلمانوں کو مجبور کرنا کھلی ہوئی مداخلت فی الدین ہے ہم اسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے اور پورے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں انتہائی جامع اور مختصر فتوی نس بندی کے خلاف شائع کر کے جرأت و بیباکی کی تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ فرمایا یہ اور اس قسم کی بے شمار نظریں ہیں جس کے آئینہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک مخلص دردمند کی صورت میں جھلکتی نظر آتی ہے اس مختصر سے تعارفی مضمون میں سب کا احاطہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کیا ہی اچھا ہو کہ امارت شرعیہ اس اہم خدمت کو انجام دینے کے لئے آگے بڑھتی' ہماری دعاء ہے کہ خدا ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے جانے والے اس عظیم عالم دین کا نعم البدل عطا فرمائے اور مسلمانوں کو صبر دے اور حضرت کی قبر کو جنت کا نمونہ بنا کر بال بال مغفرت فرمائے۔

٭٭٭
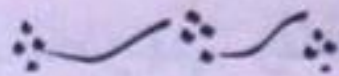
مولانا محمد سعید الرحمن شمس
مدیر ماہنامہ نصرۃ الاسلام، کشمیر

یادگار سلف حضرت امیر شریعت

علم و عمل، زہد و تقویٰ، استغنار و خودداری، شریعت و طریقت، شرافت و نجابت کا ایک اور روشن چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوا، یادگار سلف حضرت اقدس امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ بھی ملت اسلامیہ کو روتا بلکتا اور سوگوار چھوڑ گئے۔ امیر شریعت کا سانحۂ ارتحال موجودہ ملکی اور ملی مسائل و معاملات کے پس منظر میں انتہائی ناقابل تلافی اور زبردست علمی اور دینی نقصان ہے، امیر شریعتؒ کے اچانک انتقال سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر رنج و غم کی ہمہ گیر لہر دوڑ گئی۔ آپ کے انتقال پر ملال کا صدمہ نہ صرف ملک، برصغیر ہند و پاک بلکہ عالم اسلام میں قومی اور ملی نقصان کے طور پر محسوس کیا گیا ؎

کم مات قوم وماتت مکارمھم ؛ وعاش قوم وھم فی الناس اموات

(یعنی کتنی قومیں مرگئیں مگر وہ اپنے مکارم اخلاق اور اعلیٰ کارنامے انجام دینے کی وجہ سے زندہ ہیں اور بہت سی قومیں زندہ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مردوں کی مانند ہیں) حضرت امیر شریعتؒ کا سانحۂ وفات صرف ایک فرد اور شخصیت کی ذات نہیں ہے بلکہ ان روایات اور قدروں کا اٹھ جانا ہے جو فی الحقیقت انسانیت اور شرافت کے معیار ہیں، جو خلق و مروت کی کسوٹی اور بزرگی، حلم اور تواضع کی نشانی ہے۔ امیر شریعتؒ کے انتقال سے ایک عہد کی تکمیل ہوگئی اور ایک دور کا خاتمہ ہوگیا۔

حضرت امیر شریعتؒ اپنے معاصر علمار، صلحا اور بزرگوں کی صف میں ایک ممتاز، منفرد اور اثر انگیز بھاری بھرکم شخصیت کے مالک تھے، آپ ایک عظیم اسلامی مفکر، دانشور اور مذہبی قائد تھے، اللہ تعالیٰ نے بیک وقت حضرت

امیر شریعتؒ میں وہ تمام جواہر، خصائص اور کمالات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے جو نہ صرف ہم عصر علماء میں باعث امتیاز تھیں بلکہ وجہ افتخار بھی۔ دین اسلام کی سربلندی، دعوت وارشاد، اسلامی اقدار کے تحفظ اور شریعت اسلامی کے دفاع کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ اہم اور تاریخی نوعیت کے کام لیے جو یقیناً آپ کا ہی حصہ تھا، سچ ہے ع ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

جلیل القدر شخصیت

حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی مرحوم ان مقدس، برگزیدہ اور جلیل القدر شخصیتوں میں سے ایک تھے جن کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنایا تھا بلاشبہ امیر شریعت مرحوم برصغیر کے وہ ممتاز، جری اور بے باک مذہبی اور سیاسی رہنما تھے جن کے کارہائے نمایاں اور عظیم الشان دینی، علمی، تبلیغی، دعوتی، اصلاحی، ملی، سماجی اور سیاسی خدمات ملت اسلامیہ کیلیے باعث صد افتخار ہیں، امیر شریعتؒ کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، ان کی حیات کا ایک ایک لمحہ ان کے اسلامی افکار ونظریات، ان کی تعلیمات اور ان کا پیغام، قوم وملت اور مادر وطن کی مختلف حیات سے ان کی بے لوث، مخلصانہ بلند پایہ متنوع خدمات اور ملت اسلامیہ میں عمومی طور ان کے روح پرور اثرات ہماری دینی اور ملی تاریخ کے اہم اجزا ہیں۔

اسلاف واکابر کا نمونہ

حضرت امیر شریعتؒ نے اپنے معرکۃ الآرار اکابر واسلاف سرخیل علمائے دیوبند خاص طور قطب زماں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور اپنے نامور والد قطب ارشاد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے طرز اور منہاج پر اپنا دعوتی تبلیغی اور اصلاحی مشن کو مستحکم کر کے مزید آگے بڑھانے، موثر اور دل نشیں انداز بیان سے عوام الناس کو دین اسلام کا والہ وشیدائی بنانے، شریعت الٰہی اور طریقت اسلامی سے انہیں مربوط کرنے، ان کے عقائد واعمال کی تطہیر، تصحیح اور اصلاح کرنے میں قابل قدر اور نمایاں ترین حصہ رہا ہے، امیر شریعت نے اپنے عظیم منصب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ بنیادی فلسفہ اور نکتہ لوگوں کے ذہن نشین کرایا کہ

> "مذہب زندگی کا جز نہیں بلکہ تمام انسانی زندگی پر حاوی، محیط اور اس کی روح اور اصل الاصول ہے۔ اس کی قوت محرکہ فہم وشعور اور فکر ونظر ہے، صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے والی کسوٹی ہے صراط مستقیم اور ہدایت کے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا قطب نما ہے اور مذہب زندگی کا ضمیمہ نہیں بلکہ اصل راز ہے۔"

یقیناً دین اسلام ایک خاص طرز فکر، ایک خاص منہاج ایک خاص نقطہ نظر، ایک خاص طرز عمل اور ایک خاص ذہن وفکر اور انداز زندگی کا نام ہے جو مہد سے لیکر لحد تک اور بازار سے لیکر میدان کارزار تک، عبادات، معاملات، اخلاقیات،

اجتماعیات، معاشیات، اقتصادیات، سماجیات، ماحولیات اور سیاسیات کے علاوہ بین الاقوامی نوعیت کے تعلقات کے بڑے بڑے مسائل کا فطری حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسلام میں دینی اور دنیوی زندگی کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن اور محال ہے، اسلام کی نظر میں دنیا اور آخرت دونوں ہی مسلسل زندگی کے دو گوشے ہیں اور دائرے میں پہلا دائرہ سعی و عمل کا ہے۔ جبکہ دوسرا نتائج و اثرات کا۔ حضرت امیر شریعتؒ دین و دنیا کا ہی حسین امتزاج پوری زندگی اپنے کردار و گفتار اور قول و عمل سے پیش کرتے رہے۔

جامع صفات شخصیت

کہا جاتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت نو صفات سے نوازا تھا۔ شبلی مرحوم مقرر بھی تھے اور محقق بھی، معلم بھی تھے اور مؤرخ بھی، ادیب بھی تھے اور دانشور بھی شاعر بھی تھے اور مفکر بھی۔ اسی طرح امیر شریعتؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ڈھیر ساری خوبیوں اور صفات عالیہ سے نوازا تھا، آپ وسیع النظر عالم بھی تھے اور عامل بھی، عابد شب زندہ دار بھی تھے اور زاہد عن الدنیا بھی، مرشد کامل بھی تھے، اور داعی حق بھی، شعلہ بیان خطیب تھے اور سحر طراز ادیب بھی، مجاہد بھی تھے اور قائد بھی۔

دنیوی زندگی میں انسان جن خصائص اور اوصاف سے اپنے معاصرین میں امتیاز اور نام پیدا کرتا ہے ان میں جہاں آدمی کی اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کا دخل ہوتا ہے وہاں کچھ روایات بھی فرد کو ابھارنے اور شرف دوام بخشنے کا سبب بنتے ہیں۔ خاندان، تعلیم و تربیت، ذہانت و فطانت، قابلیت و صلاحیت، عبادت و ریاضت، جرأت و بے باکی، زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی، اخلاص و للّٰہیت، ہمدردی و غمخواری، عہدہ و منصب ایسی چیزیں ہیں جن سے آدمی عزت و شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ الحمد للہ یہ تمام خوبیاں حضرت امیر شریعت کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

امیر شریعت کو اللہ تعالیٰ نے حق گوئی، حق شناسی اور جرأت و بے خوفی سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ آداب سکھانے پر آتا ہے تو اسے جملہ آداب و محاسن کا نمونہ بھی بنا دیتا ہے بقول شاعر مشرقؒ ؎

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی | سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

حضرت امیر شریعتؒ نے تحفظ شریعت اور اسلامی قوانین کے دفاع کے کسی بھی نازک سے نازک مرحلہ پر کسی قسم کی کوئی کمزوری یا بزدلی نہیں دکھائی۔

امیر شریعتؒ میں اسلامی قیادت کی پوری پوری شان پائی جاتی تھی اور وہ جو اقبال مرحوم نے کہا ہے کہ ؎

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز | یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ہو بہو یہ شعر امیر کارواں حضرت امیر شریعتؒ پر صادق آتا تھا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا نام بچپن سے ہی کانوں میں پڑا تھا، دراصل امیر شریعتؒ سے بیعت و استرشاد اور پیری و مریدی کا سلسلہ میرے خاندان سے روز اول سے تھا۔ بنگال و بہار کی اکثر مسلم آبادی کم و بیش حضرت امیر شریعتؒ سے عقیدت و ارادت رکھتی تھی۔ میرے والد مرحوم اپنے علاقہ کے رئیس اور متمول آدمی تھے، ابا مرحوم کے علاوہ خاندان کے دیگر افراد اور لوگوں نے حضرت امیر شریعتؒ کے شباب اور جوانی کا دور دیکھا تھا اور ان کی بزرگانہ اور علمی شخصیت سے مقدور بھر فیض اٹھانے کی کوششیں کی تھیں۔ علاقہ بھر کے مرکزی مدارس اور اہم مساجد میں ہر سال حضرت امیر شریعتؒ کی زیر صدارت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے جلوس ہوتے جس میں ملک و ملت کے معروف علماء اور خطیب حضرات خطاب کرتے اسی بہانے پورے علاقہ میں کبھی ہفتوں اور کبھی مہینوں امیر شریعتؒ کا مضافات اور دیہی علاقوں میں تفصیلی دورے ہوتے، دعوتی مجالس کا اہتمام ہوتا اور بھاری تعداد میں عام دیہاتی اور سیدھے سادے مسلمانوں کے علاوہ مقامی علماء و حفاظ وغیرہ داخل سلسلہ ہوکر امیر شریعتؒ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے۔

حضرت امیر شریعتؒ کی آمد کی خبر جونہی علاقہ میں مشتہر ہوتی تو عام لوگوں، علماء، دانشوروں، بڑوں اور ذمہ دار افراد کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی، حضرت امیر شریعت کی ایک جھلک دیکھنے، ان سے مصافحہ کرنے اور دعائیں لینے کے لیے خلق خدا کا ایک ہجوم ہر جگہ اور ہر وقت جمع ہو جاتا اور حضرت امیر شریعتؒ بھی ہر مخلص مسلمان سے اس کے مرتبہ اور مقام کے مطابق معاملہ فرماتے۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کے الٰہی حکم کی تعمیل، موقع اور محل کے لحاظ سے بات کرنا، اور اس سلسلہ میں کسی بھی چھوٹے بڑے فرد و شخصیت کا پاس و لحاظ نہ رکھنا، احقاقِ حق اور ابطال باطل، امیر شریعتؒ کی زندگی کا ایک طرۂ امتیاز تھا، اللہ تعالیٰ نے امیر شریعتؒ کو جو غیر معمولی دینی بصیرت، فقہی صلاحیت، عبقریت اور بلند نگاہی عطا کی تھی اس کا اعتراف مخالف و موافق سبھوں نے کیا ہے

امیر شریعتؒ سے ربط و تعلق

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد ہے کہ راقم آثم کا نام حضرت امیر شریعتؒ ہی کا تجویز کردہ تھا، بچپن سے ہی اگرچہ امیر شریعت کی خصوصی توجہ رہی لیکن اپنی حرماں نصیبی اور کم ظرفی کہ جو زمانہ سیکھنے اور سمجھنے کا تقاضا ضائع کیا اور اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

امیر شریعتؒ کو ہوش و خرد سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے قریب سے اپنے علاقہ کی معروف مرکزی درسگاہ مدرسہ احمدیہ کاشی باڑی کے عظیم الشان سالانہ جلسۂ دستار بندی کی مبارک تقریب میں دیکھا، اس وقت میری عمر بمشکل ۱۳ چودہ سال

تھی۔ اپنے گھر کے مدرسہ امیر الاسلام گوتی میں استاذ و مربی حضرت مولانا محمد ذاکر حسین صاحب مدظلہٗ دربھنگوی کی نگرانی میں زیر تعلیم تھا۔ اسی عمر میں نعت خوانی اور شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی ہو چلی تھی اور الحمد للہ آواز بھی موزوں اور مناسب تھی مدرسہ احمدیہ کاشی باڑی کے جلسۂ عام میں صدر المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا محمد عزیز الرحمن صاحبؒ (خلیفہ و مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ) نے حضرت امیر شریعتؒ، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا محمد تسلیم القاسمی (ناظم جامعہ رحمانی مونگیر) اور دیگر مدعو علماء کی شان میں ایک زوردار استقبالیہ نظم کہی تھی، حضرت کی استقبالیہ نظم ہزاروں کے مجمع میں ترنم کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ سامعین اور حاضرین سے تو داد ملی ہی، حضرت امیر شریعتؒ اور اسٹیج پر ذمہ دار علماء نے بھی خاصی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ذہن کے حافظہ میں ابتدائی بعض اشعار محفوظ ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہے فرخندہ حضرت منت یہاں تشریف لائے ہیں	شریعت کے امیر کارواں تشریف لائے ہیں
حسینیؒ علم کے حامل دعا سجادؒ کے دل کی	علیؒ کے لال، فخر خانداں تشریف لائے ہیں
زباں سے کوثر و تسنیم کے چشمے ابلتے ہیں	طریق حق دکھاتے ہیں جہاں تشریف لائے ہیں
خلف نازاں ہے جن کے عزم و ہمت سرفروشی پر	سنانے کو سلف کی داستاں تشریف لائے ہیں

۱۹۷۷ء کے اواخر میں جبکہ راقم مدرسہ امیر الاسلام گوتی سے مدرسہ احمدیہ کاشی باڑی برائے تعلیم آچکا تھا۔ علاقہ کے ایک اور قدیم درسگاہ مدرسہ فیض عام ہریانو کا سالانہ اجلاس تھا، اور اس کا پس منظر بھی یہ تھا کہ بنگال کے بعض علاقوں میں رضاخانی علماء آکر سیدھے سادے عوام کو ورغلاتے، ان کے عقائد بگاڑتے اور خود ساختہ عقائد اور باطل افکار و نظریات عام لوگوں میں پھیلاکر پُرامن فضا کو بگاڑنے لگے تھے۔ مدرسہ ہریانو کے ارباب انتظام خاص طور حضرت مولانا محسن صاحب مرحوم اور ان کے معتمد خاص مولانا شرف الدین رحمانی نے رضاخانی علماء کے گمراہ کن عقائد اور نظریات کی تردید کے لیے حضرت امیر شریعتؒ کی سربراہی میں خصوصی طور مناظر اسلام، مبلغ اعظم حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ رئیس المبلغین دارالعلوم دیوبند کو مدعو کیا تھا۔ اسی دوران اس علاقہ میں رضاخانی علماء کے وکیل مولوی رفاقت حسین صاحب کانپوری بھی موجود تھے اور انہوں نے براہ راست حضرت امیر شریعتؒ کی ذات کو ہدف بنایا تھا۔ عام جلسہ سے قبل مولوی رفاقت حسین صاحب نے امیر شریعت کی خدمت میں ایک دستی مراسلہ بھیجا، تو حضرت امیر شریعتؒ نے اس کا تفصیلی جواب دیا جو بعد میں حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب نے من وعن افادۂ عام کے لیے شائع کرایا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر شریعت کا وہ تاریخی مکتوب ذیل میں پیش کیا جائے۔ مکتوب گرامی کا آغاز حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب قدس سرہٗ مبلغ دارالعلوم کے تمہیدی کلمات کے ساتھ یوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میرا کام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت و تحفظ ہے۔"

حضرت امیر شریعت بہار و اڑیسہ کا مکتوب گرامی، بجواب

الزامات مولوی رفاقت حسین کانپوری

مولوی رفاقت حسین کانپوری سے مسئلہ صلوٰۃ وسلام پر مراسلت جاری تھی، حضرت امیر شریعت مدظلہ، سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن انہوں نے میرے بعض استفسارات سے گریز اختیار کیا اور اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم امیر شریعت بہار و اڑیسہ کی خدمت میں ایک خط لکھا اور موصوف سے میری حیثیت دریافت کی اپنے بعض مفروضہ شبہات کا حل بھی چاہا۔

حضرت امیر شریعت مدظلہ نے مولوی رفاقت حسین صاحب کے خط کے جواب میں ذیل کا گرامی نامہ تحریر فرمایا جو ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ اب عوام و خواص کے استفادہ کی غرض سے اس کی نقل شائع کی جارہی ہے، امید ہے کہ مکتوب گرامی غور سے پڑھا جائیگا تاکہ فرقہ رضاخانی کے غلط الزامات کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے

(مولانا سید) ارشاد احمد

(مبلغ دار العلوم دیوبند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم بندہ جناب مولوی رفاقت حسین صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، میری اور آپ کی کبھی کی ملاقات نہیں ہے، غائبانہ بھی کوئی تعارف ایسا نہیں، جس سے آپ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کرسکوں، میں مناظرے کا آدمی نہیں ہوں، میرا کام حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت اور حسب استطاعت اس کا تحفظ ہے، میں ہر اس شخص کو جو "علیٰ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر ایمان رکھتا ہے، مسلمان سمجھتا ہوں اور قرآن مجید یا کسی حدیث متواتر میں تحریف کرنے والے یا انکار کرنے والے کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ الحمد للہ میں نسبتاً بھی آل رسول میں سے ہوں اور طریقت میں بھی مجھے کچھ حصہ اپنی بضاعت بھر سلسلہ قادریہ سے ملا ہے، جو سیدنا الشیخ غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ ہے حضرت موصوف ہی ہی کے امام ہیں میرا عقیدہ وہی ہے جو سیدنا علیؓ، سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہم، سیدنا زین العابدین، سیدنا باقر امام، سیدنا

جعفر صادق، سیدنا کاظم موسیٰ، سیدنا رضا اور سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم کا تھا۔

میں مذہباً حنفی ہوں اور فقہ حنفی کا حتی الامکان سختی سے پابند ہوں لیکن امیر شریعت ہونے کی بنا پر کسی حنفی مسئلہ پر اتنا زور دینا کہ حق اسی میں منحصر سمجھا جائے، مناسب نہیں سمجھتا، میں حنفی ہونے کے باوجود شافعی، مالکی، حنبلی اور اکثر و بیشتر اہل حدیث اور سلفیوں کو اہل سنت والجماعت میں داخل سمجھتا ہوں اور اپنی ہی طرح مسلمان سمجھتا ہوں۔

آپ نے تحقیق اور ثبوت کے بغیر کچھ اعلانات میری طرف منسوب کر دیے ہیں، میرا یقین ہے کہ صلوٰۃ و سلام افضل ترین اذکار میں سے ایک ہے، جس طرح نماز، کثرت تلاوت و نوافل، ذکر نفی و اثبات اور سلطان الاذکار وغیرہ سے تزکیۂ باطن ہوتا ہے اور رضا و قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اگر انسان منکرات سے بچتا ہے اور فرائض و واجبات، سنت مؤکدہ پر دوام رکھے اور صدق دل سے درود شریف کا ذکر کثرت سے کرتا ہے تو اس کو وہی فوائد حاصل ہوں گے جو کثرت نوافل، کثرت تلاوت اور سلاسل اربعہ کے اذکار و اشغال سے حاصل ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے میں ملا ہوں جنہوں نے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پابندی کے ساتھ صرف درود شریف کو اپنا وظیفہ بنایا ہے، اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف ہی کی رٹ لگائی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے باطن کو جلا دی ہے اور اپنے قرب سے نوازا ہے۔

میں اس پر بھی یقین رکھتا ہوں کہ فلاح دارین اور نجات اخروی کے حصول کی راہ صرف ایک ہے جس کی رہنمائی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کے سوا تمام راستے ضلالت و گمراہی کے ہیں، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری کام اتباع سنت محمدیہ ہے، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوب ۱۲ بنام شیخ درویش دفتر اول میں فرمایا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو سنت مصطفویہ کی متابعت سے مزین فرمائے۔ بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں۔ ہر چیز جو خوف و مرغوب ہو وہ محبوب و مطلوب کو دی جاتی ہے۔ بنا بریں حق سبحانہٗ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ نیز فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ اس آیت میں بھی ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراط مستقیم فرمایا گیا ہے اور اس کے علاوہ تمام راستوں کو داخل سبیل کر کے ان پر چلنے سے منع فرما دیا ہے۔ ادبنی ربی فاحسن تادیبی، میرے رب نے براہ راست میری تربیت کی ہے اور خوب تربیت کی ہے، تو ہر حال اتباع سنت ہر امتی پر لازم ہے اور یہی فلاح دارین کی ضامن ہے۔

میرا یہ بھی یقین ہے کہ نہ صرف انسان بلکہ مخلوقات عالم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیضان بواسطہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے پھر کیونکر ایک مومن آپ پر درود وسلام نہ پڑھے اور شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہر مسلمان کے لیے زندگی میں کم از کم ایک دفعہ درود وسلام بھیجنا واجب ہے اور یہ عاجز جو کابل وسست واقع ہوا ہے وہ بھی کم از کم گیارہ سو مرتبہ درود شریف ضرور پڑھتا ہے۔

میرا ایمان جیسا کہ میں نے پہلے لکھا "علیٰ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر ہے، میرا ایمان اردو یا عربی کی کتابوں پر خواہ وہ علمائے بریلی کی لکھی ہوں یا علمائے دیوبند کی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ سب کتابیں ایسی نہیں کہ انسان اس پر ایمان لائے۔ ایمان لانے والی کتاب تو قرآن مجید ہے جو بذریعہ وحی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس کی وہی تشریح وتفسیر معتبر ہے جو سرکار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، یا آپ کے لائق صد افتخار شاگردوں فقہائے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو یا اس کے مماثل یا قریب تر ہو یا کم از کم اس کے معارض نہ ہو۔

میرا یہ بھی یقین ہے کہ حق تعالیٰ خالق کائنات اور رب العالمین ہے اور ہمیں اور سارے انسانوں کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے اور جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بلند، آپ نہ صرف انسانوں کے بلکہ انبیاء ورسل کے سردار ہیں اگر سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لائیں تو ان کو بھی شریعت محمدیہ ہی کی اتباع کرنی ہوگی اور ان سب باتوں کے باوجود سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، مخلوق ہیں، خدا کے بندے ہیں، نہ خدا ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے ساتھ متصف ہیں۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میں مناظر نہیں ہوں حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب مدظلہ مناظر اسلام اور اہل حق کے علمبردار ہیں۔ انہوں نے قادیانیوں سے اور متعدد گمراہ فرقوں سے بہت سے مناظرے کیے ہیں اور معرکے سر کیے ہیں، وہ ہندستان میں بہت معروف اور اپنی مستقل شخصیت کے مالک ہیں۔ انہیں مناظرہ کرنے کے لیے مجھ جیسے گوشہ نشین کی توثیق وتصدیق کی مطلق ضرورت نہیں۔ چونکہ مجھے کچھ سیاسیات سے بھی دلچسپی رہی ہے اس لیے آپ کو ایک نیک مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ زمانہ ایمرجنسی کا ہے، مناظرہ بازی سے گروہ بندی، انتشار، تفریق اور بعض دفعہ مار پیٹ کی بھی نوبت آجاتی ہے جو اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کے قطعی خلاف ہے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ تکلیف فرما کر اسلام پور جائیں اور ایس۔ ڈی۔ او صاحب سے مل کر مشورہ کریں اور میرا یہ خط سنادیں اس کے بعد اگر انہوں نے آپ کو اجازت دیدی تو پھر انتشار، افتراق اور ہنگامہ خیزی کی ذمہ داری ان پر ہوگی۔ آپ پر نہ ہوگی اور اجازت تحریری لیجیے گا، زبانی سے کام نہ چلے گا۔

لوگوں کا بڑا ہجوم ہے، اس لیے معذرت کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(امیر شریعت بہار واڑیسہ)

از ہریانو۔ ضلع مغربی دیناجپور (بنگال)

۱۸ر محرم الحرام ۱۳۹۶ھ

حضرت امیر شریعتؒ کے اس تاریخی اور اہم مکتوب گرامی کے بعد مولوی رفاقت حسین کانپوری نے مکمل خاموشی اختیار کرلی اور چپ چاپ علاقہ خالی کر کے چلے گئے۔ لیکن اہل حق کے جلسہ کی کارروائیاں جاری تھیں، راقم پروگرام کی نظامت کررہا تھا حضرت امیر شریعت کی صدارت میں حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب کا مدلل، مفصل، مکمل اور مسلسل خطاب شروع ہوا، آپ کی باطل شکن تقریر نے علاقہ بھر میں رضاخانیت کے ڈھول کے پول کھول کر ان کے قلعے مسمار کردیئے۔ اسی موقع پر حضرت امیر شریعت نے اپنی بعض تصانیف "مکاتیب گیلانی" اور "سفر مصر وحجاز" ازراہ کرم عنایت فرمائے، میری تعلیمی احوال اور پیش رفت کے تعلق سے معلومات حاصل کرنے کے بعد بطور امتحان فقہ کے بعض مسائل بھی پوچھے اور مراسلت کے ذریعہ مستقل رابطہ کرنے کی تاکید فرمائی، اس دور سے لیکر زندگی کے آخری ایام تک درجنوں اہم اور تاریخی مکاتیب حضرت کے احقر کے نام محفوظ ہیں۔ ہزاروں مریدین، عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کے نام حضرت کے مکاتیب کو مستقبل قریب میں شاید کسی مخلص اور باذوق کو جمع کرنے کی توفیق وسعادت حاصل ہو۔

دارالعلوم دیوبند میں

حضرت امیر شریعتؒ ملک کے سینکڑوں چھوٹے بڑے تعلیمی، ملی، سماجی اور اصلاحی اداروں اور انجمنوں کے بنیادی رکن اور سرپرست ہونے کے علاوہ ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی ازہرالہند دارالعلوم دیوبند کی سب سے اہم اور بااختیار کمیٹی یعنی "مجلس شوریٰ" کے اہم ترین رکن تھے اور دارالعلوم کے جملہ تعلیمی اور انتظامی امور و معاملات میں آپ کی صائب رائے اور مشورے کو زبردست قوت اور اہمیت حاصل تھی۔ ۱۹۷۸ء میں راقم اپنی شدید خواہش اور والد مرحوم کی ایماء واجازت (کہ ان کے تمام لڑکے جو جدید اعلیٰ تعلیم سے آراستہ تھے اور مجھے خصوصیت سے دینی تعلیم دلوانا چاہتے تھے)، اور خاندان کے دیگر اکابر اور بزرگوں سے مشورہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا، دارالعلوم کے مبلغ اعلیٰ حضرت مولانا سید ارشاد صاحب کے علاوہ حضرت مولانا سید اسعد المدنی سے سابقہ تعارف کے سبب مراسلت اور مکاتبت بھی تھی اور ان حضرات کی بھی خواہش تھی کہ راقم دیوبند آجائے، دیوبند آتو گیا مگر یہاں سخت امتحانی ضابطوں، محدود داخلوں اور بعض جدید قوانین کے

تحت داخلہ میں دشواریاں ہونے لگیں، خوش قسمتی سے انہی دنوں شوری کا اجلاس چل رہا تھا اور دیگر ممبران سمیت حضرت امیر شریعت بھی اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لا چکے تھے، مجھے اچانک خبر مل گئی اور قیام گاہ مہمان خانہ میں حاضر ہوا اگرچہ اساتذہ اور طلبہ کی خاصی بھیڑ تھی لیکن حضرت امیر شریعتؒ کی نظر جونہی پڑی پہچان گئے، حیران ہوئے اور اپنے پاس بٹھایا احقر نے دار العلوم آنے کی غرض وغایت اور داخلہ میں حائل مشکلات عرض کیں، امیر شریعت کے پہلو میں حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب کے علاوہ دیرینہ اور قدیم استاذ دار العلوم حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری بھی تشریف فرما تھے، مولانا ارشاد صاحب نے میری پرزور وکالت اور حمایت کی، امیر شریعتؒ نے اسی وقت مولانا بہاری کو میرے داخلہ کے تعلق سے خصوصی حکم دیا اور الحمد للہ حضرت امیر شریعت کی توجہ سے احقر کا معاملہ ترجیحی بنیادوں پر حل کیا گیا، اس لحاظ سے دار العلوم میں اس کم سواد کا داخلہ اور اپنی بساط کے مطابق نامور اساتذہ سے فیض واستفادہ حضرت امیر شریعت ہی کا رہین منت ہے، چارسالہ قیام دار العلوم کی مدت میں درجنوں مرتبہ شوری اور عاملہ کی مجلسوں میں شرکت کے لیے حضرت امیر شریعتؒ دیوبند تشریف لائے تو ملاقات، زیارت اور خدمت میں حاضر رہنے کا موقع ملتا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، مفکر ملت مفتی عتیق الرحمن عثمانی قاضی شریعت مولانا زین العابدینؒ، داعی دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، محقق زماں حضرت مولانا احمد سعید اکبرآبادی اور حضرت امیر شریعتؒ کے مابین جو دینی وعلمی ارتباط، باہمی احترام واکرام، ذہنی وفطری ہم آہنگی اور مجالس میں مختلف النوع موضوعات پر اکابرین ملت کی گفتگو کی بعض جھلکیاں بھی دیکھنے اور سننے کو ملتیں۔

قیام کشمیر

اگست ۱۹۸۱ء کے وسط میں ملازمت کے تعلق سے جب مستقل طور قیام کشمیر میں رہنے لگا اور یہاں حضرت شہید ملت میر واعظ کشمیر مولوی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت اور رفاقت میں دینی وعلمی کام کرنے کا موقع ملا، تو کل ہند مسلم پرسنل لا، اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے جلسوں اور میٹنگوں میں ملک کے مختلف حصوں اور مرکزی مقامات خاص طور دہلی کا سال میں کئی کئی بار سفر ہوتا اور ان مجالس ونشستوں میں حضرت امیر شریعتؒ سے زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل رہتا، کشمیر سے سرما کی تعطیل میں جب جب وطن یعنی بنگال کے سفر کا موقع ملتا تو قدرتی طور اپنے علاقہ میں ان دنوں دینی جلسوں اور سیمیناروں کا جیسے موسم ہوتا، اکثر و بیشتر عوامی اور دینی جلسوں میں حضرت امیر شریعتؒ کی صدارت میں احقر کو خطاب کرنے کا موقع ملتا، ۱۹۸۰ء کی جنوری دفروری میں جو کہ اپنے علاقہ کا حضرت امیر شریعتؒ کا آخری اور تفصیلی دورہ تھا طویل ترین رفاقت اور خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ اس موقع سے حضرت امیر شریعتؒ میرے آبائی گاؤں گوتی بھی تشریف لائے، برادر اعظم جناب

حفیظ الرحمٰن نیر ایم اے، میرے بڑے بہنوئی جناب ڈاکٹر عین الحق پانچی پاڑہ، جناب ڈاکٹر اسیر الدین لبستہ وغیرہ نے خصوصیت سے حضرت امیر شریعت سے فیض اٹھانے کی کوشش کی، ہر شب مختلف مقامات پر مختلف دینی عنوانات پر احقر کا خطاب ہوتا حضرت توجہ سے سنتے، مناسب اصلاح فرماتے اور مشورے دیتے، سفر کے اختتام پر راقم جب چھٹیاں گذار کر کشمیر لوٹا اور حضرت کی خدمت میں خط لکھا تو جو جواب حضرت نے عنایت فرمایا اسے یہاں نقل کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ مکتوب گرامی اصلاحی بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

عزیز مکرم، مولوی سعید الرحمٰن شمسؔ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

محبت نامہ ملا، "کل امر مرہون باوقاتہا" اب آپ کی ذمہ داریاں بے حد بڑھ گئی ہیں، بنگال میں بھی اور کشمیر میں بھی، کشمیر جاکر کچھ زیادہ آزادی آپ میں آگئی ہے، آپ کو اسے قابو میں کرنا ہوگا، سب سے پہلی بات نماز کا پورا اہتمام، آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں۔ آپ کے لیے صرف نماز پڑھ لینا کافی نہیں ہے، آپ کو نماز پورے اہتمام سے پڑھنی ہوگی کہ اس اہتمام کو دیکھ کر دوسرے لوگ متاثر ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی طرف پوری توجہ کریں گے اور خط کے ذریعے مجھ سے آپ ایک طرح کا عہد کریں گے اس کے سوا وہ تین ہلکے پھلکے وظیفے جو میں نے بتلائے ہیں اس کی پابندی کرینگے تعداد کم ہیں لیکن اس میں اصل چیز توجہ الی اللہ ہے، بس یہ خیال کہ دربار الٰہی میں حاضر ہیں، انشاء اللہ آپ جلد ترقی کریں گے، اس راہ میں بھی ذہین آدمی جلد ترقی کرتا ہے۔

شادی کا فرض بھی آپ کو انجام دے لینا چاہیے اور جلد وہ حدیث تو آپ کے سامنے ہوگی، "یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج الخ" اور آپ کو کفو کے مسئلہ پر بھی غور کرنا چاہیے، فقہاء نے کفو کی اہمیت بلا وجہ نہیں بتلائی، کفو کی لڑکیاں دیکھی بھالی ہوتی ہیں ان کے ساتھ نباہ سہل اور آسان ہے۔ میں انشاء اللہ آنعزیز کے لیے برابر دعا کرتا رہوں گا۔

مولوی عبد الرحمٰن سلمہ اللہ سلام کہتے ہیں، مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب زید مجدہم اس وقت خانقاہ میں موجود ہیں، انہوں نے کہلایا ہے کہ میری خصوصی دعا لکھ دی جائے خدا آنعزیز کو تبلیغ و دعوت پر قائم و دائم رکھے گھر میں سبھوں سے فرداً فرداً سلام و دعا کہدیں۔"

والسلام

منت اللہ رحمانی

اسلام کا آفاقی پیغام

۱۹۸۲ء میں شہید ملت میر واعظ کشمیر مولوی محمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ کی بعض

منتخب، گرانقدر، اہم علمی اور دینی تقریروں کا مجموعہ، "اسلام کا آفاقی پیغام" کے نام سے شہید ملت" کی ہدایت اور نگرانی میں بڑی کاوش اور محنت کے بعد مرتب کیا گیا جس کے اب تک تین ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر ریاست و بیرون ریاست شائع ہو چکے ہیں اور جس پر ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علماء، اہل علم اور مفکر و دانشور حضرات کے علاوہ حضرت امیر شریعت" کے تاثرات بھی زینت کتاب ہیں، حضرت امیر شریعت لکھتے ہیں:

" زیر نظر مجموعہ" اسلام کا آفاقی پیغام، میر واعظ کشمیر مولانا محمد فاروق کے منتخب خطبات اور تقریروں کا مجموعہ ہے، مولانا محمد فاروق نہ صرف کشمیر بلکہ ملک کی جانی پہچانی معروف شخصیت ہیں۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد ہی سے آپ دینی کاموں، تبلیغ و وعظ اور رشد و ہدایت میں مشغول ہیں۔

"مولانا محمد فاروق کشمیر کے میر واعظ خاندان کے چشم و چراغ اور اپنی خاندانی روایت کے حامل اور کشمیر کے مسلمانوں کے رہبر و رہنما ہیں۔

۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں جب علامہ غلام رسول شاہ صاحب میر واعظ کشمیر نے "انجمن نصرۃ الاسلام" کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اولین کشمیر کے مسلمانوں کو تعلیم خاص طور دینی تعلیم سے آشنا کرنا اور جدید تقاضوں کے پیش نظر اسلامی دائرہ میں رہتے ہوئے کتاب و سنت کی اساس پر کشمیر کے مسلمانوں کی دینی و دنیاوی رہنمائی کرنا ہے" انجمن نصرۃ الاسلام کشمیر کی سب سے قدیم، متحرک، فعال اور بافیض انجمن ہے، اس کے ذریعے کشمیر کے مسلمانوں نے بہت کچھ حاصل کیا اور پایا ہے" آج اس زندہ انجمن کی سربراہی اور ذمہ داری مولانا محمد فاروق جیسے جوان سال اور جواں ہمت کے سپرد ہے، ہمیں مسرت ہے کہ مولانا محمد فاروق اپنی اس ذمہ داری کو باحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اور انہوں نے انجمن کے اغراض و مقاصد میں توسیع کی ہے اور اس کے دائرۂ کار کو وسعت دی ہے اور انجمن کی افادیت کو بڑھایا ہے۔

مولانا محمد فاروق نے اپنی دینی اور اسلامی جد و جہد کے سلسلہ میں مختلف مقامات پر جو خطبات دیے ہیں اور تقریریں کی ہیں اسے ہمارے عزیز مولانا سعید الرحمٰن شمس القاسمی نے مرتب کیا ہے ان خطبات سے کشمیر اور ملک کے مسلمانوں کو دینی فوائد پہونچے ہیں اور اب اسے زیور طبع سے آراستہ کر کے ان تمام لوگوں کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جا رہا ہے جو مولانا کے خطبات میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔

مسرت ہے کہ مجھے "اسلام کا آفاقی پیغام" سے متعلق چند سطریں لکھنے کا موقع ملا، حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ میر واعظ کشمیر مولانا محمد فاروق کو بہت دنوں سلامت باکرامت رکھے اور ان کی دینی اور اسلامی جد و جہد کو شرف قبول بخشے اور ان کی ذات سے نہ صرف کشمیر بلکہ پورے ملک کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ

پہونچائے " آمین "

(دستخط : منت اللہ رحمانی)

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

امیر شریعتؒ اور شہید ملتؒ کے مابین ربط و تعلق

یہ ایک مستقل عنوان ہے اور اس پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے تاہم یہاں اتنا اشارہ کافی ہے کہ حضرت امیر شریعت نہ صرف " آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری جنرل تھے بلکہ بورڈ کے اولین داعی اور بانیوں میں تھے ۔ بورڈ اور آپ کی ذات لازم و ملزوم تھی ، ملک کے مختلف مرکزی مقامات اور شہروں میں بورڈ کا سالانہ اجلاس ہوتا تو شہید ملت میر واعظ فاروق اپنی تمام تر مقامی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر سفر فرماتے ، دہلی ، کلکتہ ، مدراس ، حیدرآباد ، بنگلور ، بمبئی ، لکھنؤ اور کانپور وغیرہ کے سالانہ جلسوں میں بورڈ کے مؤقر اراکین کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے حضرت شہید ملت میر واعظ کا بھی خطاب ہوتا ، اس کے علاوہ " کل ہند مسلم مجلس مشاورت " کی میٹنگوں میں بھی امیر شریعتؒ اور شہید ملتؒ کی خصوصی ملاقاتیں رہتیں ، اسی تعلق اور ربط کا اہم ترین مظہر جبکہ ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کے تعلق سے حضرت امیر شریعت کی قیادت میں بورڈ نے سپریم کورٹ کے غیر اسلامی فیصلہ کے خلاف پر امن ملک گیر تحریک شروع کی تو امیر شریعتؒ کے ایمار پر شہید ملتؒ نے ریاست جموں دکشمیر میں ہفتہ تحفظ شریعت پورے جوش و خروش ، دینی حمیت اور ملی غیرت کے ساتھ منانے کا فیصلہ کیا ، اس موقع پر ستمبر ۸۵ء میں وادی کے سرکردہ علماء ، دانشور ، دینی اور سیاسی تنظیمات کے سربراہان اور ذمہ داروں کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ " کے مؤقر وفد کے جن اہم اور قابل ذکر اراکین اور اکابرین نے امیر شریعتؒ کی سربراہی میں وادی کا مفصل دورہ کیا ان میں جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ ، جناب جی ایم بنات والا جناب سلطان صلاح الدین اویسی ، قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ، جناب مولانا عاقل حسامی حیدرآبادی ، جناب عبدالرحیم قریشی ، معروف صحافی ' ناز انصاری ، اور حضرت الاستاذ مولانا سید انظر شاہ الکشمیریؒ نمایاں ہیں ۔ عام لوگوں کو عوامی اجتماعات ، سمیناروں ، جلسوں اور علمی لٹریچر کے ذریعے پرسنل لا ، کی اہمیت ، ضرورت اور افادیت ذہن نشین کراتے ہوئے صاف طور پر یہ بات بتائی گئی کہ ؎

تقدیر کے پابند ہیں جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند !

رائے عامہ کو اس کے لیے بیدار کیا گیا کہ شریعت اسلامی کے دفاع کے لیے مسلمان کسی بھی قسم کی قربانی

دینے سے گریز نہیں کریگا، اللہ کا شکر ہے کہ اس کے مفید اور مثبت نتائج برآمد ہوئے اور تحفظ شریعت کی ملک گیر اور ہمہ گیر مہم پوری طرح کامیاب رہی۔

کشمیر میں ہفتہ تحفظ شریعت کے پروگراموں کی ترتیب اور نظامت راقم کے سپرد تھی، الحمدللہ حضرت شہید ملت کی نگرانی اور ہدایت میں مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود تمام تقاریب ہر لحاظ سے کامیاب اور بامقصد رہیں۔

شہید ملت میر واعظ فاروق کی قیادت میں حضرت امیر شریعتؒ اپنے دیگر معزز مندوبین کے ہمراہ ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود تمام منعقدہ تقریبوں میں ہشاش بشاش شرکت فرماتے رہے۔

کشمیر میں ہفتہ تحفظ شریعت کی تقریبات کی ویڈیو فلم بنانے کے علاوہ اخبارات وغیرہ کے لیے فوٹو گرافی کا بھی مناسب نظم تھا اگرچہ ان معاملات میں حضرت امیر شریعتؒ اپنے اکابر اور اسلاف کے اصولی موقف کے شدت سے حامی تھے تاہم مصالح، میڈیا اور مقاصد حسنہ کی پبلیسٹی کی خاطر بمشکل اجازت دی، کہ اس سے دعوتی پہلو اجاگر ہونے کا منشا بھی ذہن میں تھا۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات

۱۹۸۰ء کے اواخر میں شہید ملت میر واعظ مرحوم کی دعوتی اور عوامی تصنیف "اسلام کی بنیادی تعلیمات" جب مرتب کی گئی تو حضرت مرشدنا الامام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے وقیع مقدمہ کے ساتھ حضرت امیر شریعتؒ نے اپنے تاثرات کچھ یوں ارقام فرمائے

"کشمیر حسن ظاہر کے ساتھ ساتھ حسن باطن میں بھی ممتاز رہا ہے حضرت بلبل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے اسلام کا پیغام یہاں پہونچا اور میر سید علی الہمدانیؒ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ آنے والے صاحب دل حضرات نے یہاں اسلام کے پیغام کو جلا بخشی اور اس پیغام کو پھیلانے اور دلوں میں اتارنے کا سلسلہ علماء وصلحاء اور اولیاء اللہ کے ذریعے برابر جاری رہا۔

میر واعظ انہی لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت پر بڑی محنت کی ہے، اس سلسلہ کی ایک کڑی میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحبؒ (مدظلہ) ہیں جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر مضبوطی کے ساتھ قائم اور گامزن ہیں اور جن کے ہاتھوں آج کل مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت پروان چڑھ رہی ہے

موصوف صرف ایک اچھے واعظ اور مقرر ہی نہیں بلکہ صاحب قلم اور صاحب تصنیف بھی ہیں، زیر نظر کتاب "اسلام کی بنیادی تعلیمات" جو آپ کے خطبات ومواعظ کا مجموعہ ہے، اس وقت میرے سامنے ہے،

یہ کتاب حسنِ ظاہر کے ساتھ حسنِ باطن میں بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے، تقریر و مواعظ کا یہ مجموعہ حسنِ ترتیب کے باعث ایسا مربوط ہوگیا ہے کہ اسے تقریر د مواعظ کا مجموعہ کہنا مشکل ہے، نہایت سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو درج کیا گیا ہے اور جہاں تک میں مطالعہ کرسکا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا ہے اسلام کی ساری بنیادی تعلیمات اس میں لکھی گئی ہیں۔ ایمان و اسلام اور نماز و روزہ، حج وزکوٰۃ سے دعا و درود تک اس میں موجود ہے۔

حق تعالیٰ میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحب مدظلہٗ کو بھرپور اجر عطا فرمائے کہ انہوں نے یہ کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے لیے نجات اخروی وسعادت ابدی کا راستہ ہموار کر دیا

فجزاہ عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء

(منت اللہ رحمانی)

(خانقاہ رحمانی مونگیر)

امیر شریعت کا آخری مکتوب

زندگی کا نظام معمول کے مطابق چل رہا تھا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا کہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا اور نامعلوم افراد نے ریاست کی ممتاز دینی اور سیاسی شخصیت میر واعظ کشمیر مولوی محمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ کو ایک منظم سازش کے تحت ۲۱ر مئی ۱۹۹۰ء کو بڑی مظلومیت اور بے دردی کے ساتھ اپنی ہی رہائش گاہ میں شہید کر دیا گیا۔ میر واعظ مرحوم کی شہادت سے ریاستی عوام کے علاوہ ہندستان، پاکستان اور عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اور ہر طرف رنج وغم کی ایک ہمہ گیر لہر دوڑ گئی، کشمیر، برصغیر اور دنیا بھر کے اکابر علماء اور اہل فکر و اہل قلم حضرات نے تعزیتی بیانات، مضامین اور مقالے شائع کرائے، حضرت امیر شریعت نے جو بیان جاری فرمایا اسے تو بعد میں ملک کے مقتدر اخبارات اور "نصرۃ الاسلام" کے "شہید ملت نمبر" کے شکریہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے، پہلے حضرت کا راقم کے نام آخری مکتوب ملاحظہ کریں کہ اس کے بعد ربط و ملاقات کی سعادت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔

عزیز مکرم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا، میر واعظ مولوی محمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بڑا اندوہ ناک حادثہ ہے۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جب اس واقعہ کا ذکر آتا ہے میر واعظ مرحوم سامنے کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔

آپ "نصرۃ الاسلام" کا شہید ملت نمبر نکال رہے ہیں، بہت اچھا، خدا آپ کو کامیاب کرے، میری دعائیں

آپ کے ساتھ ہیں، مضمون وغیرہ تو بعد کی چیز ہے آپ اس نمبر میں میرا دہ بیان دیدیں جو میں نے مرحوم کی شہادت پر دیا ہے، یہ بیان ہندستان کے تمام اخبارات نے شائع کیا ہے، میں اس وقت سے دو اگست تک بہر حال مونگیر میں ہوں اس کے بعد بورڈ کی عاملہ کا اجلاس وغیرہ ہو گا تو یہاں وہاں جانا پڑیگا، لیکن برسات میں اکثر و بیشتر قیام مونگیر ہی میں رہے گا، اللہ کرے عزیز بہ ہمہ وجوہ باخیر ہوں والسلام

(سید منت اللہ رحمانی)

۱۱۔ ۷۔ ۹۰ء

میرواعظؒ کی شہادت اور امیر شریعتؒ کا تعزیتی بیان

اور اب ملاحظہ کیجیے حضرت امیر شریعت کا تعزیتی مضمون جو حقائق پر مشتمل ہے۔

"میر واعظ مولوی محمد فاروق کی شہادت کشمیر کے غیر یقینی حالات اور انتظامیہ کی ناکامی کی واضح مثال ہے، میر واعظ وادی کشمیر کے مقبول مذہبی رہنما اور بڑی مؤثر شخصیت کے مالک تھے اور پورے ملک میں ان کا احترام کیا جاتا تھا مجھے اس سے بحث نہیں کہ وہ دہشت گردوں کا نشانہ بنے یا حکومت کی سازش کا شکار ہوئے مگر اس حادثہ کی نوعیت نے واضح کر دیا کہ کشمیر کے حکمرانوں کو وہاں کی اہم ترین شخصیتوں کے تحفظ کا بھی خیال نہیں ہے، انہیں کشمیریوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ صرف کشمیر کی سرزمین پر مالکانہ قبضہ اور غاصبانہ اقتدار چاہتے ہیں، کشمیر میں دہشت گردی پر قابو پانے کے نام پر معصوموں کے قتل و خون اور انہیں پریشان کرنے کا سلسلہ چل رہا ہے، امن پسند شہریوں پر خوف و دہشت طاری ہے اور وہاں حکومت ایسے حالات پیدا کر رہی ہے جس سے صورت حال اور بگڑتی جا رہی ہے، اسمبلی کے توڑنے سے لیکر دہشت گردی پر قابو پانے کے نام پر معصوموں کی قتل و غارت گری تک کے سرکاری اقدامات نے کشمیر اور اس کے حکمرانوں کے درمیان دوری اور بداعتمادی کو بڑھایا ہے۔

یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ مرکزی حکومت اس میں ملوث ہوتی جا رہی ہے اور مرکزی اقتدار کے کچھ منظم سیاسی عناصر کشمیر میں بدامنی، قتل و غارت گری کی فضا کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تاکہ مستقبل میں ان کے اقتدار کی بنیادیں مستحکم ہو سکیں اور ووٹ کی سیاست میں انہیں کامیابی حاصل رہے شاید وہ نہیں سمجھتے کہ اقتدار ملک کے مستقبل اور عوام کے اعتماد سے زیادہ قیمتی چیز نہیں، کشمیر میں معصوموں کے خون سے نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے، جس کے اثرات پورے ملک پر پڑیں گے، مسٹر جگموہن اور ان کی انتظامیہ کا طریق کار کیا رہا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب میر واعظ کی نعش ہسپتال سے لائی جا رہی تھی تو پولیس کی درگولیوں کا نشانہ بننا پڑا، بربریت سفاکیت کی یہ ایسی

مثال ہے جس میں نفرت کی بھی بو محسوس ہوتی ہے۔

میر واعظ نے تو سفاکیت کا نشانہ بن کر شہادت کا درجہ پالیا اور رب غفور کے حضور حاضر ہو گئے مگر اس اندوہ ناک حادثہ نے معاملہ کشمیر کو پیچیدہ اور بد اعتمادی کو گہرا کر دیا ہے۔ دہشت گردی کو کبھی بھی پسند نہیں کیا جاسکتا نہ وہ مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ دہشت گردی کہیں ہو اور کسی حال میں ہو وہ ناقابل قبول ہے، جس کے نتیجے میں انتشار ہوگا اور ملک کا بکھراؤ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ گاندھی کے عدم تشدد اور نہرو کی امن پسندی کی دہائی دینے والوں نے بھی تشدد میں مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہا ہے اور وہ گولیوں سے عوام کا دل جیتنا چاہتے ہیں اور انہوں نے تھوڑے سے لوگوں کی دہشت گردی کو ختم کرنے کے بہانے حکومت کے زیر سایہ دہشت کی فضا قائم کر رکھی ہے جبکہ کشمیریوں کا دل جیت کر ہی کشمیر کو ہندستان کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے۔

حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ کشمیر میں آج تک کوئی فساد نہیں ہوا وہاں ہندو مسلم اتحاد اور یگانگت کی فضا برابر رہی ہے لیکن اب حکومت وہاں فرقہ وارانہ ماحول اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلا رہی ہے۔ کشمیر سے لوگوں کو لاکر جموں اور دہلی میں کیمپ لگانا اور پورے ملک میں اسے مشہور کرنا فرقہ وارانہ جذبات کو برانگیختہ و مشتعل کرنے کی منظم کوشش کا ایک حصہ ہے ووٹ کی سیاست کے لیے کشمیر جیسے سرحدی اور حساس صوبہ کو استعمال کرنا ملک کے لیے بہت خطرناک ہے۔ مرکز کو واقعیت پسندی سے کام لینا چاہیے۔

مسٹر جگ موہن کے اقدامات کو کسی بھی طرح پسند نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے سرکاری دہشت گردی پھیلائی معصوم عوام کا خون کیا وہ میر واعظ کی حفاظت کا کوئی نظم نہیں کر سکے اور جب معاملہ بہت بگڑ گیا تو مرکزی حکومت نے انہیں چھٹی دیدی۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے شہید ملت میر واعظ کی قبر سے یہ آواز آرہی ہو ع

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

کشمیر میں امن کے قیام کے لیے مرکزی حکومت کو اپنا رول ادا کرنا چاہیے اور ظلم و بربریت کی جگہ اخوت و محبت کی فضا ہی کشمیر کے مسئلہ کا حل بن سکتی ہے۔

بسا آرزو کہ خاک شدہ

خیال تھا اس دفعہ موسم سرما کی تعطیل میں وطن عزیز جانا ہوگا تو علم و حکمت اور سلوک و تصوف کے اہم مرکز خانقاہ رحمانی میں حاضری دوں گا اور حضرت امیر شریعتؒ سے فیض اٹھانے کی کوشش کروں گا مگر۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے انسان کو بھلا دم مارنے کی مجال کہاں، حضرت امیر شریعتؒ نے اپنی پوری زندگی

رضائے الٰہی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذار کر کما حقہ' اپنے دینی، ملی، سیاسی اور دعوتی فرائض پورے کیے اور اب وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں لوٹتا۔ "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا" (القرآن)

انتقال پر ملال کی خبر کشمیر میں ریڈیو سے سنی تو دل دھک سے رہ گیا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کہ مسلسل کئی سالوں سے اپنے مشفق بزرگوں کے سایۂ شفقت و عاطفت سے ذاتی طور محروم ہوتا جا رہا ہوں۔ قیام کشمیر کے بعد سے سب سے پہلے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھا، اس کے بعد حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب نے وصال کیا۔ بعدہ میر واعظ مولوی محمد فاروق شہید ہوئے اور اب امیر شریعت بھی رب غفور کے حضور پہونچ گئے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسلام کے احسانات

شہید ملت میر واعظ فاروق کی آخری یادگار اور گرانقدر تالیف "اسلام کے احسانات"، کی کتابت وطباعت کے لیے دہلی کا سفر ہوا اور حسب وصیت میر واعظ مرحوم کتاب پر پیش لفظ لکھوانے کے لیے ۲۷ اپریل ۱۹۹۱ء کو مرشدنا الجلیل حضرت علی میاں دامت برکاتہم کی خدمت میں لکھنؤ اور رائے بریلی حاضر ہوا تو اچانک رائے بریلی میں صاحبزادہ محترم مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوگئی۔ موصوف بھی حضرت اقدس سے ملاقات کے لیے مونگیر سے تشریف لائے تھے۔ حضرت امیر شریعت کی طرح صاحبزادہ محترم کی نظر توجہ اس خاکسار پر رہتی ہے رائے بریلی میں مفصل ملاقات کے لیے خاصا وقت مل گیا۔ امیر شریعت کے آخری دنوں کے احوال، معمولات کی پابندی اور وصال کی تفصیلات صاحبزادہ محترم سے سننے کا موقع ملا، اور باتوں کے علاوہ ایک اہم اور خاص بات جو صاحبزادہ محترم نے بتلائی وہ یہ کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت امیر شریعت سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ کیا دعائیں مانگتے ہیں؟

امیر شریعت نے فرمایا دو چیزیں" ایک تو دنیا سے بے نیازی اور صرف باری تعالیٰ کی ہی محتاجی اور ـــــ دوسری چیز اپنی مغفرت"۔

یقیناً امیر شریعت کی دونوں دعائیں مستجاب اور مقبول تھیں، بظاہر وہ پوری زندگی ڈھیلہ برابر کسی کے محتاج نہیں رہے، زندگی پاکیزہ پائی، پاکیزہ گذاری اور وفات بھی پاکیزہ ہوئی۔ اور رہی مغفرت کی بات، سو اگر وہ مغفور نہیں ہوں گے تو پھر اور کون سی مخلوق ہوگی، اللہ تعالیٰ امیر شریعت کے درجات بلند کرے اور ہم سب کو صبر وضبط کی توفیق دے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

یادوں اور خیالات کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ ہے اور بات بڑھتی جارہی ہے، لیکن ایک مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، تاہم آخر میں مرشدنا الجلیل حضرت علی میاں ندوی مدظلہ کا یہ ذاتی تاثر جو آپ نے صاحبزادۂ محترم اور میرے سامنے فرمایا نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔

"حضرت علی میاں مدظلہ نے فرمایا کہ اپنے برادر اکبر ڈاکٹر صاحب کے سانحۂ ارتحال کے وقت جس عظیم غم و صدمہ سے میں ذاتی طور دوچار ہوا تھا تقریباً وہی کیفیت امیر شریعت کے انتقال پر مجھ پر طاری رہی......"

امیر شریعت رابعؒ اور ملتِ اسلامیہ

مولانا محمد مرتضیٰ حسن القاسمی، مدرسہ حنفیہ بہین، نالندہ

دنیائے روحانی کی سربراہی

دوسری دنیا روحانی دنیا تھی، تصوف کی دنیا تھی، معرفت ایزدی کی دنیا تھی، فیضان رحمانی کی دنیا تھی۔ اس دنیا کی سیادت بھی آپ کے مقدر تھی۔ خانقاہ رحمانی کی سجادہ نشینی قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری نے عنایت فرمائی تھی، جو عارف کامل مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کے اصل خلفا میں تھے۔

مولانا غلام احمد قادیانی کے زمانہ میں جب قادیانیت کی مسموم فضا ہندستان کو محیط ہونے لگی اور صوبہ بہار کے مختلف اضلاع پٹنہ، ہزاری باغ، بھاگل پور، دمکا، سہرسا، مونگیر اور گرد وپیش کے علاقوں میں قادیانیت کا زہر پھیلا۔ جس کا زہر اس قدر گہرا اور سریع الاثر تھا کہ ۹۰ فیصد مسلمان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، تو ڈر تھا کہ پورا علاقہ قادیانیت کے رنگ میں نہ رنگ جائے تو ان حالات کو بھانپتے ہوئے مولانا فضل رحمنؒ نے اپنے چہیتے خلیفہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کو مونگیر بھیجا، چنانچہ آپ تشریف لائے اور تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ قادیانیت کی بیخ کنی فرمائی، شب روز کی مسلسل کوششوں اور محنت سے ان ذہنوں کو صاف کیا جن پر قادیانیت کی چھاپ پڑ چکی تھی۔ وہ علاقے جو قادیانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ان کو اسلامی رنگوں میں رنگ دیا۔

محمد علی مونگیریؒ ان علاقوں کے لیے مجدد تھے، مجدد کا کام یہی ہے کہ دینی حیثیت سے رسوم اور عقائد فاسدہ کو نکال کر پھینک دے اور دین اسلامی کو صاف و شفاف آئینہ کی طرح عوام کے سامنے پیش کرے، اسی عظیم پدر کے عظیم سپوت تھے جن کا نام نامی منت اللہ تھا اسم با مسمیٰ تھے (جو باپ کے نقش قدم پر ہوتا ہے) کے مصداق تھے۔ ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے، خاندانی وجاہت و شرافت کا وافر حصہ ملا تھا ہر نووارد کا استقبال فرماتے، قلوب کا تزکیہ فرماتے، مرض کی دوا تجویز فرماتے، جو آتا خالی ہاتھ آتا، جاتا بھرا ہاتھ جاتا، دل فگار لے کر آتا، اور دل قرار لے کر جاتا، دل مغموم لے کر آتا، اور دل مسرور لے کر جاتا، جس پر نظر کرم پڑتی آدمی بن جاتا جس پر عنایت ہوتی انسان ہو جاتا۔

جامعہ و خانقاہ پر ایک تاثر

جامعہ رحمانی کی ایک تقریب میں دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے شرکت فرمائی، تو آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ باعث فخر و رشک ہے کہ مونگیر کی سرزمین میں علم کے دو سوتے اور دو چشمے ایک ساتھ جاری ہیں۔ دونوں میں ایسا سنگم ہے کہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں ایک چشمہ شریعت ہے تو دوسرا چشمہ معرفت، ایک سوتہ علوم ربانیہ کا ہے تو دوسرا معرفت ایزدی کا، جامعہ رحمانی کی عمارت سے جلال علم آشکارہ ہے تو کاشانہ رحمانی سے جمال معرفت ہویدا ہے۔

غرض کہ اسی کاشانہ رحمانی سے آپؒ نے لاکھوں مریدوں کی قلبی دنیا کو سنوارہ جو اس پر کامل اترے۔ انہیں خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے اجل خلفاء میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب شیخ الحدیث جامعہ حضرت مولانا تسلیم الدین صاحب نائب مہتمم جامعہ رحمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ ہیں، آخر الذکر آپ کے فرزند ارجمند ہیں جن کو آپ نے اپنی جانشینی بھی عنایت فرمائی ہے۔

تو اس روحانی دنیا کی عظیم ملت جو ملک و بیرون ملک کے مختلف گوشوں میں ہوئی ہے اور سلسلہ رحمانی سے بندھی ہوئی ہے۔ آپ کے سانحہ ارتحال سے یتیم ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اپنے معالج روحانی سے محروم ہو گئی۔

آہ! یہ ملت اب وہ نورانی چہرہ کہاں سے لائے گی جس کی ایک نظر سے دل کی دنیا ہی پلٹ جاتی تھی اس نورانی جسم کو کہاں پائے گی جس کا قرب تمام جسموں کا تھا۔

علمی درسگاہوں کی سرپرستی

تیسری دنیا علمی دنیا تھا، قرآن و حدیث کی دنیا تھا، فقہ و فنون کی دنیا تھا، حضرت امیر شریعت کی ذات نے اس دنیا کو بھی سایہ عاطفت مرحمت فرمایا، کم و بیش ۵۰ سال انسا کی راہ فقہ و قرآن کی خدمت کرتے رہے، تادم حیات تدریس کے ذریعہ حدیث نبوی کی خدمت فرماتے رہے، نیز مدارس اسلامیہ کی سرپرستی فرمائی، شہروں اور گاؤں میں مدارس و مکاتب کی بنیاد رکھی، ان کے پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کی گرہ کشائی فرمائی، بھاگلپور کے زبردست فساد کے موقعہ پر تمام اجڑے اور بے وطن لوگوں کو ایک جگہ بسایا، ان کو گھر دیا، ان کے لیے مسجد و مدرسہ کی بنیاد رکھی، امام و موذن اور مدرس کا انتظام فرمایا، ہمہ دم اور ہر لمحہ آپ کا بیدار مغز ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں گامزن رہتا۔

سیکڑوں مدارس و مکاتب عصری درسگاہیں نیز دینی و سیاسی تنظیمیں ایسی ہوں گی جن کی سرپرستی اور نگرانی آپ کی ذات کر رہی تھی، ہندستان ہی نہیں بلکہ ہند و بیرون ہند کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند جو اپنی سنہری اور تابناک تاریخ رکھتا ہے، جس کے چشمۂ علمی سے لاکھوں لاکھ تشنگان علوم سیراب ہوئے اور ہو رہے ہیں اسی ادارہ سے آپ نے بھی سند فضیلت حاصل کی ہے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ارشد تلامذہ میں تھے، بخاری و ترمذی آپ سے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ آپ کے اساتذہ میں مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب مؤلف معارف القرآن کا نام بھی آتا ہے، اصول فقہ کی کتاب نور الانوار آپ سے پڑھی ہے۔

اکابرین دارالعلوم دیوبند نے آپ کا نام مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے پیش کیا آپ ایک مدت تک مجلس عاملہ اور منتظمہ دونوں کے رکن رہے، پابندی کے ساتھ دونوں کے اجلاس میں شریک ہوتے رہے، خلوص دل کے ساتھ مادر علمی کی خدمت فرمائی، حالات کے مد و جزر اور مسائل کے نشیب و فراز میں آپ کی ذات مسیحائی سے کام لیا جاتا، آپ کی ذات ان میں ایک تیز لو شمع کی حیثیت رکھتی تھی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کو بھی برصغیر میں ایک اہم مقام حاصل ہے، اور بڑے اداروں کی فہرست میں اس کا شمار ہوتا ہے، اس ادارہ کے بانی خود آپ کے والد محترم قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری نور اللہ مرقدہٗ ہیں، جو ایک مدت تک ناظم اعلیٰ بھی رہے، اس ادارہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی آپ تھے، اور اجلاس میں پابندی کے ساتھ شمولیت فرماتے رہے۔

اسی طرح مجلس مشاورت دہلی جو مسلمانوں کی سیاسی تنظیم ہے، اس کے بانی اور تادم حیات رکن رکین رہے، غرضیکہ چھوٹی بڑی سیکڑوں تنظیمیں ایسی تھیں جن کے خود بانی اور سرپرست رہے، اسی طرح مدارس

اسلامیہ کی معتد بہ تعداد کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا ہے۔

معمولات امیر شریعت

شب و روز کے لمحوں کی تقسیم اور اس پر مداومت ایک عظیم مجاہدہ ہے۔ آزاد نفسی کے لیے مرگ ہے۔ اللہ کے ولیوں ہی کا وہ ظرف ہے جو اس طرح استقامت اور مواظبت کرتا ہے ورنہ ہما و شما کے لیے امر مستبعد سے کم نہیں ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع علیہ الرحمۃ کے معمولات جو میری نظروں سے گذرے ان میں کبھی فرق اور ردو بدل نہ پایا۔ تین سال تک آپ کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا لیکن اس میں سر مو تفاوت نہ پایا گیا۔

خانقاہ رحمانی کا ایک منظر

جامعہ رحمانی کے شمال حصہ میں خانقاہ کی پر جلال عمارت واقع ہے۔ دونوں عمارتوں کے مابین ایک سڑک حائل ہے۔ خانقاہ میں داخل ہونے پر ایک بڑا اور غیر مسقف گیٹ استقبال کرتا نظر آتا ہے۔ دروازہ کی داہنی جانب خانقاہ کا قدیم کاشانہ ہے جس میں دو حصے ہیں۔ مردانی اور زنانی، خانقاہ سے متعلق آنے والے مہمانوں کو اسی میں قیام کی اجازت دی جاتی ہے۔ دروازہ کے بائیں جانب چند کمروں پر مشتمل ایک جدید عمارت ہے۔ اس عمارت میں بھی مہمان کرام ہی قیام فرماتے ہیں۔ دروازہ کے بالکل سامنے کتب خانہ کی پرشکوہ عمارت نظر آتی ہے۔ اور اسی سے متصل مغربی جانب خانقاہ کی پر جلال مسجد واقع ہے۔ یہ مسجد قطب عالم مولانا محمد علی مونگیریؒ کے دور حیات میں چھوٹی اور خام تھی۔ حضرت امیر شریعتؒ نے جدید تعمیر فرمائی جو کافی وسیع و عریض ہے بہار کے جمیع مساجد میں ممتاز ترین ہے۔ اس کا نقشہ حضرت امیر شریعت کی ذہنی ساخت کا نتیجہ ہے جو جلال و جمال دونوں پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے۔ مسجد کے جنوب میں قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری کی قیام گاہ ہے۔ پھر ایک چھوٹے حجرہ کی فصل پر حضرت امیر شریعت رابع کی قیام گاہ ہے۔ حجرہ مبارک کے مغربی حصہ میں ایک لمبی اور مسقف دالان ہے۔ اور اسی سے متصل ایک چھوٹا مگر خوب صورت پارک ہے اسی پارک میں ایک چبوترہ ہے جس پر بعد نماز فجر موسم گرما میں امیر شریعت تشریف فرما ہوئے۔ قیام گاہ کی مشرقی جانب بھی ایک چھوٹا دالان ہے۔ اکثر اسی دالان میں بعد نماز عصر آپ تشریف فرما ہوتے اور اساتذہ کرام کی مجلس لگتی۔

تفریح صباحی

بعد نماز فجر دست مبارک میں تسبیح ہوتی جو کالے رنگ کی تھی۔ مسجد کے صحن میں کبھی سائبان میں تفریح فرماتے اور یہ تفریح صباحی تقریباً ۱۵، ۲۰ منٹ تک رہتی۔ بالغ النظری ایسی تھی کہ ایک ہی نظر میں تاڑ لیتے کہ کون آیا ہے اور کون نہیں۔ نماز میں غیر حاضر رہنے والے کی طلبی ہوتی اور باز پرس شروع ہو جاتی۔ رعب جلالی ایسا تھا کہ غلط بیانی سے کوئی نکل کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر موسم گرما میں مغربی دالان میں اور موسم سرما میں قیام گاہ میں تشریف فرما ہوتے اور چائے نوش فرماتے۔

ظرافت طبعی

صبح کی ایک نشست میں احقر حاضر خدمت ہوا، چند ارکان جامعہ اور مولانا شمس الحق صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ آپ نے ایک کپ چائے مع بسکٹ مولانا موصوف کی طرف بڑھائی اور فرمایا ایک لقمہ صباحی بہتر ز مرغ و ماہی۔ میری ایک کپ چائے مولانا شمس الحق صاحب کے مرغ و ماہی سے بہتر ہے۔ حاضرین مجلس خندہ زن ہو گئے۔

مہمانوں سے ملاقات اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ

چائے نوشی کے بعد قیام گاہ میں تشریف فرما ہوتے، حضرت کے خادم خاص مولوی عبدالرحمن صاحب کے مہمانوں کی ضیافت اور حضرت سے ملاقات کرانا ان کی ذمہ داری تھی۔ آنے والا اپنے دکھ درد کو سامنے رکھتا، آپ دعا فرماتے، تعویذ مرحمت فرماتے، بیعت کے متمنی حضرات کو بیعت فرماتے، ہر ایک کے مناسب حال وظائف کی تلقین فرماتے، تقریباً یہ سلسلہ دو ڈھائی گھنٹے تک جاری رہتا۔ پھر ناشتہ کا دسترخوان بچھتا، اکثر اساتذہ جامعہ کے ساتھ ناشتہ تناول فرمانے کا معمول تھا۔ زیادہ تر دسترخوان پر مولانا صغیر احمد رحمانی استاد حدیث جامعہ، مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب، مولانا نذیر احمد صاحب اور معزز مہمانوں کی جمعیت ہوتی۔

غذا میں سادگی

کسی ضرورت کے تحت احقر ناشتہ کے وقت حاضر ہوا آپ اتفاقاً تنہا ناشتہ تناول فرما رہے تھے آپ کے سامنے چند چپاتیاں اور چھلکے سمیت آلو کی ترکاری موجود تھی۔ شوربہ بھی بجوز بہ الوضوء کے قبیل سے تھا، یہ دیکھ کر احقر انگشت بدنداں رہ گیا۔

خطوط کے جوابات

ناشتہ کے بعد خطوط کے جوابات کا سلسلہ شروع ہوتا۔ مستعدی کے ساتھ آپ ہر ایک خط کا

جواب مرحمت فرماتے، خطوط بھی عجیب ڈھنگ کے ہوتے، کسی خط میں مسئلہ استفسار کیا جارہا ہے، تو کسی خط میں سیاسی گتھیوں کی عقدہ کشائی کی درخواست کی جارہی ہے تو کسی میں تعویذ کے لیے کہا جارہا ہے کسی خط میں علمی تحقیق طلب بات ہے، تو کسی میں ذاتی مشکلات کی عرضی ہے، تو کوئی خط ۲ صفحے کا ہے تو کوئی دس صفحے کا، کوئی چند سطر کا، تو کوئی کارڈ برابر، غرض کہ ہر ایک خط کا پڑھنا اور پھر اس کا جواب دینا ایک کارے دارد تھا، جس کو آپ بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ خطوط کے جوابات کا سلسلہ حضر کے علاوہ سفر میں بھی رہتا۔ اگر اسٹیشن پر گاڑی آنے میں تاخیر ہوتی تو خطوط کا سلسلہ وہیں جاری ہوجاتا۔

خط کا جواب بھی تعجب انگیز اور حیرت کن ہوتا۔ جواب کیا ہوتا، علم افشانی ہوتی۔ ایک علمی ودینی کتابچہ ہوتا۔ خط چند سطروں پر مشتمل ہے تو جواب چند صفحوں پر مشتمل جارہا ہے۔ علوم و معارف کی موتیاں پروئی جارہی ہیں۔ اسرار قرآنی ورموز ربانی بیان کیا جارہا ہے۔ اور کوئی خط چند صفحوں پر مشتمل ہوتا تو اس کا جواب جامع ومانع چند سطروں میں عنایت فرمارہے ہیں۔ الغرض یہ جواب علمی، دینی، ادبی، روحانی، سیاسی، سماجی ومعاشرتی پہلوؤں پر مشتمل ہوتا۔

خط کے جواب سے فراغت کے بعد کھانا تناول فرماتے اور تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے بعد دن میں آنے والے بقیہ مہمانوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا، اور حسب معمول لوگوں کی فریادوں کو سنتے اور شفیق باپ کی طرح غموں کا مداوا فرماتے۔

عصری مجلس

بیشتر بعد نماز عصر مشرقی دالان میں جو چھوٹا مگر جلال وجمال کو لیے ہوئے تھا تشریف فرما ہوتے، دریاں بچھائی جاتیں، اساتذہ کرام اور رکارکنان جامعہ حاضر خدمت ہوتے یہ مجلس خاص تھی اس میں عمومی شرکت کی ممانعت تھی، یہ مجلس مجلس اساتذہ کے نام سے موسوم تھی۔ اساتذہ جامعہ تشریف لاتے جو آتا سلام کرتا، دوزانو بیٹھ جاتا۔ ایک وقار وتمکنت، رعب وجلال مجلس پر چھایا رہتا۔ معلوم ہوتا کہ فرشتوں کی مجلس ہے اور کیوں نہ ہوتا انسان فرشتوں سے بھی اشرف ہے رعب وجلال کا ایسا منظر تھا کہ نگاہیں سب کی نیچی رہتیں جب گفتگو فرماتے تو جمال کا منظر سامنے ہوتا۔ یہ تھوڑی دیر کی مجلس ہوتی۔ لیکن پر مغز اور معلومات افزا ہوتی۔ کبھی کسی علمی مسئلہ پر مباحثہ ہوتا کبھی بزرگوں کے واقعات بیان ہوتے کبھی تصوف کا عقدہ کھولا جاتا کبھی اسرار ربانی کا بیان ہوتا۔

ایسی مجلس بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، یہ وہ مجلس تھی جہاں دنیاوی گفت گو کا کوئی خانہ نہ تھا۔ سیاسی گفتگو کی کوئی گنجائش نہ تھی، تبصرہ وتنقید کا شائبہ بھی نہ تھا۔ آبگینہ سے زیادہ صاف وشفاف، زمرد سے بیشتر آبدار وچمکدار مجلس تھی۔ تین سال مسلسل اس مجلس پر بیٹھنے کا شرف ملا لیکن قربان جائیے اس مجلس پر جہاں سیاست دنیادیہ اور غیبت کا کوئی حرف کانوں میں نہ پڑ سکا۔

چائے کا دور چلتا، کبھی شیر والی چائے حاضرین کے سامنے پیش کی جاتی کبھی مدنی پودینہ والی سادی چائے کا دور چلتا جس کی لذت کیا کہیے، وہ کیف ونشاط حاصل ہوتی جسے لفظی جامہ پہنانا مشکل ہے۔ کبھی آب زمزم پلایا جاتا۔ مدنی کھجور کھلائی جاتی، کبھی انجیر عنایت کی جاتی۔ الغرض پاک وطاہر غذا بھی ملتی اور علمی وروحانی فیضان بھی حاصل ہوتا۔ جسم بھی سرشار تھا اور قلب بھی شاداں۔

مجلس شبانہ

بعد نماز مغرب حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما ہوتے، پھر وہی خطوط کا دور شروع ہوتا۔ اور تقریباً ۹ بجے تک جاری رہتا۔ اس مجلس میں خصوصی ملاقاتوں کی بھی اجازت ہوتی۔ آنے والے موقر مہمانوں کو گفتگو کا موقعہ دیا جاتا۔ اساتذہ جامعہ رحمانی وکارکنان کو کوئی ضرورت پیش آتی تو اسی مجلس میں پوری ہوتی۔

اخروی سعادت

رمضان المبارک کا مہینہ جس میں جہنم کا دروازہ مقفل کر دیا جاتا ہے، شیاطین قید کر لیے جاتے ہیں۔ جس کو افضل الایام کہا گیا ہے، ایسی مبارک گھڑیوں میں آپ کی وفات حسرت آیات یقیناً اخروی سعادت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کسی انسان کے خط وخال میں آنا اس انسان کی سعادت اخروی کی علامت اور دلیل ہے، ایک خدا کے بندہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کے قالب اور شکل میں تشریف فرما ہیں اور دو متنازع گروہ کو باہمی تصفیہ کے لیے بلائے ہیں۔

یہ قلم حزیں کہاں تک مدح سرائی اور کمال افشانی کرے، افسردگی اور دل فگاری نوک قلم کے لیے لگام بنی ہوئی ہے اور بالآخر اس مصرعہ پر ختم کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حضرت امیر شریعت

مولانا منت اللہ رحمانی

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی، استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا ۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو انتقال ہوگیا ہندستان کی ملت اسلامیہ کی قیادت میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے اور مسلمان قابل اعتبار اور لائق صد افتخار قائد سے محروم ہو گئے ہیں، وہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری تھے۔ امارت شرعیہ کو بہت سے لوگ دوسری جماعتوں پر قیاس کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بہت سی چھوٹی بڑی تنظیموں کی طرح یہ بھی ایک تنظیم ہے۔ جو اپنی بساط بھر دینی خدمت انجام دے رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک طویل مدت سے امامت کبریٰ یا امارت وخلافت سے محروم رہنے اور شرعی اجتماعی نظام کے نہ پائے جانے کی وجہ سے لوگوں کے حافظے سے امارت کی شرعی حیثیت جاتی رہی ہے، اور امارت کو بھی لوگوں نے محض ایک انجمن سمجھ لیا ہے۔

شریعت کی روشنی میں مسلمانوں کو منتشر گروہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مربوط اور منظم جماعتی حیثیت سے زندگی گذارنا چاہیے، چنانچہ مسلمانوں کے لیے کتاب وسنت میں ملت امت اور جماعت وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور یہ تمام الفاظ منظم جماعتی زندگی پر دلالت کرتے ہیں۔ میزان شریعت میں منتشر گروہ کی خواہ اس کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو کوئی اہمیت نہیں۔ حدیث میں حکم ہے کہ تین افراد بھی اگر کہیں کا سفر کا قصد کریں تو اپنے درمیان میں کسی ایک کو امیر مقرر کرلیں۔ جماعتی زندگی اختیار کرنے اور تفرقہ وانتشار سے بچنے کا حکم حدیث میں موجود ہے۔ اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ: اگر تم میں سے کسی سے یہ ممکن ہو سکے کہ بغیر کسی امام مقرر کیے ہوئے رات بھی نہ گزارے تو وہ ایسا ضرور کرے۔"

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جماعتی زندگی کے بغیر اسلام کا تصور ادھورا اور کوئی جماعت امارت کے بغیر نہیں ہوتی اور امارت کے لیے سمع وطاعت ازبس ضروری ہے۔" اس مفہوم کی آیات واحادیث اور حضرت عمرؓ کے ارشاد کو کسوٹی بنا کر اپنے اپنے تصور دین کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ سچ پوچھیے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان اگر غایت درجہ کے دین دار تقویٰ شعار اور تہجد گذار بھی بن جائیں، لیکن ان کے درمیان امارت کا نظام نہ ہو تو ان کا اسلام غیر معتبر ٹھہرے گا صرف انفرادی نیکی اور تقویٰ ہرگز کافی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے پیش نظر جو مقاصد ہیں ان میں صرف خدا اور اس کے بندے کے درمیان تعلق کی استواری کافی نہیں ہے۔ بلکہ معاشرے کی تنظیم بھی ضروری ہے۔ شریعت نے ہدایات دی ہیں، اور خلافت وامارت کے نظام کو واجب قرار دیا ہے۔ اور یہ ثانوی درجے کی غیر اہم چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ بنیادی چیز ہے جس کی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی تھی اور صحابہ کرام کو اس کی تربیت دی تھی اور اسی تربیت کا فیض تھا کہ جاں نثار صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے مسئلے کو جسد اطہر کی تدفین پر بھی مقدم رکھا اور اسلام کی تاریخ میں خلیفہ عباسی معتصم باللہ کی شہادت (۶۵۶ھ) تک اسلام کے نظام میں انقطاع خلافت کا کوئی وقفہ نہیں پایا گیا۔ پھر اس کے ساڑھے تین سال کے بعد مصر کے سلطان الملک الظاہر بیبرس نے ۶۵۹ھ میں عباسی خاندان ہی کے ایک فرد مستنصر باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۵۱۷ء مطابق ۹۹۳ھ میں سلطان سلیم شاہی ثانی نے مصر وشام، عراق اور مشرق وسطیٰ کو عثمانی سلطنت کی تولیت میں لے لیا اور اس وقت کے برائے نام خلیفہ متوکل سے خلافت کا پروانہ حاصل کر لیا اور رسم خلافت کو

مصر سے قسطنطنیہ منتقل کر لیا۔ دنیا کے مسلمان نظامِ اجتماعی کی برکت اور خلیفہ کے سایۂ ہمایونی سے ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد اس وقت محروم ہوئے جب کمال اتاترک نے بقائے خلافت چاک کر دی اور عالم اسلام نے انقطاع خلافت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔

اسلام میں شتر بے مہار کی حیثیت سے زندگی گذارنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں میں خلافت یا امامت کبریٰ موجود نہ ہو اور اقتدار سے وہ محروم ہوں جب بھی شرعی احکام کے مطابق زندگی گذارنے جمعہ قائم کرنے زکوۃ وصدقات کو صحیح مصارف میں خرچ کرنے، شرعی عدالتیں قائم کرنے اور حسب موقعہ امارت کبریٰ کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے از روئے شرع ایک امیر کے تحت زندگی گذارنا اور امارت کا نظام قائم کرنا ضروری ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح منتشر چھوڑنا کہ ان کا کوئی امیر نہ ہو جو ان کے حالات کی تدبیر وتنظیم کرے جائز نہیں، نہ دار الاسلام میں نہ ہی دار الحرب میں۔"

جب ہندستان میں انگریزی اقتدار مضبوط ہو گیا اور حکومتِ شاہ عالم از دہلی تا پالم رہ گئی تو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے ہندستان کے دار الحرب ہونے کا فتوی دیا اور مسلمانوں کو نصب امیر کا مشورہ دیا کیوں کہ وہی ان سب کا ولی ہوتا ہے جن کا کوئی ولی نہیں ہوتا۔ وہی قاضی مقرر کرتا ہے اور مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت اسی کے سپرد ہوتی ہے اور مسلمان دار الحرب میں بھی مادی قوت کے جبر سے نہیں بلکہ اپنی رضا اور اختیار سے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ دار الاسلام سے باہر زندگی گذارنے کا احکام فقہ اور فتاوی کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور ان کتابوں میں شرعی امارت کا حکم بھی پایا جاتا ہے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے فتوے کے بعد ہندستان میں نظام شرعی کے قیام کی پہلی جدوجہد سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقا نے کی، سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت امارت کی گئی تھی۔ بالاکوٹ میں ان کی شہادت کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک امارت کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد منقطع ہوا۔ انقطاع امارت کی حالت علمار اسلام کو بے چین رکھتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو امیر بنایا گیا تھا۔ لیکن ان کی ہجرت اور رفقا کی گرفتاری کے بعد یہ امارت باقی نہیں رہی اس سلسلے میں مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کی سعادت حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد کے حصے میں آئی جنھوں نے اپنے عزم وتدبر کے ذریعہ مشکلات پر قابو پایا۔ اور بہار میں امارت شرعیہ کی بنیاد رکھی اور مولانا آزادؒ کی صدارت میں امیر اول مولانا شاہ بدر الدین کا انتخاب ۱۹۲۱ء میں عمل میں آیا۔ پٹنہ کے اس اجلاس میں مولانا ابو الکلام آزادؒ نے مسئلہ امارت پر دو گھنٹے تک تقریر کی۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ مولانا حبیب

الرحمن عثمانی علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا مفتی کفایت اللہ اور دیگر علماء کی تحریریں ہیں انہوں نے ملت کی شیرازہ بندی کے لیے اور احکام شرعی کے نفاذ کے لیے قیام امارت کو شرعی طور پر ضروری قرار دیا۔

ذہنوں میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ امارت کا نظام اجتماعی اتنا ہی ضروری ہے تو علماء نے پورے ہندستان میں امارت نہیں قائم کر لی۔ امارت کے عملی طور پر قائم نہ ہونے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیے کہ علماء اسے ضروری بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ہندستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے اس وقت سب سے زیادہ مسلم اور محترم عالم دین ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ارکان اربعہ میں جو خلافت اور امارت کے موضوع پر نہیں بلکہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی حکمت اور آداب کے موضوع پر ہے زکوۃ کے اجتماعی نظام پر بحث کرتے ہوئے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ

"مسلمان خلافت و امارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلف ہیں اور اس میں کوتاہی اور سہل نگاری ان کو گنہ گار کر سکتی ہے۔"

مولانا نے مزید لکھا ہے کہ

"مسلمان مورخین اگر یہ دیکھتے کہ مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں اور وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے جو بغیر خلافت و امارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس و شعور اور فکر کے گذر رہی ہے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے۔"

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عالم اسلام میں خلافت کے خاتمے اور پورے ہندستان میں امارت کے عدم قیام پر جس درد و غم کا اپنے قلم سے اظہار کیا ہے اس کی نظیر مشہور مورخ ابن کثیر کی تحریر میں ملتی ہے۔ خلیفہ معتصم باللہ کی شہادت کے بعد ساڑھے تین سال تک مسلمان بلا خلیفہ کے رہے ابن کثیر جب اپنی تاریخ میں نئے سال کا ذکر کرتا ہے تو یوں لکھتا ہے۔

"یہ سنہ ہجری شروع ہوا اور صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہے"

ہندستان میں یہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے بہار میں امارت شرعیہ کی داغ بیل ڈالی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک بار یہ کہا۔

"اگر مجھے ہندستان کے کسی صوبے پر رشک آتا ہے تو بہار پر اور اگر بہار پر رشک

آتا ہے تو امارت شرعیہ کی وجہ سے کہ وہاں مسلمان اس کی بدولت ایک ایسی زندگی گذار رہے ہیں جو معتبر اسلامی زندگی سے قریب تر اور جاہلی اور غیر اسلامی زندگی سے بعید تر ہے۔"

یہ ہے امارت شرعیہ کی روح اور دین میں اس کا مقام، مولانا منت اللہ رحمانی اس اہم آئینی دینی ادارے کے سربراہ اور مسلمانوں کے چوتھے امیر شریعت تھے۔ آپ کا انتخاب مارچ ۱۹۵۷ء میں ہوا۔ آپ کو خاندانی وجاہت حاصل تھی۔ آپ ہندستان کے معروف عالم دین مولانا محمد علی مونگیری کے فرزند ارجمند اور خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین تھے۔ تحریک آزادی ہند میں بھی عملی حصہ لے چکے تھے، اور اس پاداش میں پس دیوار زنداں بھی کچھ وقت گذار چکے تھے۔ آپ نے مولانا سجاد کی نگرانی میں اور سرپرستی میں سیاست میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اور مولانا سجاد کی انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر بہار کونسل کے ممبر رہ چکے تھے۔ اس تجربے نے ان کے اندر سیاسی بصیرت پیدا کر دی تھی۔ امیر شریعت کا عہدہ محض روحانی عہدہ نہیں ہے، اسے ملک کی سیاست سے آشنا اور سرد و گرم چشیدہ ہونا چاہیے۔ اسے ارباب سیاست کے داؤں پیچ سے واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ جرات و دانشمندی کے ساتھ مسلمانوں کے مفادات کی نگرانی کر سکے اور انہیں ظلم و استبداد کا شکار ہونے سے بچائے۔ قرآن میں پیغمبروں کے حالات پڑھیے۔ حضرت موسیٰ فرعون اور اس کی قوم پر غالب آئے لیکن اس کے لیے خدا کا انتظام یہ کیا گیا کہ ان کی تربیت فرعون کے محل میں ہو۔ حضرت یوسف مصر کے تاج و تخت کے مالک بنے ان کی پرورش کے لیے حکومت مصر کے ایک بڑے عہدیدار عزیز مصر کے گھرانے کا انتخاب ہوا۔

مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنے دور امارت میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب جلیل کے پورے طور پر مستحق ہیں۔ ان کے دور میں بہار و اڑیسہ میں کئی دار القضا قائم ہوئے۔ قاضیوں اور محکمہ قضا میں کام کرنے والے کی ٹریننگ کا انتظام ہوا اور امارت شرعیہ کے دار القضا کی ایسی ساکھ قائم ہوئی کہ تمام مسلمان نکاح و طلاق کے معاملات کے لیے سرکاری عدالتوں کے بجائے دار القضاء کا رخ کرنے لگے۔ دار القضاء کے فیصلے تمام مسلمانوں کے لیے قابل تسلیم ہوتے تھے۔ بہار کی امارت شرعیہ کو دیکھ کر مختلف ریاستوں میں شرعی امارت قائم کی گئی۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں بھوپال میں علامہ سید سلیمان ندوی پر منعقدہ آل انڈیا سیمنار کی طرف سے یہ تجویز منظور ہوئی کہ کل ہند پیمانے پر امارت شرعیہ مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منت اللہ رحمانی

اور مولانا عمران خاں ندوی کے مشورے سے قائم کی جائے اور امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ اس اہم معاملے میں اقدام و پیش رفت کرے۔ کل ہند امارت شرعیہ کا خواب ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر یا دفتر، مسجد یا مدرسے میں بیٹھ کر کل ہند امیر کے نام کا اعلان کر دے، اس نام کے اعلان کرنے کا حق مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے ادارہ ہی کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں مسلمانوں کے تمام مکتب فکر کے اہل علم کی نمایندگی موجود ہے۔

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی دینی اور ملی خدمات کا احاطہ اس مختصر تحریر میں نہ ممکن ہے نہ یہ مقصود ہے لیکن پورے ہندستان کے مسلمانوں کے لیے ان کی سب سے بڑی گراں قدر خدمت اور ناقابل فراموش کارنامہ مسلم پرسنل لا کی حفاظت ہے۔ دسمبر ۱۹۷۲ء میں آپ کی کوششوں سے بمبئی میں عظیم تاریخی کنونشن منعقد ہوا جس میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور تنظیموں کی نمایندگی تھی۔ اس کنونشن میں مسلمانوں نے متفقہ طور پر یہ اعلان کیا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی برداشت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اسلام کا قانون ناقابل ترمیم ہے۔ پھر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صدارت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا منت اللہ رحمانی اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ اس بورڈ نے حرکت و عمل اور اپنی جرات و تدبر کا لازوال نقش قائم کر دیا۔ اس بورڈ کے تحت ایک مرکزی کمیٹی بنادی گئی جس کا کام یہ تھا کہ وہ قانون ساز اداروں کے ان تمام پاس شدہ قوانین پر گہری نظر رکھے جن کا تعلق مسلم پرسنل لا سے ہو، مولانا منت اللہ رحمانی کی قیادت میں مسلم پرسنل لا کی حفاظت کی تحریک ہندستان گیر تحریک بن گئی، ہندستان کے مختلف شہروں میں اجتماعات ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں کلکتہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا عظیم الشان اجلاس ہوا، جس میں پانچ لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس کے بعد شاہ بانو کیس میں جب سپریم کورٹ کا فیصلہ سامنے آیا جو شریعت اسلامیہ پر ایک حملہ تھا تو پرسنل لا بورڈ شریعت کے لیے سینہ سپر بن گیا۔ یہ مسلمانوں کے لیے دین و شریعت سے وفاداری کا امتحان تھا۔ خاموش بیٹھنا اور سپریم کورٹ کے فیصلہ کو حلق سے اتار لینا اور اس پر راضی ہو جانا دینی غیرت و حمیت کے خلاف تھا، پرسنل لا بورڈ کے صدر اور سکریٹری اور بورڈ میں شامل اداروں اور جماعتوں نے پورے ملک میں اس موضوع پر مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی اور ہندی پریس کی زبردست اور متحدہ مخالفت اور فرقہ پرست ہندوؤں کی رائے عامہ کے خلاف حکومت کو مسلمانوں کے مطالبہ کے سامنے

جھکنا پڑا۔

مسلمانوں کا کوئی مسئلہ ہو کوئی افتاد پڑی، مولانا منت اللہ رحمانی کی کارگذار اور کارپرداز شخصیت مسلمانوں کو پریشانی اور دکھ درد سے بچانے کے لیے موجود ہوتی۔ وہ ملت کے کاموں کے لیے اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان کی صحت کمزور تھی آخر میں بیمار رہنے لگے تھے آواز سے ضعف اور نقاہت کا احساس ہر شخص کو ہوتا تھا لیکن مولانا اسی میں سفر بھی کرتے تھے۔ جلسوں کی صدارت بھی کرتے تھے بورڈ کی نشستوں میں شریک ہوتے تھے حکومت کے نمایندوں سے بھی ملتے تھے اور پوری جرات اور دیانت کیساتھ گفتگو کرتے تھے۔ بابری مسجد کے مسئلہ پر پرسنل لا بورڈ کے موقف کی وضاحت کے لیے اور پوری ملت کا مطالبہ رکھنے کے لیے جب وزیر اعظم سے ملے تو وزیر اعظم نے گفتگو کی شرافت کو بالائے طاق رکھ کر اور ملت کی معزز شخصیتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ جملہ کہا: "ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے ایک ہی بھنگ کے کنویں سے پانی پی لیا ہے۔" مولانا نے اس غیر شریفانہ جملہ کا نوٹس لیا اور وزیر اعظم سے پوچھا کہ
"حکومت نے تو بھنگ کے کنویں سے پانی نہیں پیا ہے وہ کیوں اپنے فرض سے غافل ہے"

ایسی ہی جرات اور بے باکی کا مظاہرہ مولانا رحمانی نے اندرا گاندھی کے دور حکومت میں ایمرجنسی کے زمانہ میں کیا تھا جب خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان جبری نس بندی کی مہم چلائی جا رہی تھی اور علمار سے تائید میں زبردستی فتوے حاصل کیے جا رہے تھے۔ مولانا نے اسے خلاف اسلام قرار دیا اور ان کا بیان کتابچہ کی شکل میں پورے ملک میں تقسیم کیا گیا۔

مولانا کی نگرانی میں اسلامی فقہ کا تدوین جدید کا کام بھی انجام پا چکا ہے، تاکہ یہ مدون فقہ عدالتوں میں موجود رہے اور عدالتی فیصلوں میں نادانستہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ یہ کام مدون کتاب کی شکل میں جلد منظر عام پر آنے والا ہے۔ اس کتاب سے مسلمان عوام، خواص اور ماہرین قانون مستفید ہو سکیں گے۔ مولانا تدوین حدیث پر ایک کتاب کے مصنف اور مکاتیب گیلانی کے مرتب تھے۔ اسلامی قانون پر کئی چھوٹی کتابیں آپ نے لکھی ہیں۔

ہندستان میں رتھ یاترا کے بعد فسادات کی لہر دوڑ گئی، اس نازک موقعہ پر بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمان علمار کی طرف سے کوئی رہنمائی ہو۔ علمار نے اس موقعہ پر بھی جرات وصفائی کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا۔ مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی اخبار کے سوا کچھ نہیں

پڑھتا اور غیر ذمہ دارانہ باتیں اس کی زبان پر آنے لگتی ہیں کہ علمار کیوں نہیں جرات کے ساتھ بولتے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی مولانا منت اللہ رحمانی نے جو بیان اور غالبا امت مسلمہ کے نام اپنا آخری پیغام دیا وہ یہ ہے۔

" آپ اس ملک میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ملک کی تاریخ کو نیا رخ دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ اس کے لیے آمادہ ہوں، اتنی سی بات یاد رکھیے کہ ایک بہت بڑی تعداد کا مزاج تخریبی بن چکا ہے، اسے توڑ پھوڑ شکست و ریخت سے خاص دلچسپی ہو گئی ہے۔ اگر آپ اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہو گا کہ آپ خود بھی مضبوط ہوں، اپنی قوت جمع کریں شر پسند فتنہ پرور اور شہری زندگی کے امن و سکون کو برباد کرنے والوں کے مقابل مضبوط اور بہترین دفاع کے لیے تیار ہوں۔ آپ کی اپنی قوت اور دفاعی صلاحیت وہ بنیادی چیز ہے جس کے ذریعہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ آپ مرنا سیکھیں، بزدلوں کو ہر روز اور ہر صبح و شام موت آتی رہتی ہے۔ جو مرد ایک بار اور صرف ایک بار مرتا ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہوں گا کہ آپ دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں۔ خدا سے لو لگائیں اور اپنے مستحکم دفاع کے لیے تیار رہیں۔ ۔ ۔ ۔ موجودہ صورت حال میں فرقہ واریت اور نسل کش حملوں کا علاج میرے خیال میں یہی ہے کہ مظلوموں کو چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کریں آپ کا قانونی حق ہے جسے کوئی بھی طاقت آپ سے چھین نہیں سکتی۔"

مولانا رحمانی کے انتقال سے ملت اسلامیہ متزلزل ہو گئی ہے اور مولانا کے انتقال پر یہ شعر پورے طور پر صادق آتا ہے۔

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد　　　　ولکنہ بنیان قوم تہدما

"قیس کا مرنا کسی شخص واحد کا مرنا نہیں اس سے قوم کی بنیاد گر پڑتی ہے۔"

رمضان کے مبارک مہینہ میں مولانا کا انتقال ہوا، یہ بات خود مغفرت کی بشارت ہے، امت مسلمہ کو بھی اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خصوصی معاملہ فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا جانشین اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

❖

غزالیِ زماں رُخصت ہو گیا

حضرت مولانا حسین احمد قاسمی۔ قاضی شریعت سمرسنہ و مہتمم مدرسہ رحیمیہ، جگا ڈھا

حضرت امیر شریعت رابع علیہ الرحمہ کو میں نے بچپن سے دیکھا۔ اُن کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی۔ کئی کتابیں اُن سے پڑھی۔ اور اُن کی صحبت میں روز و شب بیٹھنے کا موقع ملا۔ ان سے بہت کچھ پایا مجھے اُن کی خصوصیات نے بہت ہی قریب کیا۔ جہاں بھی رہتا ان کی طرف توجہ رہتی۔ دل ہمہ وقت آویزاں رہتا کہ اُن کی زیارت ہو۔ اور صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوں۔ اُن کی جُدائی پر کس قدر صدمہ پہونچا وہ میں ہی جانتا ہوں بے تابی میں زبان پر یہ اشعار بے ساختہ آجاتے ہیں ؎

جدائی تیری دِل کو بھاتی نہیں   شب ہجر میں نیند آتی نہیں

جُدا جب سے ہے تو میری آنکھ سے   ٹپکتے ہیں آنسو میری آنکھ سے

حضرت کی شفقت و عنایت بے پایاں رہیں۔ جو روحانی تعلق تھا اسے صفحۂ قرطاس پر لایا نہیں جاسکتا اَلفاظ و جملے معذرت کر رہے ہیں۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ جو بولتے تھے اسے کر دکھاتے تھے۔ ان کا قول اُن کے عمل کا صحیح ترجمان تھا۔ وہ جہاں امیر شریعت تھے وہیں شیخ طریقت بھی اور جہاں امام سیاست تھے وہیں قطب رشد و ہدایت بھی! ـــــ حق تعالیٰ نے فراست ایمانی و عزیمت اِسلامی اور تفکراتِ الہامی کا حِصّہ وافر عطا فرمایا تھا۔ عظیم الشان کانفرس ہو یا بڑا اجلاس، ارباب حل و عقد کی مجالس ہوں یا عوامی اجتماع، جب بھی آپ خطاب فرماتے تھے تو جچے تلے الفاظ و جملوں کے ساتھ۔ سننے کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قلب نورانی سے ایمان و یقین کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں۔ اور زبان مبارک سے پاکیزہ کلمات موتی کے مانند بکھر رہے ہیں۔ آپ کی فراست کے سبھی قائل تھے۔ جو مشورہ دیتے تھے وہ قابل قبول ہوتا تھا اپنی فراست ایمانی سے بڑا سے بڑا مسئلہ حل فرماتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ سے شروع کیجئے اور مسلم پرسنل لاٗ بورڈ تک پہونچئے۔ آپ کی فراست ایمانی کا خوب خوب اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت کے مُعاصرین آپ کی فراست پر رشک کرتے تھے اور حل مشکلات پر حیران و ششدر رہا کرتے تھے۔ یہ قیمتی پونجی حضرت کو اپنے پدر بزرگوار رُوحانی پیشوا قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری علیہ الرحمۃ سے ملی تھی۔

آپ مضبوط عزائم کے مالک تھے۔ کیا مجال کہ جب آپ کسی کام کو امر دین سمجھ کر انجام دینا

چاہتے تو کوئی رکاوٹ ڈال دے اور آپ کے ارادے میں ضعف سما جائے۔ عزم و استقلال کے پہاڑ تھے۔ جب کام سامنے ہوتا تو شب و روز بیدار رہیں۔ کام کا دھن سوار ہے۔ خود بھی لگے ہیں۔ رفقاء و عزیزان کو بھی لگائے ہوئے ہیں۔ کارکن میں اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ تو ظرافت بھرے انداز میں کچھ کھلا رہے ہیں اور کچھ فرما رہے ہیں کہ کام کرنے والے تازہ دم ہو کر کام میں لگ جاتے ہیں۔ ذرہ برابر بھی تکان کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اپنی کاوش اور جدوجہد سے مخالف عناصر اور دشمن ترین معاند کو خاموش فرما دیتے تھے۔ سفر ہو یا حضر ہمہ وقت متحرک رہتے تھے۔

آپؒ نے اپنی سیاست سے اسلامی سیاست کا درس دیا۔ جب بھی ملکی مسئلہ پیش ہوا۔ اور اسلام سے متصادم نظر آیا۔ تو پوری تیاری کے ساتھ میدان میں کود پڑے۔ ملکی سطح پر ہو یا اس سے الگ ہو کر عقل و شعور کے ساتھ ایسی تدابیر اختیار فرمائیں کہ سارے سیاست داں آپ کی تائید کرتے اور آپ کے قیمتی فرمان مشعل راہ قرار دیتے۔

ریاضت و مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا۔ میں سفر میں ساتھ رہا ہوں اور حضر میں قریب رہ کر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ٹھیک تہائی شب میں بیدار ہونا۔ صلوٰۃ تہجد کا ادا کرنا۔ اور اوراد وظائف میں لگا رہنا۔ صبح صادق تک اذکار میں مشغول رہنا۔ پھر مؤذن کو اٹھانا۔ تلامذہ و اساتذہ کو جگانا باجماعت نماز کا اہتمام رکھنا خوب خوب یاد ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں ٹہلنا اور قرآن کی تلاوت پر طلباء کی سخت نگرانی کرنا آپکے شب و روز کے معمولات میں داخل تھا۔ یہ ریاضت و مجاہدہ اور اسلامی سیاست میں مہارت تامہ دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ جلیل قطب ارشاد حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے پائی تھی۔ آپ کا جرأت مندانہ اقدام آپ کی سیاسی خدمات پر واضح دلیل ہے آپؒ نے ہمیشہ بے باکی کے ساتھ اُمت کے مسائل کو پروان چڑھایا اور حکومت سے منوایا۔

حضرت علیہ الرحمۃ بڑے مفکر اور مدبر تھے۔ ملت کیلئے ہمہ وقت فکر مند رہا کرتے تھے۔ ملت کی بقاء اور اُمت کی حفاظت کے لئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تدبیر فرماتے رہتے تھے۔ جامعہ رحمانی مونگیر اور اس طرح کے سیکڑوں مدارس۔ امارت شرعیہ اور اس طرح کے ملی ادارے آپ کے تفکرات اور تدابیر کے نتائج ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو فکر عطا فرمائی تھی۔ واقعات و مشاہدات کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے امام غزالی تھے۔ علماء اُمت و زعماء ملت، آپکی فکر سے فائدہ

اُٹھاتے تھے۔ اور سلامتی فکر پر برجستہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں علماء تو بہت ہیں، مگر مولانا منت اللہ صاحب جیسا مفکر عالم دین نظر نہیں آتا ـــــــ آپ کے غور و فکر پر بچپن ہی سے اندازہ تھا کہ آپ اپنے وقت کے عظیم مفکر ہوں گے۔ اور اُمت مسلمہ کو آپ کی فکر سے بڑا نفع پہونچے گا۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپؒ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں اکثر و بیشتر جایا کرتے تھے، اور پاس بیٹھتے تھے۔ حضرت مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جانتے ہو یہ کون ہے؟ مجلس میں سکوت طاری رہتا۔ آپ فرماتے کہ آئندہ یہی کچھ کریگا۔ چنانچہ اس پیشن گوئی کی زندہ مثال "جامعہ رحمانی" خانقاہ رحمانی "کتب خانہ رحمانیہ" اور ملت اسلامیہ کی امارت ہے۔

آپ نے حضرت مولانا مدنیؒ کے بعد مفکر ملت حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ علیہ الرحمۃ کی صحبت پائی سفر و حضر میں ساتھ رہے، مولانا علیہ الرحمۃ نے آپ میں خداداد صلاحیت کو دیکھکر خوب خوب تربیت فرمائی کبھی ملت کو زندہ رکھنے کیلئے اسمبلی کا ممبر بنا رہے ہیں، تو کبھی اُمت کے مسائل کو سمجھانے کیلئے بڑی کانفرنس میں بھیج رہے ہیں، اور کبھی کسی بڑے اجلاس میں فکر و تدبر کی بات کہلوانے اپنے ہمراہ لیجا رہے ہیں۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ مشرقی بہار کے کسی اجلاس میں مولانا سجادؒ علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہیں پروگرام میں آپ کا بھی نام تھا آپؒ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اُمت کے مسئلہ پر کچھ ایسی بات کہلوائی کہ علماء دنگ رہ گئے آخر میں حضرت مولانا سجادؒ علیہ الرحمۃ خطاب کیلئے تشریف لائے، اور تعریف فرماتے ہوئے برجستہ کہا کہ آگے چل کر مولوی منت اللہ صاحب ہی کچھ کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ کی یہ پیشن گوئی حرف بحرف صادق آئی۔ جس کی تازہ مثال امارت شرعیہ کی تاریخی خدمات ہیں کہ آپؒ نے باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اپنی فکر اور خداداد صلاحیت سے کام لیکر امارت کو بام عروج پر پہونچایا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ اور خدمات کا اعتراف کیا، امارت کی ترقیات میں توازن کو باقی رکھا، روحانی اور مادی دونوں طرح کی ترقیاں ہوئیں، اور حضرت امیر شریعت علیہ الرحمۃ نے دونوں پہلوؤں پر نگاہ رکھی، تعاون کے لئے گوشہ گوشہ سے چن کر ایسی باصلاحیت شخصیات کو جمع کر دیا، جو اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب اور نجوم کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے امارت شرعیہ روشن ہے، مادی ترقی کبھی روحانی ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنی۔ نہ کاموں میں فرق آیا اور نہ کسی طرح کا ضعف ہوا۔ ـــــــ سچ پوچھئے تو آپؒ نے امارت شرعیہ کو اس مقام اور منزل پر لاکھڑا کیا کہ اب یہ ادارہ صرف بہار و اڑیسہ کا مرکز نہیں رہا، ہندوستان بلکہ عالم اسلام کا مرکز بن گیا۔

حضرت علیہ الرحمۃ کی یہ خصوصیات محض تعلق مع اللہ کی بنیاد پر تھیں، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی خدا کے بندے نے روابط خداوندی اور تعلقات الٰہی کو بنیاد قرار دیکر کام شروع کیا، تو اس کے ساتھ نصرت خداوندی ہوئی اور وہ عظیم کارناموں کے انجام دہی میں کامیاب و کامران رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم تک اور دور نبوی سے لیکر آج تک کی یہی تاریخی شہادت ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو یہ قیمتی سرمایہ اپنے روحانی مربی حضرت مولانا محمد عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے ملا تھا۔ جو اپنے وقت کے اہل دل بزرگ تھے یہی تعلق مع اللہ حضرت علیہ الرحمۃ کی ترقی و کامیابی کا راز ہے اور بس!

اخیر میں علماء کرام و زعمائے عظام سے خصوصاً اور عامۃ المسلمین سے عموماً، دردمندانہ اپیل ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو سامنے رکھکر اپنے مستقبل کو روشن کریں، اور مادی ترقیات میں اپنے کو گم نہ ہونے دیں۔ اور روحانیت کی طرف مائل رہ کر ملت کو آگے بڑھائیں، اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔

حق تعالیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی مغفرت کرے، درجات بلند فرمائے۔ انکی قبر کو نور سے بھر دے، اور خالی جگہوں کو لائق و فائق شخصیات سے پُر فرمائے ——————— آمین۔

ایک مردِ حق آگاہ

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ کی یاد میں چند لمحات

از قلم: (مولانا) عبد المالک صاحب صابر الحسینی، بھوجپوری

کچھ لوگ مرتے ہیں تو ایک آنکھ بھی ان پر رونے والی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ مرتے ہیں تو احباب و اقربا کا ایک محدود حلقہ ان پر آنسو بہالیتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ مرتے ہیں تو ادھر سے ادھر تک فضا میں اندوہ و ملال کا غبار بکھرتا چلا جاتا ہے۔ اور کوئی نہیں گن سکتا کہ کتنی آنکھیں اشکوں سے نہا گئیں۔ ان کی موت پر روحیں تڑپ اٹھتی ہیں دماغ مفلوج ہو جاتے ہیں اور احساس کے ماتھے پر پگھلی ہوئی چنگاریاں پسینہ بنکر پھیل جاتی ہیں۔

کیا شک ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی قدس سرہٗ العزیز ایسی ہی بلند مرتبہ اور ذی شان ہستیوں میں سے تھے۔ جس کی موت نے ہر اس شخص پر غم کا پہاڑ توڑ دیا ہے جسے مرحوم و مغفور کے اوصاف عالیہ اور محاسن و محامد کا ادراک ہے۔ جس کے سینے میں دل مرچکا نہیں ہے اور جو اپنے ملک و ملت کے مخصوص حالات و مسائل کا شعور رکھتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ مولانا منت اللہ رحمانی طاب اللہ ثراہ کا وجود ناساعد حالات کی ماری ہوئی امت مسلمہ کے لئے آج کس قدر اہم تھا۔

مولانا منت اللہ رحمانیؒ ان مجاہدوں میں تھے جنہوں نے عین میدان جنگ میں جان دی۔ یہ محض استعارہ اور عقیدت نہیں ہے۔ بلکہ ایک سامنے کی حقیقت ہے۔ آزادی کے بعد بھی تعصب تنگ نظری فرعونیت اور ظلم و ستم کی طاقتوں کے ہاتھوں ہمارا وطن امت مسلمہ کے لئے ایک جنگاہ، ایک کارزار بنا ہوا ہے۔ جہاں مسلمان مسلسل مدافعت، فریاد و احتجاج اور کرب و اضطراب کا مجسمہ بن کر رہ گئے ہیں۔

اور ایک جارحانہ ذہن بے تکان ان پر جبر وجور کے ترکش خالی کر رہا ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانیؒ ظلم وطغیان کی ان طاقتوں سے انتہائی تدبر اور بردباری کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے والوں میں صف اوّل کے مرد آہن تھے وہ جسمانی اور صحت کے اعتبار سے نحیف اور کمزور ضرور تھے لیکن جرأت وہمت کے لحاظ سے بڑے شجاع تھے، شیر دل تھے جیالے اور نڈر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ متنوع گوناگوں کمالات کا حامل بنایا تھا۔ وہ جرأت ایمانی کے مظاہر تھے۔ انکی خداداد فطری صلاحیتوں سے اہل ایمان واہل وطن نے فائدہ اٹھایا۔ مولانا تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ وہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے چوبیس برس تک امیر شریعت تھے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے ابتدا سے جنرل سکریٹری بلکہ روح رواں رہے۔ مسلم مجلس مشاورت کے اہم بنیادی ارکان میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے۔ مونگیر میں جامعہ رحمانی کی بنیاد ڈالی۔ جس کا شمار اس وقت بہار کے ممتاز ترین اداروں میں ہوتا ہے امارت شرعیہ جس کا کام بہار واڑیسہ کے مسلمانوں کے عائلی مسائل کے فیصلوں تک محدود تھا اسے انہوں نے اپنے تدبر فراست ایمانی اور انتہائی جفاکشی کے ساتھ ہندوستان گیر بنادیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا رشتہ ملی اور رفاہی کاموں سے جوڑ کر اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ مولانا مرحوم تحریک آزادی میں طالب العلمی کے دور سے ہی شریک ہوئے۔ جس کے صلے میں ۱۹۳۲ء میں سہارنپور میں قید وبند کی صعوبت اٹھانی پڑی۔ ان کی جدوجہد آزادی سے دل چسپی کا اندازہ مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مقالہ کے چند اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک کا دور ہندوستان کی تاریخ میں بھیانک دور تھا۔ آزادی کی جنگ شباب پر تھی۔ اسی زمانہ میں جمعیۃ العلماء کے صدر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ نور اللہ مرقدہٗ اور ناظم اعلیٰ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ تھے۔ مگر وہ ڈاکٹر جس کو بہت سے انجکشن دیئے گئے تھے ابو المحاسن مولانا سجادؒ علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت صوبہ بہار تھے ادارہ حربیہ کے کلید بردار بھی حضرت تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے دفتر سے علیحدہ محلہ بلی ماران کی ایک تاریک گلی میں ایک مکان لے لیا گیا تھا۔ حضرت مولانا سجادؒ کا قیام اسی مکان میں تھا۔ جس کا علم دفتر کے لوگوں میں سے بھی غالباً صرف قاضی اکرام الحق

کو تھا۔ جماعت کے جو حضرات اسی ادارہ کی ضرورت سے حضرت موصوف سے ملاقات کرنا چاہتے تھے تو قاضی اکرام الحق ہی ان کے رہبر ہوا کرتے تھے۔ احقر اس زمانے میں مدرسہ شاہی مراد آباد کا مدرس اور جمعیۃ العلماء شہر مراد آباد کا ناظم تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اس نظام کی کلید حضرت ابو المحاسن مولانا سجاد علیہ الرحمہ کے دست مبارک میں تھی موصوف کی ہدایت اس احقر کے لئے یہ تھی کہ ہر ہفتہ جمعہ کی صبح کو مراد آباد سے چل کر دہلی پہنچا کرے اور نماز جمعہ کے بعد دہلی کے جامع مسجد میں تقریر کرکے واپس ہو جایا کرے۔ چند جمعہ انتہائی چوکس اور احتیاط کے ساتھ گذرے پولس کو تلاش کے باوجود ناکامی ہو جایا کرتی تھی۔ پولس غصہ میں ہمہ وقت اپنی ناکامی پر رہتی تھی۔ جمعہ کا دن تھا احقر حسب ہدایت مراد آباد سے دہلی پہنچا اس روز پولس پوری طرح چوکنی تھی اور احقر کی گرفتاری کا سامان اس نے مکمل کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا سجادؒ کو اس کا علم تھا۔ موصوف نے نماز جمعہ کے لئے احقر کو خفیہ راستوں سے روانہ فرمایا اور احقر کے رہبر قاضی اکرام الحق صاحبؒ کو تاکید کر دی کہ نماز جمعہ کے بعد جنوبی دروازہ سے احقر کو نہ نکالیں اس طرف پولس چوکی ہے۔ اور آج چوکی کے علاوہ بھی پولس کا انتظام ہے۔ بلکہ شمالی دروازہ کے سامنے تانگہ تیار رکھیں اور اسی راستے سے نکالیں اس طرف پولس نہیں ہوگی۔

قاضی اکرام الحق صاحب سہو اور نسیان کے پرانے مریض تھے۔ یہاں اس ہدایت سے ایسے غافل ہو گئے کہ خاص ممنوعہ راستہ پر تانگہ کا انتظام کیا یعنی جنوبی پھاٹک سے ہی احقر کو لیکر آئے جہاں پولس کی چوکی تھی پھر راستہ بھی چاوڑی بازار کے علاوہ چاندنی چوک کی طرف کا اختیار کیا چنانچہ جیسے کوتوالی کے سامنے تانگہ پہنچا سی۔ آئی۔ ڈی کے سب انسپکٹر نے جو جامع مسجد سے ہی تانگہ کے پیچھے لگ گیا تھا اس سب انسپکٹر نے تانگہ رکوا لیا اور احقر کو پورے اعزاز کے ساتھ تانگہ سے اتار کر حوالات میں پہنچا دیا۔

اس حوالات میں سید منت اللہ رحمانی موجودہ امیر شریعت بہار و اڑیسہ صوبہ بہار صبح سے قیام پذیر ہو چکے تھے اور چند اور بھی ساتھی تھے جو اسی روز یا اگلے روز آئے تھے۔ بس ہم نے نشان زدہ عبارت کے لئے مولانا محمد میاں صاحبؒ کے مضمون کا لمبا اقتباس نقل کیا ہے تاکہ قارئین مولانا محمد منت اللہ رحمانی کی پرکشش شخصیت کا اندازہ لگا سکیں ان کی عظمت اور جد وجہد آزادی کی سبقت سے واقف ہو جائیں جو صف اول کے علما اور لیڈر ابتک حراست میں نہیں آسکے تھے۔ مولانا سید منت اللہ رحمانی جذبۂ حریت سے سرشار ہو کر تمام پر سبقت لے گئے اس مضمون کے اقتباس سے اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ

کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا منت اللہ رحمانی کو کس قدر بیدار مغز اور مجاہد بنایا تھا۔ جنگ آزادی سے مولاناؒ کو کتنا شغف تھا۔ مولاناؒ صرف صوبہ بہار کے ہی جید عالم نہیں تھے بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کے راہبر اور امام تھے۔ اپنے سینے میں ایک حساس دل رکھتے تھے۔ جس وقت بھی امت مسلمہ کے دل دھڑکتے تھے اس کی آواز اپنے دل میں پاتے تھے۔ جس سے بے چین ہو کر میدان عمل میں کود پڑتے تھے۔ ان کے عمل کا میدان ہمہ جہت تھا۔ کس کس جہت کا احاطہ کیا جائے جس کی زندگی کا ہر عمل عنوان بنجاتا ہو اس کا ادراک ایک طالب علم کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے۔ پیدائش، تعلیم و تربیت، زمانہ طالب العلمی کی سرگرمیاں، تعلیم سے فراغت کے بعد جنگ آزادی کی تحریک میں سرگرم حصہ ابو المحاسن مولانا سجادؒ کی انڈی پنڈنٹ پارٹی میں شمولیت۔ اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کے بعد پارلیمانی سیاست سے کنارہ کشی۔ اور دینی ملی سرگرمیوں سے دلچسپی۔ جامعہ رحمانی کی احیا لائبریری اور مسجد کی تعمیر اور سلسلۂ بیعت و ارشاد کے ساتھ ساتھ بحیثیت امیر شریعت امارت شرعیہ کے کاموں کا فروغ۔ قانون شریعت میں حکومت کی دخل اندازی روکنے کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام، شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد تحریک تحفظ شریعت کا آغاز اور تحریک خلافت کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تحریک کی کامیاب قیادت نیز ان سب کاموں کے ساتھ علمی تصنیفی اور فقہی کاموں کو انجام تک پہنچانا یہ وہ وقیع کارنامے ہیں جن کا احاطہ مجھ جیسے مبتدی طالب العلم سے ممکن نہیں ہے۔ ہاں یہ کام کوئی صاحب کمال اہل قلم ہی انجام دے سکتا ہے۔ البتہ میں مولانا مرحوم کے جس کارنامے سے زیادہ متاثر ہوا وہ ایمرجنسی کے زمانے میں فیملی پلاننگ اور جبری نسبندی کے سلسلہ میں واضح شرعی احکام پر مشتمل کتابچہ تیار کیا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کا اہتمام کیا اور بہت سے علاقائی زبانوں میں بھی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مولانا نے جس ایمانی جرأت و استقامت کا مظاہرہ فرمایا وہ مولانا مرحوم کا حصہ تھا۔ دوسرے علماء اور رہنمایان ملت کے لئے درس عبرت ہے۔ اس زمانے میں بہت سے ممتاز علمائے دین کے پائے استقامت میں لرزہ پیدا ہو گیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے سکوت اختیار کر لیا تھا۔ بہت سے لوگ مصلحت کے گہوارہ میں مجہول رہے تھے جن کا نام لینا یہاں مناسب نہیں ہے۔ اب ان میں سے بہت سے مرحوم ہو چکے ہیں۔ صرف مولانا منت اللہ رحمانی ہی ایک مرد مجاہد بہار سے نکلے۔ جنہوں نے اپنی فراست ایمانی سے بہت سے لوگوں کے قدموں میں استقامت پیدا کر دی۔ اس زمانے میں میں بھی برملا نسبندی کے خلاف بولتا تھا۔ کلکٹر بلیا کی جانب سے گرفتاری کی دھمکی آئی۔ میری خود نسبندی کرنے کی جیل میں بات ہونے لگی۔ اس میدان میں اپنے آپ کو میں تنہا محسوس

کرتا تھا۔ میرا کوئی معاون نہ تھا خود میرے مدرسہ کی کمیٹی نے مجھے یہ لکھ کر دیدیا کہ اگر آپ کی گرفتاری ہوئی تو ہم لوگ آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ اپنی تقریروں پر پابندی لگائیے۔ تھوڑی بہت علمائے دیوبند سے معاونت کی امید تھی، لیکن وہاں بھی اثبات ونفی کی بحث چل پڑی۔ جس سے مایوسی کی ایک لمبی دیوار کھڑی ہوگئی۔ اس انتہائی کس مپرسی کے عالم میں مرد از غیب بر آید و بکارے بلند کے مصداق ایک سفر میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اُس وقت کے ناظم امارت شرعیہ۔ اور اب وقت کے نائب امیر شریعت سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اثنائے گفتگو میں نسبندی کی باتیں چل پڑیں۔ مولانا نے فوراً اپنے بیگ سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا لکھا ہوا کتابچہ "فیملی پلاننگ" مجھے دیدیا میں نے بغور چند بار مطالعہ کیا پھر تو اللہ تعالیٰ نے میری زبان کو تلوار کی مانند چمکا دیا اور میرے قلب میں قوت ایمانی بھردی قدموں میں استقامت پیدا فرمادیا۔ پھر تو بے خوف وخطر ہو کر کھل کر نسبندی کی مخالفت کی۔ مجھے انتہائی مایوسی کے عالم میں قوت محسوس ہوئی۔ اس کتابچے کے حوالے ساتھ بولنا شروع کیا۔ کلکٹر تک یہ باتیں گئیں لیکن اس کے بعد اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ نہ معلوم کیسے اور کیوں اس کی تالیف قلب ہوگئی۔ اس کتابچے نے ایک معجزہ کا کردار ادا کیا۔ بہر صورت یہ تو ایک واقعہ ہے۔ جس برگزیدہ شخصیت کی ایک معمولی تحریر نے اتنا بڑا وقت کا فتنہ دبا دیا اس کے دوسرے مضبوط کارناموں نے کیا غضب ڈھائے ہوں گے۔ یہ ارباب دنیا سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ جس شخصیت کی زندگی کے اعمال سے بے پناہ عنوانات پیدا ہوتے ہوں اور ہر عنوان اتھاہ سمندر کے مانند ہو تو کیسے کوئی شخص اس کی زندگی کا احاطہ کرسکے۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اخلاقی اعتبار سے بھی بہت بلند مقام رکھتے تھے وہ سراپا وقار اور مجسم متانت تھے۔ ضبط وتحمل، صبر وشکر ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ حضرت امیر شریعت کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس دور قحط الرجال میں بظاہر جلد اس کے پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جب چاہیں۔

زمانے کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ہماری قوم ایک طویل عرصے سے مردہ پرست ہے۔ وہ زندوں کو بہت کم شمار میں لاتی ہے۔ مگر جب وہ مرجاتے ہیں تو ان کی عقیدت ومحبت کا پرچم ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ اس مرثیہ خوانی سے مولانا مرحومؒ کی روح آپ کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازے اور ہمیں خدمت ملک وملت کی توفیق دے۔ (آمین)

مولانا مرحوم کے پس ماندگان سے ہم تہہ دل کے ساتھ اپنی غم گساری، اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہیں نیز امارت شرعیہ کے ارباب حل وعقد سے انتہائی ادب کے ساتھ التماس ہے کہ وہ مایوس اور دل گرفتہ نہ ہوں۔ انسان مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جدوجہد کا میدان بہر حال جوں کا توں ہے۔ مایوسی اور باہمی جنگ سے دامن بچاکر مولانا مرحوم کے کاز کو تکمیل تک پہنچائیں۔ مولاناؒ کے ساتھ یہی صحیح تعزیت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

تا سحر تو نے نہ چھوڑی وہ کبھی اے بادِ صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک ؎

ہماری موت کیا ایک سانحہ ہے زمانے بھر کو یاد آتی رہے گی

از:- جناب مولانا شبیر احمد راہی۔ ایم۔ اے۔

ابھی ملت اسلامیہ ہند حضرت مفتی عتیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے صدمہ جانکاہ سے سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک دوسرے المناک حادثۂ فاجعہ سے دوچار ہوگئی جو بالکل غیر متوقع حالات میں پیش آیا۔ حضرت مولانا منت اللہ شاہ رحمانی کی علالت کی کوئی اطلاع اخبارات وغیرہ سے ہمارے علم میں نہیں آئی تھی اور نہ خانقاہ یا پھلواری شریف کے کسی ذریعے سے ایسی کوئی خبر ہمیں ملی تھی۔ اس لئے یکایک اس اندوہناک اطلاع کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہم اپنے آپ کو تیار نہ کر سکے تھے۔ بلاشبہ حضرت مولانا رحمانی کی موت ایک سانحہ ہی ہے اور وہ ہمیں یاد آتی رہے گی اور مدتوں رُلاتی رہے گی۔ اس قحط الرجال میں جب ہم ملک کے طول و عرض پر نظر ڈالتے ہیں تو چند نفوس قدسیہ کے علاوہ اب ہمیں امت مرحومہ کی حقیقی رہنمائی کرنے والے بزرگوں کی زبردست کمی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ ملت ایک نہایت کٹھن دورِ ابتلاء سے گزر رہی ہے۔ مولانا منت اللہ رحمانی کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا مزید سخت آزمائش میں مبتلا ہونے کے برابر ہے۔

حضرت مولانا رحمانی مرحوم سے ہماری واقفیت اور قربت کافی طویل رہی ہے یہ امورِ شریعت سے باخبر اور کیف تھیں۔ روحانی سے آشنا بزرگ تھے۔ ان کی مصلحت کوشیاں بھی انہیں بے خوف ہو کر اظہارِ خیال سے نہیں روکتی تھیں وہ ذاتی اغراض و مقاصد کیلئے اور دنیوی جاہ و منصب کی خاطر امت محمدیہ کا سودا نہیں کرتے تھے۔ بڑے بڑے فرعون صفت حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنا اور بے خوف ہو کر شرعی مسائل و معاملات کو پیش کرنا ان کی شخصیت کا ایک بہت نمایاں

میں جو جرأت مندانہ فیصلے کئے اور تجویزیں پاس کیں اس میں ان کی جرأت مندی صاف صاف جھلک رہی تھی پھر ان کی روشنی میں بے بنیاد اور ناکام ترین موجودہ وزیر اعظم سے انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں جو گفتگو کی وہ بھی ان کی جرأت ایمانی اور ملی حمیت کا نمایاں مثال ہے۔

مولانا تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، وہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے چوبیس (۲۴) برس سے امیر شریعت تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ابتدا سے جنرل سکریٹری بلکہ روح رواں رہے، مسلم مجلس مشاورت کے اہم بنیادی ارکان میں تھے، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ممبر اور ندوۃ العلماء لکھنو کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے، مونگیر میں جامعہ رحمانی کی بنیاد ڈالی، جس کا شمار اس وقت بہار کے ممتاز ترین اداروں میں ہوتا ہے، امارت شرعیہ جس کا کام بہار واڑیسہ کے مسلمانوں کے عائلی مسائل کے فیصلوں تک محدود تھا۔ انہوں نے اسے ہندوستان گیر بنادیا اور ساتھ ہی اس کا رشتہ ملی اور رفاہی کاموں سے جوڑ کر اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

حالات کے لحاظ سے مسلم پرسنل لا کی جدید ترتیب کا اہم کام بھی انہیں کی زیر نگرانی میں ہو رہا تھا جو غالبًا پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے راقم الحروف کو بھی برابر اسکی نقل بھیجکر اس کی رائے بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

موت بھی ایسی پر سعادت اور قابل رشک پائی جو خاصان خدا کا حصہ ہے یعنی نماز تراویح کی چار رکعت ادا کر چکے تھے کہ قلب کا دورہ پڑا اور چند منٹ کے اندر روح اپنے مولا سے جا ملی۔ اللھم ارحمہ رحمۃ واسعۃ سابغۃ

راقم الحروف کو بعض ملی مسائل کے عمل درآمد اور ذرائع استعمال کے سلسلہ میں کچھ خلش تھی جس کا اظہار نے ذاتی خطوط کے ذریعہ۔ دالرشاد کے اداریہ کے ذریعہ کرتا رہا مگر سنہ ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور کے فساد کے سلسلہ میں بھاگلپور جانے کا اتفاق ہوا تو امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات نے مولانا کو بھی فون کے ذریعہ یہ اطلاع دے دیا کہ یہ فلاں ٹرین سے جا رہے ہیں جب گاڑی جمال پور اسٹیشن پر پہونچی تو مولانا کے ایک نمائندہ ڈبہ میں آئے اور کہا کہ مولانا نے فرمایا ہے

مجلسِ مشاورت اور مسلم پرسنل لا کے جلسوں میں ان کی موجودگی میں راقم الحروف کو متعدد موقعوں پر اظہارِ خیال کی جرأت کرنی پڑی تھی۔ انہوں نے ہر موقع پر تحسین کی اور حوصلہ افزائی فرمائی جس کی خوشگوار یاد راقم کے لئے کسی سرمایہ سے کم نہیں۔ آپ کی وفات جن حالات میں ہوئی اُس سے بلاشبہ یہی لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول فرمالیا۔

اخبارات سے پتہ چلا کہ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی جگہ حضرت مولانا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو امیر شریعت بہار واڑیسہ منتخب کرلیا گیا اور سب سے پہلے حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی نے بڑھ کر بیعت فرمائی اور ــــ قاضی شریعت ان سے عہدہ کا حلف لیا۔ ایک مدت کے بعد کسی اہم ترین دینی عہدہ کے لئے علماء میں اتحادِ فکر وعمل کو دیکھ کر دل مسرور ہی نہیں ہوا فخر سے سر اونچا ہوگیا۔ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی"۔

اس خبر سے حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب کا مقام بلند دنیا کی نظر میں اور بلند ہو گیا۔ ہم امارت کے جملہ متعلقین کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو بھی پرخلوص اور پرجوش مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ •

حضرت امیر شریعت چند یادیں

(محمد شمیر الدین المظاہری ۔ قاضی شریعت دار القضاء ۔ جوگبنی ، اررریہ)

ایسی شخصیت کا قلم و قرطاس کی مدد سے احاطہ کرنا بہت دشوار ہے جس کا ہر پہلو بڑی خوبصورتی سے تراشا گیا ہو، جو سرتا پا حق ہو، اور جس کی زندگی یقین محکم عمل پیہم سے عبارت ہو۔

شہنشاہی جسامت، ہندوستانی ملاحت، آنکھوں میں خاندانی ذہانت اور گنگا جمنی شباہت سے ایک مجسمہ تیار کیا جائے، اور اسے ابوبکرؓ کی صداقت، عمرؓ کی فراست، عثمانؓ کی حیا، علیؓ کی شجاعت حسنؓ و حسینؓ کی جرأت، ابوحنیفہ کی فقاہت، اورنگ زیب کی جہانگیری و جہانبانی، آزاد کی دردمندی اقبال کی دلسوزی، سجاد کی دیدہ وری و دلیری، اور محمد علی کی شب بیداری و پرہیز گاری کے رنگوں سے سجا دیا جائے، تو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی عظیم ترین شخصیت کا پیکر تیار ہو جائے گا ـــــ یہ عظیم شخصیت تھی فخر روزگار، نازش دوراں حضرت مولانا الحاج سید شاہ منت اللہ رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر، امیر شریعت بہار و اڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ۔

حضرت امیر شریعت کی عظمت کا انحصار نہ تو ان کے امیر شریعت ہونے پر تھا نہ سیدزادگی پر، بلکہ ان کا بڑا پن ان کے ذاتی کمالات، انسان پرور خیالات، تقویٰ و پرہیز گاری، مجاہدانہ زندگی، کشادہ ظرفی اور وسعت نظری پر مبنی تھا۔ حضرت امیرؒ ان لوگوں میں سے تھے جو ہر مرحلے اور ہر موڑ پر اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں۔ وہ استقامت و شجاعت کے پہاڑ تھے، ان کی غیرت ایمانی مشکل ترین حالات میں بھی سپر انداز ہونا نہیں جانتی تھی ،

بہر حال اس عبقری شخصیت کی کچھ منتشر یادیں میرے حاشیۂ ذہن میں محفوظ ہیں۔ انہیں سادگی

کے ساتھ احاطہ تحریر میں لانے کی ناکام سعی کر رہا ہوں۔ ع "گر قبول افتد زہے عز و شرف"۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں جب میں نے مادر علمی جامعہ رحمانی، مونگیر میں داخلہ لیا۔ تو پہلی مرتبہ زیارت کا شرف ملا، عربی کے مبتدی طالب علم کا مبلغ علم و شعور ہی کیا ہوتا ہے، میں تو صرف اتنا ہی سمجھتا تھا، کہ حضرت امیر جامعہ رحمانی کے سرپرست اعلیٰ، خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں پیر طریقت اور بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت ہیں، اور تینوں مناصب جلیلہ کے باعث ہی لوگ آپ کو "حضرت صاحب" کہتے ہیں —— چار سال جامعہ رحمانی میں زیر تعلیم رہا، اور بہت قریب سے حضرت کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ لیکن صغر سنی کے باعث اتنا اکتساب فیوض، نہ کر سکا۔ جتنا اس طویل مدت میں کرنا چاہیئے۔

جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی دونوں دین کے مضبوط قلعے ہیں۔ ایک مثالی تعلیم گاہ کی علامت تو دوسرا روحانی تربیت گاہ کی نشانی' ایک طالبانِ شریعت کا ملجا تو دوسرا تشنگان طریقت کا ماویٰ، دونوں کے لیے منبع فیوض حضرت ہی کی ذاتِ گرامی تھی —— آپ یوں تو دوسرے انسانوں کی طرح گوشت پوست کا مجموعہ تھے، اور عمر و صحت کے لحاظ سے ضعیف و ناتواں۔ لیکن آپ کے نحیف جسم میں ولی کامل کی روح پنہاں تھی۔ پیشانی پر اقبال مندی کی کرنیں۔ سینہ میں قوم و ملت کے لیے درد مند دل۔ اور آپ کے رگ رگ میں غیرت و حمیت، خودداری و خود اعتمادی کا پر جوش خون ہمہ وقت گردش کرتا رہتا تھا جو آپ کے عزائم میں پختگی، حوصلہ میں بلندی اور لیل و نہار کے پاکیزہ معمولات میں تادم آخر فولادی قوت بخشتا رہا —— آپ کے بے نظیر کارنامے اور روشن خدمات موجودہ صدی کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھے جائیں گے، بلاشبہ پوری امت مسلمہ ہندیہ کا رواں رواں حضرت کے بار احسان سے دبا ہوا ہے۔

آپ کی حیات و سوانح اور آپ کے کارناموں پر نہ معلوم کتنے قلم ابھی جنبش میں ہیں، اور نہ جانے کتنے اصحاب قلم آئندہ بھی لکھیں گے، اور لکھتے رہیں گے، میرا نہ یہ موضوع ہے نہ میں اس کا اہل ہوں —— میں تو ایک ادنیٰ اور حقیر عقیدت مند ہوں، چند بکھری ہوئی یادیں ہیں۔ جو میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں، اور شاید دوسرے ارادتمندوں کو بھی ان میں کچھ کام کی بات ملے۔

(۱)

۶۵-۱۹۶۴ء کی بات ہے۔ اس وقت میں جامعہ کا طالب علم تھا۔ فجر کی اذان ہوتے ہی نگرانِ حلقہ تمام طلبہ کو بیدار کر دیتے تھے۔ تاکہ ضروریات سے فارغ ہو کر نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ میونسپلٹی کے واٹر سپلائی پمپ سے ۶ بجے صبح آب رسانی کا کام شروع ہوتا، جبکہ صبح کی نماز ۵ بجے پڑھنی ہوتی اس لیے اپنے حوض ہی کے پانی سے وضو کیا جاتا۔ بوقتِ وضو، بعض غیر مہذب طلبہ بے احتیاطی سے ماءِ مستعمل گراتے اور اپنا پاؤں بھی حوض میں گھسا دیتے تھے، جس کے سبب کچھ نفاست پسند طلبہ کو حوض پر وضو کرنے میں قدرے کراہت محسوس ہوتی۔ لب روڈ نشیب میں ایک ایسا نل تھا، جس سے ہر وقت تھوڑا تھوڑا پانی چلتا رہتا تھا۔ ایک دن میں بھی انہیں نفاست پسندوں کے ساتھ وضو کرنے کی غرض سے اسی نل پر چلا گیا۔ نل کے قریب ایک متعصب غیر مسلم کی عالیشان عمارت تھی، اور چہار دیواری کے اندر ایک آم کا درخت، اس کی کچھ ٹہنیاں چہار دیواری سے باہر روڈ کی جانب نکلی ہوئی تھیں ــــ شومئ قسمت! اس درخت سے ہم دو تین طلبہ نے مسواک کے بقدر ٹہنی توڑ لی ــــ سوء اتفاق! مالک نے دیکھ لیا، پھر کیا تھا۔ اس نے جی بھر کے مونگیری گالیاں دیں۔ اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ "پاکستانیوں نے یہاں اڈہ بنا لیا ہے" اس زمانہ میں ہند و پاک جنگ اپنے شباب پر تھی، محلہ کے چند غیور مسلمانوں نے اس کی گالیاں سن لی تھیں، انہوں نے حضرت تک بات پہنچا دی۔ بعد نماز جب ہم لوگ اپنے اسباق کی تیاری میں مصروف تھے، حضرت کے یہاں میری طلبی ہوئی۔ میرے تو ہوش اڑ گئے، قسم قسم کے وساوس و خیالات دل میں آتے رہے۔ کانپتا ہوا خانقاہ رحمانی کے احاطہ میں داخل ہوا۔ تو دیکھا حضرت اپنے حجرہ سے باہر مشرقی برآمدہ میں غصہ سے بیتاب چھڑی ہاتھ میں لیے ٹہل رہے ہیں۔ غیظ و غضب سے چہرہ سرخ تھا، ایک فرد سامنے نہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر میرا کیا حال ہوا ہوگا، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، میں سوچ رہا تھا کہ آج پٹائی لگے گی اور جامعہ سے اخراج بھی ہوگا۔ مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ سب کچھ نہیں ہوا۔

حضرت نے نرم لہجہ میں سوال کیا۔ کیا آپ نے فلاں درخت سے ٹہنی توڑی ہے؟ میں نے اعترافِ جرم کرتے ہوئے کہا کہ جی! مسواک کے لیے ایک پتلی ٹہنی توڑی تھی۔ غلطی ہوگئی، اب آئندہ کبھی ایسا نہ

ہو گا۔ حضرتؒ نے پھر پوچھا۔ اس درخت والے نے کیا کہا۔ میں نے جواب دیا۔ اس نے برا بھلا بہت کچھ کہا، اور طیش میں بولا کہ سالے پاکستانیوں نے یہاں اڈہ بنالیا ہے۔ ذہن سازی اور فکری اصلاح کے لیے حضرتؒ نے پھر سوال کیا کہ آپ کون کون سی کتابیں پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، سال سوم عربی میں نورالایضاح۔ ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتا ہوں ــــــ اس جواب کے بعد سوچ رہا تھا، اب سلسلۂ کلام ختم ہوجائیگا، اور کسی طرح جان بخشی ہوجائے گی، لیکن حضرتؒ نے حکیمانہ و مشفقانہ انداز سے چبھتا ہوا ایک سوال پھر کر دیا۔ کیا آپ نے کسی کتاب میں پڑھا ہے، کہ بلا اجازت کسی کے درخت سے ٹہنی توڑنا اور اس سے مسواک کرنا جائز ہے؟ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ میں نے کہا جی نہیں! ارشاد ہوا آپ تو دین و شریعت کا علم حاصل کرنے آئے ہیں۔ کیا آپ نے یہاں رہ کر یہی حاصل کیا ہے؟ حضرتؒ کے اس ارشاد نے میرے دل و دماغ پر ایسا نشتر لگایا کہ اٹھائیس سال کے بعد آج بھی اس کی ٹیس اپنے پہلو میں محسوس کرتا ہوں۔

سبحان اللہ! کیا پیارا انداز تھا اصلاح و سرزنش کا۔ بہرکیف! میں نے دوبارہ غلطی کی معافی مانگی، حضرتؒ نے یہ کہہ کر مجھے رخصت کر دیا کہ جایئے آئندہ ان باتوں کا خیال رکھئے گا۔ پھر جوں ہی میں سامنے سے ہٹا حضرتؒ نے آدمی بھیجکر درخت والے کو بلایا۔ تھوڑی دیر نرم لہجہ میں سوال و جواب ہوتا رہا۔ پھر اس پر جو غیظ و غضب کا اظہار ہوا، خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ "سالے پاکستانیوں نے یہاں اڈہ بنالیا ہے" صرف اسی جملہ نے حضرتؒ کی غیرت و حمیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اور ساری بیتابی اسی کے باعث ہے۔ چنانچہ چند لمحے بعد آپ کی یہ گرجدار آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

"کیا یہاں پاکستانی لوگ رہتے ہیں؟۔ یہ لڑکے، یہ اساتذہ پاکستانی ہیں؟ یہ اتنا بڑا ادارہ پاکستانیوں کا اڈہ ہے؟ بولو ــــــ بولتے کیوں نہیں؟ ادھر بالکل خاموشی اور سکتہ کا عالم تھا۔ بے چارہ غیر مسلم جو غالباً ایڈوکیٹ بھی تھا۔ ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بار بار جھک کر معافی مانگے جا رہا تھا۔ مگر حضرتؒ کا جلال تھا کہ کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ رہ رہ کر یہی گرجدار آواز ساکت فضا کا کلیجہ چیرتی ــــــ بتاؤ، تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ کہنے کی؟ آپ یقین جانئے! اگر وہ صاحب اپنی غلطی کا بار بار اعتراف نہ کرتے، اور ذرا سا بھی اپنے دعویٰ کی تاویل میں کچھ بول دیتے۔ تو شاید حضرتؒ کی چھڑی ان کی پیٹھ پر ٹوٹ جاتی، بالآخر کچھ دیر کے بعد دیکھا کہ حضرتؒ کا جلال

کم ہوا۔ اور وہ صاحب معافی مانگ کر سر جھکائے تھر تھر کانپتے ہوئے خانقاہ رحمانی کے گیٹ سے باہر نکل رہے ہیں۔

(۲)

حضرت کی ذات ایک جانب پر کشش تھی تو دوسری طرف حد درجہ بارعب۔ نورانی چہرہ کو دیکھئے تو دیکھتے رہ جایئے، لیکن جب چہرہ اٹھاتے تو کسی کو آنکھیں ملانے کی ہمت نہ ہوتی، آپ کی مجلس میں بیٹھئے تو باغ باغ ہو کر اٹھئے، برتاؤ۔ اپنے خوردوں بلکہ خوردوں کے خورد کے ساتھ ایسا مشفقانہ اور کریمانہ فرماتے کہ دور رہ کر بھی اس کی لذت آشنائی میں کمی نہیں ہوتی، لیکن بے ادبوں اور کور مغزوں سے کبھی رخ بدل کر کلام کرتے۔ اور کبھی ایسی حکیمانہ ڈانٹ پلاتے کہ ذہن کی ساری گرہیں کھل جاتیں۔

غالباً سنہ ۷۳ء کی بات ہے۔ مدرسہ محمودیہ۔ جوگبنی (ضلع ارریہ) کا سالانہ اجلاس سیرت حضرت کی زیر صدارت ہو رہا تھا۔ حضرت ہی مدرسہ مذکور کے سرپرست تھے، اور آخر تک رہے۔ آپ مدرسہ کے ایک حجرہ میں قیام پزیر تھے۔ ارادتمندوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ باری باری واردین سے آپ ملاقات فرماتے۔ مریضوں اور آسیب زدہ حاجتمندوں کو تعویذ دیتے، دعا فرماتے اور رخصت کر دیتے۔ اسی اثناء میں ایک سر پھرا جو جاہل بریلیوں کا نمائندہ تھا حاضر ہوا۔ علیک نہ سلیک حاضر ہوتے ہی ایک درخواست اس نے حضرت کے ہاتھ میں تھما دی۔ جس میں لکھا تھا کہ "ہم لوگ آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں، مناظرہ کے لیے وقت دیا جائے"۔ حضرت نے درخواست پڑھتے ہی آنے والے سے پوچھا، کون صاحب مناظرہ کرنا چاہتے ہیں؟ وہ کہاں ہیں؟ ذرا سامنے آئیں۔ ان کی علمی لیاقت کیا ہے؟ کس ادارہ کے سند یافتہ ہیں؟ پھر ہم دونوں کے درمیان کس موضوع پر مناظرہ ہوگا؟ موضوع متعین کریں، فیصل کا انتخاب کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کے تابڑ توڑ کئی سوالات حضرت نے اپنے مخصوص بارعب اور حکیمانہ انداز سے کیے۔ کہ آنے والے پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ کانپتا ہوا مجلس سے اٹھا اور روانہ ہوا تو پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ بس سارا مناظرہ اسی پر ختم ہو گیا۔

(۳)

حضرتؒ کے کشف و کرامات سے متعلق۔ میرے ایک ہمدرد اور مخلص دوست حافظ حبیب اللہ امونوی نے اپنا ہی ایک واقعہ سنایا۔ کہ پورنیہ بائسی کے علاقہ میں حضرتؒ کا دورہ ہو رہا تھا۔ میں اپنے

استاذ مولانا موسیٰ صاحب کی معیت میں دیدار و ملاقات کے لیے وہاں گیا۔ مجلس لگی ہوئی تھی کسی علمی موضوع پر استدلال کے لیے حضرت نے کوئی آیت پیش کرنا چاہی، سر اٹھاکر شرکاءِ مجلس سے پوچھا کہ یہاں کوئی حافظ قرآن ہیں۔ میرے استاذ نے میری جانب اشارہ کر دیا۔ میں سہم گیا۔ کہ نہ معلوم آج امتحان میں کیا ہوتا ہے۔ لیکن حسنِ اتفاق کہ جس آیت کا کچھ حصہ حضرت نے تلاوت کیا تھا۔ میں نے اس کے ماقبل و مابعد کی آیات تلاوت کر دی۔ حضرت بہت خوش ہوئے، اور پھر میرے استاذ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ مولانا! آپ دوسروں کو تعویذیں دیتے ہیں اور اپنے شاگرد کی خبر نہیں لیتے۔ ان کو تو پری لگتی ہے۔ حافظ حبیب اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت کے اس مکاشفہ پر دنگ رہ گئے، چونکہ حضرت نے جو کچھ فرمایا سو فیصد صحیح تھا۔ میں عرصۂ دراز سے پریشان تھا۔ اور اس وقت تک کوئی ترکیب کارگر نہ ہوئی تھی۔ پھر حضرت نے از خود تعویذ مرحمت فرمایا۔ الحمدللہ! حضرت کی دعاء و تعویذ سے فوری فائدہ ہوا۔ اور آج تک ہر طرح ٹھیک ٹھاک ہوں۔

وائے افسوس! ع جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

طابَ اللہ ثراہٗ وتغمدہٗ بغفرانہٖ

آہ! حضرت امیر شریعت

چند حسرتیں ——— چند آنسو

از:— رضوان احمد ندوی جمال پور، دربھنگہ ——— امارت شرعیہ

پرنور مہتابی چہرہ، دلآویز سحر آگیں آنکھیں، کشادہ اونچی پیشانی، شیڈول جسم مگر بھاری بھرکم، کرتے اور پاجامے میں ملبوس، مشرقی تہذیب و تمدن کا جیتا جاگتا نمونہ، یہ ہیں عصر حاضر کے ممتاز عالم دین حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ آہ! انہیں مغفور و مرحوم لکھتے ہوئے قلم رکنے لگتا ہے، دل بجھنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ۱۹ مارچ ۱۹۹۱ء کو دس بجے شب موت کے بے رحم ہاتھوں نے علم وفضل کے اس کوہ گراں کو لقمہ اجل بنا کر دو گز زمین کے اندر چھپا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کا وفات تنہا بہار اور ہندستان کا نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کا حادثہ ہے اور اس حادثہ پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے یہ محسوس ہوا کہ یہ روشن ضمیر، پاکیزہ کردار، نیک نفس اور مخلص انسان نیز مسلم پرسنل لا کا بے لوث خادم اب وہاں چلا گیا جہاں سے لوٹ کر آج تک کوئی نہیں آیا۔ وہ بے قرار دل جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر مصیبت کے وقت بیتاب ہو کر اوروں کو بیتاب کیا تھا قیامت تک کے لیے ساکن ہو گیا، وہ مترنم لب جو ہر بزم میں خوشنوا بلبل بن کر چہکتے تھے ان کے ترانے اب ہمارے کان نہ سنیں گے۔ حادثات خواہ کتنے ہی جانکاہ اور دلخراش ہوں، چیلنج خواہ کتنے ہی خوفناک اور حوصلہ شکن ہوں، بالآخر انہیں قبول کر کے ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، یہ وقت نہ تو فریاد و ماتم کا ہے نہ مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں حوصلہ اور ہمت سے محروم ہو جانے کا، یہ وقت استقلال اور پامردی کے ساتھ حضرت امیر شریعت کے چھوڑے ہوئے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی جدوجہد میں لگ جانے کا ہے۔

حضرت امیر شریعت اپنے علم و فضل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بے حد پرکشش شخصیت کے حامل تھے، آپ کے والد محترم حضرت قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیریؒ مشہور عالم دین، اصلاح باطنی اور روحانی قدروں کے داعی و مبلغ تھے۔

مولانا رحمانی کی ولادت ۹ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو ایک علمی، تہذیبی و ثقافتی گھرانے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت مونگیر اور حیدرآباد میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا اور وہاں سے تمام ماہر فن سے علمی خوشہ چینی کی جب آپ نے تعلیمی مراحل سے فراغت حاصل کی تو اپنی عملی زندگی کی ابتدا، سامراجی طاقت اور گورے چٹے انگریزوں کو ہندستان سے نکال باہر کرنے کی تحریک سے کی اور اس تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اس راہ میں مختلف قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور بہت جلد ہندستان میں بالخصوص بہار میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، مگر دو ہی سال اس عہدہ پر فائز رہے اور مستعفی ہو گئے اور اس کے چند عرصے بعد خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین منتخب ہوئے، پھر ۲۴ر مارچ ۱۹۵۷ء کو امیر شریعت اور ۲۷ر مارچ کو امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے سربراہ منتخب ہوئے۔ امیر شریعت کی حیثیت سے تقریباً ۳۳ سال تک اس منصب پر فائز رہے اور ملک و ملت کی بے پناہ خدمات انجام دیتے رہے۔ مجھے قریب سے دیکھنے اور ان کے مواعظ حسنہ، نصائح عالیہ سننے کا بار بار موقعہ ملا ہے، بالخصوص جب ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھا تو اس طرح کے مواقع ملتے

رہے۔ ہم نے انہیں اس دور میں سلف صالحین کا نمونہ اور اسلام کی مجسم تصویر پایا۔

حضرت امیر شریعت سراپا وقار اور مجسم متانت تھے۔ ضبط و تحمل اور صبر و شکر ان کی شخصیت کے نمایاں ترین پہلو تھے۔ ہندستان کے اکثر علمی و دینی حلقوں میں بحیثیت صدر مدعو کیے جاتے تھے۔ بہار کے تقریباً تمام مذہبی اداروں کے مربی و سرپرست تھے اور اس کو ایک دینی امانت سمجھ کر بڑی خوش اسلوبی سے اس فرائض کو انجام دیتے رہے۔ ان ذمہ داریوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سرگرم ممبر تھے۔ آپ کی تعمیری کاموں کی وجہ سے مسلم قائدین نے آپ کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا جنرل سکریٹری منتخب کیا۔

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی متنوع صلاحیتوں اور گوناگوں کمالات کے بے بہا گنجینہ تھے وہ ایک کامیاب مرد مجاہد تھے، غازی تھے، مردان حق ہیں سے تھے۔ دین حقیقی کے محافظ و مجدد تھے، درحقیقت بے تاج کے بادشاہ تھے۔ ان کی آنکھ دیکھتی تھی اور دل روتا تھا کہ اسلام پر کون سا وقت آن پڑا ہے۔ وہ ایک شخص نہیں بلکہ ایک عہد تھے، ایک تاریخ تھے، کسی بھی ملت کو ایسی شخصیت روز روز نہیں ملا کرتی ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کچھ سیاسی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو زمانے کے سپرد ہو جاتی ہیں۔ مگر کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے سپرد زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت امیر شریعت کی شخصیت کچھ ایسی ہی تھی جس کے سپرد خود زمانہ ہو گیا تھا اس لیے کہ وقت کے تقاضے اور ملکی مسائل کی پیچیدگیوں کی وجہ سے ادھر چند سالوں سے ملک و ملت کی خدمت کے لیے اپنی پوری عمر عزیز وقف کر دیا تھا۔ ایک طرف امارت شرعیہ کی تنظیمی ذمہ داری تھی تو دوسری طرف ملک میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لیے حکومت سے پنجہ آزمائی کا مسئلہ تھا۔ مسلمانوں کے عائلی قانون پر فرقہ پرستوں نے نت نئے حملے کیے ان تمام موقعوں پر حضرت امیر شریعت نے اس طرح مقابلہ کیا کہ خود کامیابی نے بڑھ کر قدم چوما۔ مفکر لبنان شکیب ارسلان کی وہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں جو انہوں نے جمال الدین افغانی کے بارے میں کہی تھی۔

انہیں تصنیف و تالیف سے خاص دلچسپی نہیں تھی وہ کتابوں کے مؤلف نہیں

تھے بلکہ حکومتوں، ملتوں اور قوموں کے مصنف تھے۔"

حضرت امیر شریعت ہندستان کے جمال الدین افغانی تھے، جنہوں نے برملا حکومت کی تنظیمی ڈھانچے پر تنقید کیا اور مسلمانوں کو صبر و تحمل اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے قوت کے استعمال پر زور دیا۔

ع سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لیے

حضرت امیر شریعت کو تصنیف و تالیف کا صاف ستھرا ذوق تھا۔ انداز تحریر نرالا اور طرز نگارش اچھوتا تھا۔ اپنے بے نظیر کتابچہ "مذہب اخلاق اور قانون" میں عقل پرستوں کے کھوکھلے نظریات پر بحث و تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ عقل قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اور یہ عطیہ بند رکھنے کے لیے نہیں بنایا گیا ہے، اس کا بہترین مصرف ہے اور وہ ضرور لینا چاہیے۔ لیکن اس مصرف کے دائرہ کو حد سے زیادہ پھیلانا بڑی بھول ہوگی۔ مذہب نے عقل کو پوری اہمیت دی ہے۔ مگر اسے بے لگام چھوڑ دینے کے بجائے اس کی صلاحیت کے پیش نظر دائرہ کار بھی متعین کر دیا ہے۔۔۔۔۔"

مندرجہ بالا اقتباس کے چند جملوں نے فلسفیوں کے نظریات کو تہ و بالا کر دیا۔ مختصر اوقات میں اپنے مخالفین کو زیر کر دینے اور اس کو لاجواب بنا دینے کا ملکہ تھا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابچے پمفلٹ شائع کیے بالخصوص مسلم پرسنل لا کے موضوع پر بہت سے مقالے اور مضامین ہر خواص و عام میں متداول ہیں۔

حضرت امیر شریعت کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ ان میں ایک مولانا ولی رحمانی جو اس وقت ایم ایل سی کے عہدے پر فائز ہیں۔ اللہ تعالے انہیں صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

ناظرین و قارئین سے استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بلندی درجات اور ان کے اخلاف میں ان کا جانشین پیدا کرنے کی دعا فرمائیں۔

ے

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو ۔۔۔ نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

٭٭٭

کچھ یادیں کچھ باتیں

از: مولانا محمد اسماعیل صاحب کنہی، رفیق دارالقضاء سوپول دربھنگہ

حضرت امیر شریعتؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور آپ کی مختلف الجہات خدمات کو حق تعالیٰ نے جو قبولیت عامۃ و خاصۃ عطا فرمائی دراصل وہ ان کے باطن کا اخلاص تھا اور اندر کی قوی نسبت و کیفیت ہی کا اثر و مظہر۔ آپ کے وہ کمالات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ظاہر کئے۔ جن کے دست حق پرست پر ہزاروں اشخاص نے توبہ کیا اور اپنے ویرانہ دل کو اللہ کے ذکر و فکر سے آباد فرمایا اور انہوں نے اپنی عاقبت درست کی، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل و کرم سے وہ التائبون العابدون کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ اسی روحانی طاقت و قوت نے آپ کو وہ فراست بخشی کہ ہر فتنہ کو آپ بروقت بھانپ لیتے اور بروقت اس کے دفاع کے لئے آپ تیار ہو جاتے۔ اتقوا من فراسۃ المومن فانہٗ ینظر بنور اللہ اور افضل الجہاد من قال کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ حضرتؒ نے اپنے نور باطن کی وجہ سے جرأتمند قیادت فرمائی اور آپ اظہار حق میں لایخافون لومۃ لائم کے مصداق تھے۔ حضرتؒ کو یہ مجاہدانہ زندگی اپنے بڑوں سے ملی تھی۔ قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی دین اسلام کے لئے جو خدمات جلیلہ ہیں ان کو ملت اسلامیہ ہندیہ فراموش نہیں کرسکتی۔

بہار کے مردم خیز ضلع دربھنگہ سے حضرتؒ کا بہت گہرا تعلق تھا۔ آپ سے قبل آپ کے بھائی حضرت مولانا محمد لطف اللہؒ اور ان کے پیشتر قطب عالم مونگیریؒ کا مشرقی دربھنگہ کے اکثر دیہاتوں میں بیعت و ارشاد کے تعلق سے برابر آنا ہوتا رہا۔ اور حضرتؒ کا حضرت مولانا محمد عارف ہرسنگھپوریؒ سے رشد و ارشاد کا

تعلق تھا اور آپ مولانا لطف اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے بعد مدرسہ رحمانیہ سوپول کے صدر رہے اس لئے ہر تیسرے سال کم از کم مدرسہ رحمانیہ کے اجلاس دستار بندی کے تعلق سے اور بعض دفعہ خاص عقیدت مندوں کی دعوت پر آپ اس علاقہ میں ضرور تشریف لاتے۔ حضرتؒ نے وفات سے ڈیرھ ماہ پہلے جن دیہی علاقوں کا آخری سفر فرمایا اس سلسلہ کی کچھ یادیں آپ کے سامنے پیش ہیں۔

مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ جو بہار کا ایک قدیم اور مرکزی مدرسہ ہے جس کے حضرت پچاس برسوں تک صدر رہے اور آپ کی یہ خواہش ہوئی کہ مدرسہ رحمانیہ کی مجلس شوریٰ میں آپ کی شرکت ہو ادھر کئی سالوں سے ملکی حالات اور ہنگاموں کی بنا پر اس کا موقع نہیں ہو رہا تھا، حضرت مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ (جو حضرتؒ کے مجاز و خلیفہ بھی ہیں) نے کئی سال سے بار بار اصرار کیا کہ مدرسہ رحمانیہ کی شوریٰ آپ کی صدارت میں ہو گی آپ تشریف لے چلیں۔ حضرت نے اپنی صحت و متنوع مشاغل کی بنا پر معذرت فرما دیا۔ اچانک مورخہ ۳ فروری ۱۹۹۱ء کو حضرتؒ کا مکتوب قاصد لے کر آیا کہ میں ۸ فروری ۱۹۹۱ء کو مدرسہ رحمانیہ سوپول آؤں گا۔ تین دن کا قیام مدرسہ ہی میں رہے گا۔ دیہات کا سفر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ ۱۲ فروری ۱۹۹۱ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک اہم مشورہ میں بسلسلہ بابری مسجد جانا ہے۔

چنانچہ حضرت ۶ فروری کو مظفر پور محلہ سعد پورہ برمکان حاجی مولوی محمد کاظم صاحب (جو حضرت کے خلیفہ بھی ہیں) تشریف لائے۔ مورخہ ۷ فروری کو حضرت نے مظفر پور ہی میں قیام فرمایا۔ عمائدین شہر اور علمائے کرام ملاقات کے لئے آتے رہے۔ پھر ۸ فروری کو سویرے آپ دربھنگہ حاجی محمد اسحاق صاحب بتیا لہریا سرائے کے یہاں تشریف لائے۔ حاجی محمد اسحاق صاحب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے متوسلین میں سے ہیں اور حضرت حکیم الاسلام جب کبھی بہار کا سفر فرماتے تو حاجی محمد اسحاق صاحب کے یہاں ضرور قیام فرماتے۔ چنانچہ حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کا بھی یہی معمول تھا کہ دربھنگہ کے کسی حلقہ میں سفر ہو تو شہر میں اقامت موصوف ہی کے یہاں فرماتے، حاجی محمد اسحاق صاحب انتہائی متواضع ذاکر و شاغل اور سلف کے نمونہ ہیں۔ حضرتؒ نے تھوڑی دیر وہاں قیام کیا پھر حضرت مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب کار لیکر وہاں پہونچ گئے۔ کبر سنی، ضعف اور طویل مسافت کی بناء پر حضرت نے فرمایا کہ آج جمعہ ہے جمعہ کی نماز سوپول ہی میں ادا کرنا ہے چنانچہ آپ مدرسہ رحمانیہ ایسے وقت تشریف لائے کہ جمعہ کی اذان ہو چکی تھی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب

مظفر پوری مدظلہ قاضی شریعت مصلیوں سے خطاب فرما رہے تھے کہ اولیاء اللہ کی کیا تعریف ہے اور ان سے استفادہ کیسے کیا جاسکتا ہے، اسی بیچ حضرتؒ مسجد تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحب نے درخواست کیا کہ لوگوں کی خواہش ہے کہ جمعہ کی نماز آپ پڑھادیں دیہات سے بھی بڑی تعداد آئی ہے، حضرت نے فرمایا کہ اتنے لمبے سفر کے بعد اب سکت نہیں، پھر حضرت قاضی صاحب نے عرض کیا تو حضرت نے حکم فرمایا کہ آپ ہی خطبہ دیں اور لوگوں کو یہ مسئلہ سمجھائیں کہ امام کے رکوع وسجدہ میں جانے سے پہلے اور ان کے سر اٹھانے اور اٹھنے سے پہلے لوگ نہیں اٹھیں اس کی سخت وعید ہے۔ بوڑھاپے کی وجہ سے مجھے اٹھنے میں ذرا تاخیر ہوگی۔ چنانچہ قاضی شریعت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری مدظلہ نے خطبہ دیا اور حضرت نے نماز جمعہ کی امامت فرمائی۔ آپ نے سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح کی قرأت فرمائی۔

پھر جمعہ سے فراغت کے بعد مصلیوں کا ہجوم مصافحہ کے لئے بڑھا، سفر کی تکان، بوڑھاپا اور مستزادیہ کہ طبیعت ناساز بایں ہمہ بمضمون آیۃ "فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم" حضرت نے عقیدتمندوں سے مصافحہ شروع کردیا کرسی منگوادی گئی اور آپ نے بیٹھ کر اطمینان سے تمام نمازیوں سے مصافحہ کیا۔ مسجد سے باہر جھاڑ پھونک کے لئے مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں کا زبردست ہجوم تھا۔ لوگوں کو صف میں کھڑا کردیا گیا تو مسجد سے مدرسہ تک قطار لگ گئی ایک ایک شخص کو آپ نے پورے اطمینان سے دم کیا۔ پھر مدرسہ کے احاطہ میں طلبہ ومخلصین سے آپ نے مصافحہ کیا، اس سفر میں اور اس سے پہلے سفر میں آپ نے مدرسہ کے عقب میں دارالقضاء کی بلڈنگ میں قیام کرنا اپنے لیے مناسب سمجھا، دارالقضاء کی یہ چار کمروں کی شاندار عمارت حضرتؒ کی خصوصی دعا وتوجہ سے مکمل ہوئی، حضرت نے دارالقضاء کی مرصع ومزین عمارت، دارالقضاء میں تفسیر، حدیث اور فقہ وفتاوی کے قیمتی علمی ذخیرے کو دیکھ کر بار بار سبحان اللہ، الحمد للہ کے ذریعہ اظہار شکر فرمایا، چار دنوں تک آپ نے دارالقضاء میں قیام فرمایا تقریباً ۱۷، ۱۸ وقتوں کی نماز آپ نے باجماعت دارالقضاء میں ادا فرمایا، اس سفر میں حضرت کے ہمراہ مولانا نیاز احمد رحمانی کے علاوہ محمد سعد اللہ ناری متعلم جامعہ رحمانی تھے۔ حضرتؒ نے پروگرام کے مطابق ۹ فروری کی شام کو مدرسہ رحمانیہ کی مجلس شوریٰ کے اراکین کو دارالقرآن میں خطاب فرمایا کہ یہ شوریٰ تاخیر سے ہوئی کچھ قدرتی اور ملکی حوادث پیش آتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ درسگاہ رحمانیہ جو لگ بھگ ایک صدی کی عمر کو پورا کرنے والی ہے اس کے مختلف ادوار ہیں اس کے ذریعہ علم اور دین کی عظیم خدمت ہوئی ہے بہار کے اکثر علاقوں میں یہاں کے حفاظ، علماء پھیلے ہوئے

ہیں۔ اس ادارہ کو مضبوط کیجئے اور اسے ایک مستحکم قلعہ بنایئے اور اس وقت اخلاص کے ساتھ غور طلب امور میں مشورہ دیجئے، پھر اولاً تجویز تعزیت پیش ہوئی، مرحومین میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ مہتمم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی کا نام آیا تو حضرت نے فرمایا کہ ارے بھائی حضرت بڑے صاحب نسبت اور صاحب کمال مشائخ میں تھے، مدرسہ کے ضروری امور پر حضرت نے بھی فیصلہ دیا۔ آخر میں حضرتؒ کی دعاء پر شوریٰ کی کارروائی ختم ہوئی، اس موقع پر علاقہ کے علماء، عمائدین قصبہ و علاقہ اور ابنائے رحمانیہ موجود تھے۔

اس سفر میں ایسا لگ رہا تھا کہ آپ کے تمام معمولات کی نوعیت و کیفیت بدلی ہوئی ہے، عام ملنے والوں کے لئے بھی آپ نے بار بار موقع دیا مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد بھی بیعت سے مشرف ہوئی۔ غیر مسلم حضرات بھی فرط عقیدت سے حاضری دیتے رہے اس سفر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سابق سکریٹری مدرسہ رحمانیہ سے ملنے کے لئے اور الحاج ڈاکٹر محمد لطف اللہ صاحب ایم۔ بی۔ بی ایس کی دعوت پران کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت نے وہاں بڑی رقت آمیز دعاء فرمائی۔ دوسری دعوت جناب بابو محمد ناظم صاحب کی طرف سے ہوئی باوجود ناسازی طبع حضرت ان کے گھر تشریف لے گئے کیونکہ ان کے والد جناب عبدالجبار صاحب مرحوم ایک مخلص عقیدتمند اور سماجی کارکن تھے۔

پھر حضرتؒ نے مسلمانان اکبر پور رہینک کے تقاضہ پر اساتذہ کو جمع کیا کہ وہاں کا تقاضہ ہے دراصل وہاں ایک طالب علم حافظ علی احمد نے قرآن پاک ختم کیا تھا ساتھ ہی وہاں کے چند قطعات مقدمات دارالقضاء میں دائر تھے اس پس منظر میں سبھوں نے مشورہ دیا کہ دس منٹ کا راستہ ہے۔ حضرت وہاں تشریف لے چلیں۔ حضرت نے منظور کر لیا وہاں آدھ گھنٹہ آپ نے ایک دینی درسگاہ میں جہاں لوگ موجود تھے فارغ طالب علم کے سر پر آپ نے دستار باندھی اور فضیلت قرآن پر ایک مؤثر جامع تقریر فرمایا۔

اسی درمیان قاضی شریعت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ نے ان تمام فریقوں کی نشاندہی کی جو وہاں برسر پیکار تھے اور بہت سے مقدمات میں مبتلا تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ نفس کی ضد کو چھوڑ دو آپس میں اکرام و تکریم کی زندگی گذارو۔ اپنی ملت میں انتشار نہ پیدا کرو اس وقت تمہاری صفوں میں تنظیم ہو، تفریق اور دراڑ نہ ہو۔ حضرت نے سبھوں کو گلے گلے ملا دیا۔

وہاں کے مخلصین نے ناشتہ کا انتظام کر رکھا تھا حضرت نے فرمایا کہ میں اب مدرسہ رحمانیہ جاؤں گا۔ آپ روانہ ہوگئے پیچھے سے وہاں کے مخلصین مولوی غلام محی الدین وغیرہ نے ناشتہ مدرسہ پہونچادیا۔ مغرب کے بعد سارے اساتذہ ناشتہ پر مدعو ہوگئے اسی اثنار میں حضرت قاضی شریعت مدظلہ، نے حضرت امیرؒ سے گذارش کی کہ ہم لوگوں کو نصیحت فرمائیں۔ آپ نے پورے انبساط و انشراح کی کیفیت سے مخاطب فرمایا: کہ آپ حضرات اساتذہ اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی دھیان دیں آج تربیت کا فقدان ہے۔ طلبہ آپ کے پاس امانت ہیں ان پر محنت کی جائے، ساتھ ہی عامۃ المسلمین کی نگاہیں علمار پر رہتی ہیں آپ علمار مستحب وسنن کا اہتمام کریں گے تو عام لوگ فرض کی طرف بڑھیں گے پھر مدرسہ کے مختلف انتظامی اور تعلیمی امور کی جزئیات پر گفتگو سنتے رہے اور اپنا مشورہ دیتے رہے، آخر میں قاضی شریعت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ، نے عرض کیا کہ صبح کو حاضرین کی خاصی تعداد میں کچھ فرمادیں آپ نے فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر منگوالیجئے میں کمزور ہوں زیادہ آواز سے نہیں بول سکتا ہوں۔ چنانچہ لاؤڈ اسپیکر کا نظم ہوا تو حضرت نے آٹھ بجے ارکین وعمائدین علاقہ، اساتذہ کرام اور طالبان علوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ہمارے سامنے دو اہم ترین موضوع ہے:۔

ایک خلیج کی جنگ (جو اس وقت چل رہی تھی) آپ نے فرمایا کہ سعودیہ کے بعض اقدام سے مجھے اتفاق نہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شاہی نظام کو اللہ تعالیٰ نے حرمین اور حجاج کی حفاظت وخدمت اور اشاعت سنت کا جو جذبہ دیا ہے وہ قابل رشک ولائق شکر ہے۔ آپ نے حرمین سے جو مسلمانوں کی محبت قلبی ہے اور روحانیت کا جو مرکز ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے رونے لگے اور غایت ضبط کے باوجود آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

آپ نے فرمایا کہ دوسرا اہم مسئلہ اس ملک میں مسلمانوں کی باوقار و باعزت زندگی کا ہے یہاں کے شعار اسلام کے تحفظ کا ہے اس وقت پورے ملک میں بابری مسجد اور دوسرے شعائر اسلام کے خلاف جو اکثریت طبقہ کے شرپسندوں کی سورش ہے اس کے نتیجہ میں زبردست خطرہ ہے کہ ملک تقسیم ہو جائے اور پھر ایک سے دو صوبوں کا ہندوستان رہ جائے گا۔ مسلم دشمن عناصر اس وقت مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں اور اسے تبدیل مذہب تک کی دھمکیاں دیرہے ہیں اور جانی، مالی اور تعلیمی نقصان پہونچارہے ہیں۔ ابھی ملک کے بڑے چھوٹے شہروں میں جو خونی ہنگامہ ہوا ہے وہ سامنے ہے۔

لہذا آپ حضرات دشمنوں کے حملوں سے نہ گھبرائیں ایسے ابھی کئی حملوں کا آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔
ہمت و حوصلہ سے کام کریں کوئی حملہ آور ہو تو دندان شکن جواب دیں اپنی جان و مال کی حفاظت ہمارا
شرعی و قانونی فریضہ ہے، بڑی جامع اور دلیرانہ تقریر تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج حالات نے حضرت
کو بوڑھاپے میں جوانی کی قوت عطاء فرمائی ہے۔ مولانا عبدالرب صاحب مدرس مدرسہ نے اسے ٹیپ
بھی کرلیا ہے، پھر آپ نے دعاء فرمائی، دعاء کیا تھی؟ بس ہر شخص اپنے مولا کے سامنے اشک بداماں تھا۔
اور حضرتؒ کے کلمات دعاء پر آمین کہہ رہا تھا۔ یہ نورانی وایمانی منظر بھی عجیب وغریب تھا۔

بعد ازاں آپ کے ایک مرید حاجی محمد شفیق و بابو محمد فاروق کومئی نے اپنے یہاں جانے کی دعوت
دی تھی آپ کو چونکہ اسی راستہ سے واپس ہونا تھا اس لئے آپ نے منظور فرمالیا۔ واپسی کے سفر میں
حضرت کے ہمراہ حضرت مہتمم صاحب، مولانا الحاج ہارون الرشید صاحب پرنسپل وقاضی شریعت حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ و مولانا محمد سعد اللہ صاحب استاذ حدیث تھے، آپ نے
کومئی کے محلہ جنوبی میں جو نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے ظہر کی نماز ادا فرمایا اور لوگوں کو اختلاف وانتشار رفع کرنے
کی ترغیب دلائی۔ وہاں سے بعد عصر ہرسنگھ پور کے لئے روانہ ہو گئے علی نگر میں حضرت الحاج ماسٹر محمد
قاسم صاحب مدظلہ بھی ساتھ ہو گئے اس طرح یہ روحانی قافلہ ہرسنگھ پور پہونچا۔ مغرب کی نماز سے پہلے آپ
اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا محمد عارف ہرسنگھ پور کے مزار پر حاضری دینے چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ
حضرت قاضی شریعت مدظلہ بھی تھے۔ آپ نے مزار عارف کے سامنے مصلیٰ بچھادی اور بیٹھکر مراقب ہو گئے۔
اور دیر تک مراقب و متوجہ رہے پھر آپ نے علی الترتیب تینوں بھائی حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ، حضرت مولانا
محمد لطف الرحمٰنؒ، حضرت مولانا حکیم عبدالمنانؒ کے مزاروں پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔ ہرسنگھ پور کے دینی مکتب
میں جلسہ کا باقاعدہ نظم تھا۔ چونکہ اس آبادی میں ایک شخص قادیانی ہو گیا تھا اس لئے اس موضوع پر علماء کرام
کو خصوصی طور پر حضرت نے تقریر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اور زندگی کی آخری تقریر جو عامۃ المسلمین کے
مجمع میں آپ نے فرمایا وہ یہی ہرسنگھ پور کا خطاب عظیم تھا۔ حضرتؒ نے ختم نبوت کے عقیدے کی قطعیت
کو بیان کرتے ہوئے آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی شرارتوں کو بے نقاب کر دیا۔ اور
آپ نے صاف فرمایا کہ عقیدہ کی پختگی پر نجات کا دار و مدار ہے، اس لئے کسی خاندانی ہمدردی اور
رشتہ داری کی بناء پر اس قادیانی سے رابطہ رکھنا ایک مرتد سے رابطہ رکھنا ہوگا اسلامی حکومت

میں ایسا شخص واجب القتل ہے، پھر آپ کی رقت آمیز دعا پر اجلاس ختم ہوا۔ دوسرے دن ناشتہ کے بعد آپ نے جامع مسجد ہرسنگھ پور کی بنیاد ڈالی اور پھر خلاف معمول روانگی سے قبل دوبارہ مزار عارف پر تشریف لے گئے آپ نے پھر مزار عارف کے پاس مصلیٰ بچھا دیا اور دیر تک مراقب رہے۔ اس سے فراغت کے بعد آپ سواری پر بیٹھ گئے اور دربھنگہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ دربھنگہ میں ایک صاحب کے یہاں دن کا کھانا تناول فرمایا اور شام کو لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔

کیا خبر تھی کہ اس علاقہ میں حضرت کا یہ آخری سفر تھا اکثر مجلسوں میں فرماتے کہ میں آؤں نہ آؤں مدرسہ کا اجلاس وقت پر ہو اور دینی دعوت کا کام جاری رکھئے۔

اس سفر کے بعد آپ نے کسی دیہی علاقہ کا سفر نہیں فرمایا اسی سفر میں حضرت قاضی شریعت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ میں نے اپنی آبادی میں آپ کے حکم سے دینی تعلیم کا نظام شروع کر دیا ہے اس خبر سے حضرت بہت خوش ہوئے اور آپ نے ایک تحریر مدرسہ طیبہ منت نگر مادھو پور مظفر پور کے لئے لکھا، شاید حضرت کی یہ تحریر کسی دینی ادارہ کے لئے آخری تحریر ہے۔

حضرتؒ نے اپنی تمام امانتوں کو ادا کر دیا۔ "منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر" اور جب یہ سب کچھ ہو گیا تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان جاری ہو گیا۔

یاایھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ والسلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔ اللہ پاک ہم لوگوں کو اپنی مرضیات کی توفیق دے اور صالحین وابرار کے زمرہ میں شامل فرمائے۔ آمین

۞

حضرت امیرؒ سے آخری ملاقات

از ــــــــ مولانا سید شمس الحق ۔ شیخ الحدیث جامعہ رحمانی مونگیر ،

جامعہ رحمانی مونگیر میں ۲۲؍شعبان سے تعطیل ہو چکی تھی، مگر دار القضاء کی مشغولیتوں کی وجہ سے دو روز مزید مونگیر میں ٹھہرنا پڑا، ۲۴؍شعبان کو بعد نماز مغرب حضرت امیر شریعت کی خدمت میں حاضر ہوا اور رخصت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا پروگرام کیا ہے؟ کیونکہ آپ کا پروگرام تو مخفی رہتا ہے۔

میں نے ہنس کر جواب دیا کہ کل صبح ہی پٹنہ کا پروگرام ہے، آپ نے دو لفافے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پھلواری شریف جاکر ایک لفافہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کو دیدیجئے اور تاکید کر دیجئے کہ کتابچہ کی تحریر و کتابت صاف ہو اور دوسرا لفافہ حضرت ناظم صاحب کو دیدیجئے۔

حضرت موصوف سے اس آخری ملاقات کا یہ منظر برسوں نہ بھول سکوں گا۔

رمضان المبارک کی تیسری تاریخ تھی۔ کہ جوں ہی ۷ بجے صبح کو مسجد سے قدم نکالا ہی تھا کہ دو اسکوٹر سوار نے مسجد کے دروازے پر خبر دی کہ حضرت امیر شریعت کا انتقال ہوگیا۔ میں نے غیر متوقع خبر سن کر حیرت سے پوچھا کیا کہا۔ انہوں نے یہی الفاظ دوہرائے زبان سے نکلا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

دل پر جو گزرا وہ دل ہی جانتا ہے آنکھوں کا یہ حال تھا کہ فرط غم سے آنسو خشک ہو گئے۔ اب بیقراری تھی کہ ابابکر پور سے مونگیر کیسے پہونچوں کہ آخری دیدار نصیب ہو۔ مگر خدا نے دل کی آواز سنی اور بر وقت مونگیر کے لیے جیپ مل گئی اور ۱۲ بجے مونگیر پہونچ گیا۔ سیدھے حجرے کی طرف گیا، چہرۂ انور کی زیارت کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

موت برحق ہے، ایک دن سب کو مرنا ہے، لیکن بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کے اٹھ جانے سے ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کا پُر ہونا مشکل ہوتا ہے، صحیح ہے کہ عالم کی موت گویا عالَم کی موت ہوتی ہے، حضرت امیر شریعت موصوف کی ہمہ جہت شخصیت کی نظیر نظر نہیں آتی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا ممدوح کا سانحۂ ارتحال نہ صرف ان کے اہل خاندان اور اہل مونگیر کے لیے سانحہ ہے بلکہ پورے ہندوستان اور امت مسلمہ کے لیے حادثہ فاجعہ ہے، امیر موصوف اگرچہ ہمارے درمیان نہیں رہے، مگر ان کے عظیم الشان کارناموں نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا۔ مولانا موصوف نے اپنے پیچھے ایسی ٹیم تیار کی ہے کہ اگر اخلاص اور جد وجہد کے ساتھ ان کے کارناموں کو اجاگر کرنا چاہیں تو خدا کی تائید شامل حال ہو سکتی ہے۔

حضرت موصوف نے جامعہ رحمانی کی سرپرستی اپنی حیات ہی میں صاحب زادہ محترم مولانا محمد ولی رحمانی کے سپرد کی تھی، اور ارباب حل وعقد نے انہیں زیب سجادہ بھی بنایا ہے۔ اللہ انہیں ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے میں غیبی مدد فرمائے۔

خوشی کی بات ہے کہ مجلس شوریٰ نے امارت شرعیہ کا امیر حضرت مولانا عبد الرحمٰن مدظلہٗ کو منتخب فرمایا، جن کا وجود ہم لوگوں کے لیے ایک تحفہ اور قیمتی سرمایہ ہے۔

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی ایسے مرد مجاہد کو تیار کر دے جو مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھال سکے۔

حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں مسلم لا کی تدوین کا کام جاری تھا، حضرت امیر کے اس مجددانہ کارنامے کی تکمیل ازحد ضروری ہے۔ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور تمام اراکین سے فوری توجہ کی درخواست ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کی تربت پر رحمت کی بارش برسائے۔

(نقیب، ۲۹ اپریل سنہ ۱۹۹۱ء)

تعارف تصانیف حضرت امیر شریعت

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب ندوی، پیر الطیف، کھگڑیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی قدس سرہ العزیز کو ایام طالب علمی سے ہی لکھنے پڑھنے کے ذوق وصلاحیت سے نوازا تھا، چنانچہ دار العلوم دیوبند میں طالب علمی کے دوران علمی رسالہ مرتب کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ چونکہ آپ کو زمانہ طالب علمی حیدرآباد، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند میں رہ کر گذارنے کا موقع ملا تھا اس لیے زبان شستہ وسلیس تھی اور تحریر شگفتہ ورواں۔

تعلیمی ہند

دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل وفراغت کے بعد کچھ دنوں وہاں مزید قیام کرکے ایک کتاب تعلیمی ہند کے نام سے لکھی جو پہلی باقاعدہ تصنیف تھی اور جس میں زمانہ قدیم سے لے کر اس عہد کے ربع اول تک کی تعلیمی تاریخ شواہد ودلائل کی روشنی میں قلم بند کی گئی ہے۔ ہندستان کے تعلیمی انحطاط کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان زیادتیوں اور مظالم کا مفصل تذکرہ ہے جو تعلیم کی راہ سے انگریزوں نے ہندستانیوں خاص طور پر مسلمانوں پر ڈھائے۔

جب آپ دار العلوم دیوبند سے مونگیر واپس تشریف لائے تو اس زمانہ میں خانقاہ رحمانی سے ایک ماہنامہ الجامعہ کے نام سے شائع ہوا کرتا تھا رسالہ علمی وادبی تھا۔ غالباً ۱۳۴۶ھ سے اس کا اجرا حضرت نائب امیر شریعت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ادارت میں روبعمل آیا تھا۔ اس کی جو فائلیں دیکھنے کو مل سکیں ان سے معلوم ہوتا ہے

ہے کہ غالباً رسالہ پانچ برسوں تک جاری رہا۔ اور آخری سال کی ادارت کا فریضہ آپ نے انجام دیا جو اس رسالہ کی عمر کا آخری سال (ربیع الاول ۱۳۵۰ھ صفر ۱۳۵۱ھ تک) تھا۔ مرتب کا نام "سید ابوالفضل رحمانی مطبوعہ ہے" جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت تھی۔

ہندستان کی صنعت و تجارت

۱۹۳۸ء میں دوسری اہم اور وقیع کتاب "ہندستان کی صنعت و تجارت" کے نام سے سپرد قلم فرمائی۔ اس کتاب میں انگریزوں کے صنعتی اور تجارتی مظالم انگریزی تصانیف اور انگریزوں کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں، یہ کتاب برطانوی حکومت و حکمرانوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی، ۱۹۳۹ء میں جب اسمبلی توڑ دی گئی اور صوبہ میں گورنر راج نافذ ہوا تو حکومت نے نہایت چابکدستی کے ساتھ کتاب ضبط کرلی اور اس کے تقریباً آٹھ سو نسخے دفتر "الہلال" سے پولس اٹھا کر لے گئی۔ اس طرح اس کتاب کے بہت ہی محدود تعداد میں نسخے عوام تک پہنچ سکے، دوبارہ اس کی اشاعت نہ ہوسکی، کتاب اپنے اختصار کے باوجود موضوع پر کافی حد تک حاوی ہے اور بہت سے حقائق کو واشگاف کرنیوالی۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں اس وقت نایاب ہیں، کاش ان دونوں کتابوں کے طبع ثانی کا کوئی نظم ہوتا۔

اسلامی اوقاف اور محصول

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو آپ نے بہار اسمبلی میں فرمائی تھی جس کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۹۳۷ء میں حکومت بہار نے زرعی آمدنی پر محصول (ٹیکس) عائد کرنے کے لیے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں اسلامی اوقاف پر بھی ٹیکس لگانے کی تجویز رکھی گئی تھی، چونکہ مذہبی حیثیت سے اسلامی اوقاف پر کسی بھی قسم کا ایسا نیا محصول جو صرف اوقاف کے مفاد سے متعلق نہ ہو، نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لیے حضرت مولانا نے جو اس دوران اسمبلی کے رکن بھی تھے مسودۂ قانون کے اس حصہ سے اختلاف کیا اور ایک مختصر مگر جامع تقریر میں مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمادیا۔ لیکن حکومت اس سے نہ صرف یہ کہ مطمئن نہیں ہوئی، بلکہ حکومت کے قانونی مشیر بلدیو سہائے ایڈوکیٹ جنرل نے چیلنج کیا کہ اسلامی اوقاف پر ٹیکس عائد کرنے سے مسلمانوں کا مذہب نہیں روکتا ہے اور اگر یہ محصول یا ٹیکس مذہباً غلط ہے تو قرآن و حدیث وغیرہ سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ایک مدلل اور مبسوط تقریر فرمائی۔ جس میں قرآن، حدیث اور فقہ کے حوالوں سے ثابت کیا کہ اسلامی اوقاف پر اس قسم کا محصول نہیں لگایا جاسکتا۔

کانگریس پارٹی نے مسئلہ کے حل کی خاطر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو ذمہ دار بنایا۔ وہ اسی مسئلہ کو طے کرنے کے لیے پٹنہ تشریف لائے۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امیر شریعت قدس سرہ سے باتیں

ہوئیں۔ مولانا آزاد نے حضرت امیر شریعتؒ کے خیال کی تصویب کی اور پارٹی کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے اس موقف اور مطالبہ کو تسلیم کرلے چنانچہ حکومت بہار نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ زمانہ برطانوی اقتدار و حکمرانی کا تھا، اور انگریزوں کے زیر سایہ صوبہ بہار میں کانگریس پارٹی کی حکومت تھی۔

۱۹۳۹ء میں اس تقریر کو جناب عبدالرحمن صاحب عثمانی نے ایک رسالہ کی شکل میں طبع کرایا تھا جو چھوٹے سائز کے انتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ بھی اب نایاب ہے۔ لیکن کتاب "خطبات امیر شریعت" میں جسے جناب زین العابدین صاحب ایم اے نے ساتویں دہے میں مرتب کر کے شائع کیا ہے، یہ تقریر درج ہے اور کتاب کی ابتداء اسی تقریر سے ہوئی ہے۔

کتابت حدیث

۱۹۵۰ء میں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص نے ایک خط کے ذریعہ حضرت حضرت کے سامنے احادیث نبویہ سے متعلق کچھ شکوک کا اظہار کیا۔ اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حدیثوں کا انکار کرنے والے اور دین میں اسے حجت قرار نہ دینے والے اپنے اس باطل خیال و نظریہ کی ترویج و اشاعت میں بڑی تندہی سے سرگرم تھے، ہندستان میں اس فتنہ کا آغاز بھی پنجاب کی سرزمین سے ہوا تھا۔ لیکن آزادیٔ ہند سے پہلے تک اس کا مرکز دہلی میں تھا اور ماہنامہ طلوع اسلام اس کا ترجمان۔ تقسیم ہند کے بعد رسالہ اپنے مدیر و مالک کے ہمراہ کراچی چلا گیا اور وہیں ان گمراہ کن خیالات کو پھیلانے کی سعی نامشکور میں مشغول رہا۔ ان لوگوں کا بنیادی دعوی یہ تھا کہ چونکہ احادیث نبویہ کو دو صدیوں کے بعد صرف حافظہ کی مدد سے ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور اتنے طویل عرصہ کے بعد محض حافظہ کی مدد سے مدون و مرتب کی گئی چیز پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں اسے دین کے لیے کس طرح حجت قرار دیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ صرف مغالطہ ہے اور اپنے کو دینی و مذہبی پابندیوں سے آزاد کرنے کی کاوش کوشش، ورنہ اس کے بالکل برعکس تاریخی حقیقت ہے کہ خود جماعت صحابہ کرامؓ متعدد حضرات ایسے تھے جو حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن سن کر حدیثیں لکھا کرتے تھے، پھر تابعین و تبع تابعین نے بھی حدیثیں جمع کرنے اور انہیں قلم بند کرنے کا کام بڑی تندہی، جانفشانی اور توجہ و انہماک سے کرتے رہے، انہیں جو حدیث مل جاتی وہ اسے لکھ لیتے، بعد میں حضرات ائمہ و محدثین نے انھیں مدون و مرتب فرمایا۔

بہرحال آیۃ کریمہ "فاما الزبد فیذھب جفاء" کے مصداق یہ فتنہ تقریباً اپنی موت آپ مرچکا ہے اور اس وقت یہ حالت ہوگئی ہے کہ کوئی آواز نہیں سنائی دیتی۔ مگر اس زمانہ میں اس کا چرچا عوام و خواص دونوں میں تھا۔ علماء نے بکثرت کتابیں اس کے رد و ابطال میں لکھیں اور تشفی بخش طور پر ان کے باطل خیالات اور گمراہ کن نظریات کی تردید فرما کر حق

کو واضح اور مسئلہ کو منقح فرمایا کہ احادیث نبویہ کے بغیر مذہب اسلام کا صحیح اور مکمل وجود ہی ممکن نہیں۔

یہ کتاب درحقیقت اسی مخلص کے ایک سوال کا جو فن حدیث سے متعلق تھا جواب ہے۔ منکرین حدیث کی باتوں میں آکر یا ان کی تحریریں پڑھ کر کچھ سادہ لوح اور بے علم ان کے دام تزویر میں گرفتار بھی ہو جاتے اور بہت سے صاف ستھرے ذہن و دماغ رکھنے والوں کے دلوں میں شک و تذبذب کی کیفیت پیدا ہو جاتی، اور پھر وہ اپنے معتمد علماء سے صحیح نوعیت اور صورت حال دریافت کرتے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کتاب یا تحریر کی نوعیت بھی یہی ہے کہ یہ ایک مخلص کے ایک سوال کا جواب ہے جسے بعد میں مکتبہ برہان دہلی نے چھوٹے سائز کے بیاسی صفحات پر اکتوبر ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔

کتاب "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مصداق ہے اور اپنے اختصار کے باوجود ایک عامی کے لیے ہی نہیں بلکہ ارباب علم کے لیے بھی مفید اور معلومات افزا ہے۔ زبان عام فہم وسلیس اور انداز بیان سلجھا ہوا اور شگفتہ ہے۔

کتاب کے مطالعہ کے وقت اگر حضرت مصنف کی یہ چند سطریں پیش نظر رہیں تو مناسب ہوگا:

"مقالہ میں منکرین حدیث کے تمام سوالوں سے بحث نہیں کی گئی ہے، نہ فن حدیث کے لائق حجت اور قابل اعتماد ہونے کے سارے دلائل بیان کیے گئے ہیں، بلکہ صرف ان ہی باتوں سے بحث کی گئی ہے جن کا ذکر سوال میں ہے" (کتابت حدیث ص ۶۵)

اس لیے اس مختصر رسالہ سے اس بات کی توقع مناسب نہ ہوگی کہ اس میں حدیث کی کتابت، جمع و تدوین اور اس کے لائق حجت اور قابل اعتماد ہونے کے سارے دلائل و شواہد مل جائیں گے، کیوں کہ یہ موضوع بڑا وسیع اور کافی تفصیل طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سوال نامہ کے جواب میں نہ ان کا استقصار و احاطہ ممکن تھا اور نہ اس کی گنجائش و ضرورت تھی۔

سفر مصر و حجاز

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مصر نے مارچ ۱۹۶۴ء میں مؤتمر عالم اسلامی منعقد کیا۔ اس مؤتمر کے انعقاد کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ دور جو علم و تحقیق اور سائنس کی ترقی کا دور ہے، آئے دن ایسے مسائل سامنے آرہے ہیں جن کے لیے واضح طور پر شریعت اسلامیہ میں ہدایتیں موجود نہیں ہیں۔ اس لیے ساری دنیا کے علماء و فضلا ایک جگہ جمع ہوں اور آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں، مسائل پر غور و فکر کریں اور نصوص شرعیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصول شرع کے مطابق ایسے فیصلے کریں جو روح شریعت سے ہم آہنگ اور ہر طرح دائرہ شریعت کے اندر رہوں۔

یہ بات ایسی نہ تھی کہ پہلی مرتبہ یہ خیال علماء مصر کے ذہنوں میں پیدا ہوا ہو، بلکہ علماء ہند کے ذہنوں میں بھی یہ خلش پوری طرح بیدار ہو چکی تھی، چنانچہ ۳۰ستمبر ۱۹۶۳ء کو دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں تمدن جدید کے پیدا کردہ مسائل پر غور کرکے شرعی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لیے راہ عمل متعین کر دینے کی ضرورت واضح ہو کر سامنے آئی اور اس طرح وہ خیال جو حضرت موصوف کے علاوہ اور دوسرے محترم علماء کرام کے ذہنوں میں ابھر کر پرورش پا رہا تھا، عملی شکل

میں ظاہر ہوا، اور ہندستان کے ہر مسلک و مکاتیب فکر کے علماء و دانشوروں کا یہ اجتماع منعقد ہوا اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے مستقل مجلس کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس اجتماع کے موقع پر ممالک اسلامیہ کے علماء سے رابطہ قائم کرنے اور علمی مسائل میں ان سے مشورہ کی تجویز بھی طے کی گئی تھی۔

مؤتمر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مدعو کیا گیا اور آپ نے اس میں اپنے ایک مقالہ کے ساتھ شرکت بھی فرمائی، تقریباً تین ہفتے قاہرہ میں قیام کرنے کا موقع ملا، اور مؤتمر کے تمام اجلاسوں میں شرکت کے علاوہ وہاں کے اہم تاریخی اور قابل ذکر مقامات کو دیکھنے کے لیے بھی وقت مل گیا۔ اس کے بعد حجاز مقدس حاضر ہونے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

اس سفر میں جو کچھ دیکھا، مؤتمر میں جو کچھ ہوا اور جو حالات مشاہدہ میں آئے یہ کتاب اسی سفر کی روداد و داستان ہے۔ جو زبان اور دونوں جگہوں کے حالات و واقعات کا عمدہ مرقع ہے، دوران مطالعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم خود ان مقامات کی سیر کر رہے ہیں اور وہاں کے ارباب علم سے ملاقاتیں کر رہے ہیں۔

کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء اور دوبارہ ۱۹۶۹ء میں چھوٹے سائز کے ۱۹۲ صفحات پر شائع ہوئی اور قبولیت و پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔

مسلم پرسنل لا

اسلامک اسٹڈیز سرکل علی گڈھ کی جانب سے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر منعقد کیے جانے والے سیمینار میں شرکت کے لیے حضرت امیر شریعت کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ یہ سیمینار ۱۴، ۱۵ ستمبر ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوا اس میں آپ نے شریک ہو کر ایک مقالہ "مسلم پرسنل لا" کے عنوان سے پیش فرمایا، جسے اہل علم و دانشوران ملت نے پسند کیا اور اس وقت اسے مختلف اردو اور عربی کے اخبارات و رسائل نے بھی شائع کیا تھا۔ بعد میں اسی مقالہ کو اسی نام سے رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ رسالہ چھوٹے سائز کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اب تک اس کی تین اشاعتیں نکل چکی ہیں آخری ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں طبع ہو کر پورے ملک میں پہنچ چکا ہے۔

مقالہ مسلم پرسنل لا کے موضوع پر اہم اور ضروری معلومات فراہم کرنے والا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل عنوانوں سے اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے .... مسلم پرسنل لا کی مراد، مسلم پرسنل لا انگریزوں کے عہد میں، مسلم پرسنل لا موجودہ دستور میں، تبدیلی کا مطالبہ کیوں؟، قرآن مجید کی رہنمائی وغیرہ۔

مسلم پرسنل لا قانون شریعت کا اہم حصہ ہے۔ قانون شریعت کا تحفظ اور مسلم معاشرہ میں اس کا نفاذ اسلام کا مطالبہ ہے، مسلم پرسنل لا کیا ہے اس کو جاننے اور اس کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لیے رسالہ بہت کارآمد ہے۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا علمی تبحر قدیم وجدید دونوں طبقہائے علم وفکر کے درمیان مسلم رہا ہے۔ علمی جلالت کی بنا پر ماضی قریب میں وہ اللہ کی نشانیوں میں سے تھے، ملک کے مایۂ ناز وممتاز علماء ان کے خوشہ چین رہے ہیں حضرت گیلانی کے واصل بحق ہونے کے بعد حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہٗ کے ذہن میں حضرت گیلانی کے خطوط کو مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور جلد ہی اس کے لیے ابتدائی کارروائی شروع کردی گئی، سب سے پہلے ان حضرات کے سامنے جن سے مولانا گیلانی کے تعلقات تھے اور ان سے مراسلت بھی تھی، اپنے ارادہ وخواہش کا اظہار جناب مرتب نے فرمایا اور ان سے اس کام میں ممکن حد تک تعاون کے لیے درخواست کی اور لکھا کہ جو خطوط ان کے پاس ہوں یا تو اصل خطوط ہی بھجدیے جائیں ورنہ ان کی نقلیں، تمام لوگوں نے اس خیال وارادہ کو سراہا اور جن کے پاس جس قدر خطوط تھے روانہ کردیے اس طرح مکاتیب کی معتد بہ تعداد موصول ہوگئی۔ مکتوب الیہم نے اس سلسلہ میں مزید تعاون کی بھی پیش کش کی۔ اس لیے کہ حضرت گیلانی کے مرتبہ شناس بجا طور پر اس کی توقع کرتے تھے کہ ان کی عام تحریروں کی طرح یہ خطوط حضرت موصوف کی جامعیت جزرسی اور نکتہ سنجیوں کے نمونے کچھ زیادہ بے تکلفی کے انداز میں سامنے لائیں گے اور اس کا احساس سبھوں کو تھا کہ اگر یہ مجموعۂ مکاتیب مرتب ہوکر شائع ہوجائے تو اہل علم حضرات کے لیے ایک گرانقدر علمی تحفہ ہوگا اور معلومات کا ایک بے بہا گنجینہ۔

حضرت مرتب کے پیش نظر اتنی بات ہی نہ تھی کہ خطوط کو یکجا کرکے انہیں پریس کے حوالہ کردیا جائے بلکہ انکی خواہش یہ تھی کہ ان خطوط میں جن شخصیتوں، اداروں، تنظیموں اور مقامات کے نام آئے ہیں ان سب کا مختصر طور پر مکمل تعارف ہو، اور حاشیہ میں سلیقہ کے ساتھ بہتر طرز وانداز میں ان کے تذکرے درج کیے جائیں، تاکہ ان مقامات، اداروں، تنظیموں اور شخصیتوں سے بھی قارئین واقف ہوجائیں جو اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے یا پھر ان سے بہت ہی محدود تعداد میں لوگ آگاہ تھے محفوظ ہوکر مستند طور پر جزو تاریخ بن جائیں۔

اس کے لیے جناب مرتب کو کن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، کتنی محنتیں فرمائیں اور کس حد تک زیر بار ہونا پڑا، قریب رہنے والوں کو اس کا پورا علم ہے۔ راقم عاجز اس دوران جامعہ رحمانی میں تدریس سے وابستہ تھا اس لیے اسے بھی نہ صرف یہ کہ دیکھنے کا موقع ملا بلکہ بہت کچھ خدمات انجام دینے کی سعادت بھی میسر آئی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کے پاس مجھے لکھنؤ بھیجا گیا کہ ان سے ضروری معلومات حاصل کرکے انہیں قلم بند کرلیا جائے چنانچہ راقم نے وہاں ہفتہ عشرہ قیام کرکے حسب ہدایت متعلقہ معلومات نوٹ کیں اور ضروری باتیں دریافت کیں۔ بہرحال اپنی طاقت ووسعت کی حد تک جو کچھ ممکن تھا کرنے کی بھرپور سعی کی گئی۔ پھر حیدرآباد کی بہت سی شخصیتوں اور اداروں سے متعلق

یا تو معلومات حاصل نہ ہو سکیں یا ہوئیں بھی تو ناقص و نامکمل اور اب یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جہاں حضرت گیلانی کی پوری عمر گذری وہیں کے لوگوں نے اس اہم کام میں ہاتھ نہیں بٹایا بلکہ یک گونہ بے اعتنائی ہی برتی۔

الغرض کسی طرح ایک جلد کی ترتیب کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس جلد میں اپنی ایک قریبی عزیزہ اہلیہ مولوی یعقوب صاحب وکیل، مولانا حافظ حکیم یوسف حسن خاں صاحب رحمانی اور مولانا محمد زکریا صاحب محمودی کے نام ایک ایک اور مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی کلکٹر کے نام چار خطوط کے علاوہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے نام انچاس (۴۹) اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اکتیس (۳۱) خطوط شامل ہیں۔ اس طرح مکاتیب کی یہ پہلی جلد کل ستاسی (۸۷) خطوط پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۲ء میں چھوٹے سائز کے چار سو صفحات پر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ جس میں عرض مرتب کے علاوہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا مبسوط فاضلانہ مقدمہ بھی ہے۔

کتاب کسی اچھے اور معیاری ناشر کے ذریعہ طبع ہو، سعی بلیغ کے باوجود اس میں کامیابی نہیں ہوئی، جنوبی ہند کے ایک قدیم و مشہور مکتبہ کی طلب و درخواست پر مسودہ اس کے پاس بھیجا بھی گیا۔ لیکن ٹال مٹول اور بہانہ سازی میں کئی سال گذر گئے تو اس عاجز نے بڑی حکمت عملی سے کسی طور اس کے یہاں سے مسودہ واپس منگوایا اور مجبور ہو کر حضرت مرتب نے اس کتاب کو خود طبع کرانے کا عزم فرمایا اور کتابت شروع کر دی گئی اور کسی طور کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔

دوسری جلد کا کام بھی تقریباً پچیس برسوں سے مکمل ہے۔ یہ جلد حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم، حضرت مرتب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی اور ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نہ سی بلند پایہ شخصیتوں کے علاوہ بہت سے قریبی اعزہ کے نام خطوط پر مشتمل ہے۔ صرف حیدر آباد کے اشخاص اور اداروں پر کچھ کام باقی ہے۔ اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کام کا اتنا حصہ باقی ہی رہ جائے گا۔ سنہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے حضرت مرتب کے ساتھ صورت حال یہ رہی کہ ازدیادِ عمر کے ساتھ امراض اور کثرت مشاغل نے گھیر رکھا تھا۔ ملک و ملت کے مسائل بھی اس طرح سامنے آتے گئے جو اس بات کے متقاضی تھے کہ اولیت انہیں دی جائے۔ اس لیے اس دوران دوسری جلد سے متعلق حواشی اور نوٹس (NOTES) پر ایک نگاہ ڈالنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ میں نے سنہ ۱۹۸۲ء میں ایک عریضہ کے ذریعہ درخواست کی کہ دوسری جلد کے جو حواشی لکھے ہوئے ہیں ان پر ایک نگاہ ڈال کر اس جلد کی تکمیل فرما دی جائے تو مناسب ہو، اور اگر اس کے لیے میں کچھ خدمت انجام دے سکوں یا حضرت والا میری ضرورت محسوس فرمائیں تو حکم دیا جائے میں انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ واضح رہے کہ سنہ ۱۹۸۲ء میں میں نے جامعہ رحمانی سے علاحدگی اختیار کر لی تھی اور گھر پہ مقیم تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عریضہ کا جواب ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء کو عنایت فرمایا اور لکھا:

"آپ کی یہ خواہش کہ صرف میری نظر نوٹس (NOTES) پر گذر جائے بہت مبارک ہے، میں اس پر آمین کہتا

ہوں۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر تین مضمون کا نوٹ ہے، صرف نظر گذرنے سے کام چلے گا؟ آپ کا یہ لکھنا کہ میرے ارشاد کی تعمیل آپ افضل ترین سمجھتے ہیں، میں آپ کی اس تحریر کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔"

صاحب زادہ گرامی جناب مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانی اس کی طباعت کے لیے کوشاں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے ہم کنار فرمائے اور مجموعۂ مکاتیب کی دونوں جلدیں جلد طبع ہو کر منظر عام پر آجائیں کہ پہلی جلد بھی اب ختم ہو چکی ہے۔

نسبت اور ذکر و شغل

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مجاز جناب قمر الہدیٰ صاحب کو یہ اشکال پیدا ہوا کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت پیدا کرنا ہے، وہ بندہ بندہ نہیں جسے اپنے معبود سے ربط و تعلق نہ ہو۔ گویا انسان کی زندگی کا ماحصل اور ایک دیندار انسان کی منزل اور منتہائے مراد حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل کرنا ہے اس لیے سالکین طریقت کو اسی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ ذکر و شغل اور مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ پر اتنی محنت اور وقت صرف کرنے اور اتنی توجہ دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے بس اصل توجہ و محنت حصول نسبت کے لیے ہونی چاہیے جبکہ بزرگان طریقت "نسبت الی اللہ" کے حصول پر اپنی کوششیں صرف کرنے کی بجائے "ذکر و شغل" پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

جناب قمر الہدیٰ صاحب نے اپنے مرشد و شیخ حضرت امیر شریعت قدس سرہ کو یہ باتیں لکھیں اور اپنے اس اشکال کو ان کے سامنے رکھا، یہ تحریر اسی اشکال کے جواب میں سپرد قلم کی گئی، اور یہی جوابی مکتوب افادۂ عام کی خاطر ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں ایک مختصر رسالہ کی صورت میں طبع ہوا تاکہ طالبین راہ سلوک عموماً اور منتسبین و متوسلین خانقاہ رحمانی خصوصاً اس سے فیض پائیں۔ خدا کے فضل سے رسالہ مقبول ہوا، یہ چھوٹے سائز کے چھبیس (۲۶) صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء - ایک جائزہ

۱۹۷۲ء میں متبنیٰ بل (The Adoption of Children Bill) پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا، جس کا عملی نتیجہ یہ ہوتا کہ لے پالک بیٹے اور غیر حقیقی اولاد بھی صلبی اور حقیقی اولاد کا درجہ لے لیتی، اس بل سے انہیں جملہ امور میں وہی حقوق ملتے جو حقیقی اولاد کو ملا کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات غلط ہے۔ عرب میں بھی اسلام سے پہلے اس کا رواج تھا، لیکن قرآن نے اسے ختم کیا اور نبی آخر الزماں حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زبانی رشتے منسوخ قرار دیے۔

اس بل کے ذریعہ دور جاہلیت کی اسی رسم کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیے جانے کا پرزور مطالبہ کیا۔ مسلمانوں کی شدید مخالفت کے سبب بروقت یہ مسودہ قانون (BILL) پارلیمنٹ میں منظور نہیں ہوا اور ان کی رائے عامہ جاننے کے لیے پارلیمنٹری جوائنٹ کمیٹی بنائی گئی تھی، اس کمیٹی

نے ملک کے مختلف اہم شہروں میں پہنچ کر اہل علم اور ارباب فکر و دانش کے بیانات وغیرہ لیے، بہار و بنگال کے علماء کرام اور دانشوروں کو اظہار رائے کے لیے کلکتہ بلایا گیا اور وہیں ۱۷، سے ۲۱، جنوری ۱۹۷۲ء تک کمیٹی کا اجلاس ہوا اور بیانات وغیرہ لیے گئے۔

اس موقع پر حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے بھی متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء پر اظہار خیال اور رائے زنی کی فرمائش کی گئی، چنانچہ آپ نے ایک تحریری بیان مرتب فرمایا، جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ بل اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہے اور اس سے مسلم پرسنل لا پر زد پڑتی ہے۔

یہ بیان اختصار کے باوجود جامع اور موضوع پر حاوی ہے اور ہر شخص کے مطالعہ و استفادہ کے لائق ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اسے پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے رسالہ کی صورت میں شائع کیا، دوسری اشاعت ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آئی، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور ملک کے اکثر حصوں میں پہنچ چکا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی

۱۹۷۶ء میں پورا ملک ایمرجنسی کی لپیٹ میں تھا، اور اس کی دہشت سے لرزاں و ترساں زبانوں پر قفل پڑے ہوئے تھے، اور قلموں پر پہرے، اس وقت حکومت کی پوری توجہ جبری نس بندی کی جانب مرکوز تھی اور اس کے خلاف ایک لفظ سننے کی روادار نہ تھی، اس جبری نس بندی نے لوگوں کے ذہنوں پر برے اثرات ڈالے تھے، ملک کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو اس کے برے ردعمل سے دوچار نہ رہا ہو، گویا اس دوران جبری نس بندی کے خلاف زبان ہلانا یا کسی قسم کی تحریر سپرد قلم کرنا بڑے دل گردہ کا کام تھا، ملک میں پورے طور پر سناٹا چھایا ہوا تھا، جبکہ وقت کی شدید ضرورت تھی کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کی جاتی اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کی جاتی، لیکن خوف اور دہشت کا عالم طاری ہونے کی بنا پر کوئی ایسی تحریر یا رہنمائی سامنے نہ آسکی جس میں مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہو۔

ایسی نازک گھڑی اور پرخطر حالات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نبوی "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" (ظالم حکمراں یا حکومت کے سامنے اظہار حق کرنا افضل ترین جہاد ہے) پر عمل کرنے کی راہ عزیمت اپنائی، ہر قسم کے پیش آنے والے ممکنہ خطرات سے بے پروا ہو کر اور انہیں نظر انداز کرتے ہوئے اور جرأت و ہمت اور حق گوئی کا نمونہ پیش فرماتے ہوئے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اور اس فرض کفایہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوئے جو ساری امت بالخصوص برصغیر ہند کے علماء کرام پر اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں عائد ہوتا تھا۔ اور اسی خوف و ہراس کے دور میں یہ رسالہ اردو زبان میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں بار بار طبع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے کثیر تعداد میں شائع ہوئے۔ انگریزی اور ہندی ترجمے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے معزز ارکان کو بھیجے گئے، انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور بہت حد تک وہ اس سے مطمئن بھی ہوئے، رسالہ چھوٹے سائز کے ۳۲ صفحات پر چھٹی بار ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے، اور پرمغز، معلوماتی اور شریعت اسلامیہ کے موقف کو ظاہر و واضح

کرنے والا اور حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت وہمت اور حق گوئی وبے باکی کا نادر ثبوت ونمونہ۔

قضاء کی شرعی اور تاریخی اہمیت

۱۹۵۷ء میں جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت منتخب ہوئے تو جہاں آپ نے امارت شرعیہ کے دوسرے شعبوں کو آگے بڑھانے اور انہیں ترقی دینے کا خاکہ مرتب فرمایا وہیں دارالقضاء کی بڑھتی ہوئی عمومی ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس کی توسیع اور علاقائی دارالقضاؤں کے قیام کی جانب بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔

دارالقضاء کا کام علمی اور عملی دونوں ہے۔ قاضی شریعت کا جہاں فقہ اسلامی سے واقف ہونا اور اس پر عبور رکھنا ضروری ہے، وہیں دعویٰ دائر کرنے، شہادت، جرح وبحث اور فیصلے تک ہر مرحلہ میں ایسی عملی جہتیں سامنے آتی ہیں، جن کے لیے ایسے علماء کی جنہیں قضاء کے کام سے دلچسپی ہو تربیت بھی ضروری ہے۔ اس لیے حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہٗ نے علماء کرام کو قضا کی تربیت دینے کے لیے خانقاہ رحمانی مونگیر میں دو ہفتوں کا ایک پروگرام رکھا۔ صوبہ بہار کے اہم اور قابل ذکر علماء نے بڑے ذوق اور دلچسپی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا۔ تربیت کا پہلا ہفتہ ۱۶ر اگست ۱۹۵۸ء مطابق ۹ر محرم الحرام ۱۳۷۸ھ سے شروع ہوا۔

اس پہلے ہفتہ کا افتتاح حضرت قدس سرہ نے اپنے ایک قیمتی مقالے سے فرمایا، جس میں اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرے میں شریعت اسلامی کی ضرورت اور اس کے اجراء ونفاذ کے لیے دارالقضاء کا قیام اور قضاۃ کی تقرری کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس مقالہ سے محکمۂ قضاء کی تاریخی اور معاشرتی اہمیت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

دوسرے ہفتہ میں بھی حضرت موصوف نے دوسرا مقالہ پڑھا جو قضاء کی تاریخ پر ایک قیمتی دستاویز ہے، اہلیت قضاء کی شرطوں پر روشنی ڈالتے ہوئے دلائل سے واضح فرمایا ہے کہ قاضی کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم ضروری ہے اور معاملہ فہمی کی استعداد کے علاوہ عدل وانصاف کی صلاحیت اور ہمت بھی۔

یہ مقالے اسلام کے نظریہ سیاست کے ایک اہم گوشہ پر روشنی ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کی سیاست کے لیے راہ عمل کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ "قضاء کی شرعی اور تاریخی اہمیت" کے نام سے ۱۹۸۳ء میں چھوٹے سائز کے ۴۴ صفحات پر یہ دونوں مقالے شائع کیے گئے، اور قدر وقبول کے ہاتھوں لیے گئے۔

قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل

قانون شریعت کے مصادر پر یہ مختصر رسالہ سپرد قلم کرتے وقت حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر صرف اہل علم اور ماہرین قانون ہی نہیں بلکہ وہ حضرات بھی پیش نظر رہے ہیں جو دین ومذہب سے متعلق تھوڑا بہت

بھی علم رکھتے ہیں۔ قانون شریعت اور اس کے مصادر وغیرہ سے ان کے بھی کان آشنا ہیں، اس لیے رسالہ کی ترتیب میں اس بات کا لحاظ کیا گیا ہے، اور خیال رکھا گیا ہے کہ تحریر زیادہ سے زیادہ عام فہم ہو اور فقہ اسلامی کی بنیادوں سے عام علماء و فضلاء کے علاوہ دوسرے حضرات بھی واقف ہو سکیں جو اس قسم کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں اور انہیں جاننے کا ذوق و شوق بھی رکھتے ہیں۔

یہ ایک خالص علمی تحریر ہے اور اغلباً اس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ اسلامی قانون کے مصادر اور شریعت کی بنیادوں کا ایسا تعارف ہو جائے جس سے ہر ایک مصدر کا صحیح تصور ذہنوں میں قائم ہو سکے اور اصولاً یہ بات واضح کردی جائے کہ جدید مسائل صرف آج کی ہی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں پیش آتے رہے ہیں، اور انہیں حل بھی کیا جاتا رہا ہے اس چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا کہ نئے مسائل سامنے آئے ہوں اور ان کے حل نہ ڈھونڈ نکالے گئے ہوں۔

آج اگر ہم نئے مسائل سے دوچار ہیں تو یہ بھی ان مصادر سے ہی حل ہوں گے جو قانون شریعت کے لیے مقرر ہیں، اس رسالہ میں ان کا ہی تعارف مختصراً کرایا گیا ہے، اور دوسری بار ۱۹۸۵ء میں چھوٹے سائز کے ۴۴ صفحات پر طبع ہوا ہے۔

مذہب، اخلاق اور قانون

یہ دراصل ایک مقالہ ہے جسے نئی دہلی میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار کے لیے لکھا گیا تھا اور جس کا موضوع "مذہب، اخلاق اور قانون" تھا۔ یہ سیمینار ۱۱ سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۳ء تک اسلام اینڈ دی موڈرن ایج سوسائٹی اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا۔ بنیادی طور پر اس مقالہ کے اولین مخاطب ملک کے ممتاز ارباب علم و اصحاب قلم ہیں اس لیے کچھ ان کی رعایت اور کچھ وقت کی محدودیت کے سبب مقالہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس میں اصولی اور بنیادی باتوں کی جانب اشارہ ہے اور تفصیلات سے بچنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، یہ تحریر اصحاب علم و دانش کے لیے مرکزی نقطہ کا کام انجام دینے والی ہے۔

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ - نئے مرحلہ میں

اس مختصر رسالہ میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے پرسنل لا کی اہمیت، اس کے تئیں ابتدا سے لیکر یعنی ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک حکومت کی نیت و کوشش اور پھر مسلمانان ہند کا متفقہ طور پر اس کے تحفظ و نگہداشت کے لیے اقدام و عمل کو اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے چنانچہ اس کی ابتدا ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

"آزاد ہندستان میں مسلم پرسنل لا کی تاریخ کو دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے: اس کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی پر ختم ہو جاتا ہے، اور دوسرا حصہ وہ ہے جو کنونشن کے بعد شروع ہوا اور اب تک چل رہا ہے، اس تاریخ کا پہلا حصہ اس لیے اہم ہے کہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی،

ایسے قوانین بنائے گئے جن سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوا اور مسلم پرسنل لا سے متعلق حکومت کا ذہن سامنے آیا۔ تاریخ کے دوسرے حصے کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں مسلم پرسنل لا کے متعلق عام مسلمانوں نے عام بیداری کا ثبوت دیا۔ ملت اسلامیہ کے تمام فرقوں، طبقوں اور جماعتوں کے ذمہ داروں نے متفقہ طور پر اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔ اور مسلم پرسنل لا کی حفاظت اور اسے سرکاری دستبرد سے بچانے کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔"

رسالہ معلوماتی ہے، زبان عام فہم اور ہر شخص کے لیے لائق مطالعہ۔ اردو میں اس کے پانچ ایڈیشنوں کے علاوہ ہندی، انگریزی، گجراتی اور تامل ترجمے بھی چھپ کر مقبول عوام ہو چکے ہیں۔

مسلم پرسنل لا بحث و نظر کے چند گوشے

چوبیس صفحات کے مختصر رسالہ میں حضرت مصنف نے مسلم پرسنل لا کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کے چند گوشوں کی جانب بھی اشارے فرمائے ہیں۔ اور غور و بحث کے لیے ان کی نشاندہی کی ہے، جس سے پرسنل لا کی اہمیت اور ایک مسلمان کیلیے اس کی ضرورت سامنے آتی ہے کہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کے لیے کیوں ضروری ہے اور اس کے ختم کیے جانے سے اسلامی معاشرہ کس طرح غیر اسلامی ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس رسالہ کے اردو میں پانچ ایڈیشنوں کے علاوہ ہندی اور انگریزی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

یونیفارم سول کوڈ

یونیفارم سول کوڈ کیا ہے، اس کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کس حد تک متاثر ہوگا، اس کے مفاسد کیا ہیں، اس کے علاوہ خود ملک پر اس کے کیا اثرات مترتب ہوں گے۔ اس کے محرکین و مؤیدین کے دلائل کیا ہیں، مسلمان اس کے مخالف کیوں ہیں؟ ان تمام باتوں کے جوابات اس رسالہ میں دیے گئے ہیں اور آسان و سادہ زبان میں یکساں سول کوڈ نافذ کیے جانے پر پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہر شخص کے مطالعہ کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے اور مسئلہ سے پوری واقفیت حاصل کرنے کا آسان ذریعہ ہے۔ اردو زبان میں یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۴۲ صفحات پر طبع ہوا ہے۔ اور اس کی چوتھی طباعت ۱۹۸۴ء میں عمل میں آئی۔ اس کے علاوہ اس کے ہندی، بنگلہ اور انگریزی ترجمے بھی شائع ہو کر پورے ملک میں پہنچ چکے ہیں۔

فتنۂ قادیانیت اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ "تحفظ ختم نبوت" پر ایک ایسا اجلاس منعقد کیا جائے جس میں برصغیر ہند و پاک کے جید اور ممتاز علماء کو شرکت کے لیے مدعو کیا جائے۔ اجلاس کے لیے ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی تاریخیں متعین کی گئیں۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اجلاس میں شرکت

کے لیے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مدعو کیا اور یہ فرمائش کی کہ ایک ایسے مقالہ کے ساتھ شریک ہوں جس میں قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری نور اللہ مرقدہ بانی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ان خدمات اور کاوشوں کا تذکرہ خاص طور پر ہو جو انھوں نے ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں انجام دی ہیں۔

دعوت نامہ موصول ہونے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم اور تاریخی اجلاس میں شریک ہونے کا عزم فرمالیا۔ اور مقالہ قلم بند فرمانا بھی شروع کر دیا۔ اجلاس کی تاریخیں قریب تر آرہی تھیں کہ آپ شدید نزلہ وزکام میں مبتلا ہو گئے، ایسی ہی حالت میں مقالہ تو کسی طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ لیکن صحت اس قابل نہ رہی کہ اتنے طویل سفر کی صعوبت برداشت کی جاتی۔ لہذا آپ اس اجلاس میں خواہش کے باوجود بذاتِ خود شریک نہ ہو سکے، مجبوراً اپنے ایک ہونہار شاگرد مولانا محمد نعیم صاحب رحمانی استاذ جامعہ رحمانی کو مقالہ کے ساتھ دیوبند روانہ فرمایا کہ وہی حضرت کی جانب سے اجلاس میں مقالہ پڑھ کر سنائیں۔ مولانا موصوف نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں جس کی صدارت پاکستان کے ممتاز عالم حضرت مولانا عبدالمالک صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اشرفیہ لاہور فرما رہے تھے یہ مقالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے پڑھ کر سنایا۔ عام حاضرین و شرکاء اجلاس نے اسے پسند کیا اور اسے ایک عمدہ تاریخی مقالہ قرار دیا۔

جنوری ۱۹۸۷ء میں یہ مقالہ کتابی صورت میں چھوٹے سائز کے ۳۶ صفحات پر شائع کیا گیا۔

مذکورہ بالا مطبوعات کے علاوہ حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کے کچھ اہم مسودات بھی ہیں، وقت کا تقاضا اور ضرورت ہے کہ ان کی جانب توجہ منعطف کی جائے اور تہذیب و تنقیح کے بعد مناسب انداز و معیار پر ان کی طباعت و اشاعت کی راہ نکالی جائے۔ ان مسودات میں سرِ فہرست سوانح حضرت قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیری قدس اللہ اسرارہم ہے اور عرصہ سے محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت نے تعلیم سے فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی میں رہ کر جامعہ رحمانی میں درس و تدریس کے علاوہ چودہ سالہ فتویٰ نویسی کی اہم خدمات کی بہ احسن وجوہ انجام دہی بھی ہے۔ اگر ان فتاویٰ کو بھی مرتب کر کے شائع کیا جائے تو کتب فتاویٰ میں قابل قدر اضافہ ہوگا اور اہل علم حضرات کے لیے ایک عمدہ تحفہ۔

مکاتیب گیلانی کے تعارف میں یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ اس کی دوسری جلد بھی مکمل ہو چکی ہے، صرف معمولی نظر ثانی کے بعد اس کی طباعت و اشاعت عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے جملہ خطوط کی نقلیں تو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن ان میں سے وہ خطوط جو کسی بھی لحاظ سے اہم، معلوماتی اور علمی خطوط ہوا کرتے تھے ان کی نقلیں رکھ لیا کرتے تھے، خاص طور پر زندگی کے آخری دس پندرہ برسوں سے اس کا

پورا اہتمام تھا، اس پندرہ سالہ مدت کے خطوط اور مذکورہ مسودات صاحبزادۂ محترم جناب مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانی کے پاس محفوظ ہیں اور ہمیں اس کی پوری توقع ہے کہ وہ ان کی ترتیب اور پھر طباعت کی جانب خصوصی توجہ فرماکر اس کے لیے کوئی اچھی سبیل نکالیں گے۔

'خطبات امیر شریعت' کے نام سے جناب زین العابدین صاحب ایم اے نے حضرت امیر شریعت کی کچھ تقریریں یکجا کرکے شائع کیا تھا۔ اِدھر تقریباً ربع صدی کی مدت میں حضرت مرحوم کو صدارتی و افتتاحی خطبات دینے کے مواقع ملے، اور سب کے سب طبع بھی کرائے گئے، ان میں سے معتدبہ خطبوں کی تعداد ایسی ہے جو علمی قسم کے ہیں، چونکہ یہ سب لکھ کر پڑھے گئے تھے اور پھر شائع بھی ہوئے۔ اس لیے ان کی جمع و ترتیب کچھ دشوار بھی نہیں، لہٰذا مناسب ہو کہ ان جملہ خطبوں کو اکٹھا کرکے یا تو خطبات امیر شریعت کے آئندہ ایڈیشن میں شامل کردیا جائے یا پھر اس کی دوسری جلد کے طور پر طبع کرانے کا نظم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ان مسودات کی طباعت و اشاعت کی بہتر راہ ظاہر فرمائے، اور مستقبل قریب میں منظر عام پر لائے۔

باب دوم

حضرت امیر شریعتؒ کے

چند اہم مقالے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی Family Planning کا مقصد انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی پر روک لگانا اور اس طرح کائنات انسانی کو اس غیر معمولی دھماکہ خیز صورتحال سے بچانا ہے جو آبادی کے غیر متوازن اضافہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی آبادی کا یہ غیر معمولی اضافہ ہماری ترقی یافتہ تہذیب کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ اور ہمارے بلند معیارِ زندگی کو پست کر سکتا ہے۔ اس کا اثر انسانی صحت پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اس لئے ایسے ذرائع کا استعمال جو بچوں کی پیدائش کو روک سکیں اور انسانیت کو ایک بڑے متوقع خطرہ سے بچا سکیں خود انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔

اس طرح خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت کو واضح کرنے کیلئے تین عنوانات اختیار کئے جا سکتے ہیں جو وضاحت کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) انسانی نسل میں غیر معمولی اضافہ کا مسئلہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں اضافۂ آبادی کا تناسب خطرناک حد تک بڑھا ہوا ہے اگر آئندہ تیس برسوں تک یہی صورتحال جاری رہی تو خطرہ ہے کہ آبادی دوگنی ہو جائے گی اور دوسری طرف وسائل معاش محدود ہیں۔ حکومت ان محدود وسائل کے پیش نظر اپنے منصوبہ تیار کرتی ہے اور شہریوں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ ان سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ اسطرح مستقبل میں آبادی اور وسائل معاش کے درمیان عدم توازن کا شدید خطرہ لاحق ہے —— ان حالات کا تقاضہ ہے کہ آبادی کے اس اضافہ پر قابو پایا جائے اور ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں جن کے ذریعہ سالانہ ولادت کے اوسط کو کم کیا جا سکے۔ کوئی بھی شخص دو یا تین بچوں سے زیادہ نہ پیدا کرے۔ تبھی ہم اپنے ملک کے لئے ایسا معاشی منصوبہ تیار کر سکیں گے جو ملک کے بسنے والوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔

(۲) آبادی کے اس غیر معمولی اضافہ کا بڑا اثر ہمارے معیارِ زندگی —— Standard of Living پر پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی خاندان کی کمائی محدود ہے اس محدود کمائی سے ہی افرادِ خاندان کی معیشت اور ان کی ضروریات کی کفالت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اسطرح خاندان کے افراد جتنے کم ہوں گے، آمدنی میں ان کا فی کس حصہ زیادہ ہوگا، اور افرادِ خاندان جتنے زیادہ ہوں گے، آمدنی اتنے زیادہ حصوں میں تقسیم ہو کر ہر فردِ خاندان کا فی کس حصہ کم کر دے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم آمدنی کی وجہ سے روز بروز افرادِ خاندان کا معیارِ زندگی پست سے پست تر ہوتا جائے گا اور بحیثیت مجموعی خاندان اور ملک کے شہریوں کیلئے اعلیٰ معیارِ زندگی کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ اس صورتحال کا تقاضہ ہے کہ بچوں کی پیدائش پر پابندی عائد کیجائے تاکہ کم سے کم افرادِ خاندان محدود کمائی میں حصہ پا کر اعلیٰ معیارِ زندگی حاصل کر سکیں۔

(۳) یہ بات بھی یقینی ہے کہ اولاد کی کثرت کا اثر عورتوں کی ذہنی اور جسمانی صحت پر پڑتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر کثیر العیال عورتیں اپنی صحت خراب کر بیٹھتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کی صحت و تندرستی کو سامنے رکھتے ہوئے بھی زیادہ بچوں کی پیدائش پر روک لگانا مفید ہی نہیں، ضروری ہے۔

یہ ہے وہ نقطۂ نظر جو عام طور پر خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں ظاہر کیا جاتا رہا ہے[1]۔

اس نقطۂ نظر کا جائزہ لینا اور علم و دانش کی کسوٹی پر ان اسباب و دلائل کا محاسبہ ضروری ہے —— ذیل میں ترتیب وار اس نقطۂ نظر کا جائزہ لیا جائیگا

پہلا مسئلہ۔ معاشی عدم توازن کا خطرہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ قابل توجہ ہے کہ اگر ان بنیادوں کو تسلیم کر لیا جائے کہ معاش کے وسائل Resources محدود ہیں جو بڑھتی ہوئی آبادی کے بوجھ کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ایسی صورت میں ہمیں کسی بھی منصوبہ بندی Planning کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ آمدنی اور وسائل معاش سے مراد، پورے ملک کی آمدنی، پورے ملک میں پیدا ہونیوالی خوراک اور پورے ملک کے معاشی وسائل مراد ہیں یا کسی مخصوص فرد اور خاندان کی آمدنی اور اس کی کمائی مراد ہے ؟

خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت کرنے والے جب وسائل معاش کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد پورے ملک کے معاشی وسائل ہوا کرتے ہیں۔ جب ایسی بات ہے تو ہمیں اولاً اپنے پورے ملک کی آمدنی، اس میں پیدا ہونیوالی خوراک کے اجناس اور اس کے دوسرے معاشی وسائل کی مقدار کا اندازہ کر لینا ضروری ہوگا اور یہ اندازہ کرتے وقت ان مختلف قدرتی آفات Natural Calamities کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا جو غیر متوقع طور پر ظاہر ہو کر ہمارے سارے اندازوں کو غلط بنا دیتی ہیں۔ بہر حال وسائل معاش کے اس اندازے اور تخمینے کے بعد اس کا جائزہ لینا ہوگا کہ ان محدود معاشی وسائل میں کتنی آبادی کا بوجھ برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی منصوبہ تیار کرتے وقت ہمارے ملک کی کیا آبادی ہے اور موت کا کیا تناسب ہے۔ اس کے بعد اندازہ مل سکے گا کہ ہمارے موجودہ یا متوقع معاشی وسائل ہماری موجودہ آبادی کی ضروریات اور ان کے مطلوبہ معیار زندگی کی کفالت کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں —— اگر موجودہ آبادی کے لئے مطلوب معیارِ زندگی اور ضروریات کی کفالت کے لائق وسائل معاش موجود نہیں ہیں تو پھر ایسی صورت نکالنی پڑے گی کہ موجودہ آبادی کو بھی کم کیا جا سکے۔ اور اگر

---

[1] چنانچہ مسز سشیلا نائر نے وزیر صحت حکومت ہند کی حیثیت سے ۱۹۶۶ء میں راقم الحروف کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں انھوں نے تقریباً مذکورہ بالا اسباب و دلائل کی روشنی میں مجھ سے خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے انکے خط کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ میں خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت سے معذور ہوں اور اسے غلط تحریک سمجھتا ہوں۔

موجودہ آبادی کیلئے تو یہ وسائل معاش کافی ہیں مگر کسی مزید بوجھ کو برداشت کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہے، پھر یا تو پورے طور پر ولادت کے سلسلہ کو بند کردینا ہوگا، یا موجودہ لوگوں کو آنے والوں کیلئے جگہ خالی کرنی ہوگی۔ اور اگر وسائل معاش میں کچھ اور افراد کا بوجھ بھی سنبھالنے کی صلاحیت موجود ہے، تو یہ دیکھنا ہوگا کہ تخمیناً مزید کتنے افراد کی پیدائش ہمارے معاشی منصوبوں کو درہم برہم نہیں کرے گی۔ بس پورے ملک میں اتنے ہی افراد کو پیدائش کا حق دیا جاسکے گا۔ اور فرد یا خاندان کی رعائت کئے بغیر پورے ملک میں ہمارے سالانہ یا پنجسالہ معاشی منصوبوں کے پیش نظر سالانہ یا پنجسالہ ولادت کا اوسط مقرر کرنا ضروری ہوگا اور کسی کو یہ حق نہیں دیا جائیگا کہ وہ پورے ملک کے پیمانہ پر متعین کی ہوئی ولادتوں کی تعداد سے زائد کوئی بچہ پیدا کر کے ملک کے معاشی منصوبہ کو درہم برہم کرے۔

اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنیوالوں کا مذکور الصدر نقطۂ نظر جن بنیادوں پر اسے قائم کیا گیا ہے، اگر تسلیم کرلیا جائے تو بسا اوقات موجودہ آبادی کو کم کرنے کیلئے، اگلوں کو پچھلوں کیلئے جگہ خالی کرنیکی خاطر کبھی قتل کا ارتکاب کرنا ہوگا، کبھی بیماروں، روگیوں کی شفایابی کا انتظام کرنے کی بجائے انہیں موت کے گھاٹ اترنے دینا ہی قوم کے لئے بھلا ہوگا —— اور سب سے بڑی بات یہ کہ خاندان کی منصوبہ بندی کافی نہیں ہوگی بلکہ پورے ملک کی آبادی کو منصوبہ بند کرنے کیلئے توالد و تناسل کے پورے نظام کو سرکاری انتظام کے تحت دیدینا پڑے گا اور اس پر کڑی نگاہ رکھنی پڑے گی کہ مقررہ تعداد سے آبادی بڑھنے نہ پائے اور اگر باوجود ساری تدبیروں کے بڑھ جائے تو پھر ایسی تدبیر کیجائے کہ اس اضافہ کو ختم کردیا جائے۔

میں نہیں سمجھتا کہ "معاشی عدم توازن" Economic Imbalance کے اس موہوم خطرہ کو سامنے رکھ کر انسانی فطرت Human Nature اور سماجی تشکیل Social Set Up کے تمام فطری تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا جائیگا اور انسانیت کو برباد کردینے والے ان نتائج و عواقب کو کس طرح عقل انسانی برداشت کرسکے گی۔ یہ فطرت اور اس کے تقاضوں سے کھلا ہوا انحراف ہے۔ اور انسان کے حق میں ایسا زہر ہے، جسے فطرت سلیمہ کبھی گوارا نہیں کرسکتی۔

اس کے علاوہ اس پورے نظریہ کی بنیاد دو مقدمات پر ہے، پہلا تو یہ کہ انسانی آبادی میں غیر محدود اضافہ ہو رہا ہے اور دوسرا مقدمہ یہ کہ معاشی وسائل محدود ہیں۔ اور جب اسے تسلیم کرلیا جائے گا کہ معاشی وسائل محدود ہیں اور اضافہ غیر محدود۔ تو ظاہر ہے کہ صارفین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کفالت محدود معاشی وسائل نہیں کرسکیں گے، لیکن اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ سرے سے یہ خیال ہی درست نہیں کہ وسائل معاش محدود Limited ہیں —— کائنات انسانی کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اول سے ہی انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ عقل انسانی معیشت کے لئے نئے نئے وسائل کا انکشاف بھی کرتی رہی ہے اس کائنات میں لاکھوں مخفی خزانے تھے جنہیں عقل انسانی نے پچھلی صدیوں میں منکشف کردیا ہے اور آج سے چند صدی پہلے جن چیزوں کا وہم و گمان بھی نہیں تھا آج کا انسان ان سے روزمرہ کی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے سرے سے یہ تصور ہی صحیح نہیں کہ وسائل معاش محدود ہیں دراصل اسطرح کی بات کہنا انسان کی نااہلی کا اعتراف ہے۔ اور انسان کے عقل کی فاتحانہ صلاحیتوں اور انسان کی جہد و عمل کی قوتوں پر داغ لگانے کے برابر ہے —— کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس جو ہمہ دم کائنات کے مخفی خزانوں کی کھوج میں لگی ہوئی ہے اور ہزارہا ہزار فٹ نیچے زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے خزانوں کی پیمائش کرچکی ہے، وہ بھی یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ معاشی وسائل جس حد تک منکشف ہوچکے، اب کوئی خزانہ باقی نہیں رہا ہے۔ اور نہ وہ زمین کی پیداواری صلاحیتوں کی آخری حد کو جانتی ہے اور نہ فی ایکڑ زیادہ سے زیادہ پیداوار کا تخمینہ کرنیکی صلاحیت رکھتی ہے —— جب یہ حقیقت ہے تو پھر وسائل معاش کو محدود کہنا کس طرح بجا ہوگا؛ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان جہد و عمل سے گریز کر کے انسانی آبادی کو محدود کردینے کا آسان نسخہ محض اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے —— درحقیقت قدرت بخیل نہیں ہے۔ انسان قدرت کے عطیات سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا ہے اور اس کیلئے قدرت کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں جد و جہد اور سعی و عمل سے بھاگنا چاہتا ہے۔

ان حالات میں کیا یہ صحیح نہیں ہوگا کہ ہم اپنی قیمتی صلاحیتوں کو انسانی آبادی کی حد بندی پر خرچ کرنے کے بجائے چھپے ہوئے وسائل معاش کی کھوج پر صرف کریں۔ کہ یہ انسانی فطرت اور اس کو ملی ہوئی قوت تسخیر کے شایان شان بھی ہے اور اس پر عائد ہونیوالی ذمہ داریوں سے میل کھاتا ہے۔

کیا یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ پچھلی صدیوں کے انسان بھی اسی طرح کے اضافۂ آبادی کے موہوم خطرات اور تشویشناک عدم توازن کے تخیل کا شکار ہوجاتے، تو وہ سیکڑوں خزانے جن پر سے آج پردہ اٹھ چکا ہے، ابتک ہماری نگاہوں سے چھپے رہتے اور نہ جانے کتنے قیمتی انسانی جوہر وجود میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے؛

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، بڑھتی ہوئی آبادی ضرورتوں کی ایک فہرست ہمارے سامنے لاکھڑا کرتی ہے تو پھر انسانی ذہن ان ضرورتوں کی تکمیل کیلئے نئی راہیں نکالتا ہے، جدید تمدن نے جب تیز رفتار سواری اور باہمی قریبی رابطہ کی ضرورت محسوس کی، تو ذہن انسانی نے کائنات میں ودیعت کئے ہوئے قدرتی خزانوں کا انکشاف کر کے ایسی ایجادات کیں جس کی نظیر ماضی بعید میں ملنا مشکل ہے۔

پھر ہماری تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اگر ایک طرف آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا تو دوسری طرف اس بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وسائل معاش میں بھی چندہ و چند اضافہ رونما ہوا، چنانچہ ۱۸۸۰ء میں جرمنی کی کل آبادی ۴۵ ملین تھی اور اس وقت جرمنی معیشت کی تنگی کا شکار تھا۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے لیکن ۳۴ سال بعد جب جرمنی کی آبادی ۶۰ ملین ہوگئی تو اس وقت ان کے معاشی وسائل میں کئی سو گنا اضافہ ہوچکا تھا۔

اور ایسی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی کہ محض کسی ملک کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ اس قوم کی تباہی، پسماندگی اور اسے موت کے دلدل میں ڈال دینے کا ذریعہ بنا ہو۔

کیا وسائلِ معاش محدود ہیں؟

قرآن نے بڑے بلیغ الفاظ میں اس حقیقت کیطرف اشارہ کیا ہے کہ خزانہ خداوندی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ البتہ ذہنِ انسانی پر ان خزانوں کا انکشاف ہر عہد کی ضرورت کے مطابق محدود مقدار میں ہوتا رہا ہے۔

"وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ"۔

یعنی: اے انسانو! تمہارے لئے اور ان مخلوقات کے لئے جن کے روزی رساں تم نہیں ہو، ہم نے اس کائنات میں معیشت کے لامحدود وسائل رکھدیئے ہیں۔ ہمارے پاس ہر چیز کے لامحدود خزانے ہیں۔ البتہ ہم ان خزانوں کا انکشاف متعین اور محدود مقدار میں کرتے ہیں اور معیشت کا یہ سامان محدود معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

اس لئے وسائل معاش جو ہمیں محدود دکھائی دیتے ہیں یہ ہماری نظر کا دھوکہ ہے۔ فضل خداوندی جہد و عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ پیاسوں کو محروم نہیں لوٹاتا۔ ضرورت مندوں اور تلاش کرنیوالوں کو اپنے فضل سے سب کچھ دیتا ہے۔

قرآن نے اس کی ایک بڑی حکمت بھی بتائی ہے، کہ سامانِ معیشت کا محدود مقدار میں نزول ہی انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ورنہ یہ انسان جس میں بخل، روک لینے، جمع رکھنے اور کم ہو جانے کے ڈر سے ذخیرہ اندوزی اور ارتکاز و احتکار Concentration & Hoarding کا مادہ پایا جاتا ہے۔ ان غیر محدود وسائل کو پاکر اپنے آپے میں نہیں رہے گا اور اس طرح وہ دنیا میں آنیوالی آبادی کے حقوق کو بھی خود کھا جانے کی کوشش کریگا۔

"قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا"۔

یعنی: اے نبی! آپ، لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم رب کائنات کی رحمتوں کے غیر محدود خزانوں کے مالک بنا دیئے جاؤ تو کہیں خرچ نہ ہو جائے، اس ڈر سے اسے روک کر رکھنا شروع کر دو گے کہ انسانی فطرت میں ہی تنگدلی اور بخل پڑا ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن رزق کو قدرت کا عطیہ اور اللہ کا فضل قرار دیتا ہے اور اس کی کھوج اور تلاش کا انسان کو مکلف قرار دیتا ہے۔

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ"

یعنی نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل اور اس کی بکھیری ہوئی روزی کی تلاش میں لگ جاؤ۔

قدیم جاہلیت اور جدید جاہلیت

عرب جاہلیت بھی اولاد کی کثرت کو ایک بڑا خطرہ سمجھتے تھے اور معاشی تنگی، نیز افلاس کے خوف کے مارے اپنے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ عربوں کا اجتماعی شعور غالباً اس وقت اتنا بیدار نہیں ہوا تھا جتنا آج کی انسانی دنیا کا ہے۔ ورنہ عجب نہیں کہ قتل اولاد کا یہ انفرادی عمل پوری قوم کا منصوبہ بند اجتماعی عمل بن جاتا۔ فرق عرب کی قدیم جاہلیت اور عہد حاضر کی جدید جاہلیت میں بس اتنا ہی تو ہوا کہ وہ اجتماعی شعور اور کسی جماعتی ڈھانچہ کے فقدان کی وجہ سے اپنی انفرادی زندگی میں موہومہ افلاس کے مہیب سائے کا خوف کھا کر اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے اور آج اجتماعی شعور بھی بیدار ہو چکا ہے اور "ریاست" کی صورت میں قوم کا ایک اجتماعی نظام بھی موجود ہے۔ وہاں افراد کو اولاد کی کثرت کی وجہ سے افلاس، نیز آبادی اور وسائل معیشت کے درمیان عدم توازن کا خطرہ لاحق تھا۔ اور آج ریاست کو اپنی اجتماعی ہیئت کے ساتھ افلاس، تنگدستی اور معاشی عدم توازن کا شدید خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ اس لئے آبادی کو کم کرنے اور محدود کرنے کی ترکیبیں سوچی جا رہی ہیں۔ —— دونوں عمل کا پس منظر ایک ہی ہے۔ حاصل اور نتیجہ بھی ایک طریقہ کار میں تھوڑا سا فرق ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ قدیم جاہلیت علم و دانش اور سائنسی تحقیقات کے ہتھیاروں سے مسلح نہیں تھی اور کھلے قتل کے جرم کی مرتکب ہو رہی تھی آج کی جاہلیت علم و دانش کے ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ اناٹومی (علم تشریح الابدان) پر ان کی نگاہ ہے۔ توالد و تناسل کی سربستہ میکنزم سے وہ واقف ہے۔ اس لئے وہ ان رگوں پر بندھن لگا کر جن سے تولیدی جرثومے برآمد ہوتے ہیں، یعنی نس بندی کے ذریعہ اپنا مقصد پورا کر رہی ہے۔ اور اس طرح "وأد خفی" یعنی مخفی قتل کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہے۔ اس طرح مقصد اور نقطہ نظر ایک ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ وہاں ایک انفرادی عمل تھا جس نے آج منصوبہ بند اجتماعی عمل کی شکل اختیار کر کے جرم کی شناعت کو اور بڑھا دیا ہے۔

قرآن نے محض قتل اولاد کو منع نہیں کیا بلکہ اس عمل کے پیچھے چھپے ہوئے معاشی عدم توازن اور افلاس و تنگدستی کے موہوم خطروں کی صریح الفاظ میں مذمت کی ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا"

لوگو! اپنے بچوں کو افلاس و تنگدستی کے ڈر سے نہ مار ڈالو۔ ہم ہی انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔

اس طرح قرآن نے خدا کو روزی رساں بتا کر جس کی طاقت غیر محدود، اور جس کے وسائل لامتناہی ہیں، یہ بتا دیا کہ اس خدا کو فراموش کر کے موہوم افلاس کی ہیبت ناک تصویریں کھینچ کر انسانی آبادی کو محدود کرنے کی کوشش بڑا جرم ہے۔ طریقہ کار بدلتے رہ سکتے ہیں، لیکن جہاں بھی پس منظر میں اس طرح کے گمراہ کن خیالات پرورش پا رہے ہوں گے جرم کی شناعت اور شدت اپنی جگہ قائم رہے گی —— اور پھر کیا اس انسانی آبادی کو جسے پیدا ہونے سے پہلے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو، اپنے آباء و اجداد سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہوگا کہ انہیں کس جرم میں مار گیا۔ کیا محض اس قصور میں کہ تمہارے خیال میں ہم تمہارے حصہ کی روزی میں حصہ دار بن جاتے؟

• وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ؏

(جب مقتولہ پوچھے گی کہ اسے کس جرم کے بدلے قتل کیا گیا)

ظاہر ہے کہ موجودہ نسل انسانی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اور سوائے اعترافِ جرم کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

فکری گمراہی کا جال

دراصل آج کا انسان اپنے دل و دماغ کی کج روی اور ذہن و فکر کی گمراہی کے بنے ہوئے جال میں خود پھنس گیا ہے۔ وہ اس جال کو توڑنے کی ہمت نہیں پاتا۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن نکلنے کا راستہ نہیں پاتا۔ انسان نے رزق رسانی کی چادر خالق کائنات اور رب کائنات سے لے کر خود اوڑھ لینا چاہا ہے اور پھر اپنے کو مسئلے کے حل سے عاجز پاکر غیر فطری تحدید آبادی کی آڑ میں اپنا منہ چھپانا چاہتا ہے وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک انسان کے اس بلند بانگ دعوی کی کھلی ہوئی تکذیب ہے کہ وہ انسانی آبادی کے معاشی اور غذائی مسئلہ کو حل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور حقیقتاً یہ قدرت کے سامنے انسان کی شکست کا عملی اعتراف ہے۔

لوپ سے استقاط حمل تک

جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بات صرف دواؤں یا کسی خارجی آلہ کے استعمال کے ذریعہ یا نس بندی کے ذریعہ حاملہ ہونے پر روک لگانے تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ استقاط حمل کو قانونی جواز عطا کرنے کی حد تک جا پہونچی ہے ــــــ اپنی بے بسی سے جھنجھلایا ہوا انسان اس پر بھی تیار ہے کہ ہمارے معاشی وسائل میں حصہ بٹانے والے مستقبل کے انسان اگر ماں کے پیٹ میں جنم لے چکے ہوں تب بھی انہیں استقاط حمل کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینا جائز قرار پا چکا ہے ــــــ عرب کی جاہلیت اور اس جواز کے مطالبہ کرنیوالوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق تو رہا کہ وہ ماں کی گود سے بچہ چھین لیتے تھے۔ اور یہ ماں کے پیٹ سے بچہ چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس موقع پر مہاراشٹر کے سابق وزیر صحت مسٹر شانتی لال شاہ کی صدارت میں قائم ہونیوالی اس کمیٹی کی سفارشات کو نگاہ میں رکھنا چاہئے جس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ استقاط حمل پر جو پابندیاں قانوناً عائد ہیں، انہیں نرم کر دیا جائے اور ایسی عورتوں کو حمل گرانے کی اجازت دی جائے جو لوپ کے استعمال کے باوجود حاملہ ہو گئی ہوں؎۔

یہ تو خیر پرانی بات ہے۔ جو لوگ اخبارات پر نگاہ رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ استقاط حمل کے جواز کے لئے پچھلے چند برسوں میں کتنی زور دار وکالت کی گئی ہے۔

ان حالات میں نہیں کہا جا سکتا کہ استقاط حمل کی کوششوں میں بھی اگر ناکامی ہو جائے تو یہ ماؤں کے پیٹ سے بچہ چھین لینے والے، کیا ماؤں کی گود سے بچوں کو چھننے میں کوئی عار محسوس کریں گے؟

؎ روزنامہ ملک و ملت دہلی۔ مورخہ ١١/١/٦٦ء

مسئلہ کا اصل حل

بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونیوالے مسائل کا حل یہ ہرگز نہیں ہے کہ ولادت پر پابندیاں عائد کر دی جائیں، کیونکہ کھانیوالوں کی کمی کے ساتھ ساتھ مستقبل میں کمانیوالوں اور وسائل معاش کے مخفی خزانوں کی کھوج لگانیوالے بہت سے قیمتی افراد کی بھی کمی کا اندیشہ ہے۔

اصل حل یہ ہے کہ انسان اپنے گمراہ ذہن کے بنے ہوئے جال کو توڑ کر باہر نکلے۔ اپنی جس بے بسی پر وہ جھنجھلایا ہوا ہے، اس کا اعتراف کر کے رب کائنات پر یقین اور تقوی کا راستہ اختیار کرے۔ پھر اس پر فضل خداوندی سے خود بخود ایسی راہیں منکشف ہوں گی جو اس کے وہم و خیال سے بھی بالاتر ہوں گی۔

• وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ

یعنی جو اللہ کا تقوی اختیار کرے گا اللہ اس کیلئے (تنگیوں سے) نکلنے کا راستہ پیدا کرے گا اور ایسے راستوں سے اسے روزی دے گا جس کا گمان بھی انسان کو نہیں ہو سکتا ہے۔

دوسری بات یہ، کہ فرد، خاندان یا قوم کی معاشی منصوبہ بندی کرتے وقت اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اور فضول خرچی سے پرہیز، نیز وسائل معاش کی منصفانہ تقسیم اور مخصوص افراد یا گروہوں میں دولت کے ارتکاز کو روکنا انسان کی معاشی دشواریوں کا بہترین حل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جس آیت میں افلاس اور معاشی عدم توازن کے ڈر سے اولاد کو قتل کر ڈالنے سے منع کیا ہے، ٹھیک اس سے پہلے کی آیتوں میں رشتہ داروں، سماج کے کمزور طبقات (مساکین اور مسافرین) کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور فضول خرچی نیز اپنی معاشی قوت کو غیر ضروری اور نمائشی کاموں پر صرف کرنے سے منع کرتے ہوئے خرچ میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے اور ٹھیک اس کے بعد یہ فرمایا گیا کہ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو ــــــ واضح ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہماری معاشیات کی بنیاد کمزور طبقات کی کفالت، فضول خرچی، نمائش اور اسراف سے پرہیز، خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی صحیح قدر اور اپنے بجٹ میں مصارف کو متعین کرتے وقت اعتدال اور میانہ روی ــــــ پر رکھی جانی چاہئے۔

• وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْہُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْہَا فَقُلْ لَّہُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْہَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا ۢ بَصِیْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُہُمْ وَاِیَّاکُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَہُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ۝

یعنی رشتہ دار، مسکین و مسافر کو اس کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو، فضول

خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اس طرح گویا فضول خرچی رب کی دی ہوئی نعمتوں کی بے قدری اور ناشکری کے مرادف ہے، اگر ان سے (ضرورتمندوں سے) تم اعراض کرنا چاہتے ہو اپنے رب کی اس رحمت کی تلاش کی بنیاد پر جس کے تم امیدوار ہو تو انہیں نرم جواب دیدو (اگر کسی وقت تم مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اور آئندہ حالات کی استواری کا انتظار کرنا چاہتے تو تب بھی تمہارے لہجہ میں نرمی رہنی چاہئے) اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ نہ رکھو اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور حسرت کا شکار ہونا پڑے۔ (نہ بخل اختیار کرو کہ یہ باعث ملامت ہے اور نہ اسراف، کہ فضول خرچ آخر میں حسرت و افسوس کا شکار ہوتا ہے) اور بیشک تیرا رب جس کیلئے چاہتا ہے روزی میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگی۔ اور بیشک وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے اور وہ سب اس کی نگاہوں میں ہیں۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کر ڈالو۔ ہم ہی ان کو روزی دیں گے اور تم کو بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور دوسری جگہ قرآن نے مخصوص طبقات میں دولت کے ارتکاز کو ناپسند فرمایا اور مال فئی کا ذکر کرتے ہوئے مختلف طبقات اور سماج کے کمزور طبقوں میں اس کے تقسیم کئے جانے کی حکمت یہ بتائی کہ اسطرح دولت سرمایہ داروں کے بیچ گھر کر نہیں رہ جائے گی۔

- کَیْلَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ۔۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زکوۃ فرض کی۔ وراثت کے ذریعہ مال کو تقسیم کیا۔ دوسری قانونی و اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ دولت کے ارتکاز کو روکا۔

تیسری چیز مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں ضروری یہ ہے کہ انسان اپنی قیمتی صلاحیتیں نئے نئے وسائل معاش کی کھوج میں صرف کرے۔ لایعنی اور بے فائدہ کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنا عقلی جوہر اور اپنی جسمانی قوت پوری انسانیت کی فلاح کے لئے ان معاشی وسائل کی تلاش پر لگائے جو نگاہوں سے مخفی ہیں اور جن کی بازیافت انسانی آبادی کی راحت کا ذریعہ بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ رزق کی تلاش کی ترغیب دی ہے اور اس سلسلے میں کی جانیوالی محنت کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وسائل معاش کی تلاش و جستجو میں مشغولیت کو جہاد فی سبیل اللہ کے بعد سب سے زیادہ محبوب قرار دیا ہے۔ قرآن نے نماز تہجد میں تخفیف کے سلسلہ میں بیماری اور جہاد کے عذر کے ساتھ ساتھ رزق کی تلاش میں کئے گئے سفر کو بھی ذکر کیا ہے۔

- علم ان سیکون منکم مرضی و اٰخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ و اٰخرون یقاتلون فی سبیل اللہ فاقرءوا ما تیسر منہ ۔۔

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے۔ دوسرے کچھ لوگ اللہ کے فضل (روزی) کی تلاش میں سفر پر ہوں گے اور کچھ لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوں گے پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک غلہ لے جا کر اس روز کے عام نرخ پر فروخت کرنیوالا اللہ کے یہاں مرتبہ والا شمار ہوگا۔ؒ

حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ حالت جہاد کی موت کے بعد مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ موت ہو سکتی ہے جو اللہ کی روزی تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑ کی گھاٹی میں آجائے۔ؒ

خلاصہ یہ ہے کہ انسانی آبادی کے اضافہ سے پیدا ہونیوالی معاشی الجھنوں کا حل انسانی آبادی کی تحدید کے غیر فطری طریقوں کو اختیار کرنا نہیں، بلکہ وسائل معاش کے اضافہ کی جدوجہد ہے۔

دوسرا مسئلہ

اعلیٰ معیار زندگی کو خطرہ

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ غور کرنے کی ہے کہ معیار زندگی۔ خود کوئی واضح اور متعین معیار رکھتا ہے یا نہیں۔ کیا اس کیلئے کوئی ایسا پیمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے جو ہر زمانہ میں، ہر سوسائٹی اور ہر ملک میں یا کم سے کم ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں اور طبقات میں برابری کے ساتھ موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے معیار زندگی ایک اضافی Relative حقیقت ہے۔ ہر دور میں اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ ہر سوسائٹی اپنے لئے نئے معیار وضع کرتی ہے۔ ہر شخص خوب سے خوب ترکی تلاش میں مشغول ہے۔ ہر خاندان اپنے موجودہ معیار زندگی کو کمتر اور پست محسوس کر کے بہتر اور بلند تر معیار کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتیں تو متعین ہیں لیکن اپنی زندگی کے لئے خود اپنے بنائے ہوئے پیمانوں، اپنی آرزوؤں کی تکمیل اور اپنے حسین خوابوں کی تعبیر دیکھنے کیلئے بے چین انسان، اپنی تمناؤں کا ایسا شیش محل تیار کرتا ہے جہاں اسے عیش و نشاط کی چیزیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں نظر آنے لگتی ہیں ———

اسطرح یہ بات خطرناک ابہام کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے کہ آخر انسان کون سے معیار زندگی کے حصول کیلئے آنیوالی انسانی آبادی کو پیدائش سے روک دینا چاہتا ہے ——— اور اس کا مطلب تو یہی نکلا کہ جب سالانہ فی کس سو روپے اوسط آمدنی رکھنے والی آبادی اگر فراغت کی زندگی گذارنے کے لئے کم سے کم اولاد رکھنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو ایک لاکھ روپے فی کس اوسط آمدنی والی قوم کو بھی اسکی اجازت ملنی چاہئے کہ وہ اپنے موجودہ معیار زندگی کو جو تعیشات سے بھرپور ہے قائم رکھنے یا مزید تعیشات حاصل کرنے کی راہ میں مزید اولاد کو رکاوٹ محسوس کرتی ہے تو وہ بھی نسل انسانی کی تحدید اور ضبط تولید پر عمل پیرا ہو ——— کیا یہ صورتحال کھلی ہوئی خود غرضی، بدترین اخلاقی گراوٹ اور الجھنوں کی طرف سے چھلوں پر صریح

ؒ ابن مردویہ۔ ؒ بیہقی فی شعب الایمان۔

ظلم نہیں ہے، کیا ایثار و قربانی کے جذبات سے محروم اور اپنی ہوس کی تکمیل میں منہمک یہ انسان "انسان" کہلانے کا مستحق ہے، اور کیا ایسی صورت میں اہم اعلیٰ انسانی اقدار کے قاتل نہیں قرار دیئے جائیں گے۔ — حقیقت یہ ہے کہ معیار زندگی کو قبلۂ مقصود بنا کر انسانی نسل کشی کو جائز قرار دینا ایک تاریخی جرم ہوگا۔ اور کسی طرح انسانیت کے لئے اسے فال نیک نہیں کہا جاسکتا۔

تیسرا مسئلہ

عورتوں کی صحت و تندرستی کو خطرہ

بلاشبہ یہ بات اہم اور قابل توجہ ہے کہ کسی عورت کی صحت اگر تجربہ کار طبیبوں کی نگاہ میں اس لائق نہیں ہے کہ وہ حمل اور ولادت کے دشوار گذار مرحلوں سے گذر سکے اور اس کی جان کو خطرہ یا کسی بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس عورت کو ایسے جائز طریقوں کے استعمال کی رائے دی جاسکتی ہے جو اس کی صحت جسمانی اور جان بچانے کے لئے ضروری اور مناسب ہوں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ انفرادی معاملہ Individual Case ہمہ گیر قومی منصوبہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عورتیں اپنی صحت جسمانی، قوت برداشت اور جسمانی صلاحیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ممکن ہے، ایک عورت ایک بچہ کی بھی ولادت کو برداشت نہ کر سکے — اور یہ تو آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بعض عورتیں متعدد اولاد کی پیدائش کے بعد بھی تندرست و توانا باقی رہتی ہیں، ایسی حالت میں اس شخصی ضرورت کو عمومی شکل دینا کس طرح قرین عقل ہو سکتا ہے، اور کیا وجہ ہے کہ وہ عورت جو دس بچے پیدا کر سکتی ہے اور اس کی صحت و تندرستی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسے تین اولاد کا پابند کر دیا جائے — صاف ظاہر ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے غیر فطری عمل کو سند جواز عطا کرنے کیلئے تنکوں کو سہارا ڈھونڈھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخری بات

خاندانی منصوبہ بندی کے منفی حل پر اپنا وقت، اپنی قوت اور اپنا سرمایہ ضائع کرنے کے بجائے اور اس کے جواز کیلئے کمزور دلیلوں کی تلاش کے بجائے ہمیں یہ چاہئے کہ زراعت، بنجر زمینوں کو پیداوار کے لائق بنانے، آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے، غلہ کے ساتھ ساتھ دوسری قسم کی غذاؤں کی نشو و نما اور دیگر وسائل معاش کی یافت پر توجہ دیں اور معاشرہ میں فرض کا احساس، ایمانداری اور خدا ترسی کے جذبات پیدا کریں، عیش و عشرت کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کو روکیں، خوب سے خوب تر کی تلاش کے جذبا کو زندہ درگور کریں، اور توکل، صبر و شکر کے جذبات کو ترقی دیں کیونکہ یہی ہماری مشکلات کا اصل حل ہے، اور ملک و قوم کی بھلائی کے نام پر جو غلط ڈگر اختیار کر لی گئی ہے اس سے واپس لوٹ کر صحیح راستہ اختیار کیا جائے ہمارا ملک جمہوری ملک ہے — یہاں عقیدہ اور یقین کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ کسی بھی شخص کو اپنے عقیدہ سے پھرنے اور اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف عمل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا — پھر اس کی کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اس ملک کے شہریوں کو کسی ایسے عمل پر مجبور کیا جائے جو نہ صرف مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، بلکہ خود انسانیت اور اس کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بنیادوں کو منہدم کر دینے والا ہے — اس لئے ہمارے نزدیک خاندانی منصوبہ بندی، علمی اور عقلی بنیادوں پر اور مذہب کی روشنی میں ایک غلط منصوبہ ہے۔ خواہ اس کیلئے نس بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے، یا استقاط حمل کا، یا کوئی اور ذریعہ تلاش کیا جائے۔

اس وقت خاندانی منصوبہ بندی کی پوری اسکیم سمٹ کر نس بندی میں آگئی ہے جس پر پورا زور دیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ محترمہ وزیر اعظم ہند اور وزیر منصوبہ بندی کے اس اعلان کے باوجود کہ اس اسکیم میں زور زبردستی نہیں کی جائے گی جبر و تشدد کے واقعات بھی پیش آ رہے ہیں، ہمیں اس طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ یہ نس بندی رد کیا ہوا منصوبہ Rejected Formula ہے، جو ملک مہذب، خوش حال اور ترقی یافتہ کہلاتے ہیں ان میں سے بہتوں میں نس بندی ممنوع قرار دی جا چکی ہے۔ ماہنامہ "الفرقان" تیسرا انتخاب نمبر اپریل، مئی، جون ۶۷ء میں "نگاہ اولین" کے عنوان کے تحت اس مسئلہ پر دو چار صفحے لکھے گئے ہیں اسے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"ہماری اس دنیا کے بہت سے ملکوں کا حال یہ ہے کہ ان کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے، جس کی وجہ سے ان کے ارباب حکومت ہراساں اور فکر مند ہیں کہ اگر آبادی میں اضافہ کی یہی رفتار رہی تو مستقبل میں سخت مشکلات پیش آئیں گی اور پوری آبادی کے لئے زندگی کی ضروریات پوری نہ کر سکیں گی۔ اس لئے قریب قریب ان سب ملکوں میں سرکاری سطح پر یہ کوشش کسی نہ کسی درجہ میں ہو رہی ہے کہ آبادی کے اضافہ پر کنٹرول کیا جائے، اور ایسی تدبیریں عمل میں لائی جائیں جن کے نتیجہ میں آبادی میں اضافہ بے حساب اور غیر متوازن نہ ہو — فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) اسی کوشش کا عنوان ہے — ہندوستان و پاکستان بھی انہی ملکوں میں سے ہیں اور خاصی طویل مدت سے ان دونوں ملکوں میں یہ کوشش جاری ہے اور اس مد پر ان کا کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن ابتک ان کوششوں کا انداز صرف ترغیبی رہا ہے۔

ہمارے ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد سے جب بہت سے سرکاری کاموں کی تیز رفتاری آئی تو خاندانی منصوبہ بندی کے اس کام کو بھی تیزی سے چلانے اور مقررہ نشانے تک جلدی پہونچ جانے کی کوشش شروع ہوئی اور اس کے لئے خاص طور پر "نس بندی" کے طریقہ پر زور دیا جانے لگا، جو ایک طرح کا آپریشن ہے۔

اگرچہ مرکزی حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں — جہاں تک ہمیں معلوم ہے — جبر و زبردستی کا رجحان ظاہر نہیں کیا گیا ہے لیکن بعض ریاستی حکومتوں کی طرف سے دو یا تین بچوں کے بعد جبریہ نس بندی اور اس کے قانونی لزوم اور خلاف ورزی کی صورت میں قید اور بھاری جرمانے تک کے اعلانات اور بیانات اخباروں میں آئے اور ملک کے مختلف حصوں میں ایسے واقعات بھی اس سلسلہ میں ہوئے کہ ان کی شہرت ہوئی جس کی وجہ سے بہت سے مقامات کے عوام میں

ایک عجیب طرح کی وحشت اور سراسیمگی اور حکومت کے خلاف سخت ناراضی اور بیزاری کی فضا پیدا ہو گئی اور ہم جیسوں نے محسوس کیا کہ ایمرجنسی کے اقدام سے اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں کمی اور عوام کے لئے دوسری بہت سی سہولتیں پیدا ہونے کی وجہ سے حکومت اور حکومتی پارٹی کانگریس پر ان کے اعتماد میں جو اضافہ ہو گیا تھا جبریہ نس بندی سے متعلق بعض ریاستوں کے اعلانات اور اس سلسلہ کے واقعات کی شہرت نے اس کو بہت نقصان پہونچایا۔

ہم کو حیرت تھی کہ اس کھلی ہوئی حقیقت کو کیوں نہیں محسوس کیا جا رہا ہے کہ نس بندی کو قانون کے ذریعہ لازم قرار دینا اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ اس پر جبری عمل درآمد کا اقدام غیر تعلیم یافتہ یا کم تعلیم یافتہ عوام، کسانوں، مزدوروں اور دیہات کے باشندوں کو جن کی تعداد ملک میں یقیناً بہت زیادہ ہے ——— حکومت اور کانگریس سے کس قدر دور کر دے گا اور مخالف عناصر کے ہاتھ میں کیسا کارگر ہتھیار دیدے گا اور سیاسی لحاظ سے یہ سودا کس وقت کتنا مہنگا پڑے گا!

خدا کا شکر ہے کہ اخباری روایت کے مطابق ۳۰ اپریل کو وزیر اعظم نے کنبہ بندی کی اہمیت اور ضرورت پر حکومتی نقطۂ نظر سے زور دینے کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرمادی کہ "اس سلسلہ میں جبر خارج از ممکنات ہے" (قومی آواز لکھنؤ یکم مئی ۱۹۷۶ء)

امید ہے کہ اس کے بعد ملک کی کسی ریاست میں بھی یہ غلطی نہیں کی جائے گی اور اگر کی گئی تو یقیناً ناقابل تلافی نقصان پہونچے گا ——— یہ کوئی باریک سیاسی نکتہ اور مشکل سے سمجھ میں آنیوالا منطقی فارمولا نہیں ہے، بلکہ عوام کے حالات اور ان کے احساسات سے واقفیت رکھنے والوں کیلئے آنکھوں سے نظر آنیوالی حقیقت ہے۔ اسی مسئلہ (خاندانی منصوبہ بندی اور اس کیلئے نس بندی) سے متعلق صوبہ یو۔پی کے سابق وزیر اعلیٰ آنجہانی سمپورنانند جی کے چھوٹے بھائی مسٹر پری پورنانند ورما کا ایک مکتوب لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ "پائنیر" کے شروع مئی کے ایک شمارہ میں شائع ہوا ہے، جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو اس مسئلہ سے متعلق بعض اہم نکتوں کیطرف توجہ دلائی گئی ہے۔ موصوف نے اس میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی لکھا ہے۔

میری گذارش یہ ہے کہ ہماری حکومت Vasec Tomy

(نس بندی) کے عمل پر آخر اتنا زور کیوں دے رہی ہے؟ کیا ہمارے علم میں یہ تازہ ترین سائنٹفک حقیقت نہیں آچکی ہے کہ یہ آپریشن دماغ کو کند کر دیتا ہے Pitoitary Glands (پیٹیوٹری گلینڈز) کو متاثر کرتا ہے، اور اس کے اثرات مابعد بہت ضرر رساں ہوتے ہیں یورپ میں اور دنیا کے دوسرے متعدد ملکوں میں یہ عمل صرف زیادہ عمر والوں کے لئے مخصوص رہتا ہے جو اپنی مردانہ قوت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں، اس قسم کا آپریشن اگرچہ قوت مردانگی کو کچھ عرصہ کیلئے بڑھا دیتا ہے، لیکن آگے چل کر اس کے اثرات اتنے ضرر رساں ہوتے ہیں کہ اب ہندوستان کے سوا ہر ترقی یافتہ ملک نے اسکے استعمال کو خیرباد کہہ دیا ہے، یہاں تک کہ متحدہ امریکہ، کناڈا، فرانس اور سوویت روس میں Vasec Tomy (نس بندی) کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔

مسٹر پری پورنانند ورما کا یہ انتباہ یا مشورہ ملک اور عوام کے خیر خواہوں کے لئے ہرگز نظر انداز کر دینے کے لائق نہیں ہے۔

فیملی پلاننگ اور بالخصوص اس شکل -نس بندی- کے آپریشن سے متعلق خاص کر مسلمانوں کے سامنے جو اسلامی شریعت کی پیروی اور پابندی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں یہ سوال بھی آتا ہے کہ ہماری شریعت میں یہ جائز بھی ہے یا نہیں؟

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسلامی شریعت کے ماہرین اور مستند اصحاب فتویٰ کی عام رائے اس بارے میں یہ ہے کہ کسی شخص کیلئے اپنے خاص حالات اور اپنی جائز مصلحت کی بنا پر یہ تو جائز ہے کہ اولاد کی تعداد کو محدود رکھنے کیلئے وہ عزل یا کسی اور جائز مانع عمل تدبیر یا دوا کا استعمال کرے، مگر اس مقصد کیلئے نس بندی جیسے عمل جراحی کے ذریعہ تولیدی صلاحیت ہی سے اپنے آپ کو محروم کر لینا (جو اس کے خالق و پروردگار کا ایک خاص عطیہ ہے اور جس سے بہت سے مقاصد وابستہ ہیں) جائز نہیں ——— بہرحال نس بندی کو لازمی قرار دینے کا مسئلہ اس لحاظ سے بھی قابل غور ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حکومتوں کے ذمہ داروں سے جو آبادی کے اضافہ سے ہراساں اور فکر مند ہیں اور اس کی وجہ سے "خاندانی منصوبہ بندی" کو ناگزیر سمجھتے ہیں ——— اگر ہماری کمزور آواز کسی طرح ان تک پہونچ سکے ——— یہ بھی عرض کریں گے کہ وہ انسان کی اجتہادی و ایجادی صلاحیت اور کارکردگی، اور زمین کی مزید پیداواری صلاحیت سے کیوں مایوس ہیں، انہوں نے کیوں اور کس دلیل سے یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان زمین سے پیداوار حاصل کرنے کیلئے آج جو طریقے اور ذرائع کا استعمال کر رہا ہے آئندہ اس میں اب کوئی ترقی نہ ہوگی، اور زمین سے آج جو پیداوار حاصل کی جارہی ہے اس سے زیادہ حاصل ہی نہ کی جاسکے گی؟

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف گذشتہ دس پندرہ برسوں میں خود ہمارے ملک میں پیداوار بڑھانے کی صلاحیت میں اور پہلے سے زیادہ پیداوار زمین سے حاصل کرنے میں کتنی ترقی ہوئی ہے اور برابر ہو رہی ہے، جن کھیتوں میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ من فی بیگھہ گیہوں پیدا ہوتا تھا اب ان میں پندرہ من تک پیدا ہو رہا ہے، جن کھیتوں سے سال میں صرف ایک فصل لی جاتی تھی اب ان سے تین تین فصلیں لی جارہی ہیں اور اس سے زیادہ کے امکانات سامنے ہیں اور زمین کے علاوہ سمندر میں بھری ہوئی بے حد و حساب خوراک کو اپنی گرفت میں لینے اور قابل استعمال بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں، پہلے کپڑا صرف کپاس یا اون یا ریشم سے تیار ہوتا تھا، اب طرح طرح کے مصنوعی ریشوں سے خود اپنے ملک میں کپڑے تیار ہو رہے ہیں اور ہمارے بازار ان سے پٹے پڑے ہیں، زمین کی پیداوار جدید ترین طریقوں سے دس بیس گنے تک بڑھ جانے کے امکانات نظر آرہے ہیں، اور ترقی یافتہ ملکوں نے ان امکانات کو بڑی حد تک یقینی بنا دیا ہے۔ ان حالات میں آبادی کے بڑھنے سے فکر اور گھبراہٹ کا کیا جواز ہے؟

کافی عرصہ ہوا ملک کی عظیم شخصیت "ونوبا بھاوے جی" نے اس مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

"آدمی کا جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کھانے کے لئے اگر ایک منہ لیکر آتا ہے

مسلم پرسنل لا

آزاد ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کی تاریخ کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ مسلم پرسنل لا کنونشن (بمبئی) پر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو کنونشن کے بعد شروع ہوا اور اب تک چل رہا ہے۔ اس تاریخ کا پہلا حصہ اس لئے اہم ہے کہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے قوانین بنائے گئے جن سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوا اور مسلم پرسنل لا کے متعلق حکومت کا ذہن سامنے آیا۔ تاریخ کے دوسرے حصے کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں مسلم پرسنل لا کے متعلق مسلمانوں نے عام بیداری کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں، طبقوں اور جماعتوں کے ذمہ داروں نے متحدہ طور پر اپنی پالیسی کا اعلان کیا اور مسلم پرسنل لا کی حفاظت اور اسے سرکاری دستبرد سے بچانے کے لئے عملی جد و جہد کا آغاز کیا۔

مسلم پرسنل لا کی تاریخ کا یہ دوسرا عہد بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے عہد میں مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ دینی معاملے پر پہلی بار یکجا ہوا۔ اور اس نے اپنا دین، اپنی شریعت، اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کیلئے تعمیری کاموں کی ابتداء کی اور مسلمانوں کے تمام فرقوں، طبقوں اور جماعتوں پر مشتمل ایک "بورڈ" بنایا تاکہ دین و شریعت، تہذیب و ثقافت کا یہ محافظ قافلہ پوری یکجہتی، اولوالعزمی اور دشواریوں پر قابو پاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے!

مسلمانوں کی اس متحدہ کوشش کے اثرات پورے ملک میں محسوس کئے گئے اور مسلم پرسنل لا کنونشن (بمبئی) کے ختم ہوتے ہی مسلسل ایسے بیانات آنے شروع ہو گئے جن کا مطلب یہ تھا کہ "حکومت ہند مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی" اس طرح کے بیانات کے بار بار آنے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ کنونشن اور پھر "مسلم پرسنل لا بورڈ" کی کوششوں کو حکومت کے ذمہ داروں اور سیاسی جماعتوں نے پوری اہمیت دی اور اپنی طرف سے صفائی کرنے کی ضرورت سمجھی۔ عوامی جلسوں میں کی گئی اس طرح کی تقریروں اور اخباری بیانات کی جب اچھی خاصی اشاعت ہو گئی تو بعض مخصوص قسم کے لوگوں نے مسلم پرسنل لا کے مسئلے کو ایک دوسرا رخ دینا چاہا ہے۔ وہ ان بیانات پر اپنے پورے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ حکومت کے ذمہ داروں اور بالخصوص وزیر اعظم ہند کی بار بار یقین دہانیوں کے بعد مسلم پرسنل لا کا مسئلہ حل ہو چکا ہے اب مسلمانوں کو اس مسئلے میں پورے طور پر مطمئن ہو جانا چاہئے اور انہیں حکومت کے خلاف خواہ مخواہ محاذ آرائی کی کوشش ختم کر دینی چاہئے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہنا بھی ضروری سمجھا کہ "تازہ ترین یقین دہانیوں کے بعد پھر مسلم پرسنل لا کے متعلق کوئی کوشش فرقہ پرستی ہے" لیکن یہ حقیقت ہے کہ:

۱۔ یہ بیانات مسلمانوں کے اطمینان کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔
۲۔ مسلم پرسنل لا کے لئے جد و جہد "فرقہ پرستی" نہیں ہے۔
۳۔ مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلمانوں کی اس مسئلہ کے متعلق عام بیداری "حکومت کے خلاف محاذ آرائی" نہیں ہے۔

حکومت کے وعدے اور یقین دہانیاں

آزادی کے بعد سے اب تک مسلم پرسنل لا اور مسلمانوں کے دوسرے مسائل کے بارے میں حکومت کے ذمہ داروں اور تمام وزرائے اعظموں کا جو طرز عمل رہا ہے اس نے مسلمانوں کو اس پوزیشن میں نہیں رکھا کہ وہ عوامی جلسوں کی تقریروں اور اخباری بیانات پر اعتماد کر سکیں۔ اس پورے عرصہ میں عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی اتنی مثالیں جمع ہو گئی ہیں جن کے ڈھیر کو وزیر اعظم اور دوسرے ذمہ داروں کے وہ بیانات ہلا بھی نہیں سکتے جو مسلم پرسنل لا کے متعلق چند ماہ میں دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی اہم مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے حل کی پوری یقین دہانی ذمہ داروں نے نہ کی ہو لیکن وہ سارے مسائل حکومت کی تمام ہمدردیوں اور وعدوں کے باوجود جہاں تھے وہیں ہیں۔ مسئلہ جان و مال کے تحفظ کا ہو، ملازمت یا تعلیم کا ہو، زبان و تہذیب کا ہو یا مسلم پرسنل لا کا، مسلم یونیورسٹی اور اردو کا! آخر وہ کون سا مسئلہ ہے جس کی حفاظت اور پھلنے پھولنے کا موقع دینے کی "ضمانت" دستور ہند نے نہیں دی ہے، یا جس کے حل کرنے کی پوری یقین دہانی حکومت نے نہیں کی ہے، لیکن یہ ساری یقین دہانیاں اور جس طرح کے سارے بیانات اقدام اور عمل کی گھڑیوں میں کبھی حکومت کے ذمہ داروں کو یاد نہیں آتے جس کے نتیجے میں اگر یہ کہا جائے تو واقعات کی غلط تعبیر نہ ہو گی کہ مسلمانوں کے مسائل پر بیانات اور یقین دہانیوں کے پردے اس لئے ڈالے جاتے ہیں تاکہ انہیں حل نہ کیا جائے اور انہیں سلجھانے کی بات اس لئے کہی جاتی ہے تاکہ وہ مسائل مزید الجھائے جا سکیں۔

حکومت کا انداز فکر

اس مسلم پرسنل لا کے متعلق بار بار وعدے کئے گئے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ "دستوری ضمانت" دی گئی اور دستور کی دفعہ نمبر ۲۵ کے تحت (جس کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے) ہندوستانی شہریوں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ مگر یہ کھلی حقیقت ہے کہ حکومت کے ذہن میں مسلم پرسنل لا کو بدلنے کا خاکہ رہا ہے جس کا اندازہ ہندوستان کے وزرائے قانون کے بیانات سے آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے ـــــ مثلاً ہندو پرسنل لا کو جب (۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۶ء میں) نئی شکل دی جا رہی تھی، اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا کہ:

"ہم نے اپنے آئین کے نفاذ یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد سول میرج ایکٹ اور ہندو میرج ایکٹ پاس کئے ہیں۔ اب ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے۔ یہ سب ضابطہ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں" (۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کی ریڈیائی تقریر)

مسٹر پاٹسکر نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ضابطہ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات کے سلسلے میں سب سے پہلے ہندوؤں کا نمبر کیوں آیا؟ اور پورے ملک میں یکساں سول کوڈ کس طرح نافذ کیا جائے گا؟ انہوں نے ایک پریس کو خطاب کرتے ہوئے اس پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی تھی۔

"ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی۔ اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہوگئے جو ہماری پچاس فیصدی آبادی کیلئے ہو تو باقی آبادی پر اسے نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی۔ ایک مرتبہ اگر آبادی کی اکثریت اس قانون کی ضرورت تسلیم کرے تو دوسرے طبقے پر اسکا نفاذ مشکل نہ ہوگا۔"

مسٹر پاٹسکر کا یہ بیان انکی انفرادی رائے نہیں ہے۔ بلکہ حکومت کے ذمہ داروں کے انداز فکر کی بھرپور ترجمانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں بھی بار بار مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ زیر غور آیا اور ۱۹۶۳ء میں حکومت نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی پر غور و فکر اور اس کی عملی راہوں کی تلاش کیلئے ایک کمیشن مقرر کرنا چاہا مگر مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ کمیشن مقرر نہیں کیا گیا، اور وقتی طور پر یہ مسئلہ سرد خانہ میں ڈالدیا گیا۔ حکومت کی اس کارروائی کو مرکزی وزیر قانون نے یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ "حکومت اسوقت مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی ہے۔" (۲۴ر اگست ۱۹۶۳ء کو لوک سبھا میں تقریر) یہ مسئلہ اسوقت ٹھنڈا پڑ گیا مگر خود وزیر قانون کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ یہ مسئلہ ختم نہیں ہوا تھا اور ۱۹۷۲ء میں Adoption of children bill (متبنیٰ بل) پیش کرتے ہوئے مرکزی وزیر قانون مسٹر گوکھلے نے ایک بار پھر اسی خاموش پالیسی کو ظاہر کر دیا جو آزادی کے بعد سے ابتک حکومت کے ذمہ داروں کے ذہن میں رہی ہے۔ مسٹر گوکھلے نے بل پیش کرتے ہوئے کہا کہ

"یہ مسودہ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف ایک مضبوط قدم ہے۔" (پارلیمنٹ میں تقریر) مارچ ۱۹۷۲ء میں بنگلور کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے لا کمیشن کے چیئرمین مسٹر گجندر گڈکر (سابق جسٹس آف انڈیا) نے بڑی وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں یکساں سول کوڈ پر مفصل تقریر کی اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ "مسلمانوں کو یکساں سول کوڈ قبول کرنے کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا چاہئے۔" انھوں نے اپنے حدود سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہدیا کہ "اگر انہوں نے خوش دلی کے ساتھ یہ تجویز منظور نہیں کی تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کیا جائے گا۔"

مختلف زمانہ کے وزراء قانون اور قانون سازوں کے اسطرح کے بہت سے بیانات جو پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر دیئے گئے ہیں پورے طور پر حکومت کا انداز فکر سامنے لاتے ہیں اور مسٹر کے۔ ایم منشی کا یہ جملہ یاد آتا ہے۔

It was the desire of the framers of the constitution
To divorce religion from personal law.'
From directive principles in the constitution.
By K. C. Merkanden page 195.

یعنی دستور بنانے والوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ مذہب کو پرسنل لا سے طلاق دلوادی جائے

حکومت کا طرزِ عمل

حکومت کے اس انداز فکر کیوجہ سے برابر مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی کا مسئلہ اٹھتا رہا اور اگرچہ ابتک حکومت نے براہ راست مسلم پرسنل لا کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ مگر متعدد ریاستی مجالس قانون ساز اور پارلیمنٹ میں ایسی تجویزیں پیش کی گئی ہیں جن سے بالواسطہ مسلم پرسنل لا پر اثر پڑا ہے اور حکومت نے ایسے کئی سرکلر جاری کئے ہیں جن سے مسلم پرسنل لا کے بعض حصوں میں کانٹ چھانٹ ہوئی ہے۔ مثلاً

۱۔ حکومت کے ملازموں پر پابندی عائد کی جاچکی ہے کہ وہ حکومت کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتے۔ مسلم اور غیر مسلم بھی اس سرکلر کے پابند ہیں اس کے نتیجہ میں مسلم پرسنل لا کا وہ حصہ جو قانون ازدواج سے متعلق ہے۔ متاثر ہوا ہے۔

۲۔ متبنیٰ بل Adoption of children bill (۱۹۷۲ء) پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ اور ابتک اس بل کا معاملہ چل رہا ہے نہ حکومت نے اسے واپس لیا ہے اور نہ اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ یہ بل مسلم پرسنل لا کی روح کے بالکل خلاف ہے اور مسلم پرسنل لا کی متعدد دفعات کو مجروح کرتا ہے[۱]۔ قانونی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ بل حقیقت میں مذہبی اقلیتوں کیلئے لایا گیا ہے ورنہ ہندوؤں کیلئے Hindu Adoption and Maintenance Act 1956. موجود ہے جس میں ان کیلئے کسی کو گود لینے کے متعلق قوانین موجود ہیں جب یہ بل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے اقلیتی فرقوں کیلئے ہے تو پھر سب سے بڑی مذہبی اقلیت اس قانون سے زیادہ متاثر ہوگی[۲]۔

۳۔ ابھی ایک "بل" نیا ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء پارلیمنٹ میں لایا جارہا ہے جسکا تعلق مطلقہ کے نان و نفقہ سے ہے۔ مسلم پرسنل لا کے لحاظ سے "مطلقہ" کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عدت تک رہا کرتی ہے۔ مگر اب ترمیمی ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت یہ ترمیم لائی جارہی ہے کہ مطلقہ کے نان و نفقہ کی ذمہ داری سابق شوہر پر اس وقت تک باقی رہے گی جبتک مطلقہ نکاح ثانی نہ کرے یا اسکا انتقال نہ ہوجائے۔ ظاہر ہے اس نئے ضابطہ فوجداری سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہیں کہ شروع ہی سے حکومت کے ذمہ داروں کا ذہن مسلم پرسنل لا کے خلاف رہا ہے۔ وہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی کے خواہاں ہیں اور مختلف سرکلروں اور بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کی شکل مسخ کر دینا چاہتے ہیں۔ حکومت کے اس انداز فکر اور طرز عمل اور مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی بار بار خواہش و کاوش کے بعد کوئی ہوشمند مسلمان کس طرح یقین کرے گا کہ "اب مسلم پرسنل لا کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے"۔ ایک طرف حکومت کے ذمہ دار پورے ملک میں یہ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ حکومت ہند مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی۔ دوسری طرف ایسے سرکلر جاری کئے جاچکے ہیں۔ جن سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوا ہے۔ اور پارلیمنٹ میں ایسے مسودات قانون Bills آچکے ہیں جو یقینی طور پر مسلم پرسنل لا کی بعض دفعات کو متاثر کریں گے۔ اب حکومت کے سرکلر اور پارلیمنٹ میں پیش کئے جانیوالے ترمیمی مسودات قانون کو اہمیت دیجائے یا پبلک جلسوں میں تقریروں اور اخباری بیانات کو، اور ایسی صورت حال میں آنجہانی وزیر اعظم اور دوسرے ذمہ داروں کے بیانات اور تقریروں پر کسطرح اعتماد کیا جائے، بخاص کر ایسے مرحلے میں جبکہ مسلم لائے

[۱] متبنیٰ بل سے پوری واقفیت کے لئے مطالعہ فرمائیے "متبنیٰ بل۔ ایک جائزہ" از امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، شائع کردہ مسلم پرسنل لا بورڈ (زبان اردو۔ انگریزی)

[۲] الحمدللہ کہ مسلمانوں کی متحدہ کوششوں اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی جد و جہد کے نتیجہ میں متبنیٰ بل کا مسئلہ حل ہوا۔ اس جد و جہد سے تفصیلی واقفیت کیلئے ملاحظہ فرمائیے "متبنیٰ بل کی کہانی، آغاز سے انجام تک" از نیاز احمد رحمانی، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ (زبان۔ اردو۔ انگریزی)

عامہ کا رباؤ پوری قوت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے اور ملک کی بدلتی ہوئی تیز رفتار سیاسی صورت حال حکومت کے ذمہ داروں کو اس بات پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنی پارٹی کے مفاد کے پیش نظر مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کریں اور طرح طرح کے وعدوں کے ذریعہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔

فرقہ پرستی کا الزام

علماء کرام، مسلم رہنماؤں اور اہل علم کی متحدہ کوششوں اور مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں عام مسلمانوں کی بیداری کو دیکھتے ہوئے بعض مسلم وزراء نے یہ بھی کہدینا ضروری سمجھا کہ "وزیر اعظم اور دوسرے ذمہ داروں کے بیانات کے بعد جلسوں اور کانفرنسوں کی ضرورت ہی ختم ہو چکی ہے اب یہ ساری کوششیں "فرقہ پرستی" کو بڑھاوا دینے کے لئے کی جا رہی ہیں وزراء تو ذمہ دار ہیں ان سے ذمہ دارانہ بیانات کی توقع کی جاتی ہے۔ لیکن جب ذمہ داروں کی طرف سے ایسے بیانات آتے ہیں تو مایوسی ہوتی ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مسلم پرسنل لا کا معاملہ ہو یا کوئی اور وہ اپنے مذہب اپنی تہذیب اور اپنی زبان و تعلیم سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں مگر یہ نہ فرقہ پرستی ہے نہ وطن دشمنی۔ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد برابر انہوں نے وطن کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ان کی بیدار غ حب الوطنی وزارت کی عارضی کرسیوں کے مقابلہ میں مستقل اور بہت بلند ہے۔ انھوں نے ہر مشکل وقت میں ملک کے لئے بہترین رول ادا کیا ہے۔ لیکن ہر روز ان کی وطن دوستی کے نئے نئے پیمانے تراشنا اور ان سے نا جائز سی انتیں ہا دم کرتے ہیں۔ مسلمان وطن دوست اور ملک کے وفادار ہیں وہ "دستور" کا احترام کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ "اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا مضبوط ذریعہ دستور ہند ہی ہے۔ مگر وہ کسی ایک پارٹی یا گروپ کے نہ پابند ہیں اور نہ انہیں یہ قبول ہے کہ وطن دوستی کی سرٹیفکٹ کسی ایک پارٹی کی وفاداری کے نتیجے میں حاصل ہو۔

حکومت کے خلاف محاذ آرائی

کچھ زبانیں یہ کہتی ہوئی سنی گئی ہیں کہ "مسلم پرسنل لا بورڈ" اور مسلم پرسنل لا کے متعلق کانفرنسیں، حکومت کے خلاف ایک منظم محاذ آرائی ہیں جن لوگوں کے ذہن پر یو۔ پی اور اسکے بعد مختلف صوبوں اور پارلیمنٹ کا الیکشن سوار ہے۔ وہ کسی بھی علم کے بغیر آسانی کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں مگر مسلم پرسنل لا بورڈ کے دستور اور اس کی کارروائی پر جن لوگوں کی نگاہ ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ "یہ بورڈ" بڑے بلند ارادوں اور ٹھوس تعمیری مقاصد کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ اسکے پیش نظر طویل علمی، دینی اور قانونی کام ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقاصد

مسلم پرسنل لا بورڈ کے دستور کی دفعہ ۴ میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ

"مسلم پرسنل لا بورڈ کا بحیثیت ادارہ انتخابی سیاست سے کوئی سروکار نہ ہوگا"

اور بورڈ کا دائرہ کار

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا تحفظ، اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کیلئے موثر تدابیر اختیار کرنا ہے

(اغراض و مقاصد حصہ الف)

یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حکومت "مسلم پرسنل لا" میں براہ راست ترمیم کرے گی یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں کاٹ چھانٹ کرنا چاہے گی تو بورڈ خاموش تماشائی بنا بیٹھا نہیں رہے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ "بورڈ" مسلمانوں کے ووٹوں کا استعمال کرے گا یا وہ خواہ مخواہ حکومت کے کاموں میں رخنہ اندازی اور حکومت کے عام اقدامات میں ناجائز مداخلت یا رکاوٹ پیدا کرے گا۔

"آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" یہ سمجھتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کا تحفظ صرف حکومت کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اسے یقین ہے کہ پرسنل لا کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عاید ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو برابر ایسا طرز عمل اختیار کرنا ہوگا جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ عملی زندگی میں مسلم پرسنل لا کو پوری اہمیت دیتے ہیں۔ اس پر صحیح طریقہ سے عمل کرتے ہیں اور انھیں ایک کامیاب قانون کی موجودگی میں کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں کا یہ طرز عمل مستقبل میں مسلم پرسنل لا کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس طرز عمل سے پورے ملک کے مسلمانوں کا ذہن تیار رہے گا اور آج اس مسئلہ پر مسلمانوں میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے۔ اس پر کبھی غفلت طاری نہیں ہوگی پھر نہ حکومت کسی ترمیم و تبدیلی کا ارادہ کرے گی اور نہ کسی دوسرے شخص کو یہ کہنے کا موقع رہے گا کہ "چودہ سو سالہ پرانا قانون نئے حالات کے فریم میں فٹ نہیں آتا" نہ کوئی یہ کہہ سکے گا کہ اس قانون سے عملی زندگی میں الجھنیں اور معاشرتی زندگی میں دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس ذہن کی بنیاد پر "بورڈ" یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا کی دفعات سے واقف کرایا جائے۔ اور ان دفعات کے متعلق شرعی حدود و قیود، حقوق و فرائض سے مسلمانوں کو باخبر کیا جائے۔ ایسی فضا تیار کی جائے جس میں وہ شریعت کے احکام و آداب کی پوری رعایت کرتے ہوئے مسلم پرسنل لا پر عمل کریں اور یہ جو کبھی کسی نا واقف مسلمان کے غلط طریقہ کار سے مسلم معاشرہ میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور مسلم پرسنل لا میں ترمیم پسندوں کو انگشت نمائی کا موقع مل جاتا ہے۔ باقی نہ رہے۔ اس لئے بورڈ کے سامنے ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ :

> "مسلمانوں کو عائلی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام و آداب، حقوق و فرائض اور اختیارات و حدود سے واقف کرانا اور اس سلسلہ میں ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا
>
> (دستور مسلم پرسنل لا بورڈ، اغراض و مقاصد حصہ "ج")

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں مسلمانوں کو چار طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے

ایک طبقہ تو وہ ہے جو مسلم پرسنل لا اور شریعت اسلامیہ سے واقف ہے

دوسرا طبقہ وہ ہے جو پڑھا لکھا ہے۔ دین و شریعت کا پورا احترام کرتا ہے۔ اسلام کا وفادار ہے مگر اس کی تعلیم و تربیت مغربی طرز کی ہے وہ اپنے ادھورے مطالعہ اور مسلم معاشرے میں بعض اتفاقی ناگوار صورتحال کو دیکھ کر اخلاص کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں بعض دشواریاں ہیں۔ جنہیں دور ہونا چاہئے۔ کچھ کمی ہے۔ جسے پورا کرنا ضروری ہے ۔۔۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے آپ کو مسلمان تو کہتا ہے مگر وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں۔ اسلام سے زیادہ "اساتذۂ مغرب" کا وفادار اور ترقی پسندی کا علمبردار ہے اسے دین و شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے سے زیادہ "مسلم پرسنل لا" کو بدلڈالنے سے دلچسپی ہے۔ وہ ترقی پسندی کی ان منزلوں تک پہنچ چکا ہے۔ جہاں عام طور پر حقیقت پسندی کی تمام راہیں اپنے اوپر بند کرلی جاتی ہیں

مقاماتِ مقدّسہ

خطرات اور اندیشے

۶؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ کے سہکاریتا بھون کے میٹنگ ہال میں مسلم انٹلیکچویل فورم کے زیرِ اہتمام کل ہند سطح کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک کی ۳۷ یونیورسٹیوں جامعات اور اکاڈمیوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کا افتتاح امیرِ شریعت مولانا منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فرمایا۔ کانفرنس کا موضوع تھا "مقاماتِ مقدسہ، خطرات اور اندیشے"۔ اس اہم موقعہ پر حضرت امیرِ شریعت دامت برکاتہم نے جو افتتاحی خطبہ دیا، وہ درج ذیل ہے۔

حضرات محترم! ہم سب یہاں ایک مشترک درد کی وجہ سے جمع ہیں۔ اور یہ درد ہے مقاماتِ مقدسہ کے ارد گرد منڈلانے والے خطرات کا، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی تقدس کی بقا، حرم مکی اور حرم مدنی کے امن و اطمینان سکون و سکینت کا۔ اس درد نے پوری دنیا کے مسلمانوں اور امن پسند انسانوں کو بے چین کر دیا ہے، اور یہ اجلاس اسی بے چینی کا اظہار ہے۔

نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے بلکہ انسانی تاریخ کے لحاظ سے مکہ معظمہ کی مرکزی اہمیت ہے۔ اور اس شہر کے تقدس و انتخاب کی تاریخ انسان کے وجود سے بھی پرانی ہے۔ یہ شہر جلال مکہ مکرمہ فرشتوں کا کعبۂ ذوق و شوق

اس وقت بنا جب انسان کے قدم اس سرزمین پر نہیں پڑے تھے۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر اور زمین پر عبادت و عبودیت کا مرکز بنا کر شہر مکہ کو عظمت اور تقدس سے سرفراز فرمایا گیا۔ تخلیق انسانی سے پہلے کعبہ قبلۂ نظر اور مرکز عبادت و عقیدت کی تعیین کر دی گئی اور اسے منبع عقیدت و ہدایت قرار دیا گیا۔

یہ مقدس سرزمین بہت لمبے عرصہ تک انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن بنتی رہی اور ہزاروں انبیاء و رسل مکہ مکرمہ کی باعظمت خاک میں محو خواب ہیں، سب سے آخر میں سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی سرزمین میں ہوئی، اور رشد و ہدایت کا ایسا سلسلہ جاری ہوا جس نے پوری دنیا پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے، صرف دین و عبادت ہی نہیں، زندگی کے ہر ایک حصہ اور فکر و فلسفہ، علوم و فنون کے ہر ایک گوشہ پر اپنے محسوس نقوش ثبت کیے، جس کا اعتراف پوری دنیا کو ہے۔

مدینہ طیبہ اسلامی تاریخ کی دوسری منزل ہے۔ یہ وہ شہر ہے جسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کیمیاگر نے پسند فرمایا تھا، اس کے لیے دعائیں کی تھیں، اور اسے دعوت ایمان و یقین کا مرکز اور انقلاب آفریں پیغام دین کا محور بنایا۔ سرکار دو عالم کے مدینہ طیبہ سے تعلق و محبت کی علامت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا وطن بنایا۔ اور حالات کی تبدیلی کے بعد اور مکہ معظمہ سے وطنی رشتے کے باوجود آپ نے مدینہ طیبہ ہی میں قیام فرمایا۔ اسی سرزمین سے پیغام الٰہی اور نظام الٰہی کو دور دور تک پہونچایا جاتا رہا، شہر جمال مدینہ طیبہ کی مٹی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا محسن اسے اپنی آخری آرام گاہ بنالے۔

یہ دونوں شہر اسلامی تاریخ میں برابر محترم رہے ہیں۔ اور ان دونوں شہروں میں مسلمانوں کے دو اہم ترین شعار اللہ ہیں۔ جن کی عظمت و تقدس برقرار رکھنا ایمان کی علامت اور تقوی کا لازمی اثر ہے۔

"وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ"

دینی زندگی کی تعمیر اور مذہبی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ان کی عظمت و تقدس کا برقرار رہنا ضروری ہے تاکہ اس فضا میں جو بھی پہونچے اس کا دل خود عبادتوں میں لگ جائے، اور پورے احترام اور جذبۂ اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتا رہے۔ اس کے ذہن و شعور میں خشیت الٰہی اور حب نبوی کچھ اس طرح جاگزیں رہے کہ وہ نہ صرف ان شعار اللہ کا پورا حق ادا کرے بلکہ وہاں سے دور رہے تو بھی ایمان و یقین کی شمع اس کے نہاں خانہ میں فروزاں رہے۔

اس عظمت و تقدس کی بقا کے لیے بنیادی چیز ان دونوں شہروں کا امن و اطمینان ہے، ہر شخص قلبی، جسمانی اور مالی اعتبار سے آپ کو محفوظ سمجھے، تو وہ فضا بنے گی، جو مطلوب بھی ہے محبوب بھی، قرآن مجید کی زبان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی امن و اطمینان کی دعا مانگی تھی "رب اجعل هذا بلداً آمناً"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شہروں کیلئے مخصوص ہدایتیں فرمائیں، دونوں شہروں کی واضح حد بندی کی گئی جسے حرم کا علاقہ قرار دیا گیا، حرم کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے واضح احکامات دیے گئے، تاریخ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں ہے جب حرمین شریفین کے تقدس اور احترام کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش نہ کی گئی ہو، اور وہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی ہوں۔

ہندستان کے مسلمانوں نے بھی برابر حرمین کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ اور عروج و زوال، تنگی و فراخی کسی بھی عہد میں انہوں نے حرمین کے حق کی ادائیگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ وہاں کے ہر زیر و بم کو انہوں نے اپنا نفع و نقصان مانا ہے۔ ہر حادثہ کو اپنا خسارہ سمجھا ہے۔ ہر ایک واقعہ کی ٹیس اپنے دل میں محسوس کی ہے اور وہاں کی چھوٹی سی چھوٹی دشواری کو ہٹانے کے لیے وہ تڑپ تڑپ سے گئے ہیں۔ یہی ان کی روایت ہے یہی ایمان کا تقاضا ہے، یہی دین کے ساتھ اخلاص کا نتیجہ، یہی مسلمان کی تاریخ رہی ہے اور ہمیں یقین ہے۔ مستقبل کی تاریخ بھی یہی رہے گی (انشاء اللہ)

مجھے افسوس ہے، اور میں کیا اس دکھ میں پوری ملت شریک ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے حرمین شریفین کے وقار، عظمت اور تقدس پر رہ رہ کر حملے ہو رہے ہیں۔ سیاسی طالع آزماؤں نے نہ جانے کیا سمجھ رکھا ہے، وہ ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہاں کا امن و سکون پارہ پارہ ہو جائے۔ اور دنیا کو یہ محسوس کرایا جا سکے کہ سعودی حکومت حرمین کا نظم سنبھالنے کی اہل نہیں ہے۔ یہ بڑی اوچھی حرکت ہے کہ سیاسی بدلہ لینے یا اقتدار میں آنے یا دولت کے خزانوں اور تیل کے سوتوں پر قبضہ کرنے کے لیے حرمین شریفین کو حربہ کے طور پر استعمال کیا جائے، حکومتیں حکومتوں سے ٹکراتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک حکومتیں ہیں نشۂ اقتدار کی تسکین دوسروں کو نیچا دکھانے سے ہوتی ہے۔

سیاست کی دنیا میں استعمال اور استحصال کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ لیکن سیاست کی دنیا میں کچھ قدریں اور روایتیں ہوتی ہیں یہاں بھی ہر چیز قابل استعمال نہیں سمجھی جاتی لیکن چیزیں یہاں بھی لائق احترام ہوتی ہیں، افسوس یہ ہے کہ کچھ ایسے دماغ ہیں جنہیں ان قدروں کا بھی پاس و لحاظ نہیں ہے۔ اور وہ دنیا کی مقدس ترین عبادت گاہ کو

بھی سیاست اور اقتدار کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، ملت اسلامیہ ان سے کہے گی، خانہ خدا میں آگ لگا کر اپنے ویران دل اور تاریک گھر میں اجالا نہ کیجیے۔

موجودہ صدی کے واقعات کا جائزہ لیجیے، اس ہجری صدی کی ابتدا حرم مکی کے انتہائی اندوہناک واقعہ سے ہوئی۔ وہ حرم جہاں خون بہانا جرم ہے۔ انسان تو انسان چرند پرند کو بھی حفاظت دی گئی ہے۔ سن ۱۴۰۰ھ کے پہلے دن اس حرم شریف کو لوگوں نے میدان کارزار میں بدل دیا، اس کے پس منظر میں صرف ایک چیز تھی، سعودی اقتدار پر قبضہ۔ پچھلے برسوں میں حج کے موقعہ پر بدامنی پھیلائی گئی، جلوس نکالے گئے، ہنگاموں کی کوشش کی گئی، بم کے دھماکے کیے گئے، وجہ صرف ایک تھی سعودی حکومت کو بدنام کرنا۔

اسی سال حج کے موقعہ پر جب ساری دنیا کے حجاج کرام منیٰ سے واپس آرہے تھے سرنگ میں حادثہ پیش آیا، سینکڑوں حجاج کرام جاں بحق ہوگئے، جانے والے تو خوش قسمت تھے کہ وہ وہاں پیوند خاک ہوئے جو انبیاءؑ، صحابہؓ، اتقیاء اور اولیاءؒ کی زمین ہے۔ مگر اس حادثہ کے پس پشت جو سازش تھی وہ انتہائی گھناؤنی تھی، ارض حرم میں سرنگ کے دہانے پر زہریلی گیس چھوڑی گئی تھی، تاکہ حجاج کرام کی موت ساری دنیا میں سعودی حکومت کے خلاف غم و غصہ پیدا کرسکے۔

ابھی اگست کے آخری عشرہ میں پھر ایک بار حادثہ ہوا، مسجد حرام میں زمزم سے بھرے پیپے رکھے ہوتے ہیں مسجد حرام میں کعبۃ اللہ کے زیر سایہ عبادت کرنے والے انہیں پیپوں سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ کچھ لوگ ان پیپوں میں زہر ڈال رہے تھے، خدا کا کرم کہ وقت پر خدام حرم کعبہ کی نگاہ پڑگئی اور سات افراد کا پورا گینگ رنگے ہاتھ پکڑا گیا۔ یہ سازش اگر کامیاب ہوجاتی تو سینکڑوں افراد زمزم پی کر حرم کعبہ کے اندر اور مسجد حرام سے باہر شہید ہوجاتے۔ انسانی جانوں، عابدوں اور زاہدوں کی زندگیوں اور حرم شریف کی عظمت و تقدس کے خلاف یہ سیاسی سازش صرف اس لیے کی گئی تاکہ یہ کہا جاسکے کہ حرمین شریفین کا نظم سعودی حکومت کے بس میں نہیں ہے۔

ظاہر ہے یہ اور اس طرح کی سازشیں دو چار افراد کی کارروائی نہیں ہے، اس کی پشت پر حکومتیں ہیں بڑی سیاسی طاقتیں ہیں، جو ہر واقعہ سے پروپگنڈہ کے ذریعہ کچھ فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔ یہ انتشار پسند، اقتدار پرست اور طالع آزما شخص ظلم و بربریت میں اپنی زندگی تلاش کرتی ہیں۔ انتشار اور خلفشار میں انہیں فائدہ نظر آتا ہے، اقتدار کی ہوس میں انہیں یہ بھی احساس نہیں رہتا کہ حرمین شریفین سیاسی مہرہ کے طور پر استعمال کرنے کی چیز نہیں ہے اور حاجیوں، عابدوں، زاہدوں کی زندگی سے کھیل کر پروپگنڈہ کا مصالحہ تیار کرنا انتہائی گھناؤنی حرکت ہے، معاملہ کسی حکومت کی بقا یا کسی اقتدار کے تحفظ کا نہیں ہے۔ یہ حکومت اور اقتدار تو آتی جاتی ہے، چڑھتا

سورج ایک حقیقت ہے پھیلتے سائے بھی واقعہ کا ایک رُخ ہیں، فرد خاندان، معاشرہ اور حکومت کی زندگی عروج و زوال کی تاریخ ہوتی ہے، اس لیے معاملہ حکومت کو تحفظ دینے کا نہیں، حرمین شریفین کی عظمت و تقدس کا ہے، وہاں کے امن و امان کا ہے، سیاسی عزائم کو اتنی چھوٹ نہیں دی جاسکتی کہ ہوس تنگ گیری، حرمین کی در و دیوار سے ٹکرانے کی جرأت کرے اور حرمین کو سازشوں کا نشانہ بنایا جانے لگے۔

مقامات مقدسہ کے احترام اور تقدس کے خلاف ان سازشوں کے ساتھ ایک بڑا واقعہ نئے ہجری سال کی ابتداء میں پیش آیا، جب عراق نے فوجی طاقت کا استعمال کیا، اور محسن پڑوسی ملک کویت پر قبضہ کرلیا، کویت میں عراق کی فوجوں نے جس وحشت اور ناآسودگی کا مظاہرہ کیا وہ افسوسناک ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی ہے، ان کارروائیوں میں کہیں سے بھی اسلامی اخلاق اور انسانی قدروں کا پتہ نہیں چلتا۔ کویت میں عراق کی فوجوں نے سونے کے بازار کو لوٹ لیا، مارکیٹ کے مارکیٹ صاف کردیے، رہائشی علاقوں کے مکانات لوٹے، گھریلو سامان ٹرکوں پر لاد کر لے گئے، حد یہ ہے کہ اپنی اسلامی بہنوں کی بے حرمتی، مریضوں کے ساتھ سفاکانہ حرکتیں کیں، ہاسپیٹل سے مشینی آلات کھول کر لے گئے اور کویت پر قبضہ کے بعد ان کی نگاہیں سعودی عرب کے تیل کے خزانوں پر جم گئیں اور عراق نے سعودی تیل کے ذخائر قبضہ کے لیے جو سرحد پر فوجوں کو جمع کردیا، جس کے نتیجہ میں سعودی حکومت کو غیر ملکی فوجوں کی مدد لینا پڑی اور امریکی مصری اور بنگلہ دیشی فوجیں وہاں پہونچ گئیں، یہ صورت حال پسندیدہ نہیں ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ عراق کا ناعاقبت اندیشانہ پالیسی نے اسی ناپسندیدہ کام کی راہ ہموار کردی، اور اب وہ پورا خطہ جنگ کے خطرات سے گھِرا ہوا ہے، نہیں کہا جاسکتا آنے والے دنوں میں کیا صورت حال پیش آئے، اور حرمین شریفین کا امن و سکون، عظمت و تقدس کہاں تک متاثر ہو۔

ہندستان کے مسلمانوں کا زاویہ نظر آفاقی رہا ہے، انہوں نے خاص طور پر عالم عرب کے معاملات سے برابر دلچسپی لی ہے، ان کے دل میں شعائر اللہ اور مقامات مقدسہ کا احترام ہے، عالم عرب میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ دلگرفتہ ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ عالم عرب کی بدلتی ہوئی صورتحال ہمارے پورے ملک کو متاثر کرسکتی ہے، اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ عالم عرب کے حالات کا نوٹس لیں، جس پس منظر میں حرمین شریفین کو سازشوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اسے سمجھیں، حق اور ناحق، غلط اور صحیح کے درمیان فرق کریں۔ اور دنیا کو محسوس کرائیں کہ ہم سب دینی حیثیت سے بھی اور وطنی اور ملکی نقطہ نظر سے بھی جارحیت، لشکر کشی، سازش اور جنگی ماحول بنانے کی مذمت کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونیفارم سول کوڈ

ہندوستان مختلف تہذیبوں اور متعدد مذاہب کے ماننے والوں کا ملک ہے، اور برابر یہاں کی خمیر میں "مذہب" شامل رہا ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں اپنے مذہب پر پوری آزادی کے ساتھ عمل کرتے رہے ہیں، ماضی بعید میں جب مسلمانوں کے قافلہ نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر اپنے خیمے نصب کئے، اس وقت کی تاریخ بتاتی ہے کہ متعدد مذہب کے ماننے والوں سے آباد یہ ملک مذہبی اعتبار سے آزاد تھا، اور مذہب و تہذیب سے وابستہ احکام و روایات پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ تھی، تہذیبی رنگا رنگی اور مختلف مذہب کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ان کی سماجی زندگی میں بے ربطی اور انتشار کا ذریعہ کبھی نہیں بنا۔ مسلمان جو ایک مستقل دین اور مکمل تہذیب کے ساتھ اس ملک میں آئے تھے، نہ صرف عبادتوں بلکہ شخصی معاملات میں بھی قانونی طور پر آزاد رہے، اور ابتدائی عہد کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں ہندوؤں معاملات و مسائل کے حل کیلئے "برہمن" متعین کئے جاتے تھے مسلمانوں کے معاملات مسلم قاضیوں کے ذریعہ طے پاتے تھے جنھیں اس وقت کی اصطلاح میں "ہنرمند" کہا جاتا تھا۔

ہندوستان میں ایک عرصہ تک مسلم حکومت قائم رہی، اس زمانہ میں بھی مسلم آبادی کے لئے ان کی عبادتوں کا نظام اور شخصی قوانین بحال رکھے گئے، اور مختلف مذہب کے ماننے والوں کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق طے کئے جاتے رہے ـــــ مسلم عہد کے ختم ہونے کے بعد انگریزوں کے عہد میں بھی شخصی قوانین بحال رہے اور انگریزوں نے موجودہ صدی کے نصف اول میں تدریجاً اسلام کے شخصی قوانین کو دستور میں جگہ دی، جسے "مسلم پرسنل لا" کہا گیا، یہ دستور سازی دراصل اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ مسلمان ان قوانین (جن کا تعلق شخصی اور عائلی زندگی سے ہے) سے دست بردار نہیں ہو سکتے، اور ایک ذمہ دار حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ان قوانین کی اہمیت کو محسوس کرے، اور انھیں قانونی تحفظ دے۔

جب ہندوستان آزاد ہوا، اور ملک کا نیا دستور بنا تو اس میں بھی "مسلم پرسنل لا" کی قانونی حیثیت تسلیم کی گئی، اور طویل ترین ماضی کی روایات اور عوامی رجحان جس کی بنیاد مذہب پر ہے۔ کا احترام کیا گیا اور قانون سازوں نے صاف طور پر دستور ساز اسمبلی میں اعلان کیا کہ "مسلم پرسنل لا" میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

یونیفارم سول کوڈ کا معاملہ

اب اس ملک میں مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کی بات کیجاتی ہے۔ "یونیفارم سول کوڈ" ـــ یا ـــ "یکساں شہری قانون" سے مراد وہ قوانین ہوا کرتے ہیں جو کسی بھی مخصوص خطۂ زمین پر آباد لوگوں کی سماجی اور عائلی زندگی کیلئے بنائے گئے ہوں، ان قوانین کے تحت ہر فرد کی شخصی اور خاندانی زندگی کے معاملات آتے ہیں اور نکاح و طلاق، فسخ و ہبہ، وصیت و وراثت اور تبنیت جیسے امور انھیں قوانین کے ذریعہ حل کئے جاتے ہیں، ان قوانین کے نفاذ میں کسی شخص کے مذہب اس کی تہذیب اور رسم و رواج کا خیال نہیں کیا جاتا، ان چیزوں سے بالکل الگ ہو کر ہر مذہب کے ماننے والے کے لئے ایک قانون "یونیفارم سول کوڈ" ہے۔ اور اسی قانون کے تحت نکاح و طلاق جیسے معاملات بھی انجام پاتے ہیں، یعنی سول کوڈ کے ذیل میں وہ سارے امور آجاتے ہیں جنکا تعلق پرسنل لا سے ہوتا ہے۔

ہندوستان میں "یونیفارم سول کوڈ" کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی ہدایات کے خلاف نکاح و طلاق جیسے معاملات انجام دینا ہوں گے، وصیت اور وراثت کے معاملہ میں بھی انھیں مذہبی قانون کے بجائے دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوگا، اسی طرح دوسرے مذہب اور رسم و رواج کے پابند لوگوں کو بھی اپنا مذہب چھوڑنا ہوگا، اپنے رواج کو مٹانا ہوگا اور ایک نئے قانون کا پابند ہونا پڑے گا۔ اس طرح "یونیفارم سول کوڈ" واضح طور پر "مسلم پرسنل لا" سے مختلف ایک قانون ہے۔ جس کے نفاذ کے بعد "مسلم پرسنل لا" کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی (۱) ـــ گویا "مسلم پرسنل لا" جس کی بنیاد قرآن و سنت ہے، اور یونیفارم سول کوڈ کو یکجا نہیں کیا جا سکتا، اس حقیقت کی وضاحت مسٹر گجندر گڈکر (چیرمین لا کمیشن حکومت ہند) نے اپنی ایک تقریر میں ان الفاظ میں کی:-

"مسلم برادری کے لئے سیکولرزم کا اعلان ہے کہ تعدد ازدواج کو ختم کرنے اور یکساں سول کوڈ کے مسئلہ پر صرف سماجی بنیادوں پر غور ہوگا، قرآن کے حوالہ سے نہیں" (۲)

مسلم برادری کے لئے سیکولرزم کے اس اعلان کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہو سکتی ہے کہ جب تک قرآن اور مذہب سے پورے طور پر دامن کو بچا نہ لیا جائے سیکولر اسٹیٹ کا خاکہ پورا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ایک دانشور کی رائے ہے: "اگر کوئی ریاست اپنے تمام شہریوں کے لئے یکساں معاشرتی قانون نہیں بناتی تو پھر ایسی "ریاست" اپنے آپ کو سیکولر ریاست کہنے کا حق بھی نہیں رکھتی" (۳) یا وہ بھی اس نتیجہ تک پہونچے ہوں کہ "کسی بھی مذہب کا صحیفہ، خواہ اسے خدا نے وحی کے ذریعہ انسانوں تک بھیجا ہو، یا وہ کسی رشی منی کے کانوں میں گونجا ہو، زندگی کے کسی بھی میدان میں قطعیت کا درجہ نہیں رکھ سکتا" (۴)

---

(۱) یہاں مجھے اس امکان سے بحث نہیں ہے کہ اگر مسلم پرسنل لا ہی کو "یونیفارم سول کوڈ" قرار دیا جائے، اور اسلام کے قوانین شخصی کو ملک کے تمام باشندوں پر نافذ (باقی صفحۂ آئندہ پر)

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) کر دیا جائے تو "یونیفارم سول کوڈ" کے باوجود مسلم پرسنل لا پورے طور پر باقی رہ جائے گا، یہ صرف ایک منطقی امکان ہے، جس کے وجود کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، اس طریقہ کار سے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح ہوں گے ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہندوستان یا کسی ملک کے غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی کو ختم کیا جائے اور انکے شخصی قوانین کو مٹا کر ان پر اسلامی قانون نافذ کیا جائے۔ (۲) قومی آواز، ۱۹/۱۲/۱۹۷۰ (۳) مسٹر ایم۔ سی۔ چھاگلا، نیشنل ہیرالڈ ۔

(۴) اے۔ بی۔ شاہ چیلنجز ٹو سیکولرزم ص ۲۳ ۔

جو بھی مگر ایک مشہور قانون داں اور حکومت کے ذمہ دار کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ "یکساں سول کوڈ" کے مسئلہ پر قرآن کے حوالہ سے گفتگو نہیں کی جا سکتی جب کہ مُسلم پرسنل لا کی بنیاد قرآن اور سنّت ہی ہے۔

لیکن دستورِ ہند کے وضع کرنے والوں کا کمال ہے کہ ایک طرف انھوں نے "مُسلم پرسنل لا" کو قانونی تحفظ دیدیا۔ اور دوسری طرف "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کی ہدایت بھی دیتے گئے، اور ایسی ترکیب نکالی جس سے وقتی طور پر باغباں خوش اور صیاد راضی رہ سکے۔

قانونی پس منظر

اس دہری پالیسی، جسے دستور کے وضع کرنے والوں نے اپنایا تھا، کیساتھ ہندوستان میں یکساں شہری قانون کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے دستور کے اس حصّہ کا جائزہ لے لیا جائے، جس کا تعلق "یونیفارم سول کوڈ" سے ہے، دستور کے رہنما اصول Directive Principle کی دفعہ ۴۴ میں کہا گیا:

> **"The State shall endeavour to secure for citizens a uniform civil code throughout the territory of India"**

(ریاست کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں شہری قانون ہو)

پارلیمنٹ میں دفعہ ۴۴ کی خواندگی ہوئی، تو اس پر طویل بحث کی گئی، مُسلم ارکان پارلیمنٹ نے اس دفعہ میں اضافہ یا ترمیم کا مطالبہ کیا اور متعدد ترمیمیں پیش کیں، (۱) مگر ان میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کیا گیا، ترمیم کا مطالبہ کرنیوالوں کو ڈاکٹر امبیدکر نے یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی:

> "یہ محض حکومت کو اختیار دیا جا رہا ہے، جس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی شخصی قوانین کو ختم کر دینا ضروری ہوگا، خواہ ملک کے مُسلمان، عیسائی یا کوئی اور فرقہ اس سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کرے کسی کو یہ خطرہ نہیں ہونا چاہئے کہ صرف اختیار کے مل جانے کی وجہ سے حکومت اس پر عمل کے لئے اصرار کرے گی۔
>
> حکومت کے اختیار عملاً ہمیشہ محدود ہوا کرتے ہیں، خواہ لفظی طور پر آپ انھیں کتنا ہی لامحدود کر دیں۔ کیونکہ حکومت اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کر سکتی، جس کے نتیجہ میں مسلمان بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔"

---

(۱) یہ ترمیمیں جناب محمد اسماعیل صاحب، جناب بی پوکر صاحب، جناب نظیر الدین احمد صاحب، جناب محبوب علی بیگ صاحب نے پیش کی تھیں، ان تمام تجویزوں کا ماحصل یہ تھا کہ اس دفعہ سے پرسنل لا علیحدہ رکھا جائے، مثلاً جناب محبوب علی بیگ صاحب کی ترمیم یہ تھی:

> **"Provided that nothing in the article shall Effect Personal Law of the citizens."**
>
> **(Directive Principles in the Indian Constitution. Page 193.)**

اگر کسی وقت حکومت ایسا کرنے کی سوچے تو اسے فاتر العقل کہنا چاہیئے"۔

اس طرح دستور میں دی گئی "وسعت" کو یقین دہانی کے ذریعہ "سمیٹنے" کی کوشش کی گئی، یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہوگی اس کا اندازہ مذکورہ بیان کی قوت ہی سے لگایا جا سکتا ہے، لیکن پارلیمنٹ کی اکثریت نے دفعہ ۴۴ کو قبول کر لیا، اس طرح "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کا بیج بو دیا گیا۔

تاریخی پس منظر

"یونیفارم سول کوڈ" کے قانونی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے، تاریخی حالات کا بھی جائزہ لینا مناسب رہے گا، تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ دستور کے نفاذ کے بعد سے اب تک "یونیفارم سول کوڈ" کے سلسلہ میں قانون سازی کے ذمہ داروں اور حکومت کا کیا اندازِ فکر رہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نیم سرکاری یا غیر سرکاری سطح سے مختلف قسم کے اجتماعات کے ذریعہ "یونیفارم سول کوڈ" کی راہ ہموار کی جاتی رہی ہے۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند قسم کے چھوٹے چھوٹے گروپ بھی تیار ہو چکے ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی جد و جہد کر رہے ہیں، ایسی انجمنیں بھی بن چکی ہیں جن کا بنیادی موضوع یہی مسئلہ ہے، ایسے افراد، گروپس اور انجمنیں، خواہ انھیں مُسلم عوام اور قرآن و سُنّت سے واقف حضرات کا تعاون حاصل نہ ہو، اور ان کی آواز مُسلم معاشرہ سے بالکل الگ ——— ایک آواز ہو (۱) مگر یہ قوتیں اپنی سطح پر کام کر رہی ہیں، اور انھیں یہ کہتے ہوئے ذرا ہچکچاہٹ نہیں ہوتی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ہمارے ساتھ ہے، خود حکومت کے ذمہ داروں کا ذہن بھی "یونیفارم سول کوڈ" کے ساتھ ہے، اور مختلف موقعوں پر ان حضرات کی طرف سے "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کے ارادوں کا اظہار ہوا ہے، مثلاً جب ہندو پرسنل لا کو نئی شکل دی جا رہی تھی تو اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا: "ہم نے اپنے آئین کے نفاذ (۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء) کے بعد اسپیشل میرج ایکٹ ہندو میرج ایکٹ پاس کئے ہیں، اب ہندو قانونِ وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یہ سب ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں" (۲)۔

ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات کے سلسلہ میں سب سے پہلے ہندوؤں کا نمبر کیوں آیا؟ پورے ملک میں "یونیفارم سول کوڈ" کس طرح نافذ کیا جائیگا؟ اسکا جواب انھوں نے ایک پریس کانفرنس میں یوں دیا:

"ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کیا جائیں گی اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہو گئے جو ہماری پچاسی

---

(۱) حقیقت یہ ہے کہ ایسی آوازیں نہ صرف مسلم معاشرہ سے بالکل علیحدہ ہیں بلکہ براہ راست قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے بھی واضح طور پر مختلف ہیں، اس طبقہ میں ایک مشہور نام حمید دلوائی صاحب کا ہے، جنھوں نے اپنی وصیت میں وہ باتیں لکھیں جو صراحۃً اسلامی تعلیمات کیخلاف ہیں، انھوں نے وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ مرنے کے بعد انھیں مُسلمانوں کے طریقہ پر دفن نہ کیا جائے۔ اس انداز فکر سے انکی اسلام کیساتھ وفاداری کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایسے حضرات مسلمانوں میں کس طرح کی اصلاح چاہتے ہیں (۲) ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کی دیلی [illegible]

فیصد آبادی کے لئے ہو تو باقی آبادی پر اسے نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی"۔

مسٹر پالسکر کا یہ بیان ایک سوچی سمجھی پالیسی کا اعلان ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ پالیسی اب تک عملی شکل میں سامنے نہیں لائی گئی ہے، مگر ذہن سے پالیسی کے نقوش کبھی مدہم نہیں ہوئے، اور وقتاً فوقتاً یہ اندازہ لگایا جاتا رہا ہے کہ ملک کی پچاسی فیصد کے علاوہ آبادی کا ذہن اس پالیسی کو برداشت کرسکتا ہے یا نہیں؟

۱۹۶۳ء میں حکومت نے ایک کمیشن مقرر کرنا چاہا تھا، جس کا مقصد مسلم پرسنل لا میں تبدیلی پر غور و فکر اور اس کے لئے عملی راہوں کی تلاش تھا، مسلمانوں کی ہمہ گیر مخالفت کے نتیجہ میں یہ کمیشن مقرر نہیں کیا گیا۔ اور وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں یہ کہہ کر بحث ختم کردی کہ حکومت اس وقت (مسلم پرسنل لا) میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی (۱) یہ جملہ خود بتاتا ہے کہ مسئلہ ختم نہیں ہوا، نہ پالیسی میں فرق آیا، حالات سازگار نہیں ہیں، اسلئے اس پالیسی پر عمل نہیں ہوگا —— ۱۹۷۲ء میں مرکزی وزیر قانون مسٹر گوکھلے نے پھر اس پالیسی کا اعادہ کیا انھوں نے Adoption of Children Bill 1972. (متبنّیٰ بل) کو پیش کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا: "یہ مسودہ قانون۔ "یونیفارم سول کوڈ" کی طرف ایک مضبوط قدم ہے"۔ (۲)

مختلف وزراء قانون کے بیانات حکومت کی پالیسی کی نشاندہی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حکومت "یونیفارم سول کوڈ" کے سلسلہ میں دستور کے "رہنما اصول" کا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، اور حکومت کی خواہش ہے کہ یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے لئے ہر فرقہ و طبقہ کا ذہن تیار ہونا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کے اندر اور حکومت سے باہر کچھ ایسے حضرات بھی موجود ہیں جن کا ذہن رائے عامہ کے احترام سے خالی ہے، اور جو قوت کے سہارے "یونیفارم سول کوڈ" کو نافذ کرنا چاہتے ہیں ایسے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ "اگر پارلیمنٹ کے سیکولر ممبران کی مدد سے حکومت ایک مشترکہ عائلی قانون نافذ کردیتی ہے تو مسلمان کچھ دنوں تک مخالفت کریں گے، لیکن کچھ دن بعد آسمان نہیں پھٹ پڑے گا" (۱) اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں گجندر گڈکر (چیرمین لا کمیشن) نے یہ بات دہرائی:۔

> مسلمانوں کو یونیفارم سول کوڈ کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرلینا چاہئے اگر انھوں نے خوش دلی کے ساتھ یہ تجویز منظور نہیں کی تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کیا جائے گا۔ (۲)

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کے اسباب

مذکورہ تفصیل ہمیں بتاتی ہے کہ حکومت بار بار "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کی خواہشمند

(۱) ۲۲ر اگست ۱۹۶۳ء کو راجیہ سبھا میں وزیر قانون کی تقریر۔

(۲) اللہ کا فضل ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا کی منظم جد و جہد اور مسلمانانِ ہند کے موثر احتجاج کے نتیجہ میں حکومت نے متبنّیٰ بل واپس لے لیا ہے۔

(۱) اے ایشاہ، ٹائمز آف انڈیا نئی دلی، ۱۳ر جولائی ۱۹۶۹ء (۲) مارچ ۱۹۷۳ء میں بنگلور میں یونیفارم سول کوڈ کے موضوع پر تقریر۔

رہی ہے (۱) اور ایک عرصہ سے ملک کا ایک طبقہ —— جس میں بڑی تعداد ہندوؤں کی ہے اور کچھ مسلمانوں کی۔ اسے نافذ کرنے کے لئے ذہن سازی کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ کچھ لوگ انتہا پسندوں کی شکل میں قوت کے سہارے "یونیفارم سول کوڈ" کے نفاذ کا مشورہ دیتے ہیں، کچھ لوگ اصلاح کے نام پر اس کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں، اور بعض حضرات ناصح مشفق بن کر حالات کے تقاضوں کی رعایت کی سفارش کرتے ہیں، لیکن یہ سارے طبقے جو مختلف قسم کے مشورے دے رہے ہیں ایک ہی منزل کے راہی ہیں، ہر ایک کی تجویزیں الگ ہیں، ان کے لب و لہجہ میں فرق ہے۔ انکے دلائل مختلف ہیں لیکن گہرا جائزہ یہی بتلاتا ہے کہ ان سب کا مقصد ایک ہے اور دیر یا سویر یہ سب ایک ہی جگہ پہونچ جائیں گے (۲)

منزل کے اس اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ اس ذہن کے لوگ مغربی افکار و خیالات کے اسیر ہیں، ان کی تعلیم و تربیت مغربی طرز کی ہے، وہ مغربی معاشرہ سے ذہنی اور عملی تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے مغربی قوانین کو پڑھا اور سمجھا ہے، اس لئے ہندوستان جیسے ملک کے فریم میں انہیں مسلم پرسنل لا جیسی چیز اجنبی لگتی ہے۔ وہ شریعت کو زائد ضرورت سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ شریعت فرد کا ایک پرائیویٹ معاملہ تو ہو سکتا ہے، قانون نہیں بن سکتا مغربی انداز فکر کی وجہ سے ان کے نزدیک مشرق کی روایتیں بھی قابل احترام نہیں ہیں، اور نہ مشرقی مزاج و انداز انہیں بھاتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی چیز کو پرکھنے کے لئے صرف اساتذۂ مغرب کی دی ہوئی کسوٹی ہے —— مغرب سے الگ ہوکر انکے سامنے نہ کوئی دعوت ہے نہ پیغام، نہ طرز فکر ہے نہ راہ عمل، "مغرب" نے یونیفارم سول کوڈ کی تعلیم دی ہے۔ وہاں مذہب کے نام پر جو کچھ ہے وہ صرف زندگی کا پرائیویٹ معاملہ ہے، وہاں مذہب کا دائرہ عبادات اور رسوم تک محدود ہے۔ اس لئے ایسے حضرات "یونیفارم سول کوڈ" کے سوا کسی اور چیز کو مشکل ہی سے سوچ سکتے ہیں۔

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کا دوسرا اہم سبب وہ قوانین ہیں جنھیں پارلیمنٹ نے ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان منظور کیا ہے، جس کے نتیجہ میں "ہندو پرسنل لا" کی ایک خاص شکل ابھری، یہ شکل ہندو مت کے تصورات سے بالکل الگ ہے، اسی وجہ سے خاصے تعلیم یافتہ ہندوؤں نے ان قوانین کی سخت مخالفت کی تھی، اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ اس وقت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بہت چیں بجبیں ہو کر ان قوانین پر مہر تصدیق ثبت کی تھی —— ہندو پرسنل لا کی منسوخی کے وقت ہی یہ ذہن بننے لگا تھا کہ "مسلم پرسنل لا" کو بھی منسوخ ہونا چاہئے، اور جس طرح ہندوؤں کے لئے مغرب سے برآمد کردہ پرسنل لا نافذ کیا جا رہا ہے اسی طرح کا پرسنل لا ہر ہندوستانی کے لئے نافذ ہونا چاہئے۔ مذکورہ بالا قوانین جب پارلیمنٹ میں پیش ہوئے تھے تو مشہور لیڈر راجا جی

(۱) ملاحظہ فرمایئے "مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ۔ نئے مرحلہ میں"۔

(۲) مثلاً پروفیسر آصف فیضی صاحب اعتدال پسند اور عائلی مسائل کے بہت بڑے ماہر کہے جاتے ہیں موصوف کی اعتدال پسندی کا مطلب شاید یہ ہے کہ قرآن مجید کو مقدس آسمانی صحیفہ تصور کرتے ہیں، مگر ابھی مسلمانوں کے عائلی مسائل پر غور کرتے ہوئے قرآن مجید کا پابند رہنا ضروری نہیں سمجھتے، ایک موقع پر فرماتے ہیں: "مقدس قرآن بحث و تمحیص سے بالاتر آسمانی صحیفہ ہے، لیکن اس میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں، جنھیں بدل ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جیسے تعدد ازدواج، پردہ، طلاق" (اسٹیٹس مین ۱۷ر اگست ۱۹۷۰ء)

کرپلانی نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر ہندوستان ایک جمہوری ریاست ہے تو پھر میری یہ گذارش ہوگی کہ صرف ایک فرقہ کے لئے قانون نہ بنایا جائے، کیا ہماری گورنمنٹ مسلمانوں کے لئے بھی یک زوجگی کا قانون پاس کرے گی؟" (۱)

یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل

یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو "مسلم پرسنل لا" کی بعض دفعات سے متعلق ہیں، اور کچھ دلائل براہ راست "یونیفارم سول کوڈ" سے متعلق ہیں، یہاں ہمیں ان دلائل سے بحث نہیں ہے جن کی بنیاد "مسلم پرسنل لا" کی کوئی دفعہ ہے۔ کیوں کہ وہ جزوی چیزیں ہیں (۲) جنھیں سامنے رکھ کر کسی اصول کا طے کرنا غلط ہے، یہاں ہمیں ان دلائل کا خلاصہ پیش کرنا ہے۔ جو براہ راست "یونیفارم سول کوڈ" سے تعلق رکھتے ہیں، ان دلائل کے تجزیہ سے بنیادی طور پر چار چیزیں سامنے آتی ہیں۔

۱ آئینی زاویۂ نظر سے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ دستور کے رہنما اصول کی دفعہ (۴۴) کے پیش نظر ملک کے تمام باشندوں کا "سول کوڈ" ایک ہونا چاہیے، دستور کے یہ رہنما اصول دراصل وہ خاکے ہیں جو ملک کے مستقبل کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ حکومت کو ایسی راہ اختیار کرنی چاہیے جس پر چل کر رہنما اصول کے مقاصد پورے ہو سکیں۔

۲ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، سیکولرزم کا لازمی تقاضہ ہے کہ ملکی قوانین مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوں، اسلئے یونیفارم سول کوڈ کے ذریعہ غیر مذہبی عائلی قوانین کا نفاذ ہونا چاہیے۔

۳ مذہبی قوانین پرانے ہیں، زندگی کی دوڑ میں اب ان کی کوئی افادی اہمیت باقی نہیں رہ گئی ہے، وہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں، نہ ان میں سماجی پیچیدگیوں کے حل کرنے کی صلاحیت ہے، بدلتے ہوئے سماج کے لئے منجمد تعلیمات کا قدیم مجموعہ کبھی بھی مفید نہیں ہو سکتا، اس لئے "مذہبی قوانین کی جگہ" نئے قوانین" کو نافذ کرنا ضروری ہے، تاکہ ایک طاقتور سماج کی تشکیل ہو سکے۔

۴ ہندوستان میں مختلف مذہبوں کے ماننے والے موجود ہیں، انہیں یکجہتی کے جذبہ کو فروغ دینے اور اتحاد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انکے شخصی قوانین ایک ہوں۔ مختلف قسم کے شخصی قوانین باہمی اختلافات کا ذریعہ بنتے ہیں اور قومی یکجہتی کو نقصان پہونچتا ہے۔

یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت کے اسباب

مسلمان "یونیفارم سول کوڈ" کے مخالف ہیں، (۱) ہندوؤں کا مذہبی طبقہ بھی اس سے اتفاق نہیں رکھتا (۲) مسلمانوں کے اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ "یونیفارم سول کوڈ" مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، اسکے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی زندگی میں قرآن وسنت کی ہدایات سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور ایک ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا جسکے نتیجہ میں مذہب کی مقرر کی ہوئی حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود ختم ہوجائے گا، مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ ان قوانین کے ذریعہ اپنے عائلی اور شخصی معاملات ومسائل کا حل نکالیں جن کا ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور اسلام کو بعض دوسرے مذاہب کی طرح عبادات اور رسم ورواج کا مجموعہ سمجھتے ہیں، انھیں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کیخلاف مسلم رائے عامہ کیوجہ سمجھ میں نہیں آسکتی، اور جو لوگ مسلمانوں کی مذہب سے وابستگی کا علم نہیں رکھتے ہیں وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مسلم رائے عامہ اس مسئلہ پر کتنی مضبوط ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کی مذہب سے بھرپور وابستگی اور اسلامی تعلیمات کی وسعت انھیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ شخصی زندگی کے مذہبی قوانین سے دست بردار ہوں کیونکہ یہ مذہبی قوانین بھی دین کا ایک اہم حصہ ہیں، اور انکی بنیاد بھی اسی طرح قرآن وسنت میں موجود ہے، جس طرح نماز، روزہ اور دوسری عبادات کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے کچھ تہذیبی امتیازات ہوتے ہیں جنکا تعلق بڑی حد تک "پرسنل لا" سے ہوا کرتا ہے، بعض مذاہب کے یہ امتیازات مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ رسم ورواج اور جغرافیائی حالات کے ماتحت ہیں، مسلمانوں کے بھی تہذیبی امتیازات ہیں، جنکی بنیاد مذہبی تعلیمات پر ہے، مسلمان آمادہ نہیں ہیں کہ وہ تہذیبی امتیاز سے دستبردار ہوں اسکی وجہ یہ نہیں ہے مسلمان بلاوجہ امتیازی نقطۂ نظر یا علیحدگی پسندی کا جذبہ رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تہذیبی امتیاز مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر ہے، یوں بھی تہذیبی رنگارنگی اور عائلی زندگی کے طور طریقوں کی جداگانہ نوعیت کا نتیجہ علیحدگی پسندی نہیں ہوا کرتا، علیحدگی پسندی، قومی معاملات سے بے تعلقی، مشترکہ سماجی ربط کی کمی، رفاہی کاموں سے دوری کی شکل میں سامنے آتی ہے، مسجد میں نماز پڑھنے والا ہندو، مندر میں پوجا کرنے والا مسلمان گرنتھ صاحب پر عمل نہ کرنے والا عیسائی اور بائبل کی مقدس تعلیمات کو اپنے لئے غیر ضروری سمجھنے والا سکھ کبھی علیحدگی پسند نہیں کہا جا سکتا!

یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کے دلائل کا تجزیہ

جن بنیادوں پر "یونیفارم سول کوڈ" کی حمایت کیجاتی ہے، "کوڈ" کے مخالفین انھیں قابل قبول دلیل نہیں سمجھتے، کوڈ کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، انکے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دلائل اپنے اندر نہ منطقی قوت رکھتے ہیں اور نہ ہندوستانی مزاج وسماج سے انکی تائید ہوتی ہے۔ مناسب ہے یہاں ان دلائل کا جائزہ لے لیا جائے، تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے۔

۱۔ سب سے اہم آئینی بحث ہے جسنے اس مسئلہ کیلئے بیج کا کام دیا ہے، جیسا کہ ابتدائی حصہ میں بیان کیا گیا دستور ہند کے رہنما اصول (دفعہ ۴۴) میں یکساں شہری قانون کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن دستور ہند میں بنیادی حقوق (دفعہ ۲۵) کے تحت مذہبی آزادی کا وعدہ موجود ہے اور یہ یقین دہانی کی گئی ہے کہ ہر شخص کو مذہب قبول کرنے، اس پر عمل کرنے اور اسکی اشاعت میں حصہ لینے کا پورا حق ہوگا، دستور کے متن کا ترجمہ یہ ہے:۔

دفعہ ۲۵ (۱) امن عامہ، اخلاق، صحت، اور اس قسم کے دوسرے احکام کے تابع رہ کر تمام لوگوں کو ضمیر کی

---

(۱) چودھری کرپلانی کی یہ تقریر بتلاتی ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے ہندو بھائی صرف اس نا راضگی کیوجہ سے مسلم پرسنل لا کی مخالفت کرتے ہیں کہ ہندو پرسنل لا ختم کر دیا گیا ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے "مسلم پرسنل لا — بحث ونظر کے چند گوشے۔"

(۱) یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں دانشور قسم کے چند حضرات پیش پیش نظر آتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر مسلم عوام پر ان کا کوئی اثر نہیں ہے، مسلم عوام "یونیفارم سول کوڈ" کی مخالفت میں پورے طور پر متفق الخیال ہیں (۲) راشٹریہ سویم سنگھ کے سابق سربراہ گرو گولوالکر اور عام ہندو مذہبی پیشوا کے رہنما سوامی کرپاتری جی "یونیفارم سول کوڈ" سے اپنا اختلاف ظاہر کر چکے ہیں۔

آزادی مذہب کے اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے، اور اسکی اشاعت کا مساوی حق ہوگا۔

(۲) یہ آرٹیکل کسی ایسے مروجہ قانون کو متاثر نہیں کریگا، اور نہ ریاست کے لئے کسی ایسے قانون سازی کے لئے مانع ہوگا جس کے ذریعہ؛

(الف) کسی مذہبی رسم کے معاشی، مالی، سیاسی، یا کسی سیکولر پہلو کو منضبط یا محدود کیا جائے۔

(ب) سماجی بھلائی اور اصلاحات یا ہندوؤں کے عوامی نوعیت کے مذہبی اداروں کو ہندوؤں کے تمام طبقات کیلئے کھول دیئے جانیکا اہتمام کیا جائے۔

مذہب کی آزادی کے ساتھ یکساں شہری قانون کی گاڑی نہیں چل سکتی اس لئے ماہرین قانون کا خیال ہے کہ ان دونوں دفعات میں ٹکراؤ ہے۔ ان حضرات نے دونوں حصے "قانون بنیادی حقوق اور رہنما اصول" پر کافی بحث کی ہے، اور مختلف کورٹس کے فیصلے بھی ان دونوں قسموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ماہرین قانون اور عدلیہ کا عام رجحان یہی ہے کہ "بنیادی حقوق" کی دفعات زیادہ اہم اور مکمل قانون کا ایک حصہ ہیں، "رہنما اصول" کی حیثیت کمزور ہے، اور اسے مستقل قانون نہیں کہا جا سکتا، مذہبی آزادی کا تعلق "بنیادی حقوق" سے ہے۔ اس لئے اسے قانونا پوری اہمیت حاصل ہے، اس قانون کے رہتے ہوئے یکساں شہری قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

دستور کے یہ رہنما اصول ملک کے مستقبل کیلئے دستور سازوں کا خاکہ ہو سکتے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ان خاکوں میں رنگ بھرا جائے، دستور میں "یونیفارم سول کوڈ" کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے، مگر نہ اس رہنمائی کو قانونی شکل دیکھی، نہ کسی کو یہ شکوہ ہے کہ ابتک یہ خاکے بےرنگ پڑے ہوئے ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بعض ایسے "رہنما اصول" بھی ہیں، جنھیں قانونی شکل دی گئی اور اس پر عمل کے لئے اقدامات کئے گئے، اور بعد میں ان قوانین میں اتنی گنجائش پیدا کر دی گئی اور ایسی راہیں نکال دی گئیں کہ وہ بےحیثیت ہو کر رہ گئے ہیں، شراب بندی اسکی ایک مثال ہے۔ گاندھی جی کی ہدایت میں سے ایک "شراب بندی" بھی ہے جس کے بارے میں وہ آزادی سے پہلے بھی بارہا اپنے خیالات ظاہر کر چکے تھے، جنگ آزادی کے لئے لڑنے والی ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس نے بھی شراب کے استعمال کے خلاف آزادی سے پہلے ہی تجویزیں پاس کی تھیں دستور ہند میں شراب بندی کے لئے "رہنما اصول" میں واضح الفاظ موجود ہیں، اس مقصد کے حصول کے لئے قوانین بھی بنائے گئے، لیکن حالات سے مجبور ہو کر شراب نوشی کو دوبارہ قانونی تحفظ مل گیا۔

ہندوستان میں قانون کو منطبق کرنے کی یہ شکل بھی بتاتی ہے کہ "رہنما اصول" پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، اور قانونی روایت (Tradition) کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ "رہنما اصول" ملک کے مستقبل کا یقینی خاکہ بھی نہیں ہیں، ہاں! انھیں دستور سازوں کا خواب کہا جا سکتا ہے، جو کبھی پورا ہوتا ہے اور کبھی اس کی تعبیر کی تلاش میں زندگی موت کی سرحدوں کو چھو لیتی ہے۔

۲ سیکولرزم کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں "یونیفارم سول کوڈ" نافذ کیا جائے، نہ سیکولرزم کا یہ مفہوم ہے کہ ریاست کے چپہ چپہ سے مذہبی نقوش، سماج سے مذہبی روایات، اور افراد کے دلوں سے مذہبی تعلیمات کو کھرچ کھرچ کر مٹا دیا جائے۔ سیکولر ریاست کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا وہ کسی مذہب کی طرفدار نہیں ہوگی اور کسی مذہب کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں برتا جائیگا۔ ہر فرد کو مذہب کے قبول کرنے کی آزادی ہوگی۔ یہ مفہوم دستور ہند سے واضح ہوتا ہے اور اس مفہوم کے پیش نظر یہاں قوانین بنائے گئے ہیں، اسکے بعد یہ سوال نہیں اٹھتا کہ سیکولرزم کا لازمی تقاضا "یونیفارم سول کوڈ" ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیکولرزم ایک مصالحتی راستہ ہے، جس کے تحت ریاست کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عام ملکی معاملات کے لئے قوانین بنائے بین الاقوامی امور میں حصہ لے، ریاست کے باشندوں کی عمومی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرے اور فرد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شخصی اور عائلی زندگی میں ان قوانین کو قبول کرے جن پر وہ مذہب یا رسم و رواج کی بنیاد پر عمل کرتا رہا ہے! — اگر سیکولرزم کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور قرار دیا جائے اور سیکولرزم کو مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا ذریعہ بنایا جائے۔ تو اسے اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ کہہ سکتے ہیں، سیکولرزم نہیں۔

۳ یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قوانین پرانے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ منجمد ہیں۔ ان کی افادی حیثیت ختم ہو چکی ہے اور وہ سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت کھو چکے ہیں مذہبی قوانین (۱) کے دو حصے ہیں، ایک حصہ بنیادی اور اصولی ہے جن میں کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو حالات کے الٹ پھیر، عرف و رواج کے بدلنے اور وقت کے تقاضوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بدل سکتے ہیں، اور بدلتے رہے ہیں (۲) قانون کے اس دوسرے حصہ کی موجودگی میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ مذہبی قوانین منجمد ہیں یا ان کی افادی حیثیت اور سماجی گتھیوں کو سلجھانے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔

یہ نقطہ نظر بھی اپنے اندر کوئی منطقی قوت نہیں رکھتا کہ کوئی قانون قدیم ہونے کی وجہ سے فرسودہ ہو جائیگا، نہ ہر قدیم چیز بیکار ہوتی ہے، اور نہ ہر نئی چیز کارآمد۔ قوانین کے کارآمد یا بیکار ہونے کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ معاشرہ کو اطمینان بخش بنیادوں پر زندہ رکھنے اور ترقی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ عائلی قوانین جن سے یہاں بحث ہے، کو اسی اصول پر پرکھنا چاہئے "یونیفارم سول کوڈ" کی بنیاد ظاہر ہے کہ مغربی قوانین ہی بنیں گے، مغرب میں جو عائلی اور شخصی قوانین نافذ ہیں، انھیں کی بنیاد پر "ہندو کوڈ" بنا ہے اور یونیفارم سول کوڈ کے خط و خال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہونگے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں جن نئے قوانین کو نافذ کرنے کی جد و جہد کی جا رہی ہے، اس کی تجربہ گاہ موجود ہے، ہمیں ان تجربوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ قوانین عائلی زندگی میں اطمینان و سکون کا کس حد تک ذریعہ بنے ہیں؟

یہ ایک طویل اور تقابلی مطالعہ کے لئے نتیجہ خیز موضوع بحث ہے جس کی ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں ہے، لیکن حقائق کی بنا پر اسے ماننا چاہئے کہ مغربی ممالک کی عائلی زندگی کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں، اور شخصی زندگی کا سکون و اعتماد رخصت ہو چکا ہے ان ممالک میں نکاح ایک کھیل، اور طلاق تماشہ ہے (۱) شرم و حیا، عفت و عصمت جیسے الفاظ کا وجود لغت کے دائرہ میں سمٹ چکا ہے، بن باپ کے بچوں بن بیاہی ماؤں کی لاکھوں مثالیں، معاشرے میں پھیلتی جا رہی ہیں، مادر زاد ننگا رہنا، اور

---

(۱) یہاں صرف مذہب اسلام سے بحث ہے کیونکہ یکساں سول کوڈ، اسلامی قانون کے مقابلہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۲) اس سلسلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے "قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل" اور "مذہب اخلاق اور قانون"۔

(۱) امریکہ میں ۱۹۶۰ء کی پہلی ششماہی میں ۹۰۰۰۰۰ شادیاں ہوئیں اور ۵۳۰۰۰۰ طلاقیں ہوئیں۔ امریکہ کے صرف ایک شہر لاس اینجلز میں ایک سال میں پچاس ہزار طلاقیں ہوئیں (بحوالہ World Almanac) روس میں اوسطاً ہر تین میں ایک شادی طلاق پر ختم ہوتی ہے (بحوالہ ڈائجسٹ Sputnic) سویڈن میں ہر پانچ شادیوں میں اوسطاً دو کامیاب اور تین ناکام ہوتی ہیں، ڈنمارک اور جرمنی میں طلاق کی شرح اس سے بھی زیادہ ہے۔

ایسے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا (۱) بھی شاید ترقی یافتہ اور طاقتور معاشرہ کا ایک حصہ بجا جانے لگا ہے۔ یہ سب تہذیب جدید کے کرشمے اور مغربی عائلی قوانین کے نفاذ کے عملی نتائج ہیں، اب اگر دانشوروں کے دل سے احساسِ زیاں رخصت نہیں ہوا ہے وہ مغرب کی ان خرابیوں کو خرابی سمجھنے کی ہمت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور وہ اگر اس اصول پر ایمان نہیں رکھتے کہ ہر نئی چیز قابلِ قبول، اور ہر پرانی چیز قابلِ نفرت ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مذہبی شخصی قوانین کو فرسودہ کہہ کر یونیفارم سول کوڈ کی وکالت کی جائے۔

۴ ملک کے لئے اتحاد اور قومی یک جہتی بڑی اہم ضرورت ہے، اور ہندوستان میں آباد مختلف فرقوں کے درمیان، دوستی خیر سگالی اور رواداری کے جذبہ کو فروغ دینا بہترین ملکی خدمت ہے، لیکن قومی یک جہتی کو سیاسی استحصال کے لئے استعمال کرنا بدترین قسم کی وطن دشمنی ہے، ہر وہ چیز جو ایک مخصوص قسم کے ذہن رکھنے والوں کو اپیل کرے سیکولرازم کا تقاضہ اور قومی یک جہتی کا ذریعہ بنجائے اور جو چیز اس ذہن کیخلاف ہو اسے تعصب تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے خانہ میں رکھدیا جائے، یہ غلط اور ملک کے مستقبل کے لئے مہلک ہے۔

قومی یک جہتی اور باہمی رواداری کا "یکساں سول کوڈ" سے کتنا اور کس طرح کا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ اس طرح لگانا چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق افراد کی شخصی زندگی سے ہے، ان کی بناء پر آج تک دو فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، ہندو، مسلمان، سکھ عیسائی، یا دوسرے فرقوں کے درمیان نکاح و طلاق ہبہ وراثت وغیرہ جیسے مسائل کو لیکر کبھی اختلاف ہوا ہو، اس کی مثال نظر نہیں آتی، کیوں کہ یہ معاملات دو فرقوں کے درمیان نہیں ہوا کرتے ایک فرقہ کے دو یا چند افراد کے درمیان ہوتے ہیں اس کے برخلاف دو فرقوں کے درمیان شادی (جو یونیفارم سول کوڈ کی ایک دفعہ بن سکتی ہے) سے بڑے تلخ نتائج سامنے آئے ہیں، اور کئی بار شدید ترین فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی ہے، اسلئے واقعات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مختلف فرقوں کے علیٰحدہ شخصی قوانین قومی یک جہتی اور ملکی اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتے!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کئی ایسے اہم مسائل موجود ہیں جن کی وجہ سے ملکی اتحاد اور سالمیت کو نقصان پہونچا ہے، اور مستقبل میں مزید نقصانات کا خطرہ ہے، لیکن دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان مسائل اور عوامی مزاج کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، انھیں ملکی سالمیت کے نام پر ختم نہیں کیا گیا، انھیں مسائل میں سے زبان کا مسئلہ دہکتا ہوا انگارہ ہے، جس نے آسام میں ہلچل پیدا کر دی۔ بنگال کو ہنگاموں پر اکسایا، اور جنوب و شمال کے درمیان، عداوت و نفرت کی خلیج حائل کر دی، اس خلیج کا اندازہ ماضی کے ہنگاموں سے لگایا جا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے مستقبل میں بھی یہ چیز علیٰحدگی کا ذریعہ بنے۔ لیکن ان تمام واقعات کے باوجود "زبان" کے مسئلہ پر قومی یک جہتی اور ملکی سالمیت و اتحاد کی خوش کن آواز سننے میں نہیں آتی، اور اگر آتی ہے تو صرف اس لئے کہ اس ذریعہ سے ہنگاموں کو روکا جا سکے۔

ایسی صورت میں "یونیفارم سول کوڈ" کے مؤلفین اگر یہ کہتے ہیں کہ قومی یکجہتی اور ملکی اتحاد" جیسے الفاظ سیاسی استحصال کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو اسے غلط نہیں کہا جا سکتا۔ قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے ایک بہترین نسخہ دو فرقوں کے درمیان شادی کو کہا جاتا ہے، مگر ایسا کہتے وقت نہ صرف حال میں ہوئی مختلف شادیوں کے بُرے نتائج کو فراموش کر دیا جاتا ہے، بلکہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اُس شخصیت نے بھی اس نسخہ پر عمل کیا تھا، جسے ہندوستان میں عام طور پر فرقہ پرستی کی علامت ملک کے اتحاد کو ختم کرنے والا، اور ملک کی تقسیم کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، مسٹر محمد علی جناح نے ایک پارسی گھرانہ میں شادی کی تھی، ان کی شادی اسپیشل میریج ایکٹ کے تحت ہوئی تھی، یہ ایکٹ بھی متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو نقصان پہونچانے کا ذریعہ بنا تھا، جس پر ایک مقبول مسلم رہنما نے عمل کیا، مگر اس عمل سے قومی یک جہتی کو کس درجہ فروغ ملا، اسے سب جانتے ہیں۔ دراصل زوجین کے درمیان اگر مذہبی، تہذیبی اور لسانی ہم آہنگی نہ ہو تو تجربات شاہد ہیں کہ زیادہ تر شادی ناکام رہتی ہے اور اکثر و بیشتر طلاق تک پہونچ جاتی ہے، ایسی شادی جو زوجین کے درمیان یک جہتی نہیں پیدا کر سکتی، قومی یک جہتی کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ شخصی زندگی کے یہ قوانین، قومی اتحاد اور یک جہتی پر برا اثر نہیں ڈالتے۔ اور یونیفارم سول کوڈ قومی یک جہتی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، قومی انتشار کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ قانون سازی ایسی ہونی چاہئے کہ اس ملک میں آباد تمام مذہبی تہذیبی اور لسانی اکائی اپنی انفرادیت کو محفوظ سمجھے اور اس قانون کے دائرہ میں رہ کر وہ ملک کے استحکام اور ترقی میں پُرسکون باعمل شہری کی حیثیت سے حصہ لے سکے۔ قانون سازی کا یہ طریقہ ملک میں یک جہتی کی فضا پیدا کرنے میں معاون ہوگا۔ لیکن اگر مختلف تہذیبی، لسانی یا مذہبی اکائیاں کسی قانون کے ذریعہ اپنی انفرادیت کو مٹتا ہوا محسوس کریں گی تو ان میں ردِ عمل ہوگا۔ وہ اس قانون کے خلاف آواز بلند کریں گی، قانون سازوں پر ان کا اعتماد باقی نہیں رہے گا، اور قومی یک جہتی کو نقصان پہونچے گا، مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ یونیفارم سول کوڈ ان کی تہذیبی اور سماجی انفرادیت کے خاتمہ کا ذریعہ ہوگا اسی لئے یونیفارم سول کوڈ قومی یک جہتی کا ذریعہ نہیں، قومی انتشار کا وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے!

مذکورہ بالا امور کے پیشِ نظر، مسلم رہنما، علماء اور اہلِ علم "یونیفارم سول کوڈ" کے مخالف ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ "مسلم پرسنل لا" مسلمانوں کی شخصی زندگی کے مسائل کے حل کرنے کے لئے مفید راستہ ہے۔ جس کے نفاذ کے لئے حکومت کو مزید سہولتیں، اور قانونی آسانیاں دینی چاہئیں، مسلم پرسنل لا کو منسوخ کر کے "یونیفارم سول کوڈ" کا نفاذ کسی جذبہ کی تسکین کا ذریعہ تو بن سکتا ہے مگر اس تبدیلی سے کوئی مفید کام نہیں انجام پائیگا۔

منت اللہ رحمانی
خانقاہ مونگیر (بہار)

---

(۱) مسٹر نکسن (سابق صدر امریکہ) کے خلاف وہائٹ ہاؤس کے سامنے عظیم الشان مظاہرہ میں دس ہزار ننگے بھی شریک تھے، جس کی تفصیلی خبر تصویر سمیت امریکی صحافت نے شائع کی تھی

خدمتِ خلق اسلامی تعلیمات کا اہم جزو اور انسانی قلوب کی تسخیر کا موثر ہتھیار ہے۔ امارت شرعیہ کا "مولانا سجاد میموریل اسپتال، پھلواری شریف" اس کی عملی مثال ہے، سہ منزلہ بلڈنگ میں واقع تین برسوں سے خدمت انجام دے رہا ہے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء تک اس کے جنرل آؤٹ ڈور سے تین لاکھ سے زائد مریضوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے میٹرنیٹی ہوم کے لیے ماہر لیڈی ڈاکٹروں کا نظم ہے۔ جو پردہ کے اہتمام کے ساتھ عورتوں کا علاج کرتی ہیں۔ مریضوں کے آپریشن کا بھی انتظام ہے۔ ہر ہفتہ بچوں کو ٹیکہ لگایا جاتا ہے اس کے پیتھالوجی لیباریٹری میں عمدہ جانچ کا انتظام ہے۔ اسپتال کے لیے دو ایمبولنس گاڑیاں بھی ہیں۔ اس اسپتال کا سالانہ خرچ تین لاکھ روپے سے زیادہ ہے ۲۲ شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء کو اس کا افتتاح علماء ومشائخ اور شہر کے مقتدر سماجی وسیاسی اشخاص کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ صدارت پیش کیا تھا، وہ درج ذیل ہے۔

خدمتِ خلق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

حضرات محترم! خدا کا شکر ہے کہ آج مولانا سجاد میموریل اسپتال کا افتتاح ہوگیا، آج سے امارت شرعیہ کی تاریخ میں ایک مستقل نئے رفاہی کام کی ابتدا ہو جائے گی اور اس اسپتال کے ذریعہ غریب انسانوں اور خاص کر پھلواری شریف اور قرب وجوار کے لوگوں کو فائدہ پہونچے گا۔ میرے لئے اور امارت شرعیہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کے لئے خوشی کی بات ہے!

میرے لئے یہ بات بھی اطمینان کی ہے کہ مشہور عالم دین، بے لوث رہنما، امارت شرعیہ کے مفکر اور بانی مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب علیہ الرحمہ کی ایک مستقل، محسوس اور مضبوط یادگار قائم ہوگئی جس کا جذبہ عرصہ سے میرے دل میں تھا ــــ یوں تو امارت شرعیہ اور دوسرے کئی ادارے خود مولانا مرحوم کی زندہ یادگار ہیں، پھر بھی یہ کسک دل میں باقی تھی کہ ان کے نام سے منسوب کوئی ادارہ ہو، بہت اچھا ہوا کہ انسانی خدمت کا یہ ادارہ ان کی عظیم شخصیت سے وابستہ ہوگیا۔ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواہ سے بے نیاز بہت دور اپنے رب کے حضور عرصہ پہلے پہونچ چکے ہیں انہوں نے جو خدمات انجام دیں، وہ غلام ہندوستان میں آفتاب کی پہلی کرن اور آنے والے دنوں میں روشنی کا مینار ہیں، دینی، ملی اور علمی کام کرنے والوں کو ان کے فکر سے رہنمائی اور عمل سے حوصلہ ملتا رہے گا، یہ یادگار تو صرف احسان شناسی کی ایک علامت ہے، ایک عظیم محسن کا ذکر مسلسل ہے، شریف افراد اور زندہ قومیں ہمیشہ اپنے محسنوں کو یاد رکھتی ہیں۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ محسن شخصیتیں جب ذہن سے دور ہو جاتی ہیں تو فرد یا قوم اس کا رشتہ ماضی سے کٹنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی مثال اس درخت جیسی ہو جاتی ہے جس کا رشتہ جڑ سے کمزور ہوتا چلا جائے۔ محسن فراموشی اور احسان ناشناسی زندگی کا وہ نقطہ ہے جہاں سے زوال کی ابتداء ہوتی ہے۔

حضرات گرامی! مجھے خوشی ہے کہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ کی یادگار ایک ایسا رفاہی ادارہ ہے جو آنے والے دنوں میں انسانی خدمت انجام دے گا جو رنگ ونسل، فرقہ ومذہب کے فرق سے دور، غریب، بے سہارا اور مریض انسانوں کے لئے زندگی کا پیغام لائے گا۔ امارت شرعیہ جیسے دینی اور اسلامی ادارہ کے زیر اہتمام چلنے والے اور ایک ممتاز عالم دین کی یاد میں قائم کئے جانے والے ادارہ سے، بجا طور پر اس کی توقع کی جانی چاہئے، کہ وہ انسانی خدمت کی خاطر جد وجہد کرے گا۔

اسلام نے انسانی خدمت اور رفاہی کاموں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ سادگی اور قناعت پسندی کی تعلیم دی ہے۔ ایثار وقربانی اور دوسروں کے کام آنے کے جذبہ کو سراہا ہے، اس نے تعلیم دی ہے کہ اپنے آپ پر بوجھ پڑے تب بھی دوسروں کی خاطر ایثار وقربانی سے کام لو (یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ)، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بلیغ انداز میں سمجھایا (ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ (مشکوٰۃ) زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا ــــ ایک موقعہ پر اس سے آگے بڑھکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری مخلوق خدا تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اور خدا کی اولاد کے ساتھ جو بندہ بھی اچھا معاملہ کرے گا وہ خدا سے قریب ہوگا۔[1] بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بڑی نیکی ہے۔ راستہ میں پڑے کانٹے اور پتھر اگر کسی نے اس نیت سے ہٹا دیئے کہ کسی مسافر کو ٹھوکر نہ لگ جائے، کسی راہ گیر کے قدم زخمی نہ ہو جائیں تو یہ نہ صرف ثواب کا کام ہے، بلکہ اسے، ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔[2] مسافر حفاظت وآرام کے ساتھ منزل پر پہونچ جائے، یہ اسلام کی خواہش ہے۔ اور راہ میں پڑی کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کا ایک گوشہ ہے۔ یہ مسافر خواہ کسی مسلک ومشرب کا ہو اس کا کوئی بھی مذہب ہو مگر اس کی حفاظت اسلام کا پیغام ہے۔

زندگی کے چھوٹے چھوٹے سفروں میں ان دیکھے مسافروں کے لئے اسلام کا یہ پیغام ہے۔ اور زندگی کے طویل سفر میں جن لوگوں سے زیادہ واسطہ پڑ سکتا ہے، ان کا زیادہ خیال رکھنا اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے۔ اسی لئے مذہب وملت کے فرق سے دور اسلام نے پڑوسیوں کو بڑی اہمیت دی ہے، جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کی اہمیت کچھ اس طرح بیان فرمائی اور ان کے خیال رکھنے کا ایسا حکم دیا کہ بعض صحابہ کو یہ شبہ ہونے لگا کہ کہیں پڑوسیوں کو بھی جائداد میں حصہ دار نہ بنا دیا جائے ــــ ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے مضبوط الفاظ میں فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھالیں، اور ان کا پڑوسی بھوکا پڑا ہے۔[3]

اصل میں اسلام نے سماجی تعمیر اور انسانوں کی ترقی کی ذمہ داری صرف اسٹیٹ پر نہیں ڈالی بلکہ یہ کامیاب تخیل بھی دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اردگرد، پاس پڑوس اپنے اعزہ واقرباء، محتاج اور مسکین کی خبر گیری کرتا رہے۔ اسلام نے رفاہی اور انسانی ہمدردیوں کے کاموں کے جذبہ کو پھیلانا چاہا ہے۔ بڑے کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ چھوٹے کے ساتھ رحم اور شفقت کا معاملہ کریں چھوٹوں کو حکم دیا کہ وہ بڑوں کی توقیر وتعظیم کریں۔ کچھ عزیزوں اور رشتہ داروں کو جائداد کا حصہ دار اور وارث بنایا گیا، دوسرے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی گنجائش رکھی گئی حسن سلوک کا معاملہ غریب اعزہ اور یتیموں کے ساتھ خاص طور پر رکھا گیا، پڑوسیوں کو پڑوسی کا کفیل تو نہیں بنایا گیا مگر یہ ضرور حکم دیا گیا کہ پڑوسی بھوکا نہ رہے، اس کا خیال رہے۔ مسکین اور یتیم کی خبر گیری کی ذمہ داری بھی صاحب حیثیت لوگوں کو دی گئی اور اسے ایمان کی علامت کہا گیا۔ قرآن مجید نے بار بار یتیموں اور مسکینوں کی طرف توجہ دلائی۔ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا، اور ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ اور کیا رہنمائی ہو سکتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سرزمین عرب پر قدم رکھا تو آپ کے والد ماجد کا سایہ سر پر نہ تھا، اور جب عقل وہوش کا دور آیا، تو والدہ ماجدہ دنیا سے جا چکی تھیں، آپ ابل اعتبار

---

[1] الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی ....
[2] الایمان بضع وسبعون شعبۃ ...... اماطۃ الاذی
[3] حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ لیس المؤمن الذی یشبع وجار

سے محروم، اور ماں باپ کی شفقت سے دور تھے، خدا تعالیٰ نے آپ کو نمونۂ انسانیت بنایا تاکہ رہتی دنیا تک سماج میں یتیم اور کمزور مالی حالت لوگوں کا وقار و اعتبار بلند رہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس حکمت اور نقطۂ رہنمائی کو صرف اشاروں سے نہیں بتایا، بلکہ قرآن مجید کی زبان میں خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ۔ خدا نے حضور کی یتیمی میں پشت پناہی فرمائی، آپ راہ حق کی تلاش میں حیران و سرگرداں تھے۔ تو خدا نے ہاتھ تھاما، آپ کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا، چچا اور دادا نے آپ کی کفالت کی، مگر خدا نے آپ کو نبوت کا تحفہ اور دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے نواز کر بے نیاز اور مالا مال کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ان احسانوں کا تذکرہ کرنے کے بعد حکم دیا فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ یتیم پر کڑی نگاہ بھی نہ ڈالی جائے، قہر و جبر کا معاملہ نہ کیا جائے۔ مانگنے والوں کو جھڑکا اور ڈانٹا نہ جائے۔ اور پھر خدا نے نعمت خداوندی کو خرچ کرنے کا اشارہ بھی فرما دیا کہ خدا کی نعمت کو بیان کیجئے، اگر کسی کو خدا نے مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کا بہترین شکر اور نعمت کا کامیاب ترین بیان و ذکر یہ ہے کہ اسے بھلے کاموں میں مسکینوں یتیموں میں اور رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

قرآن مجید کے ان احکامات و ہدایات کا ملت اسلامیہ نے بڑا اثر لیا ہے۔ اور پوری تاریخ میں عام مسلمانوں نے رفاہی کاموں، یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری کمزوروں اور مجبوروں کی پشت پناہی کی اجتماعی اور سماجی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اور اسلام کے اس تخیل کو عمل جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے کہ سماج کی خبرگیری اور تعمیر و ترقی صرف اسٹیٹ کی ذمہ داری نہیں، عوام کی بھی جوابدہی ہے۔ قرآن مجید کے ان ارشادات کا اثر دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا ہے کہ اس نے عمل کے ساتھ زبان و اوب کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہ جو کسی مسکین کی طلب پر ہم اور آپ مجبوراً کبھی معذرت کر لیا کرتے ہیں، اور مانگنے والے سے آہستہ سے کہتے ہیں کہ "معاف کیجئے گا"، دراصل أما السائل فلا تنهر کی تعلیم کی ایجابی تعبیر ہے۔

حضرات گرامی! رفاہی کاموں میں ایک اہم گوشہ مریضوں کی تیمارداری اور علاج ہے، یتیم ہر کوئی نہیں ہوتا، مسکین ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ لیکن زندگی کے ساتھ مرض کا پالا شروع سے چلا آرہا ہے۔ اور اچھا خاصا انسان مرض کی حالت میں جس بیچارگی سے گذرتا ہے اس کا تجربہ تقریباً ہر شخص کو ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے مریضوں کی عیادت ان کی دلجوئی، ان کی خدمت اور ان کے علاج و معالجہ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکے کو کھانا کھلانے اور مریضوں کی عیادت کا حکم دیا ہے[له] اور حضرت ابوہریرہؓ نے جو روایت بیان فرمائی ہے اس سے اس سنت کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوں گے، اور پوچھیں گے، اے انسان! میں بیمار ہوا تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض گذار ہوگا، خداوندا! میں تیری کس طرح عیادت کرتا، تو سارے جہاں کا رب ہے، جواباً ارشاد ہوگا، کیا تمہیں خبر نہیں لگی تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے۔ پھر بھی تم نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تم نہیں جانتے کہ اگر تم نے اس کی عیادت کی ہوتی تو مجھے تم اس مریض کے قریب پاتے[له]

مریضوں کی عیادت ان کی خدمت، ان کا علاج اور ان کے لئے دوا اور دعا کا اہتمام انسانی اور اسلامی ذمہ داری ہے، اسی لئے امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے یہ اسپتال قائم کیا ہے، تاکہ وہ اپنے وسائل کی حد تک انسانی خدمت کا فریضہ بھی انجام دیتی رہے۔ اور مریضوں کے دکھ درد میں براہ راست شریک ہو۔

محترم حضرات! میں نے آپ کا اچھا خاصا وقت لے لیا، میں آپ کا مزید وقت نہیں لینا چاہتا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مبارک تقریب میں صوبہ بھر کے ہزاروں نمائندے اور دینی اور سماجی کارکنوں کے علاوہ سیاسی رہنما اور حکومت کے ذمہ دار موجود ہیں، میں اپنے نقباء، رہنما تشریف لائے ہوئے نمائندہ حضرات اور کارکنوں سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ خدمت کو اپنا شعار بنائیں، اور اپنی افادیت اور اپنا استحقاق ثابت کریں۔ یہ وہ دور ہے جس میں آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ آپ زندہ رہنے کے اہل اور حقدار ہیں، ورنہ تیز رفتار وقت کے تھپیڑے آپ کو کنارہ کر دیں گے۔ دوسری بات مجھے امارت شرعیہ کی طرف سے حکومت کے ذمہ داروں اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے کہنی ہے، کہ انہیں اس ملک اور اس صوبہ کی سربراہی اور خدمت کا خدا نے بہترین موقع دیا ہے۔ اور مختلف سیاسی جماعتیں اپنے اپنے انداز پر عوام کے سیاسی ذہن کی تعمیر کر رہی ہیں۔ اب عام طور پر جو سیاسی رخ بنتا جا رہا ہے۔ اس میں اخلاق، شرافت، ایمانداری اور اصول کی خطرناک حد تک کمی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہمارے ملک کی اور اس کے سماج کی سب سے بڑی ضرورت اخلاقی اور انسانی قدروں کی بحالی ہے، سیاسی جماعتوں کے ذمہ دار اور حکومت کے عہدہ دار اس سمت میں بھی قابل لحاظ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

جہاں تک معاملہ مسلمانوں کا ہے، انہوں نے اس ملک کی آزادی میں شانہ بشانہ حصہ لیا تھا، آزادی کے بعد اس ملک کی تعمیر میں انہیں جہاں تک موقع ملا وہ حصے رہے ہیں، لیکن آزادی کے بعد بار بار مسلمانوں کے ساتھ ایسے حالات پیش آتے رہے ہیں کہ میرے جیسا انسان جس نے آج سے پچپن چھپن (۵۵-۵۶) سال قبل آزادی وطن کے لئے جیل کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، اور اپنی پیٹھ پر گھوڑ سوار پولس کی لاٹھیاں کھائی تھیں یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اسی دن کے لئے ہم نے یہ سب کچھ کیا تھا! میں صرف اتنا کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ پروقار معاملہ کیا جائے، ان کی شرافت اور صبر کا زیادہ امتحان نہ لیا جائے، اور ان کے لئے جو وعدے کئے گئے ہیں انہیں پورا کرنے میں اب زیادہ وقت نہ لگایا جائے۔

خدا ہم سبھوں کو صحیح سمت میں آگے بڑھاتا رہے، اور ہماری خدمتوں کو قبول فرمائے (آمین)

منت اللہ رحمانی

۱۰ر اپریل ۱۹۸۰ء

له عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی (البخاری) له الجامع الصحیح لمسلم

باب سوم

مکاتیب امیر شریعتؒ

یہ چند مکاتیب ہیں جن سے حضرت امیر شریعت رابع کے طریقہ مکاتبت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ خطوط مختلف شخصیتوں کے نام ہیں، جن کا تذکرہ خطوط میں ہے۔

①

خانقاہ رحمانی مونگیر

۱۵ر نومبر ۸۷ء۔

مکرم و محترم مولانا برہان الدین صاحب قاضی شریعت ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

محبت نامہ ملا۔ الحمدللہ کہ اتر پردیش لکھنؤ میں دارالقضاء کا نظام اطمینان سے چل رہا ہے۔ عملی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آرہی ہے، اس پر آپ تمام حضرات مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ اور ذہنی یعنی فقہی الجھنوں کا پیش آنا کچھ مستبعد نہیں، اور یہ برابر پیش آتی رہیں گی، اور انشاءاللہ آپ انہیں حل کرتے رہیں گے، شاید میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ایسے مقدمات جن میں فسخ وغیرہ کی رائے سے آپ متفق نہ ہوں۔ ان کی سماعت آپ نہ فرمائیں، دوسرے نائبین کے حوالہ کردیں، خود یہاں کے دارالقضاء میں چند ایسے وجوہ پر فسخ نکاح کا معمول ہے۔ جو احناف کے یہاں وجہ فسخ نہیں ہے، مگر دوسرے مسلکوں میں ہیں، یا خود قاضی سمجھتا ہے کہ اس میں فسخ ہونا چاہیئے۔

آپ نے کوئی فقہی الجھن اپنے سابقہ خط میں پیش نہیں فرمائی۔ غالباً آپ نے یہ لکھا تھا کہ یہاں پوری قضاۃ کونسل ہی قاضی ہے، اور شاید میں نے یہ جواب دیا تھا کہ پوری قضاۃ کونسل کو یا اس کے ہر ایک ممبر کو حکم کا حق نہیں ہے، وہ تو صرف قاضی کو ہے یا اسے ہے جسے قاضی حق دے، یا جسے قاضی اپنا نائب بنالے یا جسے امیر نیابتِ قضاء کے منصب پر سرفراز کرے، اب خواہ وہ ایک ہو یا چند، قضاۃ کونسل کی حیثیت شوریٰ کی ہے، ہیئت حاکمہ نہیں۔ وہ بھی جب قاضی کو ضرورت پیش آئے۔ اور وہ مناسب بھی سمجھے تو قضاۃ کونسل سے مشورہ لے لے لیکن حکم قاضی ہی کرے گا، بفرض محال اگر میرے سابقہ خط کا یہ مطلب نکالا جانا ممکن ہو کہ وہاں قاضیٔ شرعی کی حیثیت کسی کو بھی حاصل نہیں تو اب میں وضاحت کر رہا ہوں کہ وہاں کے جو حالات میں نے سنے ہیں، اور انتخاب و تقرر قاضی کی جو باتیں میرے سامنے آئی ہیں۔ میں آپ کے قاضیٔ شریعت

سمجھتا ہوں، اور وہ حضرات جو دفتر میں قضاء کا کام کر رہے ہیں، میں انہیں آپ کا نائب سمجھتا ہوں، اب خواہ نائب کا تقرر آپ نے کیا ہو یا اس مجلس نے کیا ہو جس نے آپ کو قاضی مقرر کیا ہے۔ قاضی کونسل کے صدر کا مطلب ہی قاضئ شریعت ہے۔

مولوی سلمان سلمہ اللہ نے آپ اور ڈاکٹر اشتیاق وغیرہ کی موجودگی میں مجھ سے یہ چاہا تھا کہ میں اترپردیش کے لیے قاضیٔ شریعت کے تقرر کا حکم لکھوں، اور میں یہ تحریر کروں کہ مولانا برہان الدین کو میں نے قاضیٔ شریعت مقرر کیا۔ اور ان کا حلقۂ قضاء یہ ہوگا۔ اس پر میں نے عرض کیا تھا کہ یہ میرا حلقۂ امارت نہیں ہے میں تقرر کا حکم کیونکر لکھ سکتا ہوں، ہاں میرا یہ مشورہ اور میری رائے ہے کہ لکھنؤ میں دار القضاء قائم ہونا چاہیئے اور قاضیٔ شریعت کے لیے بہترین شخصیت مولانا برہان الدین کی ہے، اور جبکہ آپ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ دار القضاء کا نظام اطمینان سے چل رہا ہے، کوئی عملی رکاوٹ پیش نہیں آرہی ہے، تو آپ الجھنوں میں نہ پڑیں۔ اور اطمینان سے کاموں کی انجام دہی میں مشغول رہیں۔

سیتاپور میں دار القضاء کا قیام مبارک ہو، ضرور قائم کریں۔ لیکن نہ میرے پاس حضرت مولانا علی میاں صاحب کا کوئی خط آیا ہے نہ دعوت نامہ، اس لیے میں وہاں تو حاضر نہ ہو سکوں گا۔ یہاں یا ۱۹/۲۰ کو جہاں بھی رہوں گا، دعا کرتا رہوں گا۔

میں نے حیدرآباد کے سفر سے پہلے حضرت مولانا علی میاں سے کچھ عرض کیا تھا، شاید انہیں یاد ہو، خط طویل ہو گیا۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں، والسلام۔

منت اللہ رحمانی

یہ طویل مکتوب ؒ۔ لکھنؤ میں مرکزی دار القضاء کے قائم ہونے اور اس سے وابستہ بعض امور سے متعلق ہے۔ لکھنؤ کے دار القضاء کے قیام کے وقت ہی ایک "قاضی کونسل" قائم کی گئی تھی، جس کا صدر راقم ۔ محمد برہان الدین ۔ کو بنایا گیا، صدر کونسل کی شرعی حیثیت و اختیارات اور دیگر ارکان ․․ کے اختیارات سے متعلق ۔ نیز بعض دیگر پہلوؤں کے بارے میں ۔ راقم کو کچھ علمی و فقہی اشکالات تھے۔ اسی کے لیے راقم نے حضرت امیرؒ کو خط لکھا تھا۔ جس کا یہ جواب ہے۔ اس خط میں بھی حضرت کی راقم پر جو شفقتیں تھیں، اور راقم سے موصوف کو جو حسن ظن تھا، اس کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں، اسی کے ساتھ اصول پسندی اور اپنے حدودِ اختیارات کا لحاظ و پاس کس درجہ تھا اس کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اسی سفرِ حیدرآباد (جس کا تذکرہ مکتوب میں ہے) میں راقم سے حضرت امیر نے اصرار کیا تھا بلکہ گویا حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اس منصب، صدر قاضی کونسل پر رہے․․ (برہان)

خانقاہ رحمانی مونگیر
۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۷ء

مکرم ومحترم ! زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

۲۳ر ستمبر کا خط ملا۔ میں سفر میں تھا۔ اور جنوبی ہند کا پندرہ روزہ سفر، ۱۱ر اکتوبر کو ختم ہوا، ڈاک بہت جمع ہو گئی تھی، اور کاموں کے ساتھ ڈاک کا بھی جواب دیتا رہا، آپ کے محبت نامے کا جواب دینے کی نوبت آج آئی۔

ا ــــ دارالقضاء کے قیام اور قاضی کے تقرر کے سلسلہ میں مولانا سلمان ندوی سلمہٗ اللہ نے بات چھیڑی، ان کی خواہش یہ تھی کہ بحیثیت امیر شریعت میں لکھنؤ او راترپردیش کے قاضی کے تقرر کا حکم لکھوں۔

اس مجلس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، آپ اور چند لوگ موجود تھے۔ آپ دوبارہ پڑھیں میں نے اس میں چند باتیں لکھی ہیں۔

(الف) مولانا برہان الدین صاحب منصب قضاء کے لیے میرے علم میں بہترین شخص ہیں ۔

(ب) مولانا برہان الدین صاحب کے ساتھ ایک شوریٰ منتخب کردی جائے، جو خود ہی مشورہ نہیں دے گی، بلکہ مولانا برہان الدین صاحب اپنی صوابدید پر اس سے مشورہ لے لیا کریں گے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ شوری شوری ہوگی۔ اسے قاضی کا منصب حاصل نہیں ہوگا، نہ وہ مقدمات کی سماعت کرسکے گی، اور نہ اس کا فیصلہ وہ مجلس حاکمہ بھی نہیں ہوگی قاضی اگر ضرورت سمجھے گا، مجلس طلب کرے گا، مشورہ لے گا، کس مشورہ کو قبول کریں اور کس کو نہیں یہ اختیار بھی قاضی ہی کو ہوگا۔ میری صحت اچھی نہیں جارہی ہے دعاء فرماتے رہیں۔

والسلام ۔ منت اللہ رحمانی

خانقاہ رحمانی مونگیر
۱۰ شعبان ۱۴۱۱ھ

مکرم و محترم مولانا برہان الدین صاحب سلمک اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

ایک ضروری استفتاء ارسال ہے۔ یہاں مفتیان کرام میں اختلاف ہے۔ ایک صاحب طلاقِ مغلظہ کا حکم لگاتے ہیں دوسرے صاحب قطعی طور پر عدمِ وقوعِ طلاق کا حکم دیتے ہیں۔

براہِ کرم اس کا فوراً جواب عنایت فرمائیں۔

میں بخیر مکان پہنچا اور بدھ سے پھر بخار میں مبتلا ہو گیا ہوں، کل خون کی جانچ ہوئی تو کالا ازار ثابت ہوا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ کو میری علالت کی خبر کردیں اور دعاء کی درخواست۔ فقط، والسلام۔ منت اللہ رحمانی۔

مکتوب گرامی ۲ بھی لکھنؤ کے مرکزی دارالقضاء کے قیام اور صدر قاضی کونسل، نیز دیگر ارکان کے حدود و اختیارات سے متعلق ہے (غالباً اسی مکتوب کا حوالہ مکتوب ۱ میں دیا گیا تھا) اور جن "چند باتوں" کے لکھنے کا اس میں ذکر ہے، وہ غالباً ان حضرات کی فرمائش پر لکھی "تحریر" سے متعلق ہیں جن کے نام اس مکتوب میں آئے ہیں (یعنی مولوی سلمان حسینی ندوی، اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، جن کی مساعی "دارالقضاء" کے قیام میں غیر معمولی رہیں)۔ برہان

اس مکتوب ۳ کے مضمون سے ظاہر ہے کہ حضرت امیرؒ نے اپنی بے پایاں شفقت اور اس اعتماد و حسن ظن کی بنا پر راقم کو لکھا تھا جو حضرت کو اس حقیر سے تھا، اس خط میں مفتیوں کی دو رایوں کے بارے میں راقم سے اس کی رائے کی طلب کی تھی۔ (اس کے ساتھ وہ سوال نامہ اور جوابات بھی تھے جن کے بارے میں رائے ہے) اس خط کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وفات سے صرف تین ہفتہ قبل۔ لکھنؤ سے واپسی کے بعد لکھا گیا ہے، اس طرح یہ وہ آخری خط ہے، جو حضرت نے احقر کو لکھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔ برہان

خانقاہ رحمانی مونگیر

۲۷ ، ۸ ، ۸۸ ، ۶ ۔

مکرم مولانا !

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا ، مصیبت میں آپ نے یاد کیا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ، یہاں سب لوگ بعافیت ہیں ۔ خانقاہ اور جامعہ کی عمارتوں میں شگاف پڑ گئے ہیں ۔ مونگیر کی ہر مسجد بشمول مسجد خانقاہ متاثر ہے کوئی کم کوئی زیادہ مونگیر میں مکانات کا کافی نقصان ہوا ہے ۔ سروے ہو رہا ہے ، کل اموات گیارہ ہیں جس میں ایک پنج سالہ مسلمان بچہ بھی ہے ۔

سفر حج سے صحت وعافیت کے ساتھ واپسی مبارک ہو ، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ، مولوی ولی سلمہٗ اللہ کو واپس آگئے ، اچھے ہیں ۔ ان سے آپ لوگوں کی باہمی ملاقات کا حال معلوم ہوا تھا ۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب اگر موجود ہوں تو سلام مسنون فرما دیں ۔ میں ادھر زیادہ بیمار ہو گیا تھا ۔ اب افاقہ ہے دعا فرماتے رہیں ۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

یہ مکتوب ۴ حضرت امیرؒ نے راقم کو اس خط کے جواب میں لکھا تھا جو احقر نے موصوف کو مونگیر و اطراف میں شدید زلزلہ آنے کے موقع پر ارسال کیا تھا ۔ "عمارتوں میں شگاف پڑ جانے کا ذکر" زلزلے سے ہونے والے نقصانات کا پتہ دے رہا ہے "سفر حج" سے مراد راقم کا وہ سفر حج ہے جو وزیر حج و اوقاف (حکومت سعودیہ) کی دعوت پر ہوا تھا ۔ حسن اتفاق سے (اسی سال ۸۸ھ) مولانا محمد ولی صاحب رحمانی زید کرمہ بھی حکومت ہند کے وفد میں شریک ہو کر حج کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے تھے ۔ برہان

خانقاہ رحمانی مونگیر

۸/۱۲/۸۹ء ـــ

مکرم و محترم زید مجدکم !

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خط ملا، چالیس دنوں کے بعد میں ۲/دسمبر کو پٹنہ سے مونگیر واپس آیا ہوں، صوبہ میں فرقہ وارانہ فساد سے متعلق ریلیف کے انتظامات اور وہاں رہ کر ذمہ دارانِ حکومت سے رابطہ رکھنے کی ضرورت نے مجھے وہاں رہنے پر مجبور کیا۔ مونگیر کا حال اب رفتہ رفتہ اچھا ہوتا جارہا ہے، مگر مکمل امن نہیں ہے محض تائید غیبی سے مونگیر بڑی حد تک محفوظ ہے، دعا کرتے رہیں۔ ۴/۱۱/۸۹ء کا خط آج میرے سامنے آیا ہے، اب تو آپ ماشاء اللہ لندن دیدہ اور امریکہ رسیدہ ہو گئے۔

الحمد للہ اب ہر جگہ امن ہوتا جارہا ہے، مونگیر میں بھی آج کی رات سکون سے گزری، دعا فرماتے رہیں الحمد للہ جملہ اہلیانِ خانقاہ و جامعہ بعافیت ہیں، بہت سے لوگ آپ کو سلام کہتے ہیں۔

والسلام ۔ منت اللہ رحمانی۔

مکتوب ۵ بھاگلپور اور اس کے اطراف۔ بلکہ پورے صوبہ بہار۔ میں ہونے والے فسادات سے متعلق ہے جن میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام ہوا تھا، ان جائیدادوں کی بڑے پیمانہ پر منصوبہ بند طریقے سے تباہی مچائی گئی تھی جس میں صوبے کی مسلم پولیس نے سب سے زیادہ گھناؤنا رول ادا کیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت امیرؒ نے پیرانہ سالی کے باوجود جوانوں کی سی محنت اور چستی کے ساتھ مسلمانوں کی ہر قسم کی مدد کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا وہ ناقابلِ فراموش ہے، انہیں فسادات کی طرف اس مکتوب ۵ میں اشارات ہیں، اسی مکتوب میں راقم کے "لندن دیدہ اور امریکہ رسیدہ ہونے" کا ذکر اس بنا پر ہے کہ اسی زمانہ میں (اکتوبر ۱۹۸۹ء) میں شکاگو (امریکا) کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے۔ براہ لندن راقم کا سفر ہوا تھا۔ واپسی کے بعد ہی احقر نے وہ خط لکھا تھا جس کا یہ جواب ہے۔

خانقاہ رحمانی مونگیر
یکم اگست ۸۹ء

مکرم مولانا برہان الدین صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمد للہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر ۳۰ جولائی کو مونگیر واپس پہنچ گیا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ حج کو قبول فرمائے۔

پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں، اور اب پھر لکھ رہا ہوں کہ آپ ۱۱ اگست کی شام تک ضرور مونگیر پہنچ جائیں تاکہ ۱۲ اگست تک کام شروع ہو جائے اور پھر اسے مکمل کرکے ہی آپ لوگ اٹھیں۔

خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔

والسلام
منت اللہ رحمانی

مکتوب ۶ و ۷ میں میرے مونگیر پہونچنے کی تاکید کی گئی ہے جو دراصل اہم کام کے لیے طلبی تھی جو حضرتؒ کی نگرانی میں قوانین فقہ (متعلقہ مسلم پرسنل لاء) کے ترتیب نو یعنی دفعہ وار مرتب کرنے کے لیے متعدد بار ہوئی۔ اس کے لیے حضرت کس درجہ اہتمام فرماتے تھے اس کا ایک اندازہ مکتوب ۷ سے ہوگا، کہ حضرت نے اس سفر کے لیے گاڑی کا تعین اور راستہ کی تحدید بھی از خود۔ راقم کی سہولت کے لیے۔ فرمادی تھی۔ اور متذکرہ اسٹیشن (برونی) پر موٹر بھیجکر جمعہ کی نماز سے قبل ہی مونگیر پہونچنے کا انتظام فرمایا۔ اب کہاں ایسی شفقتیں اور رعایتیں کرنے والے ملیں گے! ؏ مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ اسے "اللھم اغفرلہ واکرم نزلہ واجعلہ مع النبوۃ الکرام البررۃ۔ تنہا اسی مسئلہ (تدوین فقہ) سے متعلق راقم کو۔ کم و بیش۔ حضرتؒ نے ایک درجن خطوط لکھے ہوں گے (مجموعی طور پر دو درجن کے قریب) جن میں سے صرف دو ہی نقل کیے جا سکے ہیں ——— (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

خانقاہ رحمانی مونگیر۔
۷ رمضان المبارک سنہ ھ

مکرم مولانا!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ مارچ کو موصول ہوا، روزہ یہاں بھی ۲۹ مارچ سے ہی شروع ہوا ہے، دعا فرمائیے کہ یہ مہینہ خیریت سے گزرے اور میں اس کے تقاضوں کو پورا کر سکوں۔

لکھنؤ سے آپ یا تو کانپور بروتی ایکسپریس سے ورنہ آودھ آسام ایکسپریس سے بروتی جنکشن کے لیے روانہ ہوں، اول الذکر سات بجے اور مؤخر الذکر ساڑھے آٹھ بجے صبح میں بروتی پہونچتی ہے، بروتی میں گاڑی موجود رہے گی، جو آپ کو لیکر مونگیر آجائے گی، بروتی سے مونگیر کی راہ دو گھنٹے کی ہے، اس طرح آپ باسانی جمعہ سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اب آپ کو یہ طے کرنا ہے کہ آپ کس گاڑی سے روانہ ہوں گے، بروتی میں آپ کی لکھی ہوئی تاریخ کو دونوں ریل گاڑیوں میں آپ کو دیکھا جائے گا، ـــــ بہرحال اپنے طے کردہ پروگرام سے ضرور مطلع فرمائیں۔ خدا کرے مزاج بعافیت ہو!

والسلام
منت اللہ رحمانی

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) مکتوب ۶ میں جس سفرِ حج کا ذکر ہے وہ موصوفؒ نے حکومت سعودیہ کے وزیرِ حج واوقاف پر کیا تھا۔ خطوط میں مذکور "تدوینِ فقہ کے کام کی تفصیل" راقم اپنے اسی مقالہ میں پیش کر چکا ہے جو اسی خاص نمبر میں شامل کرنے کے لیے "نقیب" کو بھیجا جا چکا ہے۔ برہان

(۸)

۲۶ر جنوری ۸۵ء

مکرم بندہ!   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خط ملا! مونگیر میں سردی بہت زیادہ تھی اسی لیے میں نے جنوبی ہند کا سفر کیا، مدراس، بنگلور اور بھٹکل گیا۔ بنگلور میں ہلکی ٹھنڈک تھی رات کو ایک چادر اوڑھ کے سوتا تھا، مدراس میں ٹھنڈک بالکل نہیں تھی، دن کو پنکھا چلتا تھا۔ رات کو پنکھا بند کرکے کچھ اوڑھے بغیر سوتا تھا۔ بھٹکل میں تو خاصی گرمی تھی۔ جیسے یہاں مئی کے پہلے ہفتہ میں ہوتی ہے۔ دن رات پنکھا چلا کرتا تھا۔ پسینہ آتا تھا، ہلکی گرم شیروانی لے لیا تھا، جو وہاں پہن نہ سکا۔ ۱۹ر جنوری کو یہاں واپس آیا۔ یہاں تو ٹھنڈک اب بھی خاصی ہے۔

جی ہاں میں نے پاٹھک جی کے لیے اپیل دی تھی ان کے متعلق عام خیال یہی تھا کہ وہ کامیاب نہ ہونگے اللہ نے لاج رکھ لی اور انہیں نوّے ہزار ووٹوں سے کامیاب کیا۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا کام حکومت کے ہاتھوں ہوتا ہے، جسے ممبران پارلیمنٹ بناتے ہیں، ساتویں پارلیمنٹ میں بھی کانگریس آئی کی دو تہائی اکثریت تھی، یعنی وہ دستور ہند میں ترمیم کرسکتے تھے اور ترمیم کی، اس دفعہ تین چوتھائی کی اکثریت ہے، دستور میں ترمیم کرنے کا حق اس دفعہ بھی ہے اور غالباً کریں گے۔ اس دفعہ تو کانگریس آئی نے اپنے "منی فسٹو" میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا وعدہ کیا ہے۔

وعدہ کہاں تک پورا کیا جائے گا یہ الگ بحث ہے، ہمارے لیے گورنمنٹ جیسے پہلے تھی ویسے اب بھی ہے۔ مقابلہ پہلے بھی کرنا تھا، اب بھی کرنا ہوگا۔ ساتویں پارلیمنٹ میں مسلمان ممبران کی تعداد ستر سے اوپر تھی اس دفعہ پچاس سے بھی کم ہے۔ نئے وزیر اعظم نے اب تک جو اعلانات کیے ہیں اور بیانات جو دیئے ہیں وہ امید افزا ہیں اور کافی اچھے ہیں۔ ان پر عمل کہاں تک ہوگا، کس پر ہوگا اور کس پر نہیں اس کی خبر نہ مجھے ہے، نہ عوام کو ہے اور نہ خود وزیر اعظم کو ہے۔ کیا حالات رہتے ہیں اور ان حالات میں کیا کرنا ہوگا، یہ خدا ہی جانتا ہے۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی دوسرے تو بعد میں کریں گے ہم خود اپنے ہاتھوں اپنے گھر میں کر رہے ہیں، مسلمانوں کے لاکھوں گھرانے ایسے ہیں جہاں روزانہ شریعت وسنت کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ کیا اررپہ کے

علاقہ میں ایسا نہیں ہو رہا ہے؟ اسلیے میرے عزیز دوسروں پر تبصرہ کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیے۔ اگر ہم لوگ مسلم پرسنل لا پر خود پوری طرح عمل کریں تو حکومت یا ممبران پارلیمنٹ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

ریاض صاحب اپنے جاننے والوں سے سلام مسنون کہدیں۔

والسلام
منت اللہ رحمانی

(۹)

۵ ستمبر ۱۹۸۵ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خط ملا۔ اس سے خوشی ہوئی کہ آپ حضرات نے ہفتہ تحفظ شریعت پورے جوش و خروش اور خوش اسلوبی کے ساتھ منایا، جزاکم اللہ۔

ہماری یہ کوشش ختم نہیں ہوئی ہے، جاری رہے گی۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمائے۔ آپ لوگوں کو بھی برابر تیار رہنا چاہیے، نہ معلوم کس وقت کیا ضرورت پڑے۔

؎ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید۔ خوب تیار رہیں اوروں کو تیار رکھیں، تحفظ شریعت کی لگی ہوئی آگ بجھنے نہ پائے، سلگتی ہی رہے۔

والسلام
منت اللہ رحمانی

(۱۰)

۶/۱۲/۸۹ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خط ملا۔ میں ۹ دنوں کے بعد ۲ دسمبر کو پٹنہ سے مونگیر واپس آیا ہوں۔ فرقہ وارانہ فساد، ریلیف کے انتظامات اور وہاں رہ کر ذمہ داران حکومت سے رابطہ رکھنے کی ضرورت نے مجھے پٹنہ رہنے پر مجبور کر دیا۔ مونگیر کا حال اب رفتہ رفتہ اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ مگر مکمل امن نہیں ہے، محض تائید غیبی سے مونگیر اب تک بڑی حد تک محفوظ ہے دعا کرتے رہیں

یہ خبر صحیح ہے کہ عزیزی مولوی سید محمد ولی رحمانی سلمہ اللہ پر بلوائیوں نے حملہ کیا، کئی بم پھینکے گئے، گاڑی کا شیشہ ٹوٹا۔ مجمع کو منتشر کرنے کے لیے باڈی گارڈ نے ۲ دفعہ ہوائی فائرنگ کی جب اس سے مجمع نہ ہٹا تو مجبوراً باڈی گارڈ نے گولی چلائی جس سے ایک مرے اور اس سے سارا مجمع بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح الحمد للہ مولوی محمد ولی رحمانی سلمہ اللہ محفوظ رہے۔

مونگیر کی جو خبر لگی ہے وہ صحیح ہے کہ رات بھر بم، دھماکہ، رائفل اور بندوق کی آواز پورے شہر میں گونجتی رہی اور اسی طرح اس کے تیسرے روز بھی ہوا۔ لیکن الحمد للہ نہ کوئی مارا گیا اور نہ کوئی شہید ہوا۔ اب تک فضا اطمینان بخش نہیں ہو سکی ہے۔ اس لیے آپ ابھی بالکل نہ آئیں۔

تمام لوگوں سے سلام و دعا کہہ دیں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۱۱)

۲۶/۳/۸۸ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ آپ کے سوالات کے جواب حسب ذیل ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ جو لوگ نہ شیخ کے بتائے ہوئے وظیفوں کو پڑھ کر تعلیم اور بیان میں شریک ہوتے ہیں یہی صحیح ہے، شیخ کے بتائے ہوئے وظائف کو پابندی سے پڑھنا چاہیے۔

۲۔۔۔۔۔ یہ چلے کوئی شرعی چیز نہیں ہیں۔ یہ کہنا کہ چلہ لگائے بغیر کوئی صحیح مومن نہیں ہو سکتا صحیح نہیں ہے۔

۳۔۔۔۔۔ میرے خیال میں چلے میں عورتوں کو ہرگز نہیں نکلنا چاہیے، مجھے اس کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔

۴۔۔۔۔۔ قضا نمازوں کے ادا کرنے کی آسان شکل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد یا پہلے ایک نماز قضا والی ادا کر لیا کرے، اس طرح سے ایک مدت کے بعد ساری قضا نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

۵ ـــــــ گناہوں کے خیالات کو دل و دماغ سے دور کرنے کے لیے آپ یہ عمل کریں، روزانہ اول و آخر سو سو بار درود شریف اور درمیان میں پانچ سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر دعا کر لیا کریں خدا افضل فرمائے گا اور فائدہ دے گا انشاء اللہ۔

۶ ـــــــ ۱۵؍ شعبان کی رات میں نوافل، تلاوت قرآن اور استغفار پڑھی جائے اور یہ دعا اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی پڑھا کریں۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائے۔

الحمد للہ جملہ اہالیان خانقاہ و جامعہ بعافیت ہیں اور آپ سبھوں کے لیے دعاگو، سبھوں سے دعا کہدیں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۱۲)

۲۰؍۹؍۷۱ء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا۔ جو آپ پڑھ رہے ہیں اس کے علاوہ ختم قادریہ اور ختم مجددیہ پڑھا کریں اور سوتے وقت سو مرتبہ قل ہو اللہ۔ ختم قادریہ یہ ہے کہ اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور درمیان میں پانچ سو مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اور ختم مجددیہ یہ ہے کہ اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور درمیان میں پانچ سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے آمین۔ تبلیغی اجتماع جمشید پور میں انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی شریک ہوں گا۔ وہاں والوں کا اصرار ہے کہ میں شریک ہوں۔ آپ بھی تبلیغی اجتماع میں شریک ہوں، لیکن چلہ دینا کوئی ضروری نہیں ہے نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، ایسی حالت میں آپ چلہ نہ دیں۔

لائف انشورنس سے متعلق دار الافتاء امارت شرعیہ سے فتویٰ لکھ کر پوچھ لیں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۱۳)

۲۹/۹/۹۲ء
روز سہ شنبہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام جسمانی وروحانی تکلیف سے محفوظ رکھے۔ لائف انشورنس میں جوا اور سود دونوں ہے، اس لیے اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ؟ اور اکثر وبیشتر حرام چیزوں میں ظاہری چمک دمک اور ظاہری فائدہ خوب نظر آتا ہے۔ آپ کا خواب اسی قبیل سے ہے، پالیسی بند کرانے کے بعد خواب میں تحفہ تحائف کا آنا اس امر کی نشانی ہے کہ شیطان دوبارہ پالیسی جاری کرانے کے لیے آپ کو ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ یا اور کوئی شخص اپنے جان کا یا مال کا تحفظ لائف انشورنس ہی میں سمجھتا ہے تو وہ اپنی جان کا یا مال کا لائف انشورنس کرا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیگا انشاء اللہ۔

والسلام
منت اللہ رحمانی

(۱۴)

۲۶/۱۱/۸۶ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ملا، آپ کے جذبات اسلامی ہیں۔ اور آپ کی تحریر سے اخلاص محسوس ہوتا ہے۔ لوگ غافل نہیں ہیں، بلکہ کوشاں ہیں۔ ہر کام اور ہر بات کا اعلان تو موقعہ اور وقت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات نہ بن پڑے گی تو پھر ہم عام مسلمانوں کے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ اس وقت آپ قدم پیچھے نہ ہٹادیں، انشاء اللہ۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ نفقۂ مطلقہ کا معاملہ جیتنے کے بعد ایک اس سے بڑی مصیبت سر پر آگئی ہے، وہ ہے یونیفارم سول کوڈ کے تحت قانون سازی، بورڈ نے مسلمانوں کو آواز دی ہے اور یونیفارم سول کوڈ کے خلاف تحریک منظم کرنے کو کہا ہے۔ بہت ممکن ہے، یونیفارم سول کوڈ کی جنگ نفقۂ مطلقہ کی لڑائی کی طرح آسانی سے ختم نہ ہو اور جلسہ وجلوس اور ہڑتال وبندسے قدم آگے بڑھانا پڑے۔ اس کے لیے بھی آپ کو تیار رہنا ہے۔

خدا آپ کی اور ہماری مدد کرے۔

والسلام
منت اللہ رحمانی

(۱۵)

۱۰/ ۷/ ۱۹۹۰ء

مکرم بندہ جناب قاضی شریعت مولانا عبدالرزاق صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا خط ملا۔ ایسے وقت ملا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل ہو چکی تھی اور حضرات مدرسین اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے اللہ تعالیٰ آپ کی صحت کو اچھا رکھے، اور آپ سلطان الاذکار کو پابندی سے عمل میں لائیں پھر کچھ دنوں کے بعد اسکا نتیجہ دیکھیں۔

" کل من علیہا فان " یہ تو قرآن شریف ہی کی آیت ہے ایک اور جگہ فرمایا گیا " کل شیٔ ھالک الا وجہہ " تو اگر ثقلین پر فنا طاری ہی نہ ہو تو ان آیات کریمہ کا مصداق کون ہوگا۔ دراصل آپ کچھ آگے بڑھ گئے، ان آیات کا تعلق قیامت کے پہلے سے ہے اور مومنوں کو جنت میں اور منکرین کا جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہنا اسکا تعلق قیامت کے بعد سے ہے، نفخ صور اولیٰ کے بعد تمام چیزوں پر فنا طاری ہو جائیگی خدا کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہیگی حدیثوں میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ اس وقت تخت جلال پر بیٹھیں گے اور فرمائینگے لمن الملک الیوم اور چونکہ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، اس لیے خود ہی جواب دینگے " للہ الواحد القہار " یہ باتیں قیامت برپا ہونے سے پہلے کی ہے " یوم الدین " سامنے ہے اور اس سے پہلے غیر اللہ کو فنا کیا جاوے گا۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی " نے حضرت شیخ الہند کے " ترجمہ " کے حاشیہ پر آیت کریمہ " ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض کے تحت تحریر فرمایا ہے الا من شاء اللہ سے بعض نے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وشہداء مراد ہیں، واللہ اعلم ـــــ بہر حال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (المومن رکوع ۲)

تفسیر ابن کثیر جلد رابع صہ ۲۷۲ میں کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کے تحت لکھا ہے یخبر تعالیٰ ان جمیع اھل الارض سیذھبون ویموتون اجمعون، وکذلک اھل السموات، الا من شاء اللہ ولا یبقی احد سوی وجہہ الکریم۔ تفسیر در منثور کی جلد خامس صہ ۳۳۶ میں و نفخ فی الصور کے تحت حضرت انس ؓ سے روایت نقل کی ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ قالوا یا رسول اللہ من ھؤلاء الذین استثنی اللہ قال جبریل ومیکائیل

وملک الموت، واسرافیل وحملہ العرش فاذا قبض اللہ ارواح الخلائق قال لملک الموت من بقی وھو اعلم فیقول رب سبحانک رب تعالیت ذوالجلال والاکرام بقی جبریل ومیکائیل واسرافیل وملک الموت فیقول خذ نفس میکائیل فیقع کطود العظیم فیقول یا ملک الموت من بقی فیقول سبحانک رب ذوالجلال والاکرام بقی جبریل وملک الموت فیقول مت۔ فیقول یا جبریل من بقی فیقول سبحانک یا ذالجلال والاکرام بقی جبریل وھو من اللہ بالمکان الذی ھو بہ۔ فیقول یا جبریل ما بد من مو فیقع ساجدا یخفق بجناحیہ یقول رب تبارکت وتعالیت ذالجلال والاکرام انت الباقی وجبریل المیت الفانی الخ

ہر حال یہ امر معلوم ہے کہ قیامت برپا ہونے سے پہلے نفخ صور اولی کے بعد ایک وقت ایسا آئیگا کہ خدا کے سوا سب کچھ فنا ہو جائیں گے، کوئی چیز باقی نہیں رہیگی۔ اور میں عرض کرتا ہوں کہ عرش و کرسی بھی باقی نہیں رہیگی صرف ایک جل جلالہٗ باقی رہے گا اور اس وقت حق تعالی جل شانہ پورے جلال میں فرمائیگا آج کس کی بادشاہت ہے، ساری چیزیں تو فنا ہو چکی ہونگی حق تعالی خود جواب دیگا آج صرف خدائے جبار و قہار کی بادشاہت ہے اس کے بعد پھر اسرافیل زندہ ہونگے اور مقرب فرشتے زندہ ہوں گے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکا جائیگا تو ثقلین زندہ ہو کر اپنی اپنی قبروں سے باہر ہوں گے۔ حق تعالے کے دربار میں حاضری ہوگی، میزان کھڑی کی جائے گی، ہمارے نامہ اعمال سامنے آئیں گے، اچھائی کا بدلہ اچھائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائیگا، کوئی نا انصافی نہ ہوگی۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

غور فرمائیے تو ہر چیز فانی ہے خدا کے سوا جس چیز کو وجود کی بیماری لگی اسے فنا ہونا ہے۔ ان حالات میں میں عرض کرونگا کہ "مراقبہ فنا" بالکل صحیح ہے، مجھے امید ہے کہ اب آپ کو مراقبہ فنا میں کچھ تشویش لاحق نہ ہوگی۔ میں نے آپ کا کچھ زیادہ وقت لے لیا۔

امید ہے کہ سلطان الاذکار پابندی سے چل رہا ہوگا اور اب آپ "کل من علیہا فان" کا مراقبہ بھی ذوق و شوق سے کریں گے ـــــ آپ کا وہ مضمون جس کا تعلق "فی سبیل اللہ" کے مصداق سے ہے آپ کی خواہش کے مطابق اساتذہ کرام کے واپس آجانے اور جمع ہو جانے کے بعد ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ان کی رائے معلوم کی جائے گی۔

مولانا! میرا ضعف بڑھتا جا رہا ہے وقت قریب آرہا ہے میرے واسطے دعا حسن خاتمہ فرمادیا کریں۔

والسّلام

منت اللہ رحمانی

(۱۶)

۱۹؍ دسمبر ۶۱ء

عزیز مکرم مولانا محمد عارف صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

تہجد کے سلسلے میں آپ نے حدیث کی مرویات کو دریافت کیا تھا۔ مولانا ابو اختر صاحب ابھی چند روایتیں جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض بخاری شریف کی اور بعض مسلم شریف کی ہیں نکال کر لائے ہیں، جو درج ذیل ہے۔

۱ـــــ عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوۃ العشاء الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ یسلم من کل رکعتین ویوتر بواحدۃ فیسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ قبل ان یرفع رأسہ فاذا سکت المؤذن من صلوۃ الفجر وتبین لہ الفجر قام فرکع رکعتین خفیفتین ثم اضطجع علی شقہ الایمن حتی یاتیہ المؤذن للاقامۃ فیخرج۔ متفق علیہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز عشا اور سنت فجر کے درمیان گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ یعنی شفعہ شفعہ کرکے پڑھتے تھے اور ایک شفعہ میں ایک رکعت اور ملا کر اس کو وتر بنالیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے آٹھ رکعتیں تہجد کی پڑھیں اور تین وتر کی۔ یہ خیال رہے کہ تبیُّن فجر کے بعد جن دو ہلکی رکعتوں کا اس روایت میں ذکر ہے۔ اس سے مراد سنت فجر ہے۔

۲ـــــ وعن عائشۃؓ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ منہا الوتر ورکعتا الفجر رواہ مسلم

اس روایت میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ "منہا الوتر ورکعتا الفجر"

یعنی ان تیرہ رکعتوں میں تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں فجر کی بھی داخل ہیں، یہ پانچ رکعتیں نکال دیجیے تو پھر وہی آٹھ رکعتیں باقی بچتی ہیں۔

۳ —— عن مسروق قال سألت عائشۃؓ عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، فقالت سبع وتسع واحدی عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر رواہ البخاری

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سات رکعتیں پڑھیں، کبھی ۹، اور کبھی ۱۱، جب سات پڑھیں تو چار تہجد ہوتیں اور تین وتر۔ جب نو پڑھیں تو ۶ تہجد اور ۳ وتر، اور جب ۱۱ پڑھیں تو ۸ تہجد اور ۳ وتر۔ تو اس روایت سے بھی ۸ رکعتوں کا ثبوت بہر حال ہوتا ہے۔

۴ —— عن ابن عباسؓ قال بت عند خالتی میمونۃ لیلۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم عندھا الی قولہ ...... فتتامت صلوتہ ثلث عشرۃ رکعۃ ثم اضطجع فنام حتی نفخ الخ رواہ مسلم

اس روایت میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے۔ یعنی ۱۰ رکعتیں آپ نے تہجد کی پڑھیں اور تین وتر کی۔

بہر حال بخاری و مسلم کی اتنی روایتیں جو اوپر مذکور ہوئیں، ان میں بھی زیادہ روایتوں سے تہجد کی نماز ۸ ہی رکعت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ۸ رکعت پڑھنی چاہیے اور ہمارے بزرگوں کا عمل بھی اسی پر رہا ہے

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۱۷)

۳۰ نومبر ۹۰ء

مکرم بندہ جناب الحاج اقبال احمد صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ آپ نے مظلومین و بے سہارا لوگوں کی مدد میں بھرپور محنت کی اور جان جی دیکر ان کی خدمت بحسن و خوبی انجام دی دراصل جہاجہا میں جو ریلیف کا کام ہو سکا اس کا سہرہ آپ ہی کے سر ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول فرمائے۔

جو فاضل خرچ ہوا ہے اس کا چک میں نے دیدیا ہے۔ روپے آپ کو مل جائیں گے انجینیر صاحب سے کہا

جائیگا کہ وہ جھا جا جائیں اگر وہ گئے تو مولانا صغیر احمد صاحب بھی ان کے ساتھ جائیں گے۔ مولانا کو شدید ضرورت کے بغیر یہاں وہاں بھیجنا میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں، آپ بھی اس کا خیال رکھیں، وہ اصلاً مدرس ہیں، ترمذی شریف شریف و مشکوۃ شریف جیسی اہم کتابیں ان کے حوالہ ہیں، یہ طلبائے عزیز ملت کی دی ہوئی امانت ہیں ہم انھیں ضائع نہیں کر سکتے۔

مسجد کا اسٹیمیٹ بن کر آجائے تو اس وقت میں اپنی جھولی دیکھوں گا کہ اس میں کیا گنجائش ہے، ابھی میں مسجد کی تعمیر کا وعدہ نہیں کرتا ہوں۔

کاغذ نکلنے کے بعد مدرسہ زمین کو امارت شرعیہ کے نام منتقل کردے۔ افتتاح کی تاریخ ۶/ دسمبر کے بعد طے کی جائے گی۔ لالو پرساد نے تو کہا ہے کہ ہم جائیں گے، مگر یہ مشغول حضرات بھول جایا کرتے ہیں اس لیے پھر بات کرنا ہوگی اور یہ بات ۶/ کے بعد ہی ہوگی۔

دلی میں ۳/ دسمبر کو اجتماع بلایا ہے، اس کا مقصد بابری مسجد کے سلسلہ میں مسلمانوں کے موقف کی وضاحت ہے ..... مصالحت اس مسئلہ میں وقت کے ٹالنے کا دوسرا نام ہے، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ علماء کرام مسجد کو توڑنے یا اسے منتقل کرنے کے فارمولے پر دستخط کردیں۔ آپ سوچیے کیا ہم لوگ ایسا کر سکتے ہیں، مرنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، کیا جواب دیں گے۔

اپنی والدہ سے سلام مسنون کہہ دیں اور دوسرے اعزہ سے دعائیں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

۱۸

۱۱/ اگست ۹۰ء

حاجی اقبال صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سنا ہے کہ آپ حج سے واپس تشریف لے آئے۔ سفر حج مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ سبھوں کے حج کو قبول فرمائے، اور حضرت اقدس جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ سبھوں کو جنت نصیب ہو، آپ نے فرمایا ہے "الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ"

اپنی والدہ سے میرا سلام مسنون کہدیں اور مبارکباد بھی دیدیں۔ آپ کے جانے کے بعد میرے جانے تک چھاپا کا کام بالکل بند ہے۔ مولانا اسرافیل صاحب تشریف لائے تھے، روپے لے گئے، لیکن اب تک انہوں نے ایک پرزی بھی نہیں بھیجی۔ مولانا انعام صاحب بھی تشریف لائے، وہ بھی گئے اور ان کا خط بھی نہیں آیا۔ ہمیں یہ تک معلوم نہیں کہ مولانا اسرافیل صاحب اور مولانا انعام صاحب چھاپا میں موجود بھی ہیں یا نہیں۔

میں ۱۷ر کو باہر جارہا ہوں، آپ براہ کرم ۱۶ر کے اندر چند گھنٹوں کے لیے آئیں۔ مگر نو بجے یہاں پہنچ جائیں یا اس سے بھی پہلے، تاکہ گھنٹہ دو گھنٹہ ہماری آپ کی باتیں ہوسکیں۔ گیارہ بجے دن کے بعد والے اوقات میرے بھرے رہتے ہیں۔ میں اچھا برا چل رہا ہوں، اور حالات حسب سابق ہیں، پرسانِ حال سے سلام مسنون کہدیں۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۱۹)

۲۹/۲/۱۴۱۱ھ

مکرم بندہ جناب عبدالرحمان کوندو صاحب ۔۔۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خط ملا، آپ کی خیریت معلوم کرکے خوشی ہوئی، آپ کا رسالہ "تمباکو نوشی کی حرمت" اب تک میری نگاہ سے نہیں گذرا، لیکن معاف کیجیے گا آپ کو تو تمباکو نوشی کی حرمت کے بجائے، مومن کی خون نوشی کی حرمت پر رسالہ لکھنا چاہیے تھا، راجیو گاندھی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس نے میرٹھ اور بھاگلپور کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ بس حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد ہے کہ وہ ہماری غلطیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرمادے، گرچہ ہم صحیح معنوں میں مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ مگر نام اسی کا لیتے ہیں۔ وہ ارحم الراحمین رحم فرمائے، آپ کی مذکورہ بالا کتاب اب تک مجھے نہیں ملی ہے، مگر اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، آپ کو دسیوں رسالے ملیں گے۔ حضرت مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کا بھی ایک رسالہ موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس پر ایک مختصر مضمون لکھا ہے۔ رسالہ آئیگا تو دیکھنے کی کوشش کروں گا۔

میں حکومت سعودیہ عربیہ کی دعوت پر ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر ستمبر کو ہونے والی مکہ کانفرنس میں گیا ہوا تھا۔ الحمد

للہ کانفرنس کامیاب رہی، اخبارات میں آپ نے رپورٹ پڑھی ہوگی۔ ۱۳ر ستمبر کو مدینہ کی حاضری رہی اور ۱۴ر کو دلی واپس آیا۔ ۱۶ر کو آل انڈیا تحفظ حرمین الشریفین جو ایوان غالب میں منعقد ہوئی صدارت کیا، اور ۱۹ر کو مونگیر آیا۔ اور آج آپ کے خط کا جواب دے رہا ہوں، آپ کے لیے اور کشمیر کے لیے خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر دعا کرتا ہوں اگر مولانا مسعودی دامت برکاتہم سے ملاقات ہو تو میرا اسلام مسنون عرض کر دیں اور ان کی خیریت سے آگاہ کریں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۲۰)

۶ر اگست ۸۹ء

مکرم بندہ کوندو صاحب! زاد لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا۔ الحمد للہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر ۳۰ر جولائی کو بعافیت مونگیر واپس پہنچا، وہاں میں نے جملہ احباب و مخلصین کے لیے دعا کی ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

مولانا مسعودی صاحب شفاہ اللہ کے بارے میں آپ نے لکھ کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ خدا کرے آپریشن ہر طرح کامیاب و قابل اطمینان ہوا ہو اللہ تعالیٰ انھیں شفائے کامل و عاجل سے سرفراز فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ ان کی شخصیت بڑی قیمتی ہے۔ میرا اسلام مسنون کہہ دیں۔

آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں مل چکی ہیں، شکریہ۔

خدا کرے آپ بعافیت ہوں والسلام

منت اللہ رحمانی

(۲۱)

۱۴ر ۹ر ۱۹۸۹ء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا۔ اگر آپ جاڑوں میں پٹنہ اور مونگیر تشریف لاتے تو مجھے مسرت ہوتی۔ کشمیر والوں کو ملک کے گوشے گوشے میں

جاکر مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا چاہئیں تاکہ اکثریت والے صوبوں کے مسلمانوں کو پانچ چھ فیصد آبادی میں رہنے والے مسلمانوں کے حالات کا صحیح علم ہوسکے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا جس زمانہ میں نیا نیا پاکستان بنا تھا، اور یہ سوال زیر بحث تھا کہ کشمیر کدھر جائے۔ اسی وقت انہوں نے فرمایا تھا کہ کشمیر کو ہندستان میں رہنا چاہیے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اکثریت کا اقلیت کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوتا ہے۔ اور کشمیر سے ہندستان کے دوسرے صوبوں کو رہنمائی ملتی ہے۔ لیکن آپ تو اپنے ہی مسائل میں مگن ہیں۔ آیئے اور ضرور آیئے۔

حج پر مبارکباد کیا۔ یہ تو ادائے فرض ہے یا ادائے نفل۔ اب کیا کل نماز پڑھنے والوں کو، اور پرسوں روزے رکھنے والوں کو مبارکباد دی جائے گی؟ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے حج کی توفیق عطا فرمائی۔

مولانا مسعودی صاحب سے بہت بہت سلام مسنون کہیں اور ان کی خدمت میں حسن خاتمہ کے لیے دعا کی درخواست بھی پیش کریں۔

خدا کرے آپ بعافیت ہوں

والسلام

منت اللہ رحمانی

(۲۲)

۱۹ر فروری ۱۹۹۱ء

مکرم بندہ جناب کوند صاحب!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ اس خط نے مولانا مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کردی اور ان کی شہادت کا صدمہ اور زخم جو امتداد ... زمانہ سے آہستہ آہستہ مندمل ہورہا تھا، پھر تازہ ہوگیا۔

مولانا مرحوم علماء کی اولین صف کے لوگوں میں تھے، کشمیر کی آزادی اور اس کی ترقی میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ ان کی شہادت ناقابل تلافی نقصان ہے، حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند سے بلند تر فرمائے، آمین۔

اب دیکھیے آپ سے کب اور کہاں ملاقات ہوتی ہے، خدا کرے آپ اچھے ہوں۔ میری صحت کا وہی حال ہے جو پہلے تھا، دعا فرماتے رہیں۔

والسلام

منت اللہ رحمانی

باب چہارم

تاثرات، تعزیتی مضامین

ماہنامے، روزنامے

تعزیتی خطوط

مناقب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

افتتاحیہ

کون چلا گیا؟

" آبِ بقائے دوام " کی تلاش ہمیشہ لوگ کرتے رہے ہیں لیکن " کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ " کی تلخ حقیقت ہمیشہ غالب رہی ہے ـــــــ ۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹ر مارچ ۱۹۹۱ء کو رات کے سوا دس بجے حضرت امیر شریعت مولانا شاہ منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ اللہ کو پیارے ہو گئے ـــــــ حضرت کے وصال کا حادثہ فرد، خاندان یا کسی ایک شہر کا نہیں، پوری ملت کا ہے ـــــــ ملی قیادت آج جب کہ سب سے زیادہ اس بیدار مغز، صاحب بصیرت اور عزیمت سے بھرپور شخصیت کی محتاج تھی اس کا داغ فراق ہمیں سہنا پڑا۔

خانقاہ رحمانی کی مسند بیعت وارشاد، مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کا چمن، تحفظ قانون شریعت کی تحریک، سبھی چمن اجڑ گئے اور اب علماء کی صفوں میں ان جیسا کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ سچ ہے:

" قیس کی موت، فرد کی موت نہیں، اس سے تو ملت کی بنیاد ڈھ گئی "

میں نے انھیں پچھلے چھتیس برسوں میں خوب دیکھا۔ بڑے نازک مرحلوں میں دیکھا، بلاشبہ وہ اللہ کا عطیہ تھا، عالم باعمل، علم و تفقہ میں بے نظیر، دنیا کے حالات پر نگاہ رکھنے والا، مضبوط قوت ارادی اور بے پناہ جرأت و عزیمت کی مالک وہ شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔

جہاں یہ ملت کا عظیم حادثہ ہے وہاں راقم الحروف کے لئے ذاتی حادثہ بھی۔ میں نے ان کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ میرے ذہن و فکر کی نشو و نما میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ شفقت میں وہ میرے لئے باپ کی طرح تھے، تربیت میں استاذ کی طرح۔ اس وقت جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں حضرت کی وفات کو ۱۳ دن گزر چکے ہیں، پھر بھی اپنے کو کچھ بولنے اور لکھنے کے لائق نہیں پاتا، کہاں سے زبان لاؤں اور کہاں سے قلم۔

اس وقت میں صرف چند اہل علم اور دوستوں کے تاثرات نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ اللہ کے پیارے بندے تھے، ہمیں یقین ہے کہ ان کے درجات بلند ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مخدومی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا ہے:

"آج ۲۳ رمضان المبارک (۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء) کو اپنی قیام گاہ دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں فجر کی نماز سے ذرا پیشتر لکھنوٴ کی اطلاع کے حوالہ سے جو ٹیلی فون کے ذریعہ وہاں پہونچی تھی، یہ خبر بجلی بن کر دل و دماغ پر گری کہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات سے نہ صرف امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ جیسی فعال، موثر و مبارک تحریک و تنظیم (جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) اور ریاست ہائے بہار و اڑیسہ کی دینی و ملی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعال اور منفرد ادارہ اپنے بانی و محرک و روح رواں شخصیت سے محروم ہوا بلکہ ہندوستان کی دینی، ملی اور فکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پُر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

مولانا کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان ہی میں نہیں، اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے علم و اخلاص، عزم و قوت ارادی، اصابت رائے، توازن و اجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرما دی تھیں، جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسے متعدد دینی ملی تاریخی کام لئے، جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

راقم سطور نہ صرف بہ حیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (جس کے وہ بانی اور حقیقتاً روح رواں تھے) اور نہ صرف بہ حیثیت ندوۃ العلماء کے ناظم کے (جس کے ان کے عالی مرتبت پدر بزرگوار حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی و محرک تھے) اور خود مولانا مرحوم اس کے سالہا سال سے ممتاز رکن انتظامی چلے آرہے تھے بلکہ ملت کے ایک فرد اور اس کے مسائل و مشکلات سے واقفیت رکھنے والے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کی طرف سے ایک فکرمند انسان کی حیثیت سے صرف مولانا مرحوم کے پسماندگان اور اہل خاندان و معتقدین کو نہیں بلکہ پوری ملت کو اس عظیم حادثہ پر تعزیت پیش کرتا ہے اور مولانا مرحوم کے رفع درجات کے لئے اور ان کے بعد ان کے عظیم کاموں اور اداروں کے بقاء کے لئے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارتحال کے بعد بھی ان کے شروع کئے ہوئے کاموں اور ترقی دیئے ہوئے اداروں کو باقی اور پھولتا پھلتا رکھے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دارالعلوم دیوبند سے مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قائم مقام مہتمم نے اپنی تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

"یہاں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب کے سانحہ ارتحال کی اچانک خبر سے ہم سب کو قلبی رنج وصدمہ پہونچا، حضرت امیر شریعت مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، علماء کی جماعت میں ایک مضبوط وفعال عالم، مفکر اور امارت شرعیہ ومسلم پرسنل لاء کے روح رواں تھے۔ مسلمانوں کی دینی واصلاحی معاشرتی سدھار میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ امت مسلمہ پر جب کوئی ناگہانی مصیبت آئی تو ان کی امداد میں پیش پیش رہے۔ بلاشبہ ان کی وفات موت العالِم موت العالَم کا مصداق ہے اور ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے کہ پُر ہونا مشکل ہے۔

سیاسی طور پر بھی مرحوم کی ملی خدمات قابل فخر وقابل تحسین ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے وہ مایہ ناز فرزند تھے اور اس کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن کی حیثیت سے آپ تشریف لایا کرتے تھے۔" ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ الی اجل مسمی فلتصبر ولتحتسب"

خدائے عزوجل ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے نیز تمام پسماندگان اور متوسلین کو صبر جمیل سے نوازے اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، نیز جن جن اداروں کی خدمات ان کے سپرد تھیں ان کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالعلوم دیوبند میں مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، اگرچہ دارالعلوم میں اس وقت تعطیل کلاں ہے۔ طلباء عزیز کی اکثریت واساتذہ کرام تعطیل میں ہیں۔

تمام اساتذہ کرام، طلباء عزیز وکارکنان نیز میں اپنی طرف سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں۔ مہربانی فرماکر آپ مرحوم کے دیگر اعزا تک بھی کلمات تعزیت پہونچا کر بندہ کو شکر گذار فرمائیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم، زید مجدہم اپنے وطن عزیز بجنور تشریف لے گئے ہیں۔ امید کہ دعوات صالحہ سے یاد فرماکر ممنون فرمائیں گے۔" والسلام

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے تعزیتی پیغام میں تحریر فرمایا ہے:———

حضرت امیر شریعت قدس سرہ کی وفات کی خبر نے صبر وشکیبائی کے محل کو زمیں بوس کر دیا۔ میں بڑا سخت دل اپنے کو سمجھتا ہوں مگر اس اطلاع سے صبر کے بند ٹوٹ گئے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ دل ڈوب گیا اور آفتاب استقامت غروب ہوگیا، جب سے یہ اطلاع ملی ہے دل کو قرار نہیں آیا۔ اندازہ ہوا کہ واقعی

مجھے حضرت سے کتنا تعلق تھا، جتنا سمجھتا تھا اس سے بہت زیادہ کا اس وقت احساس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پشتیبان تھے، ملت اسلامیہ کے، اس دور میں سب سے بڑے اور اہم سپہ سالار تھے، بہار واڑیسہ کے تو وہ سرپرست تھے ہی پورے ملک کی سرپرستی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

حضرت کی وفات سے آپ حضرات پر بڑی ذمہ داری آپڑی ہے۔ اب آنے والے مسائل کو آپ دونوں ہی حضرات مل کر حل فرمائیں گے اور امارت شرعیہ کی حیات کے لئے مسیحا بن کر کام کریں گے۔ یہ دور فتنہ وفساد کا ہے، بڑی دوراندیشی، معاملہ فہمی اور مضبوطی سے کام کرنے کا زمانہ ہے۔ ہمیں بجاطور پر توقع ہے کہ آپ اس مرحلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے نباہ لے جائیں گے، اور کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔

امارت شرعیہ بہار مسلمانوں کے لئے ایک قلعہ ہے، جہاں سے برابر دین وملت کی خدمات انجام پاتی رہی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی انجام پاتی رہیں گی۔ آپ حضرات کی زندگی کا بڑا حصہ اس ادارہ کی حفاظت وترقی پر صرف ہوا ہے اور بلاشبہ یہ ادارہ آپ حضرات کو بہت زیادہ عزیز ہے۔ آپ حضرات نے امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی ورہبری میں جو کام کیا ہے اور جس قدر محنت کی ہے اس کو تاریخ بھلا نہیں سکتی، ہم جیسے خدام ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں اور اطاعت گذار ہیں۔

حضرت امیر کا حادثہ بڑا جانکاہ ہے مگر یہ آج نہیں کل ہونا ہی تھا، اور یہ سخت گھڑی ملت پر آنی تھی، افسوس یہ ہے دفعۃً آگئی، بے وہم وگمان، ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر واستقامت کی دولت سے نوازے، اور حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے کام کو مل جل کر آگے بڑھائیں۔

میرے دوست جناب عبدالرحیم قریشی جنرل سکریٹری آل انڈیا مجلس تعمیر ملت حیدرآباد نے اپنے تعزیتی پیغام میں لکھا ہے:

"مولانا منت اللہ رحمانی کا انتقال ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کی اولوالعزمی اور عزیمت کو دیکھنے کے بعد اب ایسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔ مرحوم کی جب بھی یاد آتی ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور زبان پر دعائیں جاری ہوتی ہیں۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

دارالعلوم دیوبند سے مولانا نور عالم خلیل امینی مدیر "الداعی" نے اپنے تعزیتی مکتوب میں لکھا ہے:

"ریڈیو اور اخبار سے حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سے دیر تک دل ودماغ مفلوج رہا، ساٹھ ستر سالہ اسلامی قیادت کے فقدان کے عواقب کی طرف ذہن گیا، اور آنکھوں کے سامنے ہزاروں میل تک اندھیرا سا چھا گیا۔ امارت شرعیہ، پرسنل لا بورڈ، خانقاہ رحمانی مونگیر یہ تینوں مولانا کے جوش عمل کا جلی عنوان تھے اور ہیں، اب

ان کا کیا بنے گا؟ اس کے علاوہ ملت کے ہزاروں کام جو صرف مولانا کی علمی وفکری راہنمائی کا رہین منت تھے اب ان کا کیا ہوگا؟ مولانا کا سا جری اور ذہین عالم اب ملت کو کہاں نصیب ہوگا؟ یہ اور اس طرح کے ہزاروں تشنۂ جواب سوالات میرے خانۂ خیال میں گردش کرتے رہے ہیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سانحہ بطور خاص آپ کے لئے بڑا دل گداز ہے اور اس سے بڑا سانحہ انشاء اللہ آپ کو پیش نہ آئے گا۔ خانقاہ رحمانی کی مدرسی سے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، مسلم پرسنل لابورڈ اور ملت کی قیادت کے مختلف اسٹیج پر مولانا نے آپ کو سلیقہ سے بٹھایا اور آپ کی صلاحیت سے کام لے کر ملت کو فائدہ پہنچا کر اپنے بعد مستقل قیادت کے لئے آپ کو تیار کیا۔ اس لئے اب ان کے بعد یقیناً سبھوں کی نظر آپ کی طرف جائے گی۔ ہر چند کہ مولانا کے ساتھ ان کا خاندانی پس منظر اور طویل جد وجہد و خدمت دین کا بیک گراؤنڈ اور ان کی بھاری بھرکم شخصیت تھی۔ لیکن خدا نے آپ کو ذہانت اور صلاحیت کے جس امتیاز سے نوازا ہے اس کی روشنی میں یقین کیا جا سکتا ہے کہ آپ ان کے بعد کے خلا کو بڑی حد تک پر کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت مولانا سے، آپ سے، مولانا ولی سے ہم خوردوں کو محبت وعقیدت کا جو رشتہ ہے اس کے تئیں یہ سانحہ اپنا خاندانی سانحہ بھی ہے۔ گو کہ یہ خسارہ پوری ملت کا خسارہ ہے۔

خدائے کریم آپ لوگوں کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے اور مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور ان کے بعد کے خلا کی وجہ سے ان سے متعلق کسی ادارہ میں کوئی خلفشار پیدا نہ ہو کہ کسی عظیم انسان کے اٹھ جانے سے اس کا سب سے بڑا خطرہ رہتا ہے۔ اس وقت انھیں سطروں پر اکتفا کرتا ہوں"۔

صوبہ آسام کے امیر شریعت مولانا طیب الرحمن صاحب نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"گذشتہ ۲۱ر مارچ کو میرے ایک دوست نے جب یہ افسوسناک خبر سنایا کہ گذشتہ رات یعنی ۲۰ر مارچ گذرنے والی رات ٹی وی کے نشریہ میں کہا گیا کہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت، کل ہند مسلم پرسنل لابورڈ کے سکریٹری جنرل حضرت الحاج مولانا منت اللہ رحمانی صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، تو ہمیں بہت ہی افسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ الفردوس مثواہ۔

ندائے دین کے دفتر میں جو کارکن تھے ان کو لے کر علی الفور قرآن خوانی کر کے دعائے مغفرت اور رفع درجات کیا گیا۔

ہم تمام کارکنان امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعاء ہیں ذات باری تعالیٰ اس مرد آہن، مجاہد ملت اور قوم کے غم خوار کا نعم البدل عنایت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو

صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

جامع مسجد پیری میٹ مدراس کے امام وخطیب مولانا محمد قاسم انصاری نے اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر کیا ہے:

"امیر شریعت حضرت اقدس محترم مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے حادثۂ وفات کی خبر سن کر دل ودماغ پر حزن وملال اور رنج والم کی جو کیفیت طاری ہوئی وہ ناقابل بیان ہے ذہن مضطر اور قلب بے چینی کا شکار ہو گیا۔ پہلے تو یقین ہی نہیں آیا کہ علم وعرفان کا یہ آفتاب اتنی جلد غروب ہو گیا اور تاریخ کے ایک باب کا خاتمہ ہو گیا لیکن بالآخر مرضیٔ الٰہی اور فیصلۂ سماوی کے آگے مجبور وبے بس ہونا پڑا۔

مولانا کا داغ مفارقت پورے ملک کے لئے رنج وغم کا باعث ہے۔ ان کی رحلت سے ملک یتیم ہو گیا۔ اتحاد واتفاق، باہمی اخوت اور قومی یکجہتی کا زبردست علم بردار دنیا سے اٹھ گیا۔ مسلمان اپنے ایک عظیم قائد کی خدمات سے محروم ہو گئے جس نے ان کی فلاح وبہبود اور مفاد عامہ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

انھوں نے ایثار واخلاص، نیک نفسی اور نیک دلی، صبر واستقامت، فہم وفراست، زہد واتقاء، تواضع وانکساری، امانت داری وراست بازی کے ایسے نمونے چھوڑے ہیں جو صدیوں تک لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

ان کی وفات سے علماء وصلحاء کے طبقہ کا ایک گل سرسبد اٹھ گیا۔ تاریکی میں روشنی اور گمراہی میں رشد وہدایت کی کرن باقی نہیں رہی۔ ان کی علمی وتاریخی اور اصلاحی خدمات کئی نسلوں کے لئے سامان ہدایت ہیں۔ میں صمیم قلب سے دعاگو ہوں کہ پروردگار عالم ان کی ہر منزل پر مغفرت فرمائے، ان کی تربت پر رحمتوں وبرکتوں کے پھول برسائے، اپنے اعزاز واکرام سے مالامال فرمائے، آپ تمام کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کے تاریخی واصلاحی نقوش کو زندہ وتابندہ اور ان کی علمی وملی خدمات کو دوسروں کے لئے راہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

ملی جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا سید احمد ہاشمی نے اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا ہے، ——

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ بڑی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا وقت ہے۔ اللہ آپ حضرات کو شرور وفتن سے محفوظ رکھ کر اس مرکز امارت کی خدمات کو جاری وباقی رکھنے کی توفیق وحوصلہ عطا کرے۔ آمین۔

مجاہد الاسلام قاسمی

اپریل ۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

(۱)

۱۹۹۱ء کا سال علمی، فکری اور ملی قیادت کے لئے بڑا اندوہناک ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور فکر و تدبر کے اونچے افق پر جن شخصیات کا نور چمکا اور انھوں نے علم و تحقیق اور اخلاص و عمل کی دنیا میں ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت کی، ان میں سرفہرست حضرت مولانا محمد تقی امینی۔ مولانا قاضی سجاد حسین دہلوی اور مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی تھے۔ یہ تمام عالم تحقیق و تصنیف اور فکر و تدبر کے روشن چراغ اور علوم فقہ و شریعت کے امین اور اکابر و اسلاف کے نمونہ و یادگار تھے، جو یکے بعد دیگرے اس دنیا سے اٹھتے چلے گئے اور اپنے پیچھے ایک ایسا وسیع خلا چھوڑ گئے جس کا پر ہونا انتہائی دشوار نظر آرہا ہے، رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔ اور پھر وہ آخری شخصیت جو علم و عرفان کا آفتاب، فہم و فراست اور اخلاص و عمل کا پیکر، جرأت و استقامت کا پہاڑ، ملی اتحاد و اخوت کی علامت، زہد و اتقا کا گل سرسبد اور ملی قیادت کی نشان تھی۔ یعنی امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ، ان کی وفات سے عالم اسلام بالخصوص ہندوستان کی علمی، فکری اور دینی و ملی قیادت میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کے پُر ہونے کے آثار بظاہر دور دور تک نظر نہیں آتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ دنیا فانی ہے۔ اس میں کسی کو بقا و دوام نہیں۔ یہاں ہر آنے والا جانے ہی کے لئے آتا ہے۔ پھر اس کی جگہ اللہ تعالیٰ قوم و ملت کی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے دوسرے افراد کو لاتے ہیں، اور یہ کارخانہ و نظام چلتا رہتا ہے۔

(۲)

جانے والوں کے جانے کے بعد جب خلا پیدا ہوتا ہے تو یہ احساس تیز ہوتا ہے کہ وہ جانے والا اپنے بعد کن لوگوں کو چھوڑ گیا ہے جو اس کے ادھورے کاموں کی تکمیل کریں اور امت کی رہنمائی و قیادت کا فریضہ انجام دیں۔ اکابر و اسلاف کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ انھوں نے دین و ملت اور ملک و قوم کے لئے ہر شعبۂ زندگی میں ایسے افراد کو تیار کیا جنھوں نے

ان کے جلائے ہوئے چراغ کو وقت کے طوفانوں سے بچا کر روشن رکھا۔ اور چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک جہاد وحریت کے بعد اس ایک صدی میں جن علماء نے خاص طور پر جوہر قابل کو تلاش کرکے اس کو علم وعمل اور فکر وتدبر سے آراستہ کیا۔ ان میں سرفہرست شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبلی نعمانی، حضرت مولانا محمد علیؒ مونگیری، علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ تھے۔ یہ اکابر اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ افراد سازی ومردم کاری میں ممتاز تھے۔ اور آخر میں انھیں کے نقوش قدم کے پیرو حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی تھے۔ جنھوں نے درس وتدریس، تحقیق وتصنیف، تصوف واحسان اور ملی اتحاد واجتماعیت اور قیادت کے لئے سیکڑوں علماء ودانشوروں کو تیار کیا۔ وہ ملت کے نوجوان وصالح علماء کو نخل آرزو قرار دیتے۔ اور اس طرح ان کے اخلاق وعمل اور فکر وعلم کی آبیاری کرتے جیسے کوئی محنتی کسان اپنے لگائے ہوئے پودوں کی دیکھ بھال کرتا ہے یا جس طرح کوئی مشفق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔ وہ جب خانقاہ رحمانی مونگیر یا امارت شرعیہ پھلواری شریف میں رہتے تو اپنے ساتھ رہنے والوں کو صبح کی چائے پر بلاتے۔ مختلف مسائل کو ان کے سامنے پیش کرتے اور رائے دینے کو کہتے پھر اس پر جرح کرتے اور اس طرح ان کی تربیت کرتے۔ علمی وتحقیقی کام میں لگاتے۔ اس کی نگرانی کرتے۔ اور غائبانہ میں ذہین وباصلاحیت افراد کی تعریف کرتے۔ پھر یہ کہ سب کی مشکلات کا خود علم رکھنے کی کوشش کرتے اور ان کی مدد فرماتے۔

انیس الرحمٰن قاسمی

دسمبر ۹۱ء

اپریل سنہ ۱۹۹۱ء مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۱ھ

حضرت امیر شریعتؒ ایک فعّال شخصیت

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجّاد ندوی۔ مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ۔

گذشتہ مہینوں میں کئی ایسی ممتاز شخصیتیں اس عالم فانی سے رخصت ہوئیں جن کا تذکرہ الفرقان کے صفحات میں ضرور ہونا چاہئے تھا، لیکن مختلف وجوہ سے نہیں ہو سکا۔ مولانا ابو اللیث اصلاحی (امیر جماعت اسلامی ہند) کشمیر کے مولانا مسعودی، اور مولانا تقی امینی، یہ سب حضرات وہ تھے جنھوں نے اپنے اپنے دائرۂ عمل میں دین و ملت کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور اسی ماہ رمضان کی تیسری شب (۱۹۔ ۲۰ مارچ کی درمیانی رات) میں مولانا منت اللہ رحمانی (امیر شریعت بہار و اڑیسہ) کی وفات کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا ___ ہم لوگ اُن دنوں حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں دہلی میں تھے ___ ۲۰ مارچ کی صبح وہاں قومی آواز سے اس حادثہ کی خبر ملی۔ جو دل و دماغ پر بجلی بن کر گری ___ کچھ دیر تک ہم لوگوں کو اس میں تردد رہا کہ حضرت والد ماجد مدظلہٗ کو فوری طور پر اس کی اطلاع دی جائے یا نہیں (اُن کی آنکھ کا آپریشن اگلے دن ہی ہونے والا تھا اور ڈاکٹروں کو بلڈ پریشر کنٹرول میں رکھنے کا بہت اہتمام تھا) لیکن بالآخر میری اس رائے سے سب نے

اتفاق کیا کہ کچھ بھی ہو، اطلاع فوراً دینی چاہئے کہ مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعلق خاطر، اور مختلف دینی کاموں میں ان کے ساتھ طویل رفاقت رہی ہے، اس کا یہ لازمی تقاضا ہے۔ بہرحال راقم الحروف نے یہ اطلاع دی، خبر سنتے ہی پہلے تو سکتہ کا سا عالم طاری ہوگیا، پھر رقت طاری ہوگئی، اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک مولانا رحمانی کے لئے مغفرت ورحمت اور ترقی درجات کی دعا کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی ایما جان کر ہم لوگوں نے پٹنہ اور مونگیر فون کر کے کوشش کی کہ صاحبزادۂ محترم مولانا محمد رحمانی صاحب سے بات ہو جائے اور والد ماجد کی طرف سے تعزیت مسنونہ کا پیام اور دعائیں ان کو پہنچا دی جائیں۔ غالباً اگلے دن برادر زادۂ محترم عبید الرحمٰن سنبھلی کا ٹیلیفون رابطہ مونگیر سے قائم ہو سکا اور یہ پیغام وہاں پہنچایا جا سکا۔

مولانا رحمانی انتہائی مؤثر، طاقتور اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جو آج کل طبقۂ علماء میں کم یکجا ملتی ہیں۔ اللہ نے ان کو ایسی وجیہ وباوقار شخصیت عطا فرمائی تھی کہ جو ان سے ملتا مرعوب ہوتا، ان پر کسی کا رعب نہیں پڑتا تھا اور شاید یہی چیز تھی جس کی وجہ سے مختلف ملی مسائل میں نمائندگی کے لئے وہ بہترین شخصیت ثابت ہوتے تھے۔ شاہ بانو کیس کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی کارکردگی، زیادہ تر انہی کی کارکردگی سے عبارت ہے — ان کا آخری سفر لکھنؤ بھی ملت کی ایک خدمت ہی کے تقاضے سے ہوا تھا، بابری مسجد کے سلسلہ میں ایک نیا شوشہ راجیو گاندھی صاحب کی طرف سے چھوڑا گیا تھا وہ اسی کے تدارک کے لئے سخت ضعف ونقاہت کے باوجود لکھنؤ تشریف لائے تھے، اور بڑی سنجیدگی اور عزیمت کے ساتھ اس فتنہ کو وہیں ختم کر دینے کا انتظام کر کے لکھنؤ سے رخصت ہوئے تھے۔

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد
مئی۔جون ۱۹۹۱ء بمطابق ذیقعدہ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

ملت اسلامیہ کا ایک اور روشن چراغ گل ہوا

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدیر ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ

ناظرین الرشاد کو حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے حادثۂ انتقال کی جانکاہ خبر مل چکی ہوگی مولانا کے انتقال سے ملت اسلامیہ ہندیہ ایک ممتاز عالم دین، ملت کے غم گسار اور ایک جرأت مند راہنما سے محروم ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

مولانا تحریک ندوۃ العلماء کے محرک اول یادگار سلف حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفۂ اول حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے، جو مزاج، طبیعت اور اعتدال پسندی میں اپنے والد بزرگوار کے نقش ثانی تھے۔ ان میں ایک عالمانہ وقار ضرور تھا مگر شیخ ہوتے ہوئے مشیخت کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے دور تھے۔

مولانا اپنی عمر طبعی کو پہنچ گئے تھے اور کچھ دنوں سے جسمانی طور پر کمزور بھی ہوگئے تھے مگر عزم وارادہ میں کوئی کمزوری نہیں آئی تھی یہی وجہ تھی کہ اس حالت میں بھی ملت کے کاموں کے لئے طویل سے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ پچھلے اکتوبر میں مسلم مجلس مشاورت کے جلسہ میں ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو دیکھکر اپنے اندر بھی ملی کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

ابھی تین ماہ پہلے مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد اور دوسرے مسائل میں جو جرأت مندانہ فیصلے کئے اور تجویزیں پاس کیں اس میں ان کی جرأت مندی صاف صاف جھلک رہی تھی پھر ان کی روشنی میں بے بنیاد اور ناکام ترین موجودہ وزیر اعظم سے انھوں نے ہندستان کے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں جو گفتگو کی

وہ بھی ان کی جرأت ایمانی اور ملی حمیت کا نمایاں مثال ہے۔

مولانا تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، وہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تیئس برس سے امیر شریعت تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ابتدا سے جنرل سکریٹری بلکہ روح رواں رہے، مسلم مجلس مشاورت کے اہم بنیادی ارکان میں تھے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ممبر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے، مونگیر میں جامعہ رحمانی کی بنیاد ڈالی، جس کا شمار اس وقت بہار کے ممتاز ترین اداروں میں ہوتا ہے، امارت شرعیہ جس کا کام بہار واڑیسہ کے مسلمانوں کے عائلی مسائل کے فیصلوں تک محدود تھا اسے انہوں نے ہندستان گیر بنادیا اور ساتھ ہی اس کا رشتہ ملی اور رفاہی کاموں سے جوڑ کر اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ کردیا۔

حالات کے لحاظ سے مسلم پرسنل لا کی جدید ترتیب کا اہم کام بھی انھیں کی زیر نگرانی ہو رہا تھا جو غالباً پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے راقم الحروف کو بھی بار بار اس کی نقل بھیجکر اس کی رائے بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

موت بھی ایسی پر سعادت اور قابل رشک پائی جو خاصان خدا کا حصہ ہے یعنی نماز تراویح کی چار رکعت ادا کرچکے تھے کہ قلب کا دورہ پڑا اور چند منٹ کے اندر روح اپنے مولا سے جاملی۔ اَللّٰھُمَّ ارحمہ رحمۃ واسعۃ سابغۃ،

راقم الحروف کو بعض ملی مسائل کے عمل درآمد اور ذرائع استعمال کے سلسلہ میں کچھ خلش تھی جس کا اظہار میں ذاتی خطوط کے ذریعہ اور الرشاد کے اداریہ کے ذریعہ کرتا رہا۔ مگر ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور کے فساد کے سلسلہ میں بھاگلپور جانے کا اتفاق ہوا تو امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات نے مولانا کو بھی فون کے ذریعہ یہ اطلاع دے دیا۔ یہ فلاں ٹرین سے جارہے ہیں جب گاڑی جمال پور اسٹیشن پر پہونچی تو مولانا کے ایک نمائندے ڈبہ میں آئے اور کہا کہ مولانا نے فرمایا ہے کہ گاڑی چھوڑ کر پہلے مونگیر آجائیں پھر وہاں جائیں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، میں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ بھاگلپور اطلاع ہوگئی ہے اس لئے وہاں لوگ انتظار کریں گے انشاء اللہ واپسی میں حاضر خدمت ہوں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ

دو دن بعد حاضر ہوا۔ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے رات میں تو کوئی گفتگو نہ ہو سکی مگر صبح کو چائے پر راقم الحروف اور میرے ہم سفر عالم بدیع اعظمی صاحب سے کھل کر گفتگو کی انہوں نے ہماری باتوں کو سُنا اور مناسب جواب دیا، جس سے بڑی حد تک خلش دور ہو گئی اور اس کے بعد قلبی تعلق میں مزید اضافہ ہوا۔

مولانا کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا بظاہر جلد اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے مگر وما ذالك على الله بعزیز

حضرت امیر شریعت

مولانا منت اللہ رحمانی کا وصال

ملت ایک مخلص، مدبر، جری اور دردمند قیادت سے محروم ہوگئی

شاہد رام نگری

ہم نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ اپنے قارئین اور امارت کے ہمدردوں اور مخلصین کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی کا ۱۹؍ مارچ کی شب میں نماز تراویح کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے اچانک وصال ہوگیا۔ دوسرے دن بعد نماز مغرب خانقاہ رحمانی مونگیر میں اپنے والد محترم قطب دوراں حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے بازو میں سپرد خاک کیے گئے۔ جنازہ کی نماز جامعہ رحمانی کے وسیع میدان میں ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحب نے پڑھائی۔ متوسلین و معتقدین کا زبردست اژدہام تھا ایک محتاط اندازے کے مطابق ۳۰ ہزار سے زیادہ عقیدت مندوں نے جنازہ میں شرکت کی۔ ۱۹؍ مارچ یعنی منگل کے دن آپ نے معمول کے مطابق روزہ رکھا، شام کو سب لوگوں کے ساتھ افطار کیا اس کے بعد کھانا کھایا، چائے پی اور پھر نماز عشاء جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر ادا کی۔ تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے، چار رکعت

کے بعد قلب میں کچھ بے چینی کا احساس ہوا، خادم کو اشارہ کیا اور بالکل خاموشی سے آکر بستر پر لیٹ گئے۔
نماز میں خلل نہ ہو اس کے لیے مسجد میں کسی سے تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ بے چینی بڑھتی گئی کبھی بستر پر
لیٹ جاتے اور کبھی ٹہلنے لگتے، نماز ختم ہونے کے بعد لوگوں کو خبر ملی تو دوڑے، ڈاکٹروں کو خبر دی گئی، پندرہ
بیس منٹ اسی حال میں گذرے، کلمہ کا ورد برابر جاری تھا پھر ایسا لگا کہ کچھ آرام ہو رہا ہے اور غنودگی
سی طاری ہو رہی ہے، کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ حضرت ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں، لیکن داعیٔ اجل
کا بلاوا آچکا تھا روح قفس عنصری کو چھوڑ کر عرش اعلیٰ کی طرف پرواز کر چکی تھی۔ ڈاکٹر آئے، دیکھنے
کے بعد انہوں نے جب کہا کہ حضرت اب ہمارے درمیان نہیں رہے تو کوئی یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔
یقین کیسے آتا ابھی تو حضرت ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، لیکن جب یکے بعد دیگرے کئی
ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی تو یقین کرنا ہی پڑا۔ حضرت کے جانشین مولانا محمد ولی رحمانی پٹنہ میں تھے
ان کو فون سے اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع دی گئی، انہوں نے امارت شرعیہ میں ناظم صاحب کو خبر کی اور
رات میں ہی مونگیر کے لیے روانہ ہو گئے، ناظم امارت شرعیہ مولانا نظام الدین اور قاضی شریعت
مولانا مجاہد الاسلام قاسمی اور امارت شرعیہ کے دوسرے کارکن بعد نماز فجر مونگیر کے لیے روانہ ہوئے۔

صبح ریڈیو سے حضرت کے وفات کی خبر نشر ہونے کے بعد پورے ملک میں اس حادثہ کی خبر
ہو گئی۔ اگرچہ مونگیر ٹرین اور پلین کی مین لائن نہیں ہے اس کے باوجود جس کو جو سواری دستیاب ہوئی
اسی سے مونگیر کی طرف چل پڑا۔ سب سے پہلے پہونچنے والوں میں گورنر بہار جناب شفیع قریشی تھے۔
انہیں کے ساتھ انصاف پارٹی کے صدر سید شہاب الدین اور مسلم مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری
مولانا احمد علی قاسمی بھی مونگیر پہونچے۔ دونوں سروس پلین سے نئی دہلی سے پٹنہ پہونچے تھے، دوسرے پلین
سے وزیر اعلیٰ لالو پرشاد یادو، سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین امیشور
پرساد ورما، وزیر مملکت جے پرکاش یادو، پندرہ نکاتی پروگرام کمیٹی کے چیرمین جناب عبد الباری صدیقی
اور بہار اقلیتی کمیشن کے ورکنگ چیرمین جناب جابر حسین پہونچے اور حضرت امیر شریعت کو خراج عقیدت
پیش کیا اور مولانا ولی رحمانی سے تعزیت کی۔ اقلیتی کمیشن کے سابق ورکنگ چیرمین جناب ہارون رشید
جناب خورشید انوار عارفی کار سے پہونچے، ان کے ساتھ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے حضرات بھی
تھے۔ حضرت مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری، جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا اسرار الحق اور جمعیۃ

علماء بہار کے سکریٹری حسن احمد قادری بھی کار سے پہونچے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا مفتی برہان الدین اور مفتی ظہور احمد صاحب سروس پلین سے پٹنہ پہونچے۔ اور یہاں سے بذریعہ جیپ مونگیر پہونچے کلکتہ کے جناب سعید رحمانی نے بتایا کہ ان کو ۳ بجے کے لگ بھگ اخبار مشرقا کے ایڈیٹر جناب وسیم الحق نے اس سانحہ کی اطلاع دی، اور وہ سحری کھاکر بذریعہ کار اپنے صاحبزادے کے ساتھ مونگیر کے لیے چل پڑے، رانچی سے مولانا شعیب رحمانی پروفیسر رانچی یونیورسٹی بھی کار سے ہی مونگیر پہونچے، دربھنگہ، پورنیہ، سہرسہ، مدھے پورہ، رانچی، دھنباد، مظفرپور، بھاگل پور، بیگوسرائے اور دوسرے اضلاع سے بھی عقیدت مندوں کی بڑی تعداد مونگیر پہونچ کر جنازے میں شریک ہوئی۔

حضرت امیر شریعت نے تقریباً ۷۰ سال کی عمر پائی، ۹، رجمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم مونگیر، حیدرآباد، ندوہ اور دیوبند میں ہوئی، علماء دیوبند کی قیادت میں تحریک آزادی میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۳۲ء میں سہارنپور میں تحریک آزادی کے سلسلے میں ہی گرفتاری دی اور جیل گئے ۱۹۳۴ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مونگیر آئے تھے کہ زلزلہ آیا جس نے مونگیر شہر اور اطراف کی بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا اور جان و مال کا بڑے پیمانے پر نقصان ہوا، ہزاروں افراد ہلاک و زخمی دبے گھر بار ہوگئے، آپ نے ریلیف کمیٹی قائم کر کے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کی۔ ۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علماء بہار کے سکریٹری منتخب ہوئے اسی سال مولانا ابو المحاسن سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے انڈی پنڈنٹ پارٹی کی داغ بیل ڈالی، آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں سپول مدھے پورہ حلقہ سے اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ ایوان کے سب سے کم عمر ممبر تھے۔ آپ نے ملی و اجتماعی مسائل پر اسمبلی میں کئی معرکۃ الآرا تقریریں کیں، اور اس کے اہم فیصلوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہیں دنوں آپ نے الہلال اخبار بھی جاری کیا۔

حضرت امیر شریعت اپنے والد محترم مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ سلوک وارشاد کی تربیت آپ کو مولانا محمد عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے حاصل ہوئی، بڑے بھائی مولانا سید شاہ لطف اللہ کے وصال کے بعد آپ خانقاہ مونگیر کے سجادہ نشین کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں جامعہ رحمانی کا اجراء کیا۔ اور اس کو ترقی دی۔ آج اس کا شمار ہندستان کے مشہور درس گاہوں میں ہے ۱۹۵۵ء میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۲۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو آپ کی کوششوں سے بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقد ہوا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانان ہند کا ایک متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آیا۔ ۱۸؍اپریل ۱۹۷۳ء حیدرآباد میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس ہوا تو آپ کو جنرل سکریٹری کی ذمہ داری سپرد کی گئی، اور آپ تاحیات اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ ایمرجنسی کے دوران جبکہ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر نسبندی کی جارہی تھی آپ نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی اور اسے اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی اور بنگلہ زبان میں چھپوا کر پورے ملک میں تقسیم کرایا۔ اس کے بعد جب شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دے کر مسلم پرسنل لا میں بیجا طور سے دخل اندازی کی تو آپ نے پورے ملک کا دورہ کرکے تحریک تحفظ شریعت کو منظم کیا۔ آزاد ہندستان میں یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تحریک تھی جس سے حکومت پر زبردست دباؤ پڑا اور اس نے پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون بنا کر سپریم کورٹ کے فیصلے کو بے اثر کر دیا۔

پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود آپ ملی اور اجتماعی کاموں کے لیے کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ۱۵؍دسمبر سے آپ نے مسلم پرسنل لا کے کاموں کے سلسلے میں جنوبی ہند کا طویل دورہ کیا۔ مختلف شہروں میں اجتماعات میں شرکت کے بعد جب آپ بنگلور پہونچے تو شوگر بہت بڑھ گیا تھا اور کمزوری بہت زیادہ ہوگئی تھی مگر ملت کے معاملات اور فکرمندی میں آپ نے کوئی کمی نہیں ہونے دی۔ چنانچہ بابری مسجد تنازعہ کے سلسلے میں آپ کو اسی حال میں ۳؍فروری کو لکھنؤ کا سفر کرنا پڑا۔

اس سے قبل ۳؍دسمبر ۱۹۹۰ء کو بابری مسجد کے سوال پر آپ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک خصوصی اجلاس بلایا جس میں ایک جرأت مندانہ قرارداد منظور کرکے حکومت سے کہا گیا کہ بابری مسجد کو منتقل کرنے یا کسی کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو مسلمانوں کو واپس ملنا چاہیے۔ بورڈ نے مسلمانان ہند کو ایک پیغام بھی دیا جس سے مسلمانوں کو موجودہ نامساعد حالات کا مقابلہ صبر و استقلال کے ساتھ کرنے کا مشورہ دیا ــــــ حضرت امیر شریعت کی متحرک اور فعال قیادت نے ہر نازک وقت میں مسلمانوں کو جرأت مندانہ رہنمائی دی۔ آپ اپنی حق گوئی، بیباکی اور بے خوفی کے لیے مشہور تھے۔ آپ کے انتقال سے ملی قیادت میں ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا پر ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ملت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا کرے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

ان کے اچانک چلے جانے سے زبردست خلا محسوس ہو رہا ہے

تاج الدین اشعر روزنامہ قومی مورچہ، بنارس

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اللہ کے جوار رحمت میں چلے گئے۔ ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ محنت کرور تھی یہ عمر مکمل طور پر جسمانی و ذہنی طور پر آرام و سکون کرنے کی ہوتی ہے، لیکن انہوں نے اپنے ذمہ ملت اسلامیہ کی اتنی اہم ذمہ داریاں لے رکھی تھیں اور ان کو اتنی مدت سے اور اتنی تندہی، سرگرمی اور مسئولیت کے احساس کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے کہ آج ان کے اچانک چلے جانے سے زبردست خلا محسوس ہو رہا ہے۔ انہوں نے ملت کے مسائل سے منہ نہیں موڑا اور ذاتی راحت و سکون کی کبھی فکر نہیں کی، وہ کہنے کے لیے صرف بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت تھے۔ لیکن پورے ملک کے ملی مسائل کا درد و غم رکھتے تھے اور ہر اجتماعی ملی مسئلہ میں سب کی نگاہیں مخلصانہ متوازن اور دردمندانہ رہنمائی کے لیے پورے ملک میں خود بخود ان کی طرف اٹھتی ہیں۔ ان کی عظمت کے لیے یہی ایک بات کافی تھی کہ وہ ایک وسیع و عریض صوبہ بہار اور اس کی پڑوسی ریاست اڑیسہ کے کروڑوں مسلمانوں کے ملنے ہوئے

امیر شریعت تھے اور اس منصب کو انہوں نے اپنے عظیم پیش رؤں کی طرح بڑی حسن و خوبی کے ساتھ نبھایا۔ لیکن جب مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل ہوئی تو وہ اس کی قیادت کی اگلی صف میں پہنچ گئے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا تو اس کے جنرل سکریٹری کے عہدے کی خلعت ان کے سوا کسی اور شخصیت کے قد پر موزوں نہ ہوئی۔ ان کل ہند تنظیموں کے اجلاس چاہے دہلی میں ہوں یا کلکتہ اور بمبئی میں، مدراس میں ہوں یا بنگلور اور حیدرآباد میں اپنی ضعیفی اور امراض و نقاہتوں کے باوجود وہ طویل سفر کر کے ان میں شرکت کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے بغیر وہ اجلاس مکمل نہیں تصور کیے جاتے تھے۔

لیکن شب و روز کی دوڑ دھوپ اور اس شرف و امتیاز اور مقبولیت کے باوجود ان کی شخصیت غیر متنازعہ فیہ بنی رہی۔ کسی نے ان کی ملی و اجتماعی اخلاق و کردار پر انگلی نہیں اٹھائی۔ ان کے امور و معاملات کبھی بحث کا موضوع نہیں بنے، یہاں تک کہ کسی نے ان سے رقابت کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ مسلمان جیسی قوم میں، جہاں اچھے اچھوں کی پگڑیاں اچھالنا چھوٹے لوگوں یا ہرچشموں کا ایک دلچسپ مشغلہ ہے یہ بہت عجیب معاملہ ہے کہ مولانا رحمانی آخری سانس تک نہ صرف امیر شریعت بنے رہے بلکہ دوسرے اہم ملی عہدوں نے انہیں دم نہیں لینے دیا۔

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ خود پورے ملک میں اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اور نرالی تنظیم ہے جس کی کوئی مثال دوسری ریاستوں میں بھی نہیں ملتی۔ ہر ریاست میں اس مقصد کے لیے ادارے اور تنظیمیں ہیں۔ لیکن جتنا ہمہ گیر اعتماد و اطمینان امارت کے ذمہ داروں پر دو ریاستوں کے مسلمانوں ہی کو نہیں دیگر ریاستوں کے مسلمانوں کو ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بڑے بڑے تباہ کن فسادات کے ہنگامی مواقع پر امارت شرعیہ کا نظام جو بہار کے ہر مقام پر جال کی طرح پھیلا ہوا ہے سرگرم ہو جاتا ہے اور مظلومین کی امداد، بچاؤ اور باز آبادکاری کے منصوبے بنا کر انہیں تکمیل تک پہونچاتا ہے۔ ریلیف کے لیے عطیات، زکوٰۃ صدقات وغیرہ کے لاکھوں لاکھ روپے، اجناس اور دوسرے سامان پورے ملک کے لوگ پورے بھروسے کے ساتھ امارت کے نام بھیج دیتے ہیں۔ اور امارت مکانات کی تعمیر، دکانوں کی تعمیر، یتیم بچوں کی کفالت بیواؤں کی پرورش تک کے کاموں کا بندوبست کرنے کے بعد پائی پائی کا حساب پیش کر دیتی ہے۔ امارت کے ہمہ وقتی کارکن بڑے محنتی جفاکش، مخلص اور ایماندار ہوتے ہیں، ان میں سے ایک مولانا عبداللہ صاحب مرحوم سالہا سال سے رمضان میں بنارس آتے تھے۔ انتہائی سادہ، ملنسار اور شریف النفس آدمی تھے۔ گذشتہ

سال جب امارت بھاگل پور کے مظلومین کی باز آباد کاری میں مصروف تھی مولانا عبداللہ صاحب کے اچانک انتقال کی اطلاع آئی۔ اللہ تعالیٰ ان نیک و مخلص لوگوں کو اپنی رحمت و عنایت سے نوازے اور پوری ملت کی طرف سے ان کی خدمات کا اجر حسنہ عطا فرمائے۔

حضرت امیر شریعت مرحوم ہم سے ایسے مبارک دنوں میں بچھڑے ہیں کہ جنہیں حدیث پاک میں رحمت کا عشرہ فرمایا گیا ہے۔ اللہ مرحوم کی دینی و ملی خدمات کے طفیل ان پر اپنے رحمتوں کی بارش فرما! اور ملت کو اپنے اس مخلص رہنما اور سرپرست کا نعم البدل عطا فرما۔

ہم مولانا منت اللہ رحمانی ؒ کے فرزند رشید مولانا ولی رحمانی صاحب (ایم ایل سی) اور ان کے سوگوار کنبہ میں ہی کو نہیں، امارت شرعیہ کے تمام شعبوں کے کارکنوں کو جو ایک کنبہ کے ہی مثل ہیں اس سانحہ فاجعہ پر دلی تعزیت پیش کرتے ہیں۔ ہر ذات کے لیے بجز ذات الٰہی کے اجل کی ایک گھڑی مقرر ہے۔ کتنے آتے اور کتنے جاتے ہیں۔ ہزاروں اٹھ گئے۔ لیکن وہی رونق ہے محفل کی لیکن کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے کارناموں اور اخلاق و عمل کو دنیا مدتوں یاد رکھتی ہے۔ ان ہی خوش نصیبوں میں حضرت امیر شریعت کا بھی شمار ہوتا ہے، دیکھنا ہے کہ ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

اور یہ کہ مولانا رحمانی کے اٹھ جانے کے بعد ملی خدمات کا سیلاب بلاکس کے گھر جاتا ہے۔ ان کی جانشینی ایک بڑا چیلنج ہے۔

مولانا اپنے فرائض کے بار سے سبکدوش ہوئے لیکن انہوں نے اپنا بوجھ پوری ملت کے سر پر چھوڑا ہے۔ خصوصاً امارت کا مالی استحکام ہر فرد کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

PUBLISHED SIMULTANEOUSLY FROM PATNA, DELHI AND LUCKNOW.

پٹنہ، دہلی اور لکھنؤ سے ایک ساتھ شائع ہونے والا اردو روزنامہ

QAUMI AWAZ

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کا وصال

دوران تراویح قلب کا جان لیوا دورہ، خانقاہ رحمانی میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین

اسلامی دنیا ایک عالم دین سے محروم

(قومی آواز، پٹنہ، ۲۱ / مارچ ۱۹۹۱ء)

(۲۰ / مارچ ۹۱ء) دکھ کے ساتھ ادارہ قومی آواز ممتاز عالم دین اور امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کے انتقال کا اعلان کرتا ہے۔ منگل کی شب دوران تراویح دل کا شدید دورہ پڑنے کے کچھ منٹوں کے بعد خانقاہ رحمانی مونگیر میں مولانا کا انتقال ہوگیا۔ ان کی تجہیز و تکفین آج شام خانقاہ رحمانی مونگیر میں عمل میں آئی جس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ہزاروں سوگواروں نے شرکت کی اور اپنے قائد کو اشک بار آنکھوں کے ساتھ الوداع کیا۔ گورنر محمد شفیع قریشی بھی اس موقع پر موجود تھے، جبکہ مونگیر پہونچ کر تعزیت کرنے والوں میں وزیر اعلیٰ مسٹر لالو پرشاد یادو حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیشور پرساد ورما، وزیر مملکت مسٹر دیجے پرکاش یادو اور ۱۵ نکاتی پروگرام نفاذ کمیٹی کے چیرمین مسٹر عبدالباری صدیقی شامل ہیں۔

ان کی عمر تقریباً ۹۱ سال تھی، ان کے پسماندگان میں دو لڑکے، دو لڑکیاں اور اہلیہ ہیں۔ ان کے چھوٹے صاحب زادے مولانا ولی رحمانی، ریاستی قانون ساز کونسل کے سابق ڈپٹی چیرمین اور موجودہ رکن ہیں۔ مولانا مرحوم کے بڑے بھائی مولانا نور اللہ رحمانی کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری بھی تھے اس کے علاوہ مسلمانوں کی مختلف سماجی اور مذہبی تحریکوں کے قائد رہے تھے۔ وہ ایک ممتاز عالم دین تھے اور انہوں نے کئی مستند کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔

اپنی طویل زندگی کے دوران مولانا مرحوم نے مختلف نازک مرحلوں پر ہندستانی مسلمانوں کے مذہبی معاملات پر بلا خوف اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ خاص طور سے خاندانی منصوبہ بندی، شاہ بانو مقدمہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار، متبنیٰ بل اور کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن پاک کے خلاف مقدمہ کے معاملات میں ان کی گراں قدر خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

حضرت امیر شریعت کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے ناساز تھی، شوگر زیادہ ہونے سے نقاہت بہت زیادہ ہو گئی پھر بھی روزہ اور نماز تراویح کا اہتمام معمول کے مطابق تھا۔ ۱۹ مارچ کی شب میں دس بجے نماز تراویح کی چار رکعتوں کے بعد سینے میں درد محسوس ہوا آپ مسجد سے آکر بستر پر لیٹ گئے۔ درد بڑھنے لگا اور سانس بے ترتیب چلنے لگی۔ زیر لب آیات قرآنی اور دعاؤں کا ورد جاری تھا۔ پندرہ منٹ اسی حال میں گذرے کہ داعی اجل کا بلاوا آگیا اور لبیک کہتے ہوئے روح پاک قفس عنصری کو چھوڑ کر عرش اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، حضرت کے جانشین مولانا محمد ولی رحمانی کو جو اس وقت پٹنہ میں تھے فون پر اس کی اطلاع ملی، انہوں نے دفتر امارت شرعیہ کو خبر دی اور خود مونگیر کے لیے روانہ ہو گئے۔ خبر سن کر سبھی کارکنوں پر سکتہ طاری ہو گیا حضرت کے دیرینہ رفیق کار اور تربیت یافتہ ناظم امارت شرعیہ مولانا نظام الدین اور قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی خاص طور پر بہت زیادہ متاثر تھے۔ بعد میں مونگیر سے فون کے ذریعہ رابطہ ہوا طے پایا کہ ۲۰ مارچ کو بعد نماز عصر نماز جنازہ ہوگی۔

موصوف ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء کو امیر شریعت منتخب ہوئے اور ۲۷ مارچ کو امارت شرعیہ کا باضابطہ چارج لیا، اس طرح لگ بھگ ۳۳ سال تک اس منصب پر فائز رہے، آپ نے امارت کے کاموں کو بہت زیادہ وسعت دی اور اس کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا۔ اس کی شہرت پورے ہندستان میں پھیل گئی، دوسرے

صوبوں میں بھی اس طرز کے ادارے قائم ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں جب بھاگل پور اور بہار کے درجنوں شہر فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جھلس رہے تھے آپ نے دفتر میں مستقل قیام فرماکر مصیبت زدہ لوگوں کی دلجوئی فرمائی اور امداد و آبادکاری کے کاموں کی نگرانی اور حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر انتظامیہ کی کوتاہیوں کے لیے سختی سے سرزنش فرمائی۔

حضرت امیر شریعت ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم مونگیر حیدرآباد، ندوہ اور دیوبند میں ہوئی۔ تحریک آزادی میں شریک رہے۔ ۱۹۳۲ء میں اسی سلسلے میں سہارنپور میں گرفتاری دی۔ اور جیل گئے۔ ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مونگیر آئے تھے کہ زلزلہ آیا جس سے بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا۔ آپ نے ریلیف کمیٹی قائم کرکے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کی۔ ۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علماء بہار کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ اسی سال مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے انڈی پنڈنٹ پارٹی کی داغ بیل ڈالی آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن ہوئے، ۱۹۳۶ء میں کھڑا مدھے پورہ حلقہ سے اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ ایوان کے سب سے کم عمر ممبر تھے۔ آپ نے ملی و اجتماعی مسائل پر اسمبلی میں کئی معرکۃ الآراء تقریریں کیں اور اس کے اہم فیصلوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہی دنوں الہلال بھی نکالا۔

حضرت امیر شریعت اپنے والد محترم مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ سلوک و ارشاد کی تربیت آپ کو مولانا محمد عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے حاصل ہوئی۔ بڑے بھائی مولانا سید شاہ لطف اللہ کے وصال کے بعد آپ خانقاہ مونگیر کے سجادہ نشین کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں جامعہ رحمانی کا اجراء کیا اور اس کو ترقی دی۔ آج اس کا شمار ہندستان کے مشہور درسگاہوں میں ہے۔ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو آپ کی کوششوں سے بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقد ہوا، اور اس کے نتیجہ میں مسلمانان ہند کا ایک متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آیا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۷۳ء حیدرآباد میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس ہوا تو آپ کو جنرل سکریٹری کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ اور آپ تاحیات اسکی ذمہ داری کو سنبھالتے رہے۔ ایمرجنسی کے دوران جب کہ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر نس بندی کی جارہی تھی آپ نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی اور اسے اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی اور بنگلہ میں چھپوا کر پورے ملک میں تقسیم کرایا، اسکے بعد جب شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دے کر مسلم پرسنل لاء

میں بیجا طور سے دخل اندازی کی تو آپ نے پورے ملک کا دورہ کرکے تحریک تحفظ شریعت کو منظم کیا۔ آزاد ہندستان میں یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تحریک تھی جس سے حکومت پر زبردست دباؤ پڑا اور اس نے پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون بناکر سپریم کورٹ کے فیصلے کو بے اثر کردیا۔

پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود آپ ملی اور اجتماعی کاموں کے لیے کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ۱۵ر دسمبر سے آپ نے مسلم پرسنل لا کے کاموں کے سلسلے میں جنوبی ہند کا طویل دورہ کیا۔ مختلف شہروں میں اجتماعات میں شرکت کے بعد جب آپ بنگلور پہونچے تو شوگر بہت بڑھ گیا تھا اور کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ مگر ملت کے معاملات کی فکرمندی میں اس کے باوجود کوئی کمی نہیں آئی۔ چنانچہ بابری مسجد تنازعہ کے سلسلے میں آپ کو اسی حال میں ۱۳ر فروری کو لکھنؤ کا سفر کرنا پڑا۔

اس سے قبل ۳ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو بابری مسجد کے سوال پر آپ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک خصوصی اجلاس بلایا جس میں ایک جرأت مندانہ قرارداد منظور کرکے حکومت سے کہا گیا کہ بابری مسجد کو منتقل کرنے یا کسی کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو مسلمانوں کو واپس ملنا چاہیے۔ بورڈ نے مسلمانانِ ہند کو ایک پیغام بھی دیا جس سے مسلمانوں کو موجودہ نامساعد حالات کا مقابلہ صبر واستقلال کے ساتھ کرنے کا مشورہ دیا۔

حضرت امیر شریعت کی متحرک اور فعال قیادت نے ہر نازک وقت میں مسلمانوں کو جرأتمندانہ رہنمائی دی۔ آپ اپنی حق گوئی، بیباکی اور بے خوفی کے لیے مشہور تھے۔ آپ کے انتقال سے ملی قیادت میں ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ملت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا کرے۔

21.3.1991

قومی تنظیم

QAUMI TANZEEM
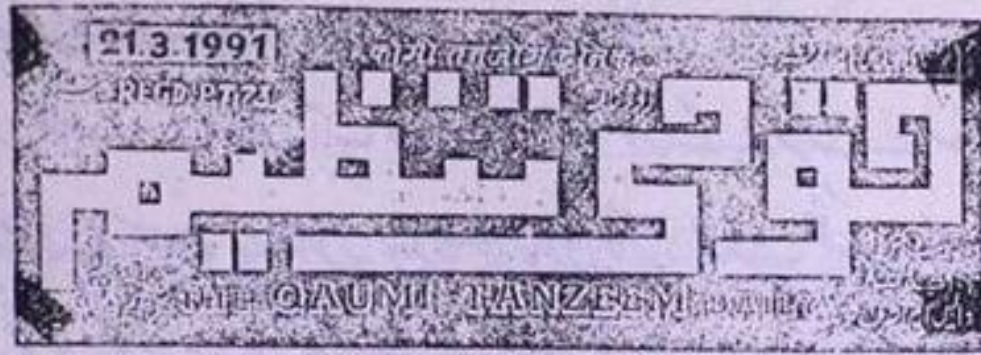
امیر شریعت بہار و اڑیسہ

مولانا سید منت اللہ رحمانی کا انتقال

(قومی تنظیم، پٹنہ) (۲۱ مارچ ۱۹۹۱ء)

سرکردہ مجاہد آزادی اور جید عالم مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امیر شریعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کا مونگیر میں ان کی قیام گاہ خانقاہ رحمانی مونگیر میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا، وہ ۹۰ برس کے تھے ان کی آخری رسومات آج مونگیر میں ادا کی گئی۔ گورنر بہار مسٹر محمد شفیع قریشی نے ان کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور پس ماندگان سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔ اپنے تعزیتی پیغام میں انہوں نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے ملک میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرنا ممکن نہیں ہے۔

مولانا نے مسلم پرسنل لا پر فرقہ پرست اور مفاد پرست طاقتوں کے ذریعہ کیے جانے والے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جب اس طرح کی کوئی کوشش ہوئی تو مولانا سڑکوں پر آجاتے چاہے وہ شاہ بانو کا معاملہ ہو یا قرآن پر کلکتہ ہائی کورٹ میں مقدمہ یا اسکول کی نصابی کتاب میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر کی اشاعت کا معاملہ ہو، مولانا نے ان کے خلاف تحریک چلائی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے مختلف مذہبی امور پر کتابیں لکھیں۔

اندرا گاندھی کے دور حکومت میں زبردستی نسبندی کے معاملہ میں بھی مولانا نے زبردست مخالفت میں کتابچہ شائع کیے، غرض مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

حضرت امیر شریعت کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے ناساز تھی شوگر کی زیادتی سے نقاہت بہت زیادہ ہو گئی تھی پھر بھی روزہ اور نماز تراویح کا اہتمام معمول کے مطابق تھا۔ ۱۹ مارچ کی شب میں دس بجے نماز تراویح کی چار رکعتوں کے بعد سینے میں درد محسوس ہوا۔ آپ سجدے سے آکر بستر پر لیٹ گئے۔ درد بڑھنے لگا اور سانس بے ترتیب چلنے لگی۔ زیر لب آیات قرآنی اور دعاؤں کا ورد جاری تھا، پندرہ منٹ اسی حال میں گذرے کہ داعی اجل کا بلاوا آگیا اور لبیک کہتے ہوئے روح پاک قفس عنصری کو چھوڑ کر عرش اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

حضرت کے جانشین مولانا محمد ولی رحمانی کو جو اس وقت پٹنہ میں تھے فون سے اس کی اطلاع ملی۔ انہوں نے دفتر امارت شرعیہ کو خبر دی اور خود مونگیر کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ خبر سن کر بھی کارکنوں پر سکتہ طاری ہو گیا حضرت کے دیرینہ رفیق کار اور تربیت یافتہ ناظم امارت شرعیہ مولانا نظام الدین اور قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی خاص طور پر بہت زیادہ متاثر تھے۔ بعد میں مونگیر سے فون کے ذریعہ رابطہ ہوا، ۲۰ مارچ کو بعد نماز عصر جنازہ کی نماز ادا کی گئی جس میں ہزاروں سوگواروں نے شرکت کی۔

مولانا ۲ مارچ ۱۹۵۷ء کو امیر شریعت منتخب ہوئے۔ اور ۲۷ مارچ کو امارت شرعیہ کا باضابطہ چارج سنبھالا اور اس طرح تقریباً ۴۳ سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

وہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم مونگیر، حیدرآباد، ندوۃ العلماء اور دیوبند میں ہوئی۔ وہ تحریک آزادی میں بھی شریک رہے اور ۱۹۳۲ء میں آزادی کی تحریک میں سہارنپور میں جیل بھی گئے۔ ۱۹۷۰ء میں وہ اقلیتی کمیشن کے ممبر بھی رہ چکے تھے۔

مولانا کے پسماندگان میں ان کے لڑکے بہار کونسل کے سابق ڈپٹی چیرمین اور ایم ایل سی مسٹر ولی رحمانی کے علاوہ ان کی اہلیہ ایک بیٹے اور ۲ لڑکیاں ہیں۔

مولانا کے انتقال پر ملک بھر سے رنج و غم کا اظہار کرنے والوں کا سلسلہ جاری ہے دہلی سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ کے ایڈیٹر مسٹر شاہد صدیقی، پندرہ نکاتی پروگرام نفاذ کمیٹی کے کار

گذار چیرمین جناب عبد الباری صدیقی، مذہبی ولسانی اقلیتی کمیشن کے کارگذار چیرمین مسٹر جابر حسین اور ایم ایل اے مسٹر معید الرحمن، محمد معصوم رحمانی ایڈووکیٹ نے بھی مولانا کے انتقال پر گہرے ملال کا اظہار کیا ہے اور ان کے پسماندگان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

بہار کونسل میں اپوزیشن کے لیڈر مسٹر مری سیدر، بہار اسمبلی میں اپوزیشن کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، راجندر سنگھ بسل ایم ایل سی، کمل ناتھ سنگھ ٹھاکر، فدا حسین انصاری، خالد رشید صبا، عبد المنان بھاگوت جھا آزاد، وجے شنکر مشرا، پرمانند سنگھ، سابق ایم ایل اے شکیل الزماں، صفدر حیات ایڈووکیٹ محمد معین انصاری اور خورشید انوار عارفی وغیرہ نے مولانا کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا۔ ان کے علاوہ آل انڈیا مسلم یوتھ مجلس کے ورکنگ صدر مسٹر فیاض بھاگلپوری اور جنرل سکریٹری مسٹر جاوید محمود، نائب صدر جنتا دل اقلیتی کمیٹی رکن الدین احمد، حافظ قاری محمد قمر الزماں سبحانی سہسراوی نے بھی مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا۔

مولانا کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب ادا کی گئی۔ نماز مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ نے پڑھائی، مولانا کی تدفین خانقاہ رحمانی مونگیر کے احاطہ میں ان کے والد بزرگوار مولانا سید محمد علی مونگیری کے مزار سے متصل ہوئی۔

ان کی آخری رسومات میں گورنر بہار جناب محمد شفیع قریشی، وزیر اعلیٰ شری لالو پرشاد، بہار قانون ساز کونسل کے چیرمین امیشور پرشاد ورما، کل ہند انصاف پارٹی کے صدر سید شہاب الدین، صحافی شاہد صدیقی، قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، پروفیسر جابر حسین اور طارق انور کے علاوہ کئی وزراء، ممبران اسمبلی اور سرکردہ شخصیتوں نے شرکت کی۔

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا مونگیر میں انتقال

اچانک قلب کا دورہ پڑا اور چند منٹوں میں روح عرش اعلیٰ کو پرواز کر گئی

(صدائے عام، پٹنہ) ۲۱ر مارچ ۹۱ء

ہم نہایت افسوس کے ساتھ خبر دے رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے عظیم رہنما امیر شریعت بہار واڑیسہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی کا گذشتہ شب خانقاہ مونگیر میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت امیر شریعت کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے ناساز تھی، شوگر کی زیادتی سے نقاہت بہت زیادہ ہو گئی، پھر روزہ اور نماز تراویح کا اہتمام معمول کے مطابق تھا۔ ۱۹ر مارچ کی شب میں دس بجے نماز تراویح کی چار رکعتوں کے بعد سینے میں درد محسوس ہوا، آپ مسجد سے آکر بستر پر لیٹ گئے۔ درد بڑھنے لگا اور سانس بے ترتیب چلنے لگی، زیر لب آیات قرآنی اور دعاؤں کا ورد جاری تھا، پندرہ منٹ اسی حال میں گذرے کہ داعی اجل کا بلاوا آگیا۔ اور لبیک کہتے ہوئے روح پاک قفس عنصری کو چھوڑ کر عرش اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ مرحوم کے چھوٹے صاحبزادہ مولانا محمد ولی رحمانی جو اس وقت پٹنہ میں تھے، فون سے اس کی اطلاع ملنے پر مونگیر روانہ ہو گئے۔ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف میں خبر سن کر سبھی کارکنوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ حضرت کے دیرینہ رفیق کار ناظم امارت شرعیہ مولانا نظام اور قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی خاص طور پر بہت زیادہ متاثر تھے۔

وزیر اعلیٰ مسٹر لالو پرشاد یادو، لیڈر حزب مخالف ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین مسٹر امیشور پرشاد ورما اور دیگر لیڈروں نے تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ مولانا کے انتقال پر اظہار تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دہلی سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ کے ایڈیٹر مسٹر شاہد صدیقی، پندرہ نکاتی پروگرام نفاذ کمیٹی کے کارگذار چیرمین جناب عبدالباری صدیقی، مذہبی ولسانی اقلیتی کمیشن کے کارگذار چیرمین مسٹر جابر حسین اور ممبر اسمبلی مسٹر معید الرحمن نے بھی مولانا کے انتقال پر گہرے ملال کا اظہار کیا ہے۔ اور ان کے پسماندگان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

مولانا کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب ۷ بجکر ۱۵ منٹ پر ناظم امارت شرعیہ بہار حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے پڑھائی اور ہزاروں کی تعداد میں شہر و بیرون شہر کے باشندگان نے نماز جنازہ میں شرکت کی، شرکت کرنے والوں میں کئی خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات اور آل انڈیا مجلس مشاورت و دیگر اداروں کے سربراہ بھی شامل رہیں۔

مرحوم کی تجہیز و تدفین وصیت کے مطابق ان کے والد مولانا محمد علی مونگیری کی قبر کے قریب خانقاہ رحمانی مونگیر میں عمل میں آئی۔

شمع بجھ گئی روشنی باقی ہے

(قومی تنظیم، پٹنہ)

مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور بہار واڑیسہ کے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کا اچانک وصال پوری ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہ ایسے پر آشوب دور میں ہم سے جدا ہوگئے جب ان کی ہمیشہ سے زیادہ ضرورت ملت کو تھی۔ آڑے وقتوں میں پورے ہندستان کے مسلمانوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی تھیں اور جب بھی ایسا کوئی موقعہ آیا تو وہ ملت کے لیے ڈھال بن کر سامنے آگئے۔ انہوں نے کبھی مایوس نہیں کیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ ہو یا تحفظ شریعت کا یا بابری مسجد کا انہوں نے حکومت وقت کی مرضی اور مصلحت سے بے پروا ہو کر حق بات کہی اور اس پر اڑے رہے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت گوناگوں اوصاف وخصوصیات کی حامل تھی جو چیز ان کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی تھی اور جس کی کمی کا احساس ہمیں قدم قدم پر ہوتا رہے گا وہ ہے ان کی حق گوئی اور بے باکی، جب ان کی بصیرت ایمانی کسی معاملے میں حق کو پالیتی تھی تو وہ اس پر چٹان کی طرح اڑ جاتے تھے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں جب انتظامیہ مسلمانوں خاص کر داڑھی والوں کو پکڑ پکڑ کر نس بندی کر رہی تھی اور کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مخالفت میں جو پہلی آواز اٹھی وہ مولانا کی تھی۔ انہوں نے جگہ جگہ انتظامیہ کے ظالمانہ رویہ کی مذمت کی اور ایک معرکۃ الآرا کتابچہ اس کے خلاف لکھ کر بتا دیا کہ شریعت اسلامیہ میں

نس بندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے نہ صرف حکومت کے سامنے ایک واضح موقف آگیا بلکہ ان کوششوں کو بھی بے اثر کرنے میں مدد ملی۔ بعض علما کی طرف حکومت کے اشارے پر شریعت میں اس طرح کی گنجائش تلاش کرنے کے سلسلے میں ہو رہی تھیں پہلے یہ کتابچہ اردو میں چھپا اور بعد میں انگریزی اور ملک کی دوسری زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر پورے ملک میں تقسیم کر دیا۔ اندرا گاندھی کی سرکار تلملا گئی۔ دہلی کی مرکزی انتظامیہ نے ریاستی حکومت کو بار بار لکھا کہ مولانا کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا جائے۔ لیکن ریاستی حکومت کو ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دراصل مولانا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس کے لیے اگر جیل جانا پڑا تو جائیں گے۔ لیکن اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ گذشتہ نومبر کے پچھلے ہفتے میں مولانا نے بھاگل پور میں ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک خدا کے سامنے جھکنے والے ظالموں اور جابروں کے سامنے اپنا سر نہیں جھکا سکتے۔ مولانا زندگی بھر اس اصول پر ثابت قدم رہے۔ انہوں نے حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے میں کبھی خوف محسوس نہیں کیا۔

پچھلے دنوں جب بابری مسجد کو منتقل کرنے یا اس سے دست بردار ہونے کی باتیں زور پکڑنے لگیں تو مولانا نے محسوس کیا کہ اس معاملے کی اصل حیثیت اور مسجد کی شرعی حیثیت کے بارے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا موقف سامنے آنا چاہیے تاکہ سودے بازی مصلحت پسندی اور جوڑ توڑ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ انہوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہنگامی اجلاس دہلی میں بلایا اور اس میں ایک جامع قرارداد منظور کر کے حکومت کو بتا دیا کہ بابری مسجد ہمیشہ سے مسجد رہی ہے یہ کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی ہے اس لیے بابری مسجد جس حال میں کہ وہ ۲۲ دسمبر ۴۹ء کو تھی مسلمانوں کو واپس کی جائے۔ بورڈ نے فرقہ وارانہ صورت حال پر غور کرنے کے بعد ایک سخت قرارداد منظور کی جس میں فاشسٹ قوتوں سے نمٹنے میں حکومت کی ناکامی کی مذمت کرتے ہوئے مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کے اصول پر عمل کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ یہ نہ صرف قانونی اور اخلاقی حق ہے بلکہ دینی فریضہ بھی ہے۔ مسلمانوں کی جان اور مال و اسباب سب اللہ کی امانت ہے اس سے محروم کرنے کے لیے جو لوگ حملہ آور ہوں ان کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔ مولانا نعرے بازی اور سڑکوں پر محاذ آرائی کے خلاف تھے لیکن جہاں حق کا سوال ہو وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہنے اور کسی طرح کی مصالحت نہ کرنے کا مزاج رکھتے تھے۔

ان کی زندگی کا دوسرا پہلو جو خاص طور پر متاثر کرتا ہے وہ یہ کہ انہوں نے جن کاموں کو اپنے ذمہ لیا ان کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ۳۳ سال قبل جب انھیں بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت کی ذمہ داری سپرد کی گئی تو انہوں نے اپنی تمام تر توانائی اور صلاحیت امارت شرعیہ کی ترقی اور استحکام کے لیے وقف کر دی۔ ۵۷ء میں

اس ادارے کی سالانہ آمدنی اور خرچ ۲۲ ہزار روپے تھی آج جب مولانا رخصت ہوئے ہیں تو اس کی سالانہ آمدنی اور خرچ اٹھارہ لاکھ روپے ہے۔ تب یہ ادارہ محض صوبائی حیثیت کا تھا آج بھی امارت شرعیہ کا دائرۂ کار بہار واڑیسہ تک محدود ہے لیکن اس کی حیثیت اور اہمیت کل ہند سطح پر تسلیم کی جا چکی ہے اور امارت شرعیہ کے طرز پر دوسرے صوبوں میں بھی اداروں کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ امارت شرعیہ کے مالی استحکام اور دائرہ کار میں توسیع کے ساتھ ساتھ انہوں نے تربیت یافتہ مخلص اور ادارے کے مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ اور وفادار کارکنوں کی ایک ایسی ٹیم اپنے پیچھے چھوڑی ہے جو ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ ناظم امارت شرعیہ کی تنظیمی اور اقدامی صلاحیت مشکل اور صبر آزما حالات میں ہوش و حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے مسائل سے نمٹنا ان کی ایسی خوبی ہے جس کا جواب نہیں۔ اسی طرح قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی علمی اور فقہی بصیرت کا لوہا اب تو پورا ہندستان ماننے لگا ہے۔

حضرت امیر شریعت کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ اداروں کی ترقی اور استحکام کے ساتھ ساتھ ان کے لیے مناسب افراد کا انتخاب اور ان کی تربیت پر بھی خاص دھیان دیتے تھے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں ہی خانقاہ اور جامعہ رحمانی کی فیض رسانی کو جاری و ساری رکھنے کے لیے اپنے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد ولی رحمانی کو اس کے لیے تیار کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ گذشتہ ۲۵ برسوں سے تربیت و تیاری کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ مولانا محمد ولی رحمانی حضرت کے تمام کاموں کی انجام دہی میں نہ صرف ہاتھ بٹایا کرتے تھے بلکہ آخری برسوں میں تو ان کی صلاحیتوں پر حضرت اس حد تک اعتماد کرنے لگے تھے کہ کوئی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے ان کا مشورہ ضرور لیا کرتے تھے۔ وصال کے بعد دوسرے دن صبح کو مولانا ولی رحمانی کی باضابطہ گدی نشینی عمل میں آگئی۔ امید ہے حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی جلائی ہوئی اس شمع کی لو کچھ اور تیز ہوگی۔ اور دین و شریعت کی اشاعت کا کام اور بڑے پیمانہ پر جاری رہے گا۔

مولانا کی ایک اہم یادگار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھی ہے۔ بورڈ کے قیام کے سلسلے میں تمام مسلک اور مکتبہ فکر کے علماء اور دانشوروں کو یکجا کرنے کے لیے مولانا نے جو پاپڑ بیلے ہیں وہ بھی ایک تاریخ ہے۔ شریعت اسلامی کے تحفظ کے لیے ملت کے سبھی ٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے وہ ایک ایک دروازے پر گئے۔ دامن پھیلا کر اور تعاون کا وعدہ لے کر ہی اٹھے۔ ان کے دروازے پر بھی گئے جو معاملے کے بعد یقین کرتے ہیں کہ ان کا ہاتھ ناپاک ہوگیا۔ یہ بات جانتے ہوئے بھی مولانا نے کوئی ذلت اور کبھی محسوس

نہیں کی۔ اور پھر بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے انہوں نے اس اتحاد کی ایک مقدس امانت کی طرح حفاظت کی۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف پورے ملک میں تحفظ شریعت کی تحریک چلی اور کامیاب ہوئی۔ اس کی کامیابی اور طاقت کا راز اسی اتحاد میں مضمر ہے۔ یہ تحریک مسلمانوں کے کسی مسلک یا فرقے کی تحریک نہیں تھی یہ پندرہ کروڑ پر مشتمل پوری امت کی تحریک تھی۔

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ مولانا نے جن کاموں کو اپنے ذمہ لیا ان کو پوری سنجیدگی اور لگن سے انجام دیا اور انھیں ایک ٹھوس بنیاد عطا کر کے اس دنیا سے گئے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگرچہ شمع بجھ گئی لیکن اس کی روشنی باقی ہے اور باقی رہے گی۔

امارت شرعیہ نے مظلومین بھاگلپور کی امداد و آبادکاری کا جو تاریخی فریضہ انجام دیا ہے وہ آپ سب حضرات کے تعاون سے ممکن ہو سکا ہے اسلام نے مظلوموں کی امداد اور ان کے ساتھ

قومی آواز

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات

ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان

ان کی خدمات کو آسانی سے بھلایا نہیں جاسکے گا۔ روزنامہ قومی آواز کا نذرانہ عقیدت

مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی وفات ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کا علم و فضل اور ان کی خاندانی روایات، ان کی خانقاہ کی روایات ملت اسلامیہ کے لیے کچھ کم سرمایہ نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بھی ان کی رحلت ملت اسلامیہ کے لیے ایک بڑا نقصان اس نقطہ نظر سے ہے کہ ان کے جیسے عالم دین جو صاحب نظر بھی ہوں اور فعال بھی اب ملت اسلامیہ خال خال نظر آتی ہے۔ عالم دین اور صاحب نظر شخصیتیں مستقبل میں بھی ہندستان میں پیدا ہوتی رہیں گی، لیکن ایسی شخصیت جس میں علم کے ساتھ ساتھ عمل کی قوت بھی بدرجہ اتم موجود ہو ویسے بھی کم پیدا ہوتی ہے۔ اس زمانہ تو ایسی شخصیت کا فقدان اور بھی زیادہ ہے۔ اور زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اس

پایہ کی شخصیت کا جس میں یہ دونوں خصوصیات موجود ہوں اور خوب کے درجہ تک موجود ہوں مشکل نظر آتی ہے۔ ان کے پیچھے اپنے خاندان کی روایات بھی تھیں اور ان روایات کو اپنی شخصیت میں سمو کر موجودہ حالات میں انتھک جدوجہد کرنا ان کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کو نہ تو آسانی سے بھلایا جاسکتا ہے اور نہ اس محرومی پر دل گرفتہ ہوئے بغیر رہا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم ایک محترم باپ کے محترم بیٹے تھے جن کو ہر معیار سے لائق میراث پدر کہا جاسکتا ہے۔ ان کے والد مولانا محمد علی مونگیری مرحوم نے بھی محض گوشہ گیری پر قناعت کرنا کافی نہ سمجھا بلکہ اسلامیان ہند کی تعلیم و تربیت کے لیے انتھک کوشش کی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کو جن لوگوں نے ایک تصور سے ایک حقیقت بنانے میں مدد دی ان میں مولانا مونگیری مرحوم کا نام سرفہرست ہے وہ ایک بڑے عالم دین اور مسلمانوں کی تعلیمی تحریک کے ایک اہم قائد تھے۔

مولانا منت اللہ مرحوم نے اسی روایات کو آگے رہنمائی کے گوشے تک محدود رہنا کافی نہ سمجھا اگرچہ اس گوشے میں وہ بیٹھ بھی جاتے تو بڑے کام انجام دیتے لیکن وہ میدان عمل میں اترے۔ عملی سیاست سے اپنا دامن آلودہ کیے بغیر بعض بہت اہم ملی ضروریات کو پورا کرنے کی دھن میں سرگرم رہے۔ ان کے اہم کارناموں میں جن میں ظاہر ہے کہ دوسرے اکابرین کے نام بھی آتے ہیں۔ امارت شرعیہ کی تحریک اور شرعی عدالتوں کا قیام، مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک فعال تحریک بنانا اور شرعی قوانین کی تدوین و تربیت کے لیے چیدہ اور وقت طلب کام کا بیڑا اٹھانا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر تحریک ان کی زندگی بھر کا سرمایہ ہے اور نہ صرف بہار واڑیسہ میں جہاں اس تحریک کو نمایاں کامیابی ملی ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس تحریک کے زیر اثر فقہ اسلامی اور شریعت اسلامی کے رضاکارانہ نفاذ کے لیے قابل قدر کام ہوا یہ تحریک مقبول و مبارک تحریک ہے۔ اس کا اندازہ بہار اور اڑیسہ تک ہی لگایا جاسکتا ہے، اس تحریک نے فقہ اسلامی کو ہندستان کے مسلمانوں کے اہم سماجی مسائل کو عملی طور پر حل کرنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی اور یہ ایک ایسا بڑا کام ہے جس کی پیچیدگی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قوانین کے نفاذ کا کام عموماً حکومتیں انجام دیتی ہیں ان کو محدود اور رضاکارانہ سطح پر بھی انجام دینا ایک ایسا دشوار کام ہے جس کو وہی شخصیتیں انجام دینے کی ہمت کرسکتی ہیں جن کے حوصلے زیادہ ہوں امارت شرعیہ کی تحریک ہو کہ مسلم پرسنل لا بورڈ ہو کہ فقہ حنفی کی تدوین کا کام ہو ان کی زندگی کا ہر

بڑا کام کسی نہ کسی پہلو سے شریعت کے نفاذ کے مسائل سے متعلق اور اس کے لیے جد وجہد کرنے سے عبارت تھا۔ اس سے شریعت کے نفاذ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی نے طبعی عمر پائی اور ۷۹ برس کی عمر میں اس دار فانی کو ترک کیا۔ لیکن ان کی رخصت سے جس خلا اور جس کمی کا احساس ہوتا ہے اس کی شدت اس لیے اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ کوئی ان کا جانشین اور ان کا بدل نظر نہیں آتا اور اس احساس نے کہ ان کا بدل ملنا دشوار ہے۔ ان کی جدائی نے صدمے کو سخت تر بنا دیا ہے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی مرحوم کی وفات کے بعد یہ دوسرا بڑا صدمہ ہندستانی مسلمانوں کو پہنچا ہے اور اس کمی کو پورا کرنا آسان نہ ہوگا۔

مولانا مرحوم ایک روحانی مرکز کے سربراہ تھے ان کے والد اودھ کے ممتاز صوفی بزرگ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کے مرید تھے۔ مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم نے اپنی اس حیثیت کو بھی بخوبی نبھایا اور خانقاہ رحمانی مونگیر کی سربراہی اس تندہی سے کی کہ ان کے والد کی قائم کردہ روایات کو بدلتا ہوا زمانہ ذرا بھی نقصان نہیں پہونچا سکا۔ اور اس دور میں جب عموماً خانقاہیں اپنی رونق کھو چکی ہیں یا محض بار رسومات تک محدود رہ گئی ہیں، خانقاہ رحمانی رشد و ہدایات کے وہ فریضے انجام دے رہی ہے جو خانقاہی نظام کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ مولانا کی وفات ایک بڑے ستون کے گرنے کے مترادف ہے۔ ان کی اس اہمیت، عظمت اور قوت عمل ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ ایک دن ہی کرنا چاہیے کہ یہ خصوصیت اس ملت میں برقرار رہیں اور بار بار ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں۔

नवभारत टाइम्स

مولانا منت اللہ رحمانی کی تجہیز و تکفین

(نو بھارت ٹائمز، پٹنہ، ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء)

امیر شریعت بہار و اڑیسہ، مولانا منت اللہ رحمانی کی آج خانقاہ واقع جامعہ رحمانی کے احاطہ میں آخری رسومات ادا کی گئیں، جناب رحمانی کا کل رات یہاں انتقال ہوگیا تھا۔

بہار کے گورنر جناب محمد شفیع قریشی نے یہاں مرحوم کے جسد خاکی پر گل پوشی کی اور فاتحہ پڑھا، جناب قریشی نے ان کی وفات کو ملک کا ایک ناقابل تلافی نقصان بتایا اور کہا کہ وہ ایک سچے محب وطن اور جید عالم تھے۔

وزیر اعظم چندر شیکھر اور کانگریس کے صدر راجیو گاندھی نے اپنے اپنے تعزیتی پیغامات میں جناب رحمانی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ وزیر اعلا لالو پرشاد نے بھی غمزدہ اہل خانہ کو تسلی دی، وزیر اعلا کے ساتھ حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیشور پرشاد ورما، آبی وسائل کے وزیر مملکت جے پرکاش یادو اور عبدالباری صدیقی بھی مونگیر گئے

امیر شریعت کا وصال

(ٹائمز آف انڈیا۔ پٹنہ ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء)

THE TIMES OF INDIA

امیر شریعت (بہار و اڑیسہ) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا کل رات طویل علالت کے بعد حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب مونگیر میں انتقال ہوگیا وہ ۷۹ برس کے تھے۔

جناب رحمانی مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری بھی تھے۔ وزیر اعلا جناب لالو پرشاد، حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیشور پرشاد ورما، آج دوپہر مرحوم

مولانا کو خراج عقیدت پیش کرنے مونگیر گئے۔ حضرت مولانا ۲۱ مارچ ۱۹۵۷ کو بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت منتخب ہوئے تھے۔ اور انہوں نے ۳۳ سال تک اپنی خدمات انجام دیں۔

ان کی وفات پر مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں کے رہنماؤں نے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ حزب مخالف کے لیڈر ... نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ جناب مولانا رحمانی نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے ہمیشہ کام کیا وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مساوی طور پر مقبول تھے۔

بہار ریاستی مذہبی و لسانی اقلیتی کمیشن نے بھی ایک تعزیتی جلسہ کا اہتمام کیا۔ کمیشن کے کارگزار چیرمین پروفیسر جابر حسین نے کہا کہ مولانا کی وفات سے ریاست کی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں پر ایک گہرا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے جناب منت اللہ رحمانی کی وفات کو اپنا ذاتی نقصان قرار دیا۔ پتھر کی مسجد کے امام ایس ایم سردار علی اور بہار قومی ایکتا منچ کے جنرل سکریٹری ایس ایم شمیم رضوی، بہار ریاستی سٹیزن کونسل کے نائب صدر جناب رادھا نندن جھا، جناب مشری سدا، جناب لکمی ناتھ سنگھ ٹھاکر اور خالد رشید صبا نے بھی حضرت مولانا کی وفات پر اپنی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔

امیر شریعت کی وفات پر تعزیت

(آج، سماچار سیوا) ۲۱ مارچ ۱۹۹۱ء

امیر شریعت بہار و اڑیسہ مولانا منت اللہ رحمانی کا کل رات مونگیر میں انتقال ہو گیا۔ وہ ۹۰ برس کے تھے۔ مولانا رحمانی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری تھے۔ انہوں نے تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا۔ اور ۱۹۴۳ء میں سہارنپور میں قید کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ وہ متعدد تعلیمی اور ثقافتی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ ان کے پسماندگان میں دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ گورنر شفیع قریشی ان کی آخری رسومات میں حصہ لینے کے لیے مونگیر پہونچ رہے ہیں۔

گورنر جناب محمد شفیع قریشی نے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ اپنے تعزیتی پیغام میں گورنر نے کہا ہے کہ امیر شریعت مولانا رحمانی کی خبر سن کر مجھے گہرا صدمہ پہونچا ہے، وہ ایک جید عالم اور عالم اسلام کے بلند ترین ستونوں میں سے تھے۔ اسلامی شریعت میں انہیں عبور حاصل تھا اور مذہب اسلام کے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

وزیر اعلا لالو پرشاد نے کہاکہ جناب رحمانی کے انتقال سے ہمارے درمیان ایک معروف سماجی اور مذہبی رہنما اور نیک انسان اٹھ گیا ہے۔ وہ سرکردہ عالم اور کمزور طبقہ کے رہنما تھے۔ ان میں مذہبی انتہا پسندی تو بالکل ہی نہیں تھی اور وہ ہر انسان میں خدا تعالیٰ کا عکس دیکھتے تھے۔

وزیر اعلا یہ خبر ملتے ہی قانون ساز اسمبلی سے مونگیر کے لیے روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے مرحوم مذہبی رہنما کے جسد خاکی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ وزیر اعلا کے ساتھ حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیشور پرشاد ورما، آبی وسائل کے وزیر مملکت جناب جے پرکاش یادو، اور جناب عبدالباری صدیقی بھی مونگیر گئے۔

پارلیمانی امور کے وزیر مسٹر اوپیندر پرشاد ورما، اطلاعات و تعلقات کے وزیر محمد سلیمان اور وزیر مملکت برائے اطلاعات شری گجیندر پرشاد سنگھ نے بھی جناب رحمانی کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

قانون اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر نے کہا ہے کہ فرقہ پرستوں سے لڑنے میں ان سے ہمیشہ مدد ملتی تھی۔ ان کی دلچسپی ہمیشہ ملک کی ترقی میں رہتی تھی۔

اپنے تعزیتی پیغام میں بہار ریاستی سٹیزن کونسل کے نائب چیرمین شری رادھانندن جھا نے کہا کہ مولانا منت اللہ رحمانی کی شخصیت ملک کے لیے جانی مانی تھی، جنہوں نے اخلاق و کردار کے ذریعہ سماجی بیداری کا پیغام دیا جس سے عوام میں خدا پرستی کا رجحان پیدا ہوتا رہے گا۔ بہار ریاستی مذہبی اور لسانی اقلیتی کمیشن کے دفتر میں آج کارگذار چیرمین جناب جابر حسین کی صدارت میں تعزیتی جلسہ ہوا۔ اس میں شامل سبھی لوگوں نے ایک منٹ خاموش رہ کر مرحوم رہنما کے تئیں روح کی تسکین کے لیے دعائیں کیں۔

جناب حسین نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات نے بہار کی سماجی اور ثقافتی زندگی میں اور گہرا خلا پیدا کر دیا ہے۔ قانون ساز کونسل کے ممبر جناب خالد رشید صبا، کرپا ناتھ پاٹھک، اسٹری سدا، عبدالمنان، مادھو سنہا، راجندر سنگھ لسل اور رامیش پرشاد سنگھ نے بھی تعزیت کا اظہار کیا۔

आज

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبو الحسن علي الحسني الندوي
Abul Hasan Ali Nadwi

ندوة العلماء
لكهنؤ، الهند

Date: ____________

تاریخ : ____________

۱

مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی (امیر شریعت بہار واڑیسہ وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کی وفات پر تعزیتی بیان

از

مولانا ابو الحسن علی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

آج ۳ ر رمضان المبارک (۲۰ ر مارچ ۱۹۹۱ء) کو اپنی قیام گاہ دائرہ شاہ علم اللہ " رائے بریلی میں فجر کی نماز سے ذرا پیشتر لکھنؤ کی اطلاع کے حوالہ سے جو ٹیلیفون کے ذریعہ وہاں پہونچی تھی، یہ خبر بجلی بن کر دل ودماغ پر گری کہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی وفات سے نہ صرف امارت شرعیہ بہار واڑیسہ جیسی فعال، مؤثر ومبارک تحریک وتنظیم (جس کی نظیر ملنی مشکل ہے)، اور ریاست ہائے بہار واڑیسہ کی دینی وملی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا بظاہر پر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعال اور ضروری

ادارہ اپنے بانی ومحرک وروح رواں شخصیت سے محروم ہوا، بلکہ ہندستان کی دینی، ملی اور فکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پُر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مولانا کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندستان ہی میں نہیں، اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی، اللہ تعالیٰ نے علم واخلاص، عزم وقوت ارادی، اصابت رائے، توازن واجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرما دی تھیں، جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسے متعدد یگانہ دینی وملی تاریخی کام لیے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

راقم سطور نہ صرف بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (جس کے وہ بانی اور حقیقتاً روح رواں تھے)، اور نہ صرف بحیثیت ندوۃ العلماء کے ناظم کے (جس کے ان کے عالی مرتبت پدر بزرگوار حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ومحرک تھے) اور خود مولانا مرحوم اس کے سالہا سال سے ممتاز رکن انتظامی چلے آرہے تھے۔ بلکہ ملت کے ایک فرد اور اس کے مسائل ومشکلات سے واقفیت رکھنے والے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کی طرف سے ایک فکرمند انسان کی حیثیت سے صرف مولانا مرحوم کے پسماندگان اور اہل خاندان ومعتقدین ہی کو نہیں بلکہ پوری ملت کو اس عظیم حادثہ پر تعزیت پیش کرتا ہے، اور مولانا مرحوم کے رفع درجات کے لیے اور ان کے بعد ان کے عظیم کاموں اور اداروں کی بقا کے لیے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارتحال کے بعد بھی ان کے شروع کیے ہوئے کاموں، اور ترقی دیے ہوئے اداروں کو باقی اور پھولتا پھلتا رکھے ع

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ابوالحسن علی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

DARUL-ULOOM, DEOBAND. (U.P.)
INDIA

مکرمی ومحترمی، زید لطفکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ نے حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وفات پر اظہار رنج وغم کے ساتھ حسب ذیل تجویز تعزیت منظور کی، جو خدمت میں ارسال کی جارہی ہے:۔

تجویز تعزیت:

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین اور ہندستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رح کے حادثۂ وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، اور حضرت مولانا کے اعزہ واقربا اور متوسلین ومتعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے،

حضرت مولاناؒ کی وفات سے ہندستان کے علمی، سیاسی، حلقوں اور مسلمانوں کی قیادت میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا دشوار ہے۔

حضرت مولانا رحمانی ۱۳۳۲ھ میں مونگیر میں پیدا ہوئے اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ کی زیر نگرانی وطن مالوف میں ہی قرآن کریم اور ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم کا آغاز کیا، پھر گیارہ سال کی عمر میں حیدر آباد چلے گئے اور ایک سال قیام کے بعد واپس آکر دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہو گئے، چار سال تک یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۳۴۹ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دار العلوم دیوبند میں درجات عالیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۵۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، ان کا شمار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خصوصی اور نامور تلامذہ میں ہوتا تھا۔

دار العلوم سے فراغت کے بعد انہوں نے ہندستان کی علمی اور سیاسی مجلسوں میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا اور ۱۳۵۵ھ میں بہار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، علمی اور سیاسی خدمات کے علاوہ ۱۳۶۱ھ میں انہیں خانقاہ رحمانی مونگیر کا سجادہ نشین بنایا گیا۔ اور موصوف کامیابی کے ساتھ تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے، پھر ۱۳۷۴ھ سے انہیں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا گیا، جہاں ان کی اصابت رائے سے دار العلوم کو بہت فوائد حاصل ہوئے، پھر ۱۳۷۶ھ میں انہیں امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ اور اس طرح ان کی ذات سے ہندستان اور مسلمانانِ ہند کو بہت فیض پہونچا، پھر جب دار العلوم دیوبند میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا تو مولانا رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا جنرل سکریٹری نامزد کیا گیا۔ اور جن جن مناصب کے لیے موصوف کا انتخاب عمل میں آتا رہا وہ اس کی ذمہ داریوں کو حسن و خوبی کے ساتھ پورا کرتے رہے۔
موصوف مرحوم کو خداوند قدوس نے ایسی صلاحیتوں سے نوازا تھا کہ جو منصب ان کو دیا جاتا وہ انکی شخصیت کا ہالہ بن جاتا، منصب کو ان کی ذات سے اور ان کی ذات کو منصب سے ایک دل آویز حسن حاصل ہو جاتا، اور اس طرح موصوف زندگی بھر مسلمانوں کی مختلف میدانوں میں قابل صد افتخار خدمات انجام دیتے رہے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ موصوف نہایت شعلہ بیان مقرر، اور شگفتہ انداز بیان کے مصنف تھے، اور اسی لیے انہیں ہندستان اور اس کے علاوہ دیگر ممالک میں مختلف علمی و سیاسی اجتماعات میں شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا، جہاں دار العلوم، مسلک دار العلوم اہل ہند اور ملت اسلامیہ

کی کامیاب ترجمانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس اپنے ایسے قدیم اور مخلص رفیق، اور دار العلوم دیوبند کے قابل صد افتخار فاضل کی رحلت پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، اور بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہے کہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ان کے اعزہ واقرباء خصوصاً اہل خاندان اور تمام متوسلین و معتقدین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ
مہتمم دار العلوم، دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجویز تعزیت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

(آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس (منعقدہ لکھنؤ ۸ مئی ۱۹۹۱ء) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی ایک ممتاز دینی گھرانے کے چشم و چراغ اور خانقاہ رحمانی مونگیر کے صاحب سجادہ تھے۔ آپ کی کوششوں سے جامعہ رحمانی نے ملک کی دینی درسگاہوں میں امتیازی مقام حاصل کیا اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اس علاقہ کی فعال و مقبول تنظیم بن گئی۔

مرحوم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانیوں میں تھے۔ جس عزم و ہمت، فراست و دانشمندی، دل سوزی و مستعدی کے ساتھ انہوں نے مسلم پرسنل لا کے کاز کو آگے بڑھایا۔ وہ یقیناً ہندستان میں تحفظ شریعت تحریک کا ناقابل فراموش باب ہے۔ تبنیت کے مجوزہ قانون کے استراد کا مسئلہ ہو کہ ایمرجنسی کے مرد آزما دور میں جبری نسبندی کی مخالفت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم و مغفور نے

استقامت کے ساتھ مسلمانان ہند کی رہنمائی کی۔ مطلقہ کے حقوق کے مسئلہ پر سپریم کورٹ کی جانب سے قرآن اور قانون اسلامی کی غلط تعبیر کے خلاف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو متحرک کیا اور اس کے ذریعہ تحفظ شریعت کے لئے مسلمانوں کو منظم کیا۔ اور کامیاب مہم چلائی۔ وہ ممتاز علماء کے ذریعہ ایسے مجموعۂ قوانین اسلامی کی ترتیب کے لئے کوشاں رہے اور اس کے ایک حصہ کو تقریباً مکمل کر لیا۔ جس کو ملکی عدالتوں میں پیش کیا جا سکے۔

موصوف کی رحلت، مسلمانان ہند کے لئے بالعموم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے بالخصوص ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کے انتقال سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس بارگاہ رب العزت میں ملتجی ہے کہ وہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی دینی و ملی خدمات کو قبول فرمائیں۔ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔

اللھم اغفر لہم وارحمہم وادخلہم فی الجنتہ۔ آمین۔

Phone : 235193
MILLI **Jamiat Ulama-i-Hind**
Jamiat Building, Qasimjan Street,
Ballimaran, DELHI-110006

(ملی) جمعیۃ علماء ہند

Ref.

ناظم امارت شرعیہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب
زید مجدکم۔ سلام مسنون

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے انتقال کی خبر عزیز گرامی مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا علاء الدین ندوی کے فون سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملی جمعیۃ کی طرف سے اخبار میں خبر دیدی تھی۔ لیکن میں اپنی علالت کی وجہ سے اس قابل نہیں تھا کہ حاضری دے سکوں اور تدفین میں شامل ہو سکوں۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم حادثہ کا آپ سبھی حضرات اور امارت شرعیہ کے سبھی رفقاء کو تحمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ بہت بڑا حادثہ ہے۔ لیکن آپ حضرات پر اس خلا کو پُر کرنے کی اہم ذمہ داری بھی آپڑی ہے، کماحقہ نہیں نبھی۔ مگر اس سرائے فانی کی روایت یہی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ حضرات امارت شرعیہ کے تعلق سے اس بحران پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکیں۔ اور امارت شرعیہ کی مرکزیت متاثر نہ ہونے پائے۔

میری طرف سے اور ملی جمعیۃ کی طرف سے امارت شرعیہ کے تمام ہی ذمہ دار حضرات اور تمام رفقا کو تعزیت پہونچا دیجئے۔ تمام رفقاء سے سلام بھی پیش فرما دیجئے۔ اللہ آپ حضرات کو اور مولانا مرحوم کے پسماندگان خصوصاً مولانا ولی رحمانی کو شر و فتن سے محفوظ رکھے، آمین۔ میں ایک مرتبہ پھر اپنے دلی غم کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مرحوم کی مغفرت اور انکے درجات بلند کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آپ کا خادم والسلام

عاجز سید احمد ہاشمی، جنرل سکریٹری (ملی) جمعیۃ علماء ہند

Grams : "MARKAZ" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم Phone : 266822
جماعت اسلامی ہند
Jamaat-e-Islami Hind
BAZAR CHITLI QABAR, DELHI-110006
Ref. No 1263/90-91 Dated 21.3.91

۵

بشرف ملاحظہ جناب مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ
پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

برادر محترم و مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا

کل ۵ بجے سحر کے وقت مولانا احمد علی قاسمی صاحب نے فون پر ہمارے دفتر کو اطلاع دی کہ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب علیہ رحمۃ نے داغ مفارقت دیدی، انا للہ وانا الیہ راجعون. میں نے ۵/۱۱ بجے دفتر امارت شرعیہ فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ لوگ مونگیر کے سفر کی تیاری کر رہے ہیں. میرا اور جملہ ذمہ داران جماعت کا پیغام تعزیت آپ لوگوں کو ملا ہوگا. افسوس ہے کہ ہم دوری کے سبب مولانا مرحوم کی تدفین میں شریک نہ ہو سکے. اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے. بظاہر مولانا موصوف کا انتقال ایک اچھی ساعت میں ہوا. مبارک ماہ کی مقبول عبادت میں مصروف تھے جو دل کا دورہ پڑا. انشاء اللہ ان کے لیے تو یہ گھڑی مبارک ہی ثابت ہوگی البتہ ہم لوگ کے لیے یہ بہت ہی رنج وغم کا موقع ہے. ایک قیمتی، ملی سرمایہ تھے. اللہ تعالیٰ ان کی سرپرستی میں چلنے والے اداروں اور پوری ملت اسلامیہ ہند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے.

محترم مولانا سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند ان دنوں راۓچور میں ہیں، انہیں اطلاع ملتے ہی فون سے خبر کی گئی. موصوف نے بھی بڑے رنج وغم کا اظہار کیا اور دعائے مغفرت فرمائی. اور آپ تمام لوگوں سے تعزیت کی ہے. محترم مولانا محمد شفیع مونس صاحب نے بھی مولانا سے اپنے خاص

تعلق کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت فرمائی ہے، سکریٹری صاحبان بھی تعزیت کر رہے ہیں۔

کل مرکز جماعت میں عصر سے قبل ایک نشست میں مولانا کے محاسن پر میں نے روشنی ڈالی اور اجتماعی دعائے مغفرت کی گئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

امی اور اہلیہ بھی تعزیت کرتی ہیں، امی نے بتایا کہ گذشتہ سفر میں آپ نے اسی گاڑی سے انہیں پھلواری سے واپس کی تھی جس گاڑی سے مولانا مرحوم اسٹیشن جارہے تھے، وہ کہہ رہی تھیں اس وقت مولانا بہت کمزور نظر آرہے تھے۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحب، شاہد رام نگری صاحب و دیگر تمام رفقائے دفتر کی خدمت میں سلام عرض ہے، اللہ تعالیٰ سب کو صبر و ضبط کی توفیق بخشے۔

کل میں نے جامعہ رحمانی بھی فون کیا تھا اسی وقت مولانا ولی رحمانی صاحب مونگیر پہنچے تھے اس لیے ان سے بات نہ ہو سکی بعد میں ایک خط بھی کل ہی ان کی خدمت میں جامعہ ہی کے پتہ پر ارسال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے بھائی بہنوں کو خصوصی طور سے صبر کی توفیق بخشے، اس ماہ کی مخصوص دعاؤں میں اس گنہگار بھائی کو ضرور یاد فرمائیں۔ امی اور اہلیہ بھی سلام کہتی ہیں، بچے بھی سلام کہتے ہیں، سب کے لیے دعائے خیر فرمائیں۔

طالب دعا

جماعت اسلامی ہند

TEL 683 8004
196, Zakir Bagh, Okhla Road
NEW DELHI-110025

Dr. AKHLAQ R. KIDWAI

March 22, 1991

مکرمی حضرت مولانا نظام الدین صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

امیر شریعت حضرت مولانا جناب منت اللہ رحمانی صاحب کے المناک وصال پر مجھے حد درجہ افسوس ہے۔ وہ ایک جید عالم اور محب وطن تھے اور اپنی گرانقدر خدمات کے لیے پورے ملک بالخصوص تمام مسلمانوں کے ذریعے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

ان کے وصال سے امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

میں تمام احباب کے ساتھ آپ سب کا شریک غم ہوں۔ خدائے تعالیٰ مولانا مرحوم کی روح کو اپنے خصوصی جوار رحمت میں جگہ دے، آمین!

واضح ہو کہ جناب مولانا ولی رحمانی کے نام میری جانب سے بھیجے گئے تعزیت نامے کی کاپی منسلک ہے۔

نیک خواہشات کے ساتھ۔

خیر اندیش

اخلاق الرحمن قدوائی

Dr. AKHLAQ R. KIDWAI
CHANCELLOR
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

TEL.: 6836004
196, Zakir Bagh, Okhla Road
NEW DELHI-110025

March 22, 1991

محترمی جناب ولی رحمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی المناک موت کی خبر سن کر مجھے حد درجہ افسوس ہوا ہے۔

حضرت مولانا کی شخصیت ایک مینارۂ نور تھی جس کے اثرات نہ صرف بہار واڑیسہ بلکہ پورے ملک، بالخصوص تمام مسلمانوں میں نمایاں ہوئیں۔

وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے چیرمین اور مجلس مشاورت کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے یونیورسٹی عدالت کے ایک رکن کی حیثیت سے ان کی بیش بہا خدمات اور ہندستان میں مسلمانوں کی جدید تعلیم کے فروغ میں ان کی دلچسپیاں مجھے یاد آرہی ہیں۔ انہوں نے انتہائی بلند ہمتی کے ساتھ خود کو ملک وقوم کے لیے وقف کردیا تھا۔ وہ قومی اور بین الاقوامی امور کے ان گنت معاملوں میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ان کی رفاقت اور دعائیں حاصل تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے وصال سے میں اپنے خیر اندیش اور ایک عظیم رفیق سے محروم ہوگیا ہوں۔ آپ کے اہل خانہ کے ساتھ میں بھی شریک ہوں اور خدائے بزرگ وبرتر سے دعا گو ہوں کہ وہ مرحوم کی روح کو اپنے خصوصی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

خیر اندیش

اخلاق الرحمن قدوائی

۸

محترم المقام جناب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی

امید کہ مزاج اقدس بخیر ہوں گے، عصر حاضر کی عظیم ترین قومی و ملی وشخصیت نابغہ روزگار، جید مایہ ناز بزرگ عالم ومفکر حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ) کے وصال کی خبر کا اخبارات کے ذریعہ علم ہوا جس سے سخت قلبی صدمہ پہنچا، سچ ہے "موت العالِم موت العالَم" مرحوم تنہا ایک انجمن تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو دینی و ملی کاموں میں وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ امت مسلمہ کے لیے بے بدل نعمت تھے، امارت شرعیہ بہار کی امارت، مسلم پرسنل لا بورڈ کی نظامت، دار العلوم دیوبند کی شوریٰ کی رکنیت، اور اسلام و امت مسلمہ کے لئے مرحوم کی بے مثال و بے حد قربانیاں تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔ جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ تاہم اللہ کی ذات حی وقیوم ہے، اس کے افراد ساز کارخانے میں کوئی کمی نہیں دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اپنے جوار رحمت میں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب فرمائے، اپنے فضل وکرم سے جنۃ الفردوس میں شایان شان مقام عطا فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ امارت شرعیہ کو خصوصاً اور ہندستانی و بین الاقوامی مسلمانوں کی دینی و ملی قیادت کے لیے عموماً نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ حضرات کے غم میں برابر کا شریک

مفتی اشفاق احمد عفی عنہ

۲۶؍ مارچ ۱۹۹۱ء

۹

مکرمی ومحترمی، السلام علیکم

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نور اللہ برہانہ کی رحلت سے سخت صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ

ان کے مدارج کو بلند کرے اور امت کے اس عظیم نقصان کی تلافی کرے جو ان کے انتقال سے ہوا ہے اس بڑے سانحہ نے آپ کی ذمہ داریوں میں اور اضافہ کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے،

والسلام

غمزدہ سید حامد

سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۰

مکرمی ومحترمی سلام مسنون

مزاج گرامی! حضرت امیر شریعت کے انتقال کی خبر اسی شب میں ۱۲/۱ بجے مل گئی تھی۔ آنیکی ترتیب قائم کی لیکن اندازہ ہوا کہ بروقت پہونچنا ممکن نہیں ہے، بہر حال تعزیت کے تو ہم سبھی مستحق ہیں لیکن آپ زیادہ ہیں اس لیے کہ آپ طویل مدت تک شب و روز ان کے ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے اور بہترین رحمتوں سے نوازے، میں نے فوری طور پر مونگیر خط اور تار بھیجدیا تھا، آپ اور مجاہد الاسلام صاحب کو ذرا تاخیر سے بھیج رہا ہوں، خیال تھا کہ آپ واپس آجائیں، مسئلہ رسمی تعزیت کا نہیں ہے انتہائی اہم صورت حال ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر صورت پیدا کرے۔ آپ حضرات کا عید بعد کیا نظام ہے ۲۵ اپریل کو میری چھوٹی لڑکی کا عقد ہے اور کچھ تنظیمی سفر بھی ہیں۔ آپ کا پروگرام معلوم ہونے پر پٹنہ اور مونگیر کا پروگرام بنانے میں سہولت ہوگی اور یہاں تو الکشن کا ہنگامہ بھی تیز ہو جائے گا۔

۲۸/ مارچ سنہ ۱۹۹۱ء احقر اشتیاق حسین قریشی

۱۱

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کے انتقال سے پوری ملتوں، صوبہ اور ملک میں زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے، مسلمانوں کے جملہ مسائل سے ان کی اہم وابستگی تھی اور ہر مسئلہ پر وہ پوری ذمہ داری اور منصفانہ

رجحان سے حاوی تھے اور وزن رکھتے تھے ایسی شخصیت پوری مسلمان ملت کی بلا تفریق کی راہبر رہی تھی جس پر ہم لوگوں کو بہت زیادہ صدمہ اور رنج ہے۔ ان کا دل بین الاقوامی اتحاد اور شفقتوں سے سرشار تھا، عالم روحانی، چہرہ روادار مفکر، ظریف، دوراندیش، اٹھنے بیٹھنے اور انداز گفتگو سے عظمت ٹپکتی تھی انکساری مظلوموں سے ہمدردی اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر اعتماد ان کی خاص خصوصیت تھی۔ مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر ہوں پسماندگان کو اللہ طاقت دے کہ اس سانحہ عظیم کو برداشت کریں ہم لوگ دعا کرتے ہیں۔

ہم لوگوں کی طرف سے دلی تعزیت۔

سید غالب امام
صدر شیعہ نیشنل فورم

۱۲

عزیز گرامی جناب مولانا ولی رحمانی صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ ہر طرح خیریت سے ہوں گے، اچانک حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کے سانحہ وصال کی خبر سن کر بیحد رنج وغم طاری ہو گیا، ہندستان کے موجودہ حالات میں حضرت مولانا کی رہنمائی و قیادت کی مسلمانوں کو شدید ضرورت تھی جبکہ حضرت مولانا راہی عدم ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، حضرت مولانا مرحوم سے اس ناچیز کی ملاقات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے یہاں یا ندوۃ العلماء میں متعدد بار ہوئی تھی ان سے مل کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ عرصہ سے بہار واڑیسہ میں امارت شرعیہ کے ذریعہ دینی وعلمی وسیاسی وہ رہنمائی کر رہے تھے، لیکن ان کا دائرہ عمل ادھر آکر ملک گیر ہو گیا تھا، بہر حال ان کی وفات موت العالِم موت العالَم کی مصداق ہے، یہاں پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، اس خط کے ذریعہ آپ کو اور آپ کے اعزاز اور حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے جملہ متعلقین کو سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہوں، یہ ایسا خلاء ہے کہ بظاہر پر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ان کے سلسلہ فیض کو جاری وقائم ودائم رکھے، محترم مولانا مجاہد الاسلام صاحب اور دیگر

اکابرین کو سلام مسنون۔ فقط

والسلام

شریک غم تقی الدین ندوی

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کا اس دنیا سے اٹھ جانا ملت اسلامیہ ہند کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اب ایسی باعزیمت اور فعال و متحرک کوئی اور شخصیت، قائدین اور علمائے کرام کی صفوں میں نظر نہیں آتی اس تاثر کا اظہار جناب محمد عبدالرحیم قریشی سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے تعزیتی بیان میں کیا جس میں مزید کہا گیا کہ مولانا مرحوم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صرف جنرل سکریٹری نہیں بلکہ اس کے روح رواں اور پرسنل لا تحریک کے بانی تھے۔ یہ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی قوت ایمانی اور استقامت کا نتیجہ تھا کہ ایمرجنسی کے خوف و دہشت کے دور میں نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر جبری فیملی پلاننگ و نس بندی کے خلاف مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ تمام مسالک کے علماء کا متفقہ فیصلہ حاصل کیا۔ شاہ بانو کیس کے بعد تحفظ شریعت کے لیے چلائی گئی ملک گیر تحریک ان کی اعلیٰ تنظیمی صلاحیت کا ثبوت ہے۔ جناب رحیم قریشی جو کل ہند مجلس تعمیر ملت کے معتمد عمومی (جنرل سکریٹری) ہیں۔ اپنے بیان میں بتایا کہ حال میں ۴ دسمبر ۹۰ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد کے سلگتے ہوئے مسئلہ پر یہ فیصلہ دیا کہ چونکہ یہ مسجد، مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی اور اس کی زمین ناجائز طور پر غصب کردہ نہیں ہے اس لیے مسجد کی ملکیت تبدیل نہیں کی جا سکتی اور نہ کسی کو ہبہ یا منتقل کی جا سکتی ہے۔ بابری مسجد کی نوعیت میں کوئی فرق شرعاً جائز نہیں ہے۔ پرسنل لا بورڈ کا یہ دو ٹوک اور بے باکانہ فیصلہ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ مولانا مرحوم کے جوش ایمانی کی یہ کیفیت تھی کہ قلب کی کمزوری کی وجہ سے جب تین سال قبل بمبئی کے ڈاکٹروں نے عمرہ کے لیے سفر سے منع کر دیا تو مولانا یہ کہتے ہوئے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موت سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹروں کے مشورہ کو رد کر دیا۔

مولانا مرحوم علم و فضل میں ممتاز مقام کے حامل تھے، دینی حمیت اور ملی درد مندی ان کی رگ و

پے میں بسی ہوئی تھی۔ سیاسی بصیرت اور مسائل کے شعور میں ان کی شخصیت منفرد تھی کہ طبقہ علماء میں یہ خصوصیتیں بہت کم ملتی ہیں، عزیمت میں وہ اپنی مثال آپ تھے کہ وہ دباؤ کے اور غیر ضروری مصلحتوں کو جد و جہد کے راستہ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔ اپنے تعزیتی بیان میں جناب عبد الرحیم قریشی نے دعا کی ہے کہ اللہ رب العزت مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ جوار رحمت میں جگہ دے۔ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے سانحۂ ارتحال سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کو پُر کرنے والے باعزم و حوصلہ صلاحیتیں ملت اسلامیہ ہند کو عطا فرمائے۔

مدینہ منشن، نارائن گوڑہ
حیدر آباد

معتمد نشر و اشاعت
کل ہند مجلس تعمیر ملت

۱۴

بخدمت مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

برادر محترم و مکرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال نہ صرف ایک خاندان، ایک ادارہ بلکہ پوری ملت کا نقصان ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی جہد مسلسل اور دین و ملت کی خدمت میں گذار دی۔

مولاناؒ کی رہنمائی میں امارت شرعیہ نے اپنے دائرہ کار بہار اور اڑیسہ میں جو خدمات انجام دی ہیں بالخصوص قضاء کے شعبہ میں اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

سرزمین ہند میں مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر جس استقامت اور ہمت و جرأت کے علاوہ جس حکمت و دانشمندی کے ساتھ موصوف علیہ الرحمۃ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک کو منظم کیا وہ ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کا اہم باب ہے۔ اسی تعلق سے شرعی قوانین کی تدوین و ترتیب کا جو کام مرحوم نے شروع کیا ہے وہ بڑا اہم اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔ توقع ہے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعی جاری رہے گی۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کی تعمیر و ترقی بالخصوص بہار جیسی ریاست میں دینی مدارس کے ذریعہ علم دین کی ترویج کی جو

کوششیں موصوفؒ نے انجام دی ہیں وہ ایک گرانقدر خدمت ہے۔

ملی مسائل میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور پھر بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک میں بھی ان کا نمایاں کردار رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، گناہوں کی مغفرت کرتے ہوئے اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرے، آمین۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور امارت کے تمام ذمہ داروں اور کارکنوں کے علاوہ مولانا ولی رحمانی اور تمام اعزا و اقارب کو سلام مسنون کے ساتھ ہماری طرف سے تعزیت پہنچا دیں۔

والسلام

مفتی شمس الدین

ڈائرکٹر رابطہ عامہ، مرکز جماعت اسلامی ہند، دہلی - ۶

۱۵

امیر شریعت حضرت مولانا شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے رب کے حضور اپنے اعمال صالحہ کا صلہ پانے کے لیے پہنچ گئے۔ سارے ملک میں یہ خبر بجلی کی رفتار سے دوڑ گئی۔

مولانا منت اللہ واقعی منت اللہ تھے۔ اس شخص کے فضائل، مراتب کوئی کہاں تک گنا سکے گا۔

لیکن میرا چونکہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سے پچھلے بیس برسوں سے تعلق رہا اس میں سب سے بڑی ہلچل مسلم پرسنل لا بورڈ کی رہی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ میں حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دبنگ شخصیت پر عزمت، پر جلال، باوقار، رعب دار چہرۂ مبارک اور انداز گفتگو ایسا جچا تلا نپا اور رکھا ہوا ہوتا تھا کہ ایک ریاستی منسٹر سے لیکر پرائم منسٹر تک اور دوسری بڑی بڑی شخصیتوں پر حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ کا رعب اور جلال فوری طور پر کام کر جاتا۔ یہ منظر کئی مرتبہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

بے لچک بات کہنا، حکمت و دانشمندی سے بات کہنا یقین میں ڈوبا ہوا دل کا سوز دلائل کے

انبار کے ساتھ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ جب مخالف کے سامنے انڈیل دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب اگلے کے اوسان خطا ہو چکے ہیں اور کئی کئی بار الحمد للہ بڑی بڑی میٹنگوں میں، جلسوں میں، کانفرنسوں میں، وزراء اور قانون داں لوگوں کی مجلس میں حتیٰ کہ وزیر اعظم تک کی مجالس میں مولینا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت فوری طور پر اثر انداز ہو جاتی۔

مجھے الحمد للہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی کئی اسفار کا شرف حاصل ہے۔ ایک مرتبہ ایک طویل سفر نیپال کے دورہ کا تھا۔ کٹھمنڈو، اتردا بازار، جلپاپور اور دوسرے اہم مقامات کے سفر پر حضرت کے ساتھ رہا۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ از راہ شفقت مجھ سے ہر جلسہ میں تقریر کرواتے اور اصلاحی انداز میں کوئی کوئی بات ایسی فرما دیتے جو میری تربیت میں معاون ہوتی۔ پچھلی شب میں بلا ناغہ اللہ کے حضور حاضری، ذکر اذکار کی پابندی اور خوش خلقی اور خوش پوشی اور صاف ستھرا پن اور عمدہ ذوق، ادھر اوپر کے درجہ میں ایمان کی پختگی، اللہ پر یقین، ملت کے مسائل میں گہری سوجھ بوجھ سے مسائل کو ایک مخصوص رخ پر ڈال کر بلکہ میں تو یہ عرض کروں کہ ملک میں مسلم دشمن طاقتوں کو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں نہیں للکارا بلکہ حکمت و دانائی سے مسلم دشمن طاقتوں کو اپنی پسند کے میدان میں کھینچ کر ایسا وار کیا کہ پچھلے چالیس برسوں میں بعض بعض کامیابیاں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں ایسی آئیں کہ جس سے دنیا میں حضرت کا مقام تو بلند ہو ہی گیا لیکن آخرت میں جو اجر اللہ کے اس مومن بندہ کو ملے گا اس کا ناپ تول کر لینا ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں۔

ملت واقعی یتیم ہو گئی، دھرتی سے ایک بڑا مومن انسان اٹھ گیا۔ امارت شرعیہ، مسلم پرسنل لا بورڈ، مسلم مجلس مشاورت، بڑے بڑے دینی دار العلوم، ہزاروں مدرسے، خانقاہیں اور رفاہی ادارے اب حضرت کی بصیرت سے اور حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے سایئے سے محروم ہو گئے۔ خدا اس پر قادر ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کر دے لیکن دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔

اس عاجز کو الحمد للہ اللہ نے محض اپنے فضل سے اور ہندستانی علماء کے ایک وفد کے ساتھ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت اور امارت میں ایک حج کی سعادت بھی عطا فرمائی۔ مکہ مکرمہ میں منیٰ میں، عرفات میں، مزدلفہ میں، مدینہ طیبہ کی زیارت میں، بڑے بڑے جلسوں میں حاضری بڑی شخصیتوں سے

سے ملاقات اور مختلف مسائل میں حضرت کی جچی تلی رائے اور حضرت کی صحبت میں ان ایام میں جو وقت گذرا وہ تاعمر یاد رہے گا۔ بلکہ مجھے مرنے کے بعد میں بھی یاد رہے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیگا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن ہم اپنے جی کو سمجھانے کے لیے خوب خوب دعا کرتے ہیں اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی کیے جا رہے ہیں۔ ہماری مجلس تعلیم القرآن، ناگپور، پر حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے احسانات ہیں۔

پچھلے چالیس برسوں سے درس قرآن کی جو ترتیب یہاں چل رہی ہے اس میں الحمد للہ قرآن مجید کے کئی دور پورے ہوئے، کم سے کم دو یا تین اسفار حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بھی کیے کہ اس میں حضرت مولانا محترم سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے ساتھ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ناگپور بھی ہوئی۔

اور ختم قرآن کے بعد دوسرے دور کو شروع کرنے میں حضرت امیر شریعت" کا سایہ ہم پر جبرئیل کے پروں کی مانند رہا۔ ہمیں بار بار راہ سمجھاتے رہے۔ مشورے دیتے رہے۔ تحسین بھی خوب فرماتے اور تربیت بھی خوب فرماتے۔

میں کیا عرض کروں اس وقت ملت کے حالات جس رخ پر ہیں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی چھتری ہم پر سے اٹھالی گئی۔ اب صرف دعا ہی کر سکتے ہیں اور اللہ سے مانگ سکتے ہیں کہ یا اللہ منت اللہ تو آپ کے پاس چلے گئے اور یہ امت اب منت اللہ سے محروم ہے۔ اس خلاء کو پر کرنے والی جو شخصیت آپ کے علم میں ہو وہ ہمارے لیے کھڑی کر دیجیے۔

واجعل لنا من لدنک ولیاً ج واجعل لنا من لدنک نصیراً ہ

محترمی و مکرمی جناب قاضی مجاہد الاسلام صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے میری بہن انجمن آرا نے جو حج میں آپ کے رفقا کے گروہ میں شامل تھیں، مجھے فون سے اطلاع دی کہ جناب امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ شاملۃ کاملۃ، ہم لوگوں کو چھوڑ کر مالک حقیقی سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے

اور پسماندگان وسوگواروں کو صبر جمیل کے ساتھ، مولانا مرحوم کے اخلاص اور ملت کے لیے بھرپور جدوجہد کے جذبے سے بھی بہرہ ور فرمائے، قاضی صاحب آپ کو تو معلوم ہے کہ جناب امیر شریعت علیہ الرحمہ اس کم علم وکم سواد پر کتنی عنایت فرماتے تھے، ان کی ساری سابقہ عنایات یاد آ آ کر دل کو بے چین کرتی رہیں اور بے اختیار ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی رہیں۔ کتنی مبارک ہوتی ہیں وہ ہستیاں جو زندگی میں دوسروں کے لیے نمونہ عمل اور جانے کے بعد ان کی دعاؤں کا خراج وصول کرتی رہتی ہیں۔ اس غریب الوطنی کی زندگی میں جہاں تنہائی کے علاوہ کوئی دوسرا ہم ساز نہیں ہوتا، مولانائے مرحوم کی بے پناہ شفقت ہمت افزائی اور قدردانی کی یاد نے کتنا بے قرار کیا ہوگا اسے لکھنے سے قلم عاجز ہے، اللہ انہیں بہترین اجر عطا فرمائے۔

اپنی دوسری ساری خدمات جلیلہ کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے وہ جنرل سکریٹری بھی ہیں۔ پسچ یہ ہے کہ اسکے روح رواں تھے۔ ان جیسا معاملہ فہم، جواں ہمت، مردم شناس اور مختلف الخیال لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے والا، اس طبقہ علماء میں میں نے ان جیسا نہیں دیکھا، بروقت اقدام کرنے اور وقت سے پہلے ہواؤں کا رخ پہچاننے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ اصول میں صلابت اور عدم مفاہمت کے ساتھ فروع میں اختلاف کو نہ صرف انگیز کرنے بلکہ اسے اس کا جائز مقام دینے میں اپنے ہم عصر حاملان دین متین میں ان کی شخصیت نمایاں طور پر ممتاز تھی۔ یادگار زمانہ تھے یہ لوگ۔

اس وقت جب کہ ملک وملت آتش فشاں کے دہانے پر ہیں مولانا مرحوم جیسے حضرات کی اور زیادہ ضرورت تھی مگر اللہ اپنی مصلحتیں آپ ہی جانے، اللہ ان کے خلف کو ان کی خوبیاں عطا فرمائے اور ان اخلاف میں قاضی صاحب آپ کی ذمہ داریاں اور زیادہ گراں بار ہوگئی ہیں۔ اللہ انھیں باحسن وجوہ پورا کرنے کی آپ کو توفیق کامل عطا فرمائے اور حالات سے بہ جنہ آزمائی کا بھرپور حوصلہ اور قوت عنایت فرمائے، امیر شریعت رحمہ اللہ کے بعد آپ جیسے حضرات کی موجودگی دوسروں کی ہمتیں بڑھانے کا بڑا ذریعہ ہے، کثر اللہ امثالکم میں نے مولانا ولی رحمانی صاحب کو بھی خط لکھا ہے۔ مولانائے مرحوم بہت بڑا خلا چھوڑ گئے اور اسے آپ جیسے حضرات ہی پر کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ سکتے ہیں

فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم

آپ کا شریک غم اور دعاگو احقر فضل الرحمن تھنوری

گرامی قدر مخلص محترم حضرت مولانا نظام الدین صاحب   السلام علیکم

بعد سلام کے عرض ہے کہ کل احمد آباد سے خط ملا، اس میں اخباروں کے تراشے تھے جب ان کو پڑھا تو حضرت امیر شریعت کے انتقال پر ملال کی خبر تھی، پڑھ کر بہت ہی افسوس ہوا اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ مولانا ولی رحمانی صاحب سے میری طرف سے اور شکاگو کے احباب کی طرف سے بھی تعزیت کر دیں تراویح کے بعد حضرت کے بلند درجات کے لیے دعا کی گئی انشاء اللہ جمعہ کے بعد بھی دعا اور تعزیتی جلسہ ہوگا، دعاؤں کی درخواست ہے۔

۱۵ر رمضان المبارک ۱۲ھ   شریک غم بندہ حافظ عبدالرزاق، شکاگو، امریکا

۱۷

بخدمت اقدس حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ بعافیت ہوں

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی اچانک رحلت پر سخت افسوس ہوا، حضرت کی بے لوث شخصیت مصلحت پسندی سے دور دینی خدمات میں انہماک دین کا کام کرنے والوں کی دلجوئی یہ وہ صفات تھیں جس نے حضرت کو اللہ کے بندوں میں مقبول بنایا۔ رضاء خداوندی ہے جس میں جس قدر خدمت لینا چاہتے ہیں لے کر اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے تمام اعمال اور خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ تمام متعلقین کو صبر عطا فرمائے آمین، اللہ تعالیٰ ہمارے باقی ماندہ اکابر واسلاف کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ہم ناکارہ لوگوں کو ان کی ذات بابرکات سے فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، مفتی عزیز الرحمن صاحب کے لیے بھی دعا فرمائیں اس وقت مسجد چھتہ میں حضرت مفتی صاحب کے پاس مقیم ہوں عید کے بعد بمبئی واپس ہوؤں گا۔ میرے حق میں بھی دعا خیر فرما دیں۔

احقر مقیم
مسجد چھتہ، دیوبند

۱۸

جناب گرامی قدر مولانا مجاہد الاسلام صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس عظیم سانحہ میں آپ سب کی تعزیت ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کا ارتحال پوری ملت کے لیے بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ نعم البدل مہیا فرمائے۔

ہم سب اس غم واندوہ میں آپ کے شریک ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے رفقاء کا حوصلہ بلند رکھے اور ملت کی خدمات جو حضرت مولانا کی زندگی میں آپ لوگوں سے حاصل تھی وہ خدمات برقرار رہے بلکہ اضافے ہوتے رہیں۔

ہماری اور کانپور کے رفقاء کی طرف سے پوری امارت کے لیے تعزیت پیش خدمت ہے۔

منظر الحق ندوی

۱۹

مخدومی ومطاعی

سلام ورحمت، گذشتہ رات پٹنہ ریڈیو نے یہ المناک خبر سنائی کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ اب ہم میں نہیں رہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اطلاع ملتے ہی ایصال ثواب کیا۔ انشاء اللہ آج بعد نماز مسجد کلاں خانقاہ میں قرآن خوانی ہوگی۔

مفتی صاحب مرحوم گئے، طیب صاحب مرحوم داغ مفارقت دے گئے۔ اب حضرت مولانا کی ذات سکون قلب کا باعث تھی وہ بھی نہ رہے۔ اس دور قحط الرجال میں، افسوس ہے کہ شرافت ومحامد کی پیکر ہستیاں یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے اٹھتی جارہی ہیں۔ حضرت مرحوم گوناگوں اوصاف حمیدہ اور شمائل جمیلہ کا مجسمہ تھے اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے نیز آپ کو مرحوم کا صحیح جانشین اور پرسنل لا

کے تحفظ کی قوت دے۔

حالات انتہائی تشویشناک ہیں۔ دیہاتی مسلمان شہید ہوگا یا ارتداد کا شکار، اب وقت آگیا ہے کہ ہم حکومت سے نہ صرف نشستوں کے تحفظ و تشخص کا مطالبہ کریں بلکہ مسلمان حسب سابق اپنے نمائندوں کو خود منتخب کریں۔

مشترکہ انتخاب ہمارے لیے سم قاتل ہے، جس میں بتدریج کمی آرہی ہے اور یہ نام نہاد افراد اسمبلی و پارلیمنٹ میں ہمارے مسائل سے اجتناب کرتے ہیں اور یہ ہمارے درد کا درماں نہیں۔ اس خصوص میں فوری توجہ فرمائی اور عملی اقدام ضروری ہے۔ جملہ پرسان حال کو سلام ومسنون، بفضل خداوندی متوقع ہوں کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

ہادی نقشبندی

محترم جناب مولانا مجاہد الاسلام صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد

نہایت ہی رنج و ملال کے ساتھ یہ ناگہانی خبر سنی گئی کہ جناب سید منت اللہ رحمانی صاحب امیر شریعت بہار مرحوم ومغفور کا اچانک حالت نماز میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ملت اسلامیہ کے جید عالم عظیم مفتی اور مخلص قائد تھے، ملت اسلامیہ ان کی بے لاگ فقہی آراء و صالح قیادت سے محروم ہوگئی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے توسط سے مسلمانان ہند کی ملی تشخص کی بقاء کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں ہم کبھی فراموش نہیں کرسکتے، آئندہ آنے والی نسلیں اس احسان عظیم کو ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ ان کی شخصیت مسلمانوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں ہندستان کے فقہی حلقہ میں جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ بہار اڑیسہ و بنگال کے مسلمانوں کی خدمات کا جو بیڑا امارت شرعیہ نے اٹھایا ہے۔ اس کے وجود کو انہوں نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ فقہی عدالتوں میں مسلمانوں کے مسائل کے لیے جو کوشش امارت شرعیہ کررہی ہے اور ان کے معاملات کو سلجھانے میں جو کردار انکی شخصیت

نے ادا کیا ہے، وہ ناقابل فراموش ہے۔ دین پر پابندی سے مسلمانوں کو عمل کرنے کے لیے ان کی کوشش تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں نیک بندوں میں جگہ نصیب کرے اور ان کے متعلقین و آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔ ہمارا ادارہ بھٹکل مسلم ایسوسی ایشن جدہ اور اس کے تمام اراکین آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہمارے ان جذبات کو ان کے متعلقین تک پہنچا دیجیے گا اور سلام عرض کیجیے گا۔

آپ کی دعاؤں کا طالب
ڈاکٹر محمد اویس رکن الدین
صدر بھٹکل مسلم ایسوسی ایشن، جدہ

۲۱

برادر محترم مولانا نظام الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابھی ابھی تعمیر حیات (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے ذریعہ یہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ جناب مولانا منت اللہ رحمانی آج سے تقریباً دو ہفتے قبل انتقال فرماچکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ورحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

خبر آئی کیا کب تھی کہ ایک جھٹکا سا لگ گیا۔ کوئی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس سے پہلے جو کوئی خبر ان کے متعلق پڑھی تھی وہ بابری مسجد کے مسئلہ پر پرسنل لا بورڈ کے فیصلے کے سلسلے میں اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر چندر شیکھر سے ایک وفد کے ساتھ ملاقات اور اس ذیل میں ذرا تیکھے جملوں کے تبادلے کی تھی۔ اور جی خوش ہوا تھا کہ مولانا نے اپنی حیثیت اور عہدے کی لاج رکھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امارت کے لیے مولانا کے پیدا کردہ خلا اور اس کے اثرات سے عہدہ برآ ہونے میں آپ حضرات کی پوری مدد فرمائے۔

براہ کرم مولانا مرحوم کے صاحبزادے صاحب سے بھی میری طرف سے تعزیت فرمائیں۔ والسلام

آپکا بھائی عتیق الرحمن سنبھلی

۲۲

مکرمی و محترمی جناب مولانا ولی رحمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ ہم جملہ احباب بخیر و عافیت ہیں۔ امید ہے کہ آپکا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نشر و اشاعت کے متعدد ذرائع کے توسط سے ہمیں یہ جان کر سخت صدمہ پہونچا کہ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن، امیر شریعت بہار و اڑیسہ، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا کے جنرل سکریٹری، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا مرحوم کی نمایاں صلاحیت، معاملہ فہمی اور ملی جذبہ خدمت کی وجہ سے ہی آج امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو عوام و خواص میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی ذاتی دلچسپی اور اپنی نگرانی میں مستند علماء اور ماہرین فقہ اور علوم شریعت کے ذریعہ عملی امور اور معاملاتی زندگی میں جو علمی اور تحقیقی کام ہوا ہے اور جس نظم و وحدت کا مسلم ملت کو نمونہ پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر ادھر عرصہ دراز سے ملی اور دینی تحریکات اور تنظیموں کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس سے ان کی دینی بصیرت اور زمانہ شناسی کی عکاسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اور انھیں جنت الفردوس سے نوازے نیز آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہماری یہ دعا ہے کہ علم و تحقیق کا یہ کارواں اخلاص و کامیابی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین اسلام پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　　　محمد راشد الہندی و احباب

فضلاء دار العلوم دیوبند / ریاض

۲۳

۳ رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء بدھ کی شب میں حضرت امیر شریعتؒ کا وصال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صبح جب یہ خبر سنی تو بے حد صدمہ محسوس ہوا۔ مدرسۃ الاصلاح میں رمضان کی تعطیل ہو چکی تھی مگر مقامی طلباء و حاضر مدرسین فوراً ایصال ثواب میں لگ گئے اور اب اراکین مدرسہ نے تعزیتی تجویز کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ شوال میں قدیم و جدید طلباء کی حاضری و داخلہ کے بعد تین دن تک ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائیگا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا وصال بلاشبہ ملک و ملت کے لیے سخت نقصان ہے، صدیوں میں ایسے مجاہد عالم تیار ہوتے ہیں جو دین و ملت کے لیے سپہ سالار کی حیثیت پیدا کر پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ہم اراکین و مدرسین مدرسہ مدرسۃ الاصلاح جمری غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(حافظ) محمد یعقوب، نقیب امارت شرعیہ
و ناظم مدرسہ مدرسۃ الاصلاح جمری، ضلع ہزاری باغ

۲۶ / ۳ / ۹۱ء

محب مکرم عزیز محترم گرامی قدر حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ الحمدللہ میں بھی بخیر ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسجد کی پنجوقتہ حاضری نصیب رہوئی ہے ضروری کام بھی جاری رہتا ہے، آپ کا خط موصول ہوا۔ "تقلید شرعی کی ضرورت" آپ کو موصول ہوئی اس سے مسرت ہوئی۔ دعا فرماتے رہیں۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ کا حادثہ فاجعہ قوم کے لیے بہت ہی عظیم حادثہ ہے اللہ پاک امت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ مرحوم کی مغفرت اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔ رمضان المبارک میں ایک تعزیتی خط لکھا تھا موصول ہوا ہوگا۔ مولوی اختر حسین صاحب کی روانگی کے بعد آپ کے اذیقہ والے جواب پر تصدیق اور ایک دو سطریں لکھ کر بذریعہ ڈاک ارسال کیا تھا موصول ہوا ہوگا۔ اسی لفافہ میں وطن اقامۃ سفر شرعی سے باطل ہوتا ہے یا نہیں اس سے

متعلق بھی جواب ارسال کیا ہے، اس پر آپ کے تاثرات کا انتظار رہے گا۔

سادات کو زکوۃ دینے کے متعلق احقر کا فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم صفحہ ۱۶۶ تا صفحہ ۱۷۰ پر طبع ہوا ہے۔

بقیہ حالات الحمد للہ ٹھیک ہیں ہندستان کے حالات بہت قابل تشویش ہیں بہت فکر ہے۔ دعا کرتے ہیں آپ بھی دعا فرماتے رہیں، فقط والسلام

احقر الانام سید عبد الرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ

۲۵

مکرمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کے وصال کی افسوسناک خبر اخبار قومی مورچہ کے ذریعہ ملی۔ اجتماعی طور پر فضلائے دار العلوم دیوبند نے آپ کے قومی و ملی خدمات پر روشنی ڈالی۔

مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا ہندستانی مسلمانوں کے لیے ایک ڈھال تھے۔ قومی مفاد کے لیے آپ سینہ سپر ہو جاتے۔ آپ ایک عرصہ سے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک معزز رکن رہے۔ مولانا گوناگوں شخصیات کے بھی مالک تھے۔

حضرت کی وفات پر افسوس وغم کے ساتھ موصوف کے سوگوار خاندان کے ساتھ ہمدردی کا ذکر کیا گیا۔ اخیر میں ایصال ثواب کے بعد اجتماعی طور پر مرحوم کی ترقی درجات کے لیے دعا کی گئی۔

فقط والسلام

ڈاکٹر اے ایس قاسمی

۲/۴/۹۱ء

۲۶

محترم ومکرم حضرت ناظم صاحب وحضرت قاضی شریعت صاحب زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ اچھا ہوں، امید کہ مزاج شریف اچھے ہوں۔

حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہٗ کی رحلت کی خبر پہلے اخبار پھر ریڈیو سے انتہائی افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ متوسلین ومخلصین ومعاونین غم میں ڈوب گئے۔ اور تمام مساجد میں قرآن خوانی اور تعزیتی جلسہ مقرر کیے گئے۔ ہر مقرر نے حضرت کے کارکردگی کو بتلایا اور ترقی درجات اور ایصال ثواب کیا گیا۔ حضرت کے انتقال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یتیم ہوگئے، کام میں طبیعت نہیں لگتی، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے انتقال کی خبر غلط دیا ہے۔ بہرکیف ہم لوگوں کی ذمہ داری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بڑھ گئی ہے سچی محبت واطاعت یہ ہے کہ حضرت نے جو کام اپنی زندگی میں قوم وملت کے لیے کیا اس کو کیا جائے۔ اور ہر شر سے امارت شرعیہ کو بچایا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہٗ کے گناہوں کو معاف فرماکر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ اور ہم تمام لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور امارت شرعیہ کے لیے جو بھی امیر شریعت منتخب ہوں گے پہلا شخص میں ہوں گا جو امیر کے ہاتھ پر بیعت کرونگا۔ جہاں بھی میں جارہا ہوں۔ ہر جگہ حضرت امیر کے لیے دعاء مغفرت وایصال ثواب دیکھا کہ کیا جارہا ہے، اور آپ لوگوں کے نام تعزیتی پیغام بھیجے جارہے ہیں۔ راورکیلا، گوئیل کیرہ، چائباسہ، ہڑبل، کیونجھر، کٹک اڑیسہ کے تمام مقامات پر دعائیں ہورہی ہیں۔ اور کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ اور امارت شرعیہ کو تمام شر وفتنہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

طبیعت ٹھیک نہیں جارہی ہے۔ محنت خوب کررہا ہوں، لیکن مہنگائی وگرانی اور خلیج کی جنگ کا بہت اثر ہے، بقیہ خیریت ہے۔ اپنی نیک دعا میں اس ناچیز کو بھی یاد رکھیں میرے نزدیک آپ دونوں حضرات کے علاوہ اطاعت کے لائق کوئی تیسرا نظر نہیں آتا ہے۔ شفقت کی نگاہ برابر کی طرح رکھیں گے۔ جناب شفیق احمد کیونجھر، جناب شہاب الدین شریف وقاری محمد علی کٹک اڑیسہ سلام عرض کرتے ہیں۔ اور تعزیت کرتے ہیں۔

محمد رضاء الدین رحمانی

۱۸/ ۹/ ۱۱ء

۲۷

بخدمت حضرت ناظم صاحب (امارت شرعیہ بہار واڑیسہ) دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مورخہ ۲۰/۳/۹۱ء کو بذریعہ ریڈیو فخر قوم وملت امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال پر ملال کے المناک حادثہ کی خبر ملتے ہی پورے علاقہ ساٹھی میں صف ماتم بچھ گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون؛ اس اندوہناک المیہ سے متاثر غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ذمہ داران مدرسہ ساٹھی اور علاقہ ساٹھی کی بستیوں سے آنے والے حضرات پر مشتمل ایک تعزیتی اجتماع مدرسہ ساٹھی میں منعقد ہوا، حضرت امیر کی عہد آفریں شخصیت اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی اور حضرت کی رحلت کو ایک قومی، دینی اور ملکی عظیم حادثہ سے تعبیر کرتے ہوئے بے پناہ رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور دکھ بھرے دلوں کے ساتھ ایصال ثواب کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے مغفرت اور جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمانے کی دعا کی گئی۔ تجاویز درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی افسوسناک رحلت ایک قومی، ملی، دینی اور ملکی عظیم سانحہ ہے، آپ کی عہد آفریں شخصیت اور گوناگوں خصوصیات وکمالات کی شاہکار ذات کبھی بھی فراموش نہیں کی جاسکے گی اور آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش اور آپ کے کھینچے ہوئے خطوط قوم وملت کے لیے بہترین سرمایہ کی حیثیت سے محفوظ رہیں گے۔

۲۔ حضرت امیر شریعت کے اہل خاندان وتمام پسماندگان، ذمہ داران امارت شرعیہ اور ذمہ داران مسلم پرسنل لا بورڈ پر اس حادثہ نے جو اثر ڈالا ہے ہمیں بھی شدت کے ساتھ اس کا احساس ہے ہم بھی ان تمام حضرات کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کے اہل وعیال اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس محرومی پر سبھوں کے اندر ہمت واستقلال پیدا کردے اور راضی برضا رہنے کا جذبہ پیدا کر کے اسے ہمارے دل ودماغ کے سکون کا ذریعہ بنادے، نیز ہماری سرپرستی، رہنمائی اور قیادت کے لیے نعم البدل شخصیت نصیب فرمائے آمین۔

والسلام

خادم مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی

محترم جناب حضرت مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ یہ افسوسناک اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب امیر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ ہم سب کو داغ مفارقت دیکر اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کو خدا پاک نے گوناگوں خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اور انہوں نے اپنی ذات کو دین اور امت مسلمہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اللہ پاک مرحوم کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور امارت شرعیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

فی الحال مدرسہ میں تعطیلات چل رہی ہیں۔ مدرسہ کھلنے پر ایصال ثواب کرایا جائیگا انشاء اللہ۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

والسلام

۹۱/۳/۲۳ء

احقر عبداللہ دارالعلوم فلاح دارین
گجرات

۲۹

جناب مولانا نظام الدین صاحب، ناظم امارت شرعیہ، پٹنہ

السلام علیکم

کل ریڈیو میں نشر ہونے والی خبر سن کر اور اخباروں میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی، امیر شریعت بہار واڑیسہ کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ آپ کی شخصیت میں اسلام

اور شریعت کے تحفظ کا جو جذبہ تھا اور جس کے تحت مولانا نے فرقہ پرستوں اور مفاد پرستوں کو شکست دی تھی اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مولانا صاحب کی موت ملک و ملت کے لیے ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

آپ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے پر ادارہ کے منسلک حضرات کو جو صدمہ پہونچا ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم تمام حضرات ان کی مغفرت کے لیے دعاگو ہیں۔

انوار الحسن

پرنسپل نظامیہ یونانی میڈیکل کالج و اسپتال، گیا۔

ایس آئی او کے جنرل سکریٹری برادر آئی کریم اللہ نے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنے ایک تعزیتی بیان میں کہا کہ مولانا ایک جید عالم، متقی و پرہیزگار اور راہ سلوک کے تنہا مسافر تھے۔ ملت کے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے اور اس کے ناخدا تھے۔ مولانا ایسے وقت میں دنیا سے رخصت ہوئے جب ملت کو ان کی سخت ضرورت تھی۔ آج پھر ملت کی کشتی ناخدا سے خالی منجدھار میں جا پھنسی ہے اور دور دور تک کوئی رہنما نہیں نظر آتا۔

برادر کریم اللہ نے مزید کہا کہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت مولانا کی سرگرمیوں کی علامت ہیں۔ مولانا نے پرسنل لا اور ملت کی اجتماعیت کے لیے سخت جد وجہد کی ہے۔ مولانا کا نقصان ملت کا عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کی کوئی شکل پیدا فرمائے اور مولانا کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین!

فقط والسلام

نگراں شعبہ نشر و اشاعت

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا

۳۱

حضرت قاضی القضاۃ و ناظم امارت شرعیہ صاحبان دامت برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ حضرات بعافیت ہوں۔ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سے راور کیلا میں زبردست کہرام مچ گیا، ہر جگہ تمام مسجدوں میں قرآن خوانی اور دعا مغفرت کا اہتمام کیا جارہا ہے، یہاں کے عوام و خواص نے امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لا کی قیادت کے انتخاب پر اظہار خیال شروع کر دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت کی ذات گرامی پوری ملت اسلامیہ کے لیے باعث رحمت تھی اور آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ کی صفوں میں جو زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کیا دین کا اور دنیا کا کوئی کام رکا رہے گا ہرگز نہیں۔ اللہ نے جس دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے وہ اپنے بندوں سے دین کا کام قیامت تک لیتا رہے گا، تو پھر آپ حضرات کا جو حقیقت میں اس وقت امارت شرعیہ کا بچی ہوئی پونجی ہیں فرض بنتا ہے کہ امارت شرعیہ کی باگ ڈور کسی نااہل ہاتھوں میں نہ جانے دیں اور امیر شریعت خامس کا انتخاب صحیح شرعی اصولوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اخیر میں دعا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ تمام دینی اداروں کو عموماً اور امارت شرعیہ کو خصوصاً پوری پوری حفاظت فرمائے اور آپ حضرات کی عمر طویل کو دراز فرمائے تاکہ قوم و ملت زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔

والسلام

محمد عزیز القاسمی، راور کیلا، اڑیسہ

۹ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

۳۲

۳ر رمضان المبارک کا دن گذار کر، ۷ ½ بجے شب کی علاقائی خبروں میں حضرت امیر شریعت کی وفات

کی خبر سن کر احاطہ سراج العلوم سیوان میں کہرام مچ گیا تمام اساتذہ وکارکنان جامعہ حضرت امیر شریعت کی جدائی کے غم میں ڈوب گئے۔

حضرت کا سانحہ ارتحال امت مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے اللہ تعالیٰ موصوف کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دوسرے روز عمائدین شہر کی موجودگی میں ایک تعزیتی جلسہ جامعہ میں منعقد ہوا بعد قرآن خوانی مرحوم کے لیے ایصال و ثواب کیا گیا اور دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے امت مسلمہ کے لیے نعم البدل اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

محمد سہیل ناظم جامعہ عربیہ سراج العلوم
تیل ہٹہ بازار سیوان

۳۳

مکرمی و محترمی! زید معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

اخبارات میں حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھ کر ہم جملہ خدام مدرسہ کو بے حد رنج و صدمہ ہوا۔ موصوف مرحوم کی وفات صرف ایک سانحہ نہیں بلکہ ایک ایسا حادثہ عظیم ہے جس کا جھٹکا سالہا امت مسلمہ ہندیہ محسوس کرتی رہے گی۔ ہم سب کی طرف سے دعاگو ہیں کہ اللہ رب العزت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اخلاف کو نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

محمد باقر حسین مدرسہ عربیہ امدادیہ مراد آباد
یو۔پی۔ الہند

بقلم جمال الدین القاسمی

۳۴

حضرت مولانا زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ رحمانی سابق امیر شریعت بہار کے سانحہ ارتحال پر دل کی گہرائیوں سے تعزیت قبول فرمائیں، موصوف کی رحلت سے قائدین امت کی صف میں ایسا خلاء واقع ہوا ہے کہ اب اس کا پر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اللہ پاک موصوف کو جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نیز ملت اسلامیہ کو مرحوم کا نعم البدل قائد مرحمت فرمائے۔ اگر آسان ہو تو مرحوم کے صاحبزادگان تک احقر کے تعزیتی کلمات پہنچادیں

مفتی ضلع وردلیہ غازی ولی احمد ولی چشتی

جامعہ ریاض الاسلام، سرونج، ایم پی

۳۵

مکرمی نظام الدین صاحب سلام مسنون

مع الخیر رہ کر طالب خیر ہوں۔ امید کہ بخیر ہوں گے۔

آپ کا دعوت نامہ ملا، مگر بد قسمتی سے اتنی تاخیر ہو چکی ہے کہ چاہ کر بھی آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ ڈاک کی بد نظمی کی بنا پر خط اب مل رہا ہے جب میٹنگ ہو رہی ہوگی۔

مولانا مرحوم کی صورت میں امت نے جو کچھ گنوایا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے اب خدا سے بس اتنی التجا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کا صحیح جانشین مقرر فرمائے۔ یقین ہے انتخاب اچھا رہا ہوگا۔

انشاء اللہ عید کے بعد حاضری دوں گا۔ ولی رحمانی صاحب کیسے ہیں؟ ان سے میرا خصوصی سلام عرض کریں۔

۱۴ر رمضان ۱۴۱۱ھ

والسلام

دعاگو محمد اسمٰعیل ظفر

آج مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۹۶ء بروز اتوار بوقت ۹ بجے دن میں اراکین انجمن ملیہ و باشندگان محلہ سوہ ڈیہہ کی ایک عام تعزیتی میٹنگ انجمن کے ہال میں زیر صدارت جناب مولوی نصیر الدین صاحب کے ہوئی جس میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی اچانک موت پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا گیا، جناب مولوی ناظم صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور کل ہند صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اچانک دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر جانا ایک ایسا سانحہ اور ملت کا ایسا نقصان ہے جسے ملت آسانی سے فراموش نہیں کر سکتی اور جس کی تلافی فی الحال ممکن نظر نہیں آتی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جناب نعیم الدین صاحب نے مسلم پرسنل لا بابری مسجد اور دیگر اہم ملی مسائل کے سلسلہ میں ان کی بے لوث اور پرجوش خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آج کے پر آشوب دور میں ان جیسے نڈر، بے خوف اور دینی علم و بصیرت رکھنے والے عالم کی ملت کو سخت ضرورت تھی کہ مالک حقیقی نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخر میں مولانا کے لیے دعا کی گئی کہ اللہ رب العزت ان کے قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے آمین۔ اراکین انجمن ملیہ مرحوم کے اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ میٹنگ ساڑھے دس بجے دن میں ختم کی گئی۔

نعیم الدین
جنرل سکریٹری انجمن ملیہ، سوہ ڈیہہ، بہار شریف

۳۷

مکرم محترم جناب قاضی صاحب و جناب محترم ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ ناچیز بخیریت ہے امید ہے کہ آپ جمیع حضرات بخیر و عافیت ہوں گے۔ مولانا عبد اللہ صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہو کر بہت ہی قلق و افسوس ہے مرحوم بہت ہی خوش مزاج با اخلاق اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی معیت میں سفر تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں نیز پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین مولانا عبد اللہ مرحوم کی مختصر علالت کا حال مولانا مسعود احمد صاحب سے معلوم ہوا ہے۔ نیز حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہٗ کی خبر اخبارات سے معلوم ہو کر قلبی صدمہ ہوا۔ حضرت امیر شریعت بلند پایہ اور بزرگ ہستی تھے جو ملت اسلامیہ کے لیے عظیم کمی کا باعث ہے، بہر حال مرضی مولا میں کسی کا دخل نہیں ہے خداوند قدوس اعلیٰ درجات عطا فرمائیں، آمین۔

آپ کے سفیر مولانا مسعود احمد صاحب اتوار کی شام کو تشریف لائے تھے، شب میں ۱ بجے بخیر و عافیت گیا کے لیے روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ وطن عزیز پہنچائیں گا، مولانا موصوف نے مبلغ ...۵ کا ڈرافٹ بنوا کر آپ کو روانہ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی مذکورہ رقم کا ڈرافٹ ۲۳۴۸۴۳ ارسال خدمت ہے جو رجسٹری سے روانہ ہے، براہ کرم ڈرافٹ کی پہنچ سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ قلب کو اطمینان ہو جائے۔ جمیع حضرات کی خدمت میں سلام مسنون کی درخواست ہے۔ فقط والسلام

طالب دعا عبد العلیم ، مراد آباد

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے انتقال پر اپنے تعزیتی بیان میں ایڈیٹر الفیصل مولانا محمد ہاشم القاسمی صدر مرکز اسلامی حیدرآباد نے کہا ہے کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب فہم و فراست، مسائل پر عبور و آگہی اور سیاسی شعور کے لیے طبقہ علماء میں منفرد تھے، جرأت و عزیمت کے پیکر تھے۔ آپ نے جس خلوص دردمندی اور جگر سوزی کے ساتھ دینی،

علمی اور ملی خدمات انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں، احکام شریعت کے نفاذ اور مسلم پرسنل لار بورڈ کے تحت مختلف مکاتب فکر کے علمار اسلام، زعمار ملت کو متفق و متحد کرنے کے لیے حضرت مولانا رحمانی نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ تاریخ ساز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد ولی رحمانی اور دیگر پسماندگان اور وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مرسل: آفس سکریٹری
محمد اسلم

۳۹

مخدومی و مکرمی حضرت ناظم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیر داعی الخیر مزاج گرامی۔ ۳ رمضان کی صبح میں اسکول جا رہا تھا کہ اچانک ایک ساتھی کی زبانی حضرت امیر شریعت نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی، پہلے تو یقین نہیں ہوا لیکن اس بار مدرسہ رحمانیہ سوپول کی مجلس شوریٰ میں حضرت والاؒ کی رفاقت کا شرف رہا پھر وہاں کے بعد ہرسنگھ پور میں قربت رہی، حضرت والاؒ کے ضعف و پیرانہ سالی نیز امراض جسمانی کی کیفیات کو دیکھ چکا تھا اس لیے تھوڑا تامل کے بعد یقین کرنا ہی پڑا۔ قلب پر انتہائی دھکا لگا ایسا معلوم ہوا کہ جسم کی پوری طاقت ختم ہوگئی۔ دل اور آنکھ دونوں نے رو دیا۔ اسی حال میں اسکول گیا وہاں سے چار بجے مدرسہ واپس آیا لوگوں میں بھی اس وحشت ناک خبر کا چرچا ہونے لگا، جس نے بھی سنا تھوڑی دیر کے لیے اس پر سکتہ کا عالم ہو گیا۔ آہ! حضرت والاؒ کی مفارقت نے ایسا خلا پیدا کیا ہے کہ اس کے پر ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں۔ حضرت والاؒ نے امت مسلمہ کی رہبری ایسے وقت میں کی جبکہ بڑے بڑے اکابرین یا تو خاموش ہو گئے یا گوشہ تھام کر بیٹھ گئے۔ ایمرجنسی سے لیکر شاہ بانو کیس اس کے علاوہ گوناگوں الجھے ہوئے مسائل کا جس جرأت اور بے باکی سے مقابلہ کیا وہ حضرت والاؒ ہی کا حق تھا اور کلمۃ الحق عند سلطان جائر کے اس دور میں صحیح معنی میں حضرت والاؒ ہی مصداق تھے۔ آہ! حضرت والاؒ ہم سیاہ کاروں کو ایسے وقت میں چھوڑ کر اپنے مولیٰ سے جا ملے جبکہ ملک و ملت کو حضرت والاؒ کی رہبری کی سخت ضرورت تھی۔ اب کون ایسا مرد مجاہد آئے گا جو ہر مشکل کی گھڑی میں

سینہ سپر ہو کر میدان میں کود پڑے گا۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا تھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا اس ناچیز نے برہمپورہ اور پوہدی کے عقیدت مندوں کو مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا کے وسیع ہال میں ۴ رمضان کو جمع کیا اور ختم قرآن کر کے حضرت والاؒ کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی اور ایک تعزیتی جلسہ کا جناب مولانا وصی احمد صاحب شمسی روسپوری کی صدارت میں انعقاد ہوا۔ اس میں مولانا نے حضرت والاؒ کی سوانح حیات کو بہت ہی پر اثر انداز میں پیش کیا حاضرین بے حد متاثر ہوئے، مولانا نے حضرت والاؒ کو ہشت پہل ہیرا سے مشابہت دی اور فرمایا کہ حضرت والاؒ جملہ شعبہ حیات میں کامل و اکمل صفات کے حامل تھے۔ اس کی کوئی اس وقت مثال نہیں پیش کر سکتا۔ بعد میں اس ناچیز نے بھی حضرت والاؒ کو قریب اور دور سے تیس پینتیس سال کی مدت میں جن خوبیوں کے ساتھ دیکھا اور پایا مختصر طور پر روشنی ڈالی، اختتام جلسہ پر حضرت والاؒ کی روح کے سکون کے لیے بہت ہی الحاح و زاری کے ساتھ دعا کی گئی۔ حق تعالیٰ حضرت والاؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ اس وقت مدرسہ میں تعطیل کے سبب طلبا کی کمی ہے، انشاء اللہ مدرسہ کھلنے پر زیادہ سے زیادہ ختم قرآن کر کے ایصال ثواب کروں گا۔

والسلام مع الاکرام

مہجور و غمگین احقر محمد قاسم غفرلہ

ناظم مدرسہ اشرفیہ عربیہ پوہدی بیلا، دربھنگہ

۵ رمضان ۱۴۱۱ھ

۴۰

مکرمی گرامی قدر زید احترامکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون: بذریعہ ہفتہ وار جریدہ "نقیب" سے امیر شریعت بہار و اڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر معلوم ہو کر دلی رنج و غم ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون، حضرت مولانا مرحوم کا سانحۂ وفات پورے طبقۂ علماء بلکہ تمام ملت اسلامیہ

کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے حضرت مولانا مرحوم نے پوری زندگی دین و ملت کے لیے وقف کردی تھی نہ کہ صرف امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ جیسی فعال و موثر تحریک و تنظیم اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعال اور ضروری ادارہ اپنے بانی و محرک و روح رواں شخصیت سے محروم ہو گیا بلکہ ہندستان کی دینی، ملی اور فکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا کہ جس کا عصر حاضر میں پر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی وفات کا حادثہ مولانا کے جملہ اہل خانہ اور ہم سب کے لیے ایک نہایت حادثہ عظیم اور صبر آزما حادثہ ہے۔ اسی طرح تمام مراکز دینیہ و مدارس دینیہ کے لیے بھی ایک بڑا سانحہ ہے اللہ رب العزت والجلال مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نیز تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور ملت اسلامیہ کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

بندہ کی طرف سے نیز حضرات اساتذہ و جملہ کارکنان و طلبار کرام کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں حضرت مرحوم کے لیے جامعہ میں قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کرایا گیا ہے اور دعا مغفرت کرائی گئی حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ امید کہ دعوات صالحہ سے یاد فرما کر شکر گذار فرمائیں گے۔

فقط والسلام

احمد دیولوی

مہتمم جامعہ علوم القرآن، جنبوسر، بھروچ

۲۹/ اپریل ۹۱ء

۴۱

محترم جناب حضرت ناظم صاحب، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت امیر شریعتؒ کے سانحۂ ارتحال کے وقت بندہ یہاں موجود نہ تھا، خبر ملتے ہی میری نیابت میں امور مفوضہ انجام دینے والے حضرات اساتذہ کرام نے گاؤں کے حفاظ کرام کو یکجا کر کے قرآن خوانی کا اہتمام کیا اور حضرت امیر شریعتؒ کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ ساتھ ہی ان حضرات نے تعزیتی پیغامات بھی متوسلین حضرات کو بھیجا، تاہم رہ رہ کر حضرتؒ کی یاد مجھے آتی ہے۔ کیوں کہ ہمارا یہ ادارہ اور گاؤں حضرتؒ اور حضرت

کے والد ماجد سیدنا و مولانا محمد علی مونگیری نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ و اعلی اللہ درجاتہ کی زندہ جاوید یادگار ہے۔

حضرتؒ کی موت موت العالِم موت العالَم کے مصداق ہے۔ یہ ایک فرد اور ایک خاندان کا ہی نہیں بلکہ ایک امت اور ایک قوم کا حادثہ ہے، آپ امت مسلمہ کی قدر و منزلت، اسلام کی خدمت و حفاظت اور امارت شرعیہ پھلواری شریف کے بقاء و عروج کے لیے زندگی کی آخری سانس تک فکر مند رہے۔ اس طرح دین و ملت عموماً اور امارت شرعیہ پھلواری شریف خصوصاً ایک باوقار، سنجیدہ، دانشمند اور بیباک خادم سے محروم ہو گیا۔

خداوند قدوس نے اس کے لیے عمدہ بدل عنایت فرما کر ہم سب پر احسان عظیم فرمایا، ہم اساتذہ طلباء و اراکین مدرسہ رحمانیہ یکہتہ نے قرآن خوانی کا مزید اہتمام کیا اور بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ باری تعالیٰ حضرتؒ کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

۸ رجون ۹۱ء

محمد ممتاز علی المظاہری
پرنسپل مدرسہ رحمانیہ، یکہتہ، مدھوبنی

۴۲

مولانا محترم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو!

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب مرحوم کے اچانک انتقال کی افسوسناک خبر ریڈیو سے ملی اور صدمہ و ملال کے ساتھ اس احساس کو بھی تازہ کر گئی کہ حیات دنیا کتنی ناپائدار ہے۔

مولانا کی جدائی ایک طرف جہاں ملت کا ایک بڑا خسارہ ہے وہیں امارت شرعیہ کے لیے بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ انتہائی تشویشناک بات یہ ہے کہ جو اگلے لوگ اٹھتے جاتے ہیں مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں ان کی خالی جگہوں کو بھرنے والا نظر نہیں آتا۔

بہر حال آپ لوگوں پر مولانا کی فرقت سے جو غم کا پہاڑ آپڑا ہے اس کے سہنے میں ہم سب بھی آپ کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور بلندی درجات سے نوازے نیز ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

والسلام

احمد علی اختر
امیر حلقہ جماعت اسلامی ہند، بہار

۲۳/۳/۹۱ء

بخدمت گرامی حضرت ناظم صاحب، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

سلام مسنون

حضرت امیر شریعت کے سانحۂ ارتحال کی خبر ریڈیو کے ذریعہ معلوم ہوئی، اناللہ وانا الیہ راجعون
مدرسہ دارالعلوم لبسوریا میں رمضان کی تعطیل تھی۔ اس کے باوجود جو اساتذہ وطلباء موجود تھے ختم قرآن پاک کرکے ایصال ثواب کیا اور دعا کی کہ اللہ تبارک تعالی حضرت علیہ الرحمہ کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

محمد سمیع الدین
صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم لبسوریا
مغربی چمپارن

۲۰/۳/۹۱ء

۴۴

مورخہ ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء بروز بدھ کو بذریعہ ریڈیو پٹنہ یہ خبر ملتے ہی کہ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو خانقاہ مونگیر میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، تمام حلقہ احباب و عقیدتمندوں میں غم واندوہ کے بادل چھاگئے اور دعاء مغفرت ہونے لگی۔

نیز باضابطہ علاقائی اعلان کے ساتھ حلقہ مجگواں کے ہر گاؤں اور ہر محلوں میں مورخہ ۵ رمضان المبارک کو بعد نماز جمعہ قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کیا گیا۔ اور ساتھ ہی مدرسہ ہذا کی مسجد میں مورخہ مذکور ہی کو بعد نماز جمعہ متصلا تا عصر قرآن خوانی کے بعد جناب مولانا محمد کلیم الدین صاحب قاسمی صدر مدرس مدرسہ ہذا کے زیر صدارت ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں علاقہ کے مسلمان شریک تھے۔ مولانا نے مرحوم و مغفور کی ملک و ملت کی خدمات کو بیان کیا اور ملک و ملت سے ہمدردی کا بھی تذکرہ کیا۔ اور اظہار تعزیت

کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو ان کی بے انتہا ملک وملت کی خدمات کے صلہ میں بے انتہا اجر عطا فرمادے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ساتھ اللہ تعالیٰ مسلمانو کے لیے مرحوم کی جگہ پر ایک اچھا بدلہ عطا فرمائے آمین۔

محمد کلیم الدین القاسمی

۲۳/۳/۹۱ء ہیڈ مولوی مدرسہ جمہوریہ، مجگواں، پورنیہ

۴۵

مخدومی ومکرمی حضرت ناظم صاحب، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کل ۳ ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بروز بدھ حیدرآباد پہنچا یہاں پہنچتے ہی حضرت امیر شریعت کے انتقال پر ملال کی خبر ملی یقین نہیں آیا۔ بار بار اخبار کو پڑھا اور مولانا زبیر صاحب نے بتایا کہ ٹیلی فون سے خبر آئی ہے تب یقین آیا۔

حضرت کی اچانک رحلت سے ملک وملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اللہ رب العزت حضرت کو مقام بلند نصیب فرمادے۔ آمین

والسلام

محمد یعقوب

۱۴ر مارچ ۹۱ء مہتمم مدرسہ جامع العلوم مظفر پور

۴۶

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی عالم اسلام کے ایک ممتاز عالم دین تھے، ان کی وفات سے پوری ملت اسلامیہ کو عموماً اور ملت اسلامیہ ہند کو خصوصاً ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے حضرت مولانا

نے ملت کی خدمت اور رہنمائی جس جرأت اور بے باکی سے کی ہے اس کی کوئی مثال نہیں، مسلمانانِ ہند اپنے قائد اور محسن کی بے لوث خدمت کے ممنون ہیں۔ حضرت کے انتقال سے ملک کی ملی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کا پُر ہونا مشکل ہے، پھر بھی ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ہمیں حضرت موصوف کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین

ممتاز احمد خاں — صدر انجمن ترقی اردو، ویشالی

انوار الحسن وسطوی — سکریٹری انجمن ترقی اردو، ویشالی

۲۱/۳/۹۱ء

۴۷

محترم و مکرم جناب ناظم صاحب ، امارت شرعیہ پھلواری شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ ہم لوگ بفضلہ تعالیٰ عافیت سے رہ کر آپ کی عافیت کا طالب ہیں۔ ۲ رمضان المبارک کی صبح غم ناک خبر سنکر دل دہل گیا۔ کافی دیر تک تسلی نہیں ہوئی تھی کافی پریشانی و حیرانی رہی، بالآخر بعد از تفتیش معلوم ہوا کہ یقیناً خبر سچ تھی انا للہ وانا الیہ راجعون، حضرت امیر شریعت کی شخصیت پورے ہندستان میں مسلم تھی اور تمام صفات کے جامع تھی۔ مدبر، تو مفکر اسلام بھی تھے، تصوف کے امام تھے تو سیاسی داؤں پیچ کے ماہر تھے، تاریخ پہ نظر تھی تو مسند حدیث پر بھی جلوہ افروز ہوتے تھے۔ غرض کوئی پہلو حضرت امیر شریعت سے پوشیدہ نہیں رہی۔ آج پوری دنیا ایک جامع شخصیت کو کھو چکی ہے، تو ہندستان و بہار و جامعہ رحمانی اپنے مشفق و مفکر باپ سے محروم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے آمین

ہم لوگ دعاگو ہیں کہ اے پروردگار عالم تیرے دین کے خادم، تیرے حضور حاضر ہے اپنے وسیع رحمت کے بیش نظر جنت کے اعلیٰ مقام جگہ عنایت فرما اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما، آمین، فقط والسلام

(۱) محمد عثمان سپرساوی خادم التدریس دار العلوم حسینیہ، جونا گڈھ (۲) محمد ممتاز علی المظاہری، پرنسپل مدرسہ رحمانیہ، یکبنہ مدھوبنی (۳) مولوی عبید الحنان المظاہری، مدرسہ اسلامیہ عزیزیہ، جلگوڑہ، کھگڑیا۔

۶ رمضان ۱۱ھ (معتکفین مسجد چھتہ، دیوبند)

۴۸

محترم جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ و جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایصال ثواب کے لیے مدرسہ اسلامیہ انجمن مفید الاسلام لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی میں ۲۹ ، مارچ ۱۹۹۱ء کو صبح ۷ بجے سے قرآن خوانی ہوئی اور ۸½ بجے تک رہا، اس میں مدرسہ کے ارکان، اساتذہ نیز معززین شہر نے شرکت فرمائی اور امیر شریعت مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا کی بعدہ ۹ بجے صبح کو جلسہ تعزیت زیر صدارت جناب مولانا سید محی الدین احمد صاحب ندوی صدر مدرسہ اسلامیہ انجمن مفید الاسلام لودیکٹرہ پٹنہ سیٹی منعقد ہوا۔ اس میں جناب صدر و جناب سید محمود عالم صاحب بانی مدرسہ نیز جناب ضیاء اللہ خاں صاحب کاونسلر وارڈ ۳۱ اور جناب عبدالرحیم صاحب انصاری نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مرحوم نے جس خلوص اور قومی جذبہ کے تحت بحیثیت امیر شریعت و سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ قوم کی خدمت کی وہ ناقابل فراموش ہے۔ یہ موصوف ہی کی شخصیت تھی جس نے امارت شرعیہ کو پھلواری کی گلی میں ایک چھوٹے سے کرایہ کے مکان سے نکال کر اب سڑک کے کنارے ایک شاندار اپنی عمارت بنوا کر اس میں تبدیل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ سجاد میموریل ہسپتال اور ٹیکنیکل اسکول بھی شاندار عمارت تعمیر کرا کر اس میں ان اداروں کو قائم کیا۔

موصوف انتہائی مخلص، ایماندار اور عالم باعمل تھے۔ ان کی پوری زندگی مجاہدانہ رہی، افسوس کہ ایسے وقت میں جبکہ مسلم قوم کو ایسے مخلص رہبر کی سخت ضرورت ہے خداوند کریم نے انہیں ہمارے درمیان سے اٹھا لیا اب خداوند کریم ہم لوگوں کی یہی دعا ہے کہ مرحوم سے اگر کوئی لغزش ہوئی ہو تو معاف فرمائے اور ان کے پسماندگان و وابستگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ ان کی خالی جگہ کو ویسے ہی مخلص و ہمدرد قوم سے پر کرائے جو مسلم قوم کی کشتی کو بحفاظت ساحل تک لیجانے میں کامیاب ہو۔

یہ طے پایا کہ اس تجویز کی نقل جناب مولانا ولی رحمانی صاحب نیز ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف کی خدمت میں بھیج دی جائے۔

دستخط سید محی الدین احمد
صدر جلسہ

سید مسعود عالم
سکریٹری مدرسہ اسلامیہ انجمن مفید الاسلام

۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء

۴۹

محترم المقام ! سلام مسنون

مزاج شریف ؟ آج جس ذات ستودہ صفات کے بارے میں یہ سطریں قلم بند کر رہا ہوں وہ نہ صرف سرزمین بہار کے لیے بلکہ پورے ملک و قوم کے لیے مایۂ ناز عظیم المرتبت سعید شخصیت تھی، جس پر موجودہ صدی بجا طور پر فخر و ناز کر سکتی ہے۔ حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ نے ملک و قوم پر جتنے احسانات کیے ہیں سرزمین وطن ان کی شکر گذاری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ حضرتؒ یادگار سلف اور نور چشمان اکابر تھے آپ کی حکمت و دانائی، عزیمت و ہمت کا بلند مقام بے مثال استقلال و استغنا، گہرے علم، پاکیزہ عمل، اعلیٰ کردار و اخلاق، ہمدردیٔ خلائق کے وہ جوہر تابناک قدرت نے عطا فرمائے تھے جو صدیوں کے بعد ہی کسی انسان کو عطا ہوتے ہیں۔ موصوف کی شخصیت بے نظیر تھی۔ لاکھوں انسان ان کے سامنے نذر عقیدت پیش کر رہے تھے۔ حق کی حمایت کرنے اور اپنے ضمیر کی آواز بلند کرنے میں نہ اعزاز و اکرام کا خیال کیا اور نہ برگشتگی کا خوف کیا، پائے عزیمت میں کوئی جنبش نہیں آئی۔ پیرانہ سالی میں بھی جس جرأت مندانہ انداز میں ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر حمایت حق و صداقت کے لیے ملت اسلامیہ کے سرد دلوں میں ایسی گرمی و حرارت پیدا کی کہ بلا تفریق مسلک ہر طبقہ ہر جماعت کو ایک اسٹیج پر بیٹھا دیا اور ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے۔ جو ہر صاحب شعور کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ آپ کے سینہ میں ایک ایسا دل تھا جو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے تو ریشم سے زیادہ نرم رہتا، لیکن حق و باطل کے معرکہ میں فولاد سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت امیر شریعت کی شخصیت ملک کے چند گنے چنے رہنماؤں میں ہوتا تھا اپنی گراں قدر خدمات اور گوناگوں خصوصیات اور کمالات کا اجتماع مشکل ہی سے اس طرح یکجا ہوتے ہیں۔ بلاشبہ آپؒ یادگار سلف تھے دعا ہے کہ حق سبحانہ وعز اسمہ ان کی قبر پر انوار و رحمت کی بارش برسائے اور متعلقین و متوسلین میں جو بے مردگی چھائی ہوئی ہے۔ اپنے لطف و کرم سے دور فرمائے (آمین)

ادارہ جامعہ عربیہ اشرفیہ نیا بھوجپور میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت اور جملہ پسماندگان

کے لیے صبر جمیل کی دعائیں کی گئیں، ادارہ جامعہ آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

والسلام مع الاحترام

مشتاق احمد و حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب نائب مہتمم جامعہ ہذا

۸ رمضان ۱۴۱۱ھ

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب کی ناگہانی وفات، قوم، ملک و ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اتر پورب بھارت امارت شرعیہ، ندوۃ التامیر اور الجامعۃ العربیۃ الاسلامیہ کا

نذرانۂ عقیدت

صوبہ بہار ۱۹ مارچ رات کو اچانک مجاز (سمندروں) سے بدل گیا اور ان سمندروں سے سخت حزن و غم کی ہوائیں اٹھنے لگیں اور ہر طرف گھٹا چھانے لگی۔ اندوہ و غم کی یہ گھٹا شمال مشرقی ہند کی طرف روانہ ہوئی لیکن ۲۰ مارچ رات تک صوبہ بنگال کے پہاڑوں نے روک رکھا۔ ۲۱ مارچ کو نہیں روک سکا، بہار کے سمندروں سے اٹھنے والی حزن و غم کی یہ گھٹا ۲۱ مارچ کو بنگال کے پہاڑوں کو تجاوز کرکے ہمالیہ پہاڑ سے ٹکر کھائی اور پورے شمال مشرقی ہند پر ۲۱ مارچ کو اچانک یہ گھٹا چھا گئی اور اس اطراف کے عوام و خواص کی آنکھوں کے آسمان سے بارش برسنے لگی اور ہر طرف سے وفات حسرت آیت کی گونج اٹھی، زمین، حیوانات، نباتات اور جمادات سبھوں کے چہرے پر اس گھٹا نے سیاہی ڈال دیا۔ چاروں طرف ایک ہی آواز ہے کہ آج ہمیں کس نعمت سے محرومی ہوئی اور کونسی شخصیت کا فقدان ہوا۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحب شمال مشرقی ہند کے باشندوں کے پاس بہار کے باشندوں سے کچھ کم مشہور و معروف اور ہر دلعزیز نہیں تھے۔ اس اطراف و دیار کے کونے کونے میں ان کا نام مشہور رہے، کیوں کہ اتر پورب بھارت کے سابق امیر شریعت مرحوم حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب سے ان کا دیرینہ اور گہرا دوستانہ تعلق، دین اور ملت اسلامیہ کی خدمات میں برابر سرگرمیوں کا ذکر حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب ہمیشہ ہر جگہ ہر مجلسوں میں کرتے تھے، علاوہ ازیں حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب نے کئی مرتبہ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب کا دورہ بھی شمال مشرقی ہند میں کرایا۔

۲۱ مارچ کو جب حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب کی اچانک وفات کی خبر دفتر امارت شرعیہ اتر پورب بھارت، ندوۃ التامیر اور الجامعۃ العربیہ الاسلامیہ کے دفتر اہتمام کو پہنچی تو اتر پورب بھارت کے امیر شریعت حضرت مولانا طیب الرحمن برٹھویہ صاحب دامت معالیہ کے زیر صدارت ایصال ثواب اور تعزیتی جلسہ کا انتظام کیا گیا اور ۲۱ تاریخ کو بعد نماز تراویح امارت شرعیہ کی مرکزی مسجد میں ایک بڑا مجمع کا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا طیب الرحمن برٹھویہ صاحب اور دیگر ارکان امارت شرعیہ و اساتذہ الجامعۃ العربیہ الاسلامیہ اشک باری کے ساتھ درد انگیز، دل سوز اور جگر خراش الفاظ میں اپنی اپنی تقریریں رکھیں، ہر ایک نے اپنی اپنی تقریروں میں بہار واڑلیسہ کے امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی اور اتر پورب بھارت کے امیر شریعت حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب قدس اللہ سرہما العزیز کی بے مثال شخصیتوں کا بیان کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے بیان میں یہ ظاہر کیا کہ ان کے ساتھ ارتحال سے جو نقصان اور خلا پیدا ہوا وہ ناقابل تلافی ہے، اور یہ نقصان صرف دو علاقہ کے مسلمانوں کا نہیں بلکہ پورے ملک ہندستان اور عالم اسلام و ملت اسلامیہ کا زبردست غیر متلافی نقصان ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عتیق الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمنؒ، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا سلیمان ندویؒ وغیرہ ہستیوں کے بعد جو معدود چند ملت اسلامیہ کے ستون باقی رہ گئے تھے ان میں سے دو بڑے ستون ایک سال کے وقفہ میں گر پڑے، "امیر شریعت حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحبؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ۔

جس طرح دونوں حضرات علمی و عملی میدان اور دین کی خدمات کے نظریے و خیالات میں متفق تھے اسی طرح ان کی وفات کے واقعوں میں عجیب اتفاق ہے۔ اول الذکر شخصیت یعنی حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب کی وفات مسیحی کلینڈر سال کے آخری ماہ دسمبر کی ۱۹ ر تاریخ رات کو اقتصادی حساب کے سال ۹۰-۸۹ء کے اختتام کے دو مہینے دو ہفتے پہلے منگل کو رات میں ہوئی۔ اور ثانی الذکر شخصیت یعنی حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب کی وفات مسیحی کلینڈر سال کی ابتدا رسے دو مہینے دو ہفتے گذرنے کے بعد اقتصادی حساب کے سال ۹۲-۱۹۹۱ء پہلے مہینے مارچ کی ۱۹ تاریخ منگل کو رات میں ہوئی۔ دونوں حضرات کا داعی اجل نماز عشاء سے فراغت کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اول الذکر شخصیت وفات کے دن موجب معمول حسب معمول بخاری شریف کی تدریس میں مشغول تھی اور ثانی الذکر شخصیت وفات کے دن حسب معمول روزہ دار اور دوسرے

روزہ داروں کے ساتھ افطار میں شریک تھی، دونوں حضرات نے عشار کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد لبیک سے داعی اجل کا جواب دیا۔ مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد ابتدائی مرحلہ میں سخت تکلیف کی بے چینی کے باوجود دونوں کا ہمیشہ کلمہ کا ذکر جاری رکھنا اور کچھ دیر تک سخت تکلیف کی بے چینی میں گذارنے کے بعد راحت وسکون کی نیند کا طاری ہونا اور آخر میں یہ راحت وسکون کی نیند ابدی نیند سے بدل جانا دونوں حضرات کا عجیب اتفاق ہے۔ دونوں حضرات نے ابتدائی زندگی میں دو صوبائی جمعیت علمار کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دی۔ امیر شریعت حضرت مولانا عبد الجلیل چودھری صاحب آسام جمعیۃ علمار کے جنرل سکریٹری اور امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب بہار جمعیۃ علمار کے جنرل سکریٹری تھے۔

تعزیتی جلسہ میں ایک تعزیتی تجویز منظور ہوئی۔ حاضرین اجلاس نے مرحوم امیر شریعت کے لیے رفع درجات اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب ہونے کی دعا کی اور مرحوم امیر شریعت کے پسماندگان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان کو صبر جمیل عطا فرمانے کی دعا بھی فرمائی۔

محمد بلال احمد

اتر پورب بھارت امارت شرعیہ، ندوۃ التامیر دالجامعۃ العربیۃ الاسلامیۃ ۹/۴/۹۱ء

صدمۂ جانکاہ، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی وفات کی خبر نے باب العلوم کی فضا کو اچانک سوگوار بنا دیا۔ سبھی چہرے پژمردہ اور افسردہ ہو گئے اور ناظم اعلیٰ جناب قاری محمد اسمٰعیل ظفر صاحب کے حکم سے فوراً پڑھائی کا سلسلہ روک کر ختم قرآن اور ایصال ثواب کا اہتمام شروع ہو گیا۔

اخیر میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں ناظم اعلیٰ باب العلوم نے مولانا سے اپنی ذاتی وخصوصی تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "مولانا نہ صرف ایک زبردست عالم اور قابل قدر سماجی کارکن تھے بلکہ وہ ایک اچھے اور مخلص انسان دوست بھی تھے۔ مولانا کا دل عالم اسلام کے لیے دھڑکتا اور ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کی خاطر بے قرار رہتا تھا۔ وہ ہمہ وقت اس کی اصلاح کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ انہوں نے مرحوم کی جملہ خوبیوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ عالم کی موت عالَم کی موت ہوتی ہے۔ اور مولانا کے انتقال

ے عالم اسلام میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ ناقابل تلافی ہے اور بالخصوص ہندستان اور ہندستانی مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جلسہ کا اختتام قاری صاحب کی دعاؤں پر ہوا۔

۲ مارچ ۹۱ء

۵۲

حضرت امیر شریعت الحاج مولانا منت اللہؒ کے انتقال پر ملال پر ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت محمد نور الہدیٰ شمسی منعقد ہوا۔ جس میں ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری جناب پروفیسر محمد واعظ الحق صاحب نے حضرت امیر شریعت کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا کہ حضرت مولانا کی شخصیت نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندستان کے لیے ایک اہم اور عظیم شخصیت تھی۔ مسلم پرسنل لا کے جنرل سکریٹری ہونے کے ناطے انہوں نے حکومت ہند سے تحفظ مسلم پرسنل لا کے لیے آخری دم تک جہاد کیا اور تادم حیات مسائل کے حل کے لیے کسی طرح کا سمجھوتہ حکومت سے نہیں کیا۔ ان کے اچانک انتقال سے ہندستان میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا بدل بظاہر ناممکن ہے۔

ایسوسی ایشن کے اراکین نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی اور ان کے پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔

اس تعزیتی جلسہ میں جناب سلیم صاحب مظفر پور، جناب آفتاب عالم سیتا مڑھی، جناب افتخار احمد ڈھاکہ، جناب ڈاکٹر انیس صدری سمستی پور، جناب محمد محمود عالم پٹنہ وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

اخیر میں ایسوسی ایشن کے آرگنائزنگ سکریٹری جناب مولانا منیر عالم سلفی کے دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

افتخار احمد

سکریٹری مدرسہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

۲۵/۳/۹۱ء

گذشتہ ۲۱ مارچ میرے ایک دوست سے جب یہ افسوسناک خبر سنی کہ گذشتہ رات یعنی ۲۰ مارچ گذرنے والی رات ٹی وی کے اخبار میں کہا گیا کہ بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری

جنرل حضرت الحاج مولانا منت اللہ رحمانی صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔ تو ہمیں بہت ہی افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ الفردوس مثواہ۔

ندائے دین کے دفتر میں جو کارکن تھے، ان کو لیکر علی الفور قرآن خوانی کر کے دعائے مغفرت اور رفع درجات کیا گیا۔

ہم تمام کارکنان امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے ساتھ ہماری دلی ہمدردی اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ ذات باری تعالیٰ اس مرد آہن، مجاہد ملت اور قوم کے غمخوار کے نعم البدل عنایت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط

محمد عطاء الرحمن غفرلہ

ایڈیٹر ندائے دین، کچھار، آسام

۲۳/۳/۹۱ء

تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کے جنرل سکریٹری مولانا ڈاکٹر زین الساجدین قاسمی نے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم ترین رکن، ممتاز عالم دین اور مذہبی رہنما مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی رحلت کے سانحہ پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا موصوف کی وفات سے طبقۂ علماء اور مذہبی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کی تلافی بظاہر ناممکن نظر آتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا رحمانی صف اول کے ان معدودے چند فضلائے دیوبند میں سے تھے جنہوں نے اپنی بے مثال علمی، دینی اور عوامی خدمات کے ذریعہ ملک وبیرون ملک میں اپنے وطن اور بالخصوص اپنی مادر علمی دار العلوم دیوبند کو غیر معمولی عزت ووقار بخشا، ان کی وفات حسرت آیات پورے ملک اور تمام مسلمانوں کے لیے اور خاص طور پر تنظیم ابنائے قدیم کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ڈاکٹر قاسمی نے مزید کہا کہ مولانا مرحوم علم ودین، اخلاص وتقویٰ اور تزکیہ وتصوف کا ایک مینارۂ نور تھے جس سے بے شمار طالبین حق نے روشنی حاصل کی اور اکتساب فیض کیا۔ آپ کی رحلت کے جانکاہ حادثہ پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے مولانا مرحوم کے افراد خاندان اور جملہ پسماندگان سے دلی

تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی خصوصی رحمتوں اور اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے۔ اور ان کی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ دے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کی پاکیزہ، جدوجہد سے بھرپور اور غیر معمولی خدمات سے معمور زندگی ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند

۲۲ مارچ ۱۹۹۱ء

مدینہ منورہ۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی وفات حسرت آیات کی خبر سے یہاں حضرت کے متعلقین کو عظیم صدمہ ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت امیر علیہ الرحمہ سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھنے والے اور مدینہ شریف کے قابل ذکر ومعزز ہستی الحاج جناب ڈاکٹر خلیل عبداللہ صاحب مدظلہ نے اپنے یہاں (بلڈنگ دار ابو عدنان شارع ابو ذریفہ مدینہ منورہ) میں ایک مجلس قرآن خوانی وجلسۂ تعزیت منعقد کیا۔ قرآن خوانی کے بعد سامعین کرام سے خصوصیت کے ساتھ خطاب کیا جناب مولانا قاری عبداللہ بخاری امام جامع مسجد مونگیر۔ موصوف نے فرمایا کہ حضرت امیر شریعت جو کہ ۲ر رمضان المبارک کو اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر مالک حقیقی سے جاملے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ تمام حضرات ان کے علمی ودینی کارناموں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ باوجود اس کے میں نے ڈاکٹر صاحب کے حکم پر چند احسن کارناموں جو کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے خدمات ومجاہدات سے متعلق تھیں بیان کردیا۔ مجلس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے۔ علمائے ہندستان، پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش وافغانستان کے حضرات بھی کثیر تعداد میں شریک جلسہ ہوئے۔ تعزیتی بیان کے بعد جناب مولانا بخاری عبداللہ صاحب نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرأت فرمائی اور پھر قُل کی تلاوت کے بعد انہی کی دعا پر مجلس کے اختتام ہوا۔ تمام حضرات کو جناب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے عشائیہ بھی دیا گیا۔ جسے نذیر احمد صاحب نے تنظیم کیا تھا۔ یہ تمام کارروائی جناب ڈاکٹر خلیل عبدالرحمن صاحب کی صدارت میں ہوئی۔

فقط ضیاء الرب اصلاحی بکرولی

آفس انچارج بلڈنگ دار ابو عدنان

شارع ابی ذریفہ، مدینہ منورہ

سعودی عربیہ

۱۷ر رمضان ۱۱ھ

(۵۶)

عزیزی الحاج مولانا شاہ ولی رحمانی سلمہ اللہ تعالیٰ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج مغرب بعد احمد سلمہٗ نے دہلی سے فون کیا کہ امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ امریکی فوج جب سعودی عرب آرہی تھی تو رابطہ عالم اسلامی کے جلسہ میں شرکت کی غرض سے مولانا مرحوم مکہ تشریف لائے تھے تو ملاقات ہوئی تھی اور یہ آخری ملاقات تھی، ویسے جب بھی مکہ تشریف لاتے تو ہمارے یہاں پہونچ کر ہم سب کو عزت بخشتے تھے۔

ہندوستان میں تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے، تجربہ کار قومی و مذہبی کارکن ایک تو بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ اٹھتے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ آمین۔

آپ کا مخلص
محمد عثمانی، مکہ مکرمہ

(۵۷)

۵ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

عزیزان مکرم ! جناب مولانا محمد ولی رحمانی ووصی رحمانی صاحبان وجملہ متعلقین ووابستگان دامت برکاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مورخہ ۲۱ مارچ کے اخبار کے صفحۂ اول پر ایک ایسی ناگہانی خبر سے نگاہ ٹکرائی جس پر یقین کرنے کو دل و دماغ آمادہ نہ تھا کہ یہ آیت کریمہ یاد آئی کل من علیہا فان ... آپ کے پدر بزرگوار مسلمانان ہند کے روحانی پیشوا، قومی و ملی و ملکی مسائل کی حوصلہ سوز تپش میں آس کی چھاؤں، ایک جید عالم، فقیہ، دانشور، ایک فعال، سرگرم زیرک و بیباک، قائد، عظیم ملی کارناموں کا پیکر رہ حیات میں اپنے قدم چھوڑنے والی مثالی شخصیت، برگزیدہ اسلاف کے پایہ ناز وارث کا سایہ نہ رہا انا للہ وانا الیہ راجعون، سابقہ نسلوں کو بھی اپنے وقت میں ایسی محرومیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اور آنے والی نسل کے لیے بھی اس سے مفر ممکن نہیں، "ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام"؛ یہاں تو ساری امت مسلمہ دلفگار ہے کون کس کی تعزیت کرے، سب کی آنکھیں اشکبار ہیں، کون کس کی اشک شوئی کرے، تعزیت مسنون ہے اس لیے اپنے دل پر قابو رکھ کر آپ کے دلوں کو تسلی دے رہا ہوں، صبر کریں، یہی مومنانہ صفت

صلحا کی سنت اور نیکیوں کا وطیرہ ہے۔ صبر گرچہ مکافات نہیں تاہم باعث اجر عظیم ہے۔ قصر جمیل مدرسہ ندائے اسلام کے تمام طلبا اور اساتذہ نے متعدد ختم کلام اللہ کا ایصال ثواب مرحوم کی روح کو کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مرحوم کے درجات آخرت میں بھی بلند فرمائے آمین، مدرسہ ندائے اسلام میں شیوخ واکابر، سرپرست ومعاونین اور بہی خواہوں کی فہرست ہے، مدرسہ کے طلبا بعد نماز مغرب ان مرحومین کی روح کو روزانہ ایصال ثواب کرتے ہیں، اس مذکورہ فہرست میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کا نام نامی بھی درج کیا گیا ہے، روزانہ ان کی روح کو بھی ایصال ثواب ہوتا رہے گا۔ اللھم تقبل منا۔ شریک غم۔ محمد ھارون، انجمن ندائے اسلام

حضرت مولانا ولی صاحب رحمانی مدظلہ العالی دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں ناچیز بندہ خیریت سے ہوں، آپ بھی خدا کے فضل وکرم سے بعافیت ہوں گے۔

التماس ضروری یہ ہے کہ تندوبار ضلع دھولیہ میں وصولی پر تھا اچانک بعد عشا بات ہات میں ایک معتبر شخص سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کا انتقال ہوگیا۔ یقین رمضان المبارک کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور زبان سے دعائیہ کلمات نکلے اللہ ان کی مغفرت فرمائے (آمین)، اور مدرسہ میں قرآن خوانی اور دعا ہوئی اور جملہ اہل خانقاہ کو اللہ صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کے صدمہ میں ہم برابر کے شریک ہیں، فقط والسلام

داؤد رحمانی

مدرسہ دار العلوم تھانیسر شیر پور ضلع دھولیہ، مہاراشٹر۔

پٹنہ، دہلی اور لکھنؤ سے ایک ساتھ شائع ہونے والا اردو روزنامہ
QAUMI AWAZ

امیر شریعت کے انتقال سے ایک نیک انسان اٹھ گیا

گورنر شفیع قریشی، وزیر اعلا لالو پرشاد اور ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا کا خراجِ عقیدت

(قومی آواز پٹنہ ۲۱ مارچ ۱۹۹۱ء)

ممتاز عالم دین اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے انتقال کی خبر آج صبح جب راجدھانی پٹنہ میں پہنچی تو مسلم حلقوں میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ ریاست کا سیاسی حلقہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ گورنر محمد شفیع قریشی، وزیر اعلا مسٹر لالو پرشاد یادو اور حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا سمیت مختلف سیاسی لیڈروں اور سماجی و ملی تنظیموں نے مولانا کے انتقال پر گہرے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے اسے ایک ناقابل تلافی نقصان بتایا۔

گورنر محمد شفیع قریشی نے کہا ہے کہ مولانا منت اللہ رحمانی ایک عظیم اسکالر اور اسلامی دنیا کی قد آور شخصیت تھے۔ اسلامی شریعت پر اتھاریٹی ہونے کے رہنما بھی تھے۔ سماج کے ہر طبقہ کو صحیح اور نیک مشورہ دیتے تھے۔ ان میں مذہبی بنیاد پرستی بالکل نہیں تھی۔ وزیر پارلیمانی امور مسٹر اوپندر پرشاد ورما اور وزیر اطلاعات و رابطہ عامہ محمد سلیمان نے بھی اپنے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ایک ناقابل تلافی نقصان بتایا ہے۔

بہار اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا نے امیر شریعت بہار و اڑیسہ سید منت اللہ رحمانی کے انتقال پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مولانا سید

منت اللہ رحمانی نے صرف بہار کی ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کی بے لوث خدمت کی۔ بہار میں دینی تعلیم کے ساتھ وہ اسلام پر متعدد اہم کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے انتقال سے نہ صرف بہار بلکہ پورے ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ گورنر نے امیر شریعت کے سوگوار خاندان سے اظہار تعزیت کیا۔

وزیر اعلیٰ مسٹر لالو پرشاد یادو نے امیر شریعت کے انتقال کی خبر ملنے کے بعد بہار اسمبلی سے سیدھے مونگیر جاکر تعزیت کی۔ ان کے ساتھ حزب مخالف کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، قانون ساز کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیشور پرشاد دربار، ریاستی وزیر مملکت مسز جے پرکاش یادو اور۲۰ نکاتی پروگرام نفاذ کمیٹی کے چیرمین عبدالباری صدیقی بھی مونگیر گئے، وزیر اعلیٰ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مولانا کے انتقال سے ایک نیک انسان اٹھ گیا ہے۔ وہ نہ صرف ممتاز عالم دین تھے بلکہ سماج کے کمزور طبقہ سے ان کا گہرا تعلق رہا۔ اقلیتوں کے مسائل حل کرنے میں بھی انہوں نے اکثر اہم رول ادا کیا۔ مولانا کے انتقال سے جو مذہبی خلا پیدا ہوا ہے اس کو پُر کرنا ناممکن ہے۔ مولانا قومی یک جہتی کے علمبردار تھے اور ملک کی ترقی میں ان کی گہری دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر مشرا نے کہا کہ مولانا مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور دیگر قوموں میں بھی کافی مقبول تھے۔

اس کے علاوہ خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار، سینیٹرن کونسل کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد شمیم، صحافی محمد حنیف رحمانی، اقلیتی کمیشن کے سابق کارگذار چیرمین مسٹر ہارون رشید، ممتاز سرجن ڈاکٹر احمد عبدالحئی، انسانی ایکتا ہیم کی کنوینر مسز کیچن، اقلیتی جنتا دل کے جنرل سکریٹری مسٹر ایس ایم علاء الدین اور بہار مسلم فورم کے جنرل سکریٹری مسٹر ارشد اجمل نے بھی ان کے انتقال پر گہرے صدمہ کا اظہار کیا ہے۔

منقبت

(از حضرت الحاج مولوی محمد شفیع تمنائی رحمۃ اللہ علیہ)

الحاج مولوی محمد شفیع تمنائی پھلواروی" امارت شرعیہ کے ایک قدیم کارکن تھے، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کے ساتھ کام کرنے کا انہیں شرف حاصل تھا۔ موصوف ۲۶ جنوری ۸۳ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اپنی زندگی میں موصوف نے حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک منقبت لکھی تھی جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے، یہ منقبت ان کے صاحبزادے عزیزی سمیع الحق سلمہٗ سے حاصل کی گئی ہے —— مدیر

رہِ دشوار پیہم گمرہی تاریکیاں حائل
نہ رہبر ہو مگر نور ہدایت میں نہیں قائل

ضیائے حسن کا فیضان سے چہرہ دمکتا ہے
کرن سورج کی چمکاتی ہے جب ذرہ چمکتا ہے

اگر جادہ پیما ظلمت شب ہے تو کیا کم ہے
چراغ رہبری نور ہدایت قطب عالم ہے

وہ جس نے اجتماعی روشنی ہر فرد کو بخشی
سمٹ کر منتشر تنویر ضو پاشں چراغاں تھی

وہ جس نے ہر قدم پر رہبری کی رہنمائی کی
برے وقتوں میں جس نے راہ چلتوں کی بھلائی کی

لگا ہر راہ رو راہ ھدیٰ سے کارواں بن کر
چمک اٹھا زمیں کا ذرہ ذرہ کہکشاں بن کر

وہ جس نے تفرقہ امت کا امت سے مٹا ڈالا
وہ جس نے قوم کے ہر فرد کو ملت بنا ڈالا

تڑپ اٹھا تڑپ سے جب کسی کو مضمحل پایا
وہ جس نے درد کے ماروں کی درمانی کا دل پایا

جو کہتا ہے کہ قانون شریعت ہی کا ہو اجرار
معاون ہے محافظ ہے جو مسلم پرسنل لار کا

جو باطل کی ہمہ دانی کو ثابت کردے نادانی
مبارک اس کو قانون شریعت کی نگہبانی

نظر میں اس کی مکروکید بے معنی ہیں لایعنی
اسے کیا خوف دشمن کا ہو جس پر فضل ربانی

لگن ملت کی لیکر دل میں قومی ولولے لیکر
چلا ہے ہر قدم کا ساتھ لاکھوں مرحلے لیکر

لیے ہے زاد راہ کارواں اور کارواں بھی ہے
سبک روسوئے منزل دوش پر بار گراں بھی ہے

ہے سجدے میں دعا اس کی ہو ملت کا علم اونچا
تو رکھ اے ربی الاعلیٰ اسے خیر الامم اونچا

نوید اے نظم ملت آج تو عقد ثریا ہے
ترا ہر ذرہ صحرا ہے ترا ہر قطرہ دریا ہے

شفیع اب بحر ملت کا تلاطم جوش دکھلائے
تھپیڑا موج دریا کا بڑھے ساحل سے ٹکرائے

بر وصال پُر ملال

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ رحلت

حضور منت اللہ قبلہ گاہی
ہوئے واصل بحق مخدوم عالی

فرید عصر تھے میر شریعت
عظیم المرتبت حق کے پیامی

تھے اوصافِ اکابر کے نمونہ
مجدد دور حاضر کے غزالی

نگہباں ملتِ بیضا کے شیدا
گئے فردوس میں بیکس کے والی

اے خادم مجھ سے رخصت ہو گئے اب
چراغِ مسند محبوب الٰہی

۴۴   ۶۷   ۱۳

۴۴

۱۱   ھ   ۱۴

غمزدہ :- منظر الحسن خادم
سیتا مڑھی

قطعہ تاریخ وفات

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالعزیز ظفرؔ جنک پوری، قاسمی، دہلی

منت اللہ مردِ دیں، مردِ مجاہد بے گماں
عارفِ کامل، وہ رہبر نازشِ ہندستاں

زینتِ ملک و وطن وہ آبروئے گلستاں
ان کے غم میں رو رہا ہے آج یہ سارا جہاں

لا نہیں سکتا زمانہ ایسا میرِ کارواں
گر چراغِ روئے زیبا لے کے ڈھونڈے گا زماں

صاحبِ جود و سخا تھے، مونسِ بے چارگاں
عالمِ بے مثل تھے، محبوبِ ہر پیر و جواں

جانشینِ قطبِ عالم، یادگارِ قدسیاں
فضلِ رحماں کی مرادیں آرزوئے سالکاں

تیرے غم میں ہمنوا اے ہمدم و جانانِ جہاں
ملتِ بیضا تمہاری یاد میں گریہ کناں

منت اللہ دارِ فانی سے گئے سوئے جناں
صاحبِ فکر و نظر، عارفِ غنی، فخرِ زماں

میں ظفرؔ تنہا نہیں، ہیں سب کے سب ماتم کناں
رو رہے ہیں، ان کی فرقت (۱۴۱۱) میں زمین و آسماں

ایضاً

گلستاں، دل کا ہے، نذرِ بادِ خزاں
ہر کلی ان کے غم میں ہے ماتم کناں

منت اللہ گئے سوئے باغِ جناں
تھے جو عارف ظفرؔ افتخار الزماں

۱۴۱۱ھ

-:-

فکر و نظر کی شمع فروزاں کہیں جسے

از : مولانا وارث ریاضی ——— مدرسہ اشاعت العلوم جوگیا، دیوراج، مغربی چمپارن

[حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی (علیہ الرحمۃ) امیر شریعت بہار واڑیسہ کی یاد میں
جن کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کے لیے نقصان عظیم ہے]

وہ مردِ حق نما کہ مسلماں کہیں جسے
رشد و ہدیٰ کا مہرِ درخشاں کہیں جسے

وہ رہنمائے جہد و عمل، قائد وطن
ہم ماہر سیاستِ دوراں کہیں جسے

وہ پیکر خلوص و وفا، مرجع سخا
درد و غمِ حیات کا درماں کہیں جسے

وہ صاحبِ دل، فہم و فراست میں بے مثال
عقدہ کشائے گیسوئے انساں کہیں جسے

وہ آبروئے عقل و خرد، زینت ہنر
گلزارِ علم کا گلِ خنداں کہیں جسے

وہ کاشفِ رموز شریعت، فقیہ عصر
ہم ترجمانِ سنت و قرآں کہیں جسے

وہ آفتاب صدق و صفا، داعی ھدیٰ
ہم رہنمائے منزل ایماں کہیں جسے

وہ رمز آشنائے تصوف، امام دیں
آئینہ دارِ عظمتِ عرفاں کہیں جسے

وہ اتحادِ ملت بیضا کا پاسباں
ساماں طرازِ جشنِ بہاراں کہیں جسے

جس کی نظر سے سیکڑوں بالغ نظر ہوئے
فکر و نظر کی شمعِ فروزاں کہیں جسے

صد حیف کہ وہ میرِ شریعت نہیں رہا
دینِ خدا کا نافذِ فرماں کہیں جسے

اپنے خدا سے ماہِ مبارک میں جاملا
وہ ماہ صوم ہم مہہ قرآں کہیں جسے

اس کی لحد پہ بارشِ رحمت مدام ہو
ہم سوگوار منتِ رحماں کہیں جسے

اک عاشق رسول پھر ہم سے جدا ہوا
وارث! درِ نبیؐ کا نگہباں کہیں جسے

وفات امیرِ شریعت رابع

۱۹۹۱ء

رشحہ چوب قلم مولانا محی الدین کامل جمری

۱۴۱۱ھ

---

(۲۰۰) ریڈیو پٹنہ سے ہم سب نے سنی وقت سحر
(۸) حضرت میر شریعت اور خطیب بے مثال
(۲) بر سنل لار کا مجاہد دین کا وہ آفتاب
(۳) جامعہ رحمانی ہو یا ہو امارت شرعیہ
(۵) ہائے امیر شرع رابع کو کہاں پائیں گے ہم
(۱۰۰) قبلۂ عالم محمد با علی کا جانشیں
(۴۰۰) تھا غم فرقت میں کامل بھتام کر اپنا جگر
(۲) بے سر جد و جہد آئی صدا یہ گوش میں

۶ = ۳ + ۳

(۲) بے نقطہ اور مہملہ میں بھی ہے تاریخ وصال
(۱) از لب طوطی و طائر آیا عقل و ہوش میں

۱۸ = ۹ + ۹

—

۱۹۹۱ء = ۱۲۶۸ + ۷۲۳

(۴۰۰) تین رمضان المبارک جمعہ کے شب کی یہ خبر
(۶۰۰) خانقاہ رحمانی میں آہ ہو گیا ان کا وصال
(۳) جنگ کے میدان سے ہے اپنے لحد میں محو خواب
(۵) ہند کیا دنیا کا لاکھوں گھر ہوا ماتم کدہ
(۴) درد غم اپنا سنانے کو کہاں جائیں گے
(۳) چھوڑ کر دنیا کو اب وہ ہو گئے جنت مکیں
(۵) ہاں مگر تھی دل میں ایک منقوط تاریخ کی فکر
(۴۰) منت اللہ بے شبہ ہیں جنت الفردوس میں

۱۴۱۱ھ = ۶ + ۱۴۱۷

(۸) حضرت منت کا اس میں بھی ہوا اظہار کمال
(۲۰۰) رب نے دی آرام و راحت ہر طرح فردوس میں

۱۲۶۸ ۱۴۱۱ھ = ۱۸ + ۱۳۹۳

آہ منت اللہ رحمانی

(انتم الاعلون کا وہ ترجمان جاتا رہا)

قمر ریاضی بڑی مسجد چنپٹیا، مغربی چمپارن

آہ منت نازش ہندستاں جاتا رہا
گلشن سجاد کا روح رواں جاتا رہا

مشفق و مونس انیس بیکساں جاتا رہا
جو یقیناً قوم پہ تھا مہرباں جاتا رہا

قائد ملت امیر کارواں جاتا رہا
اک مفکر بے بدل شعلہ بیاں جاتا رہا

پیکر رشد و ہدیٰ اک صاحب نسبت ولی
آسمانِ دیں کا مہر ضو فشاں جاتا رہا

جس نے ملت کو دیا ہر موڑ پر درس حیات
ملتِ اسلام کا وہ پاسباں جاتا رہا

اپنے رندوں کو پلاکر بادۂ عرفاں کا جام
بزم رحمانی کا وہ پیرِ مغاں جاتا رہا

فضل رحمانؒ اور علیؒ کا جو امینِ راز تھا
واقف اسرار دیں وہ راز داں جاتا رہا

جو ایمرجنسی میں لاتحزن کی اک تصویر تھا
انتم الاعلون کا وہ ترجماں جاتا رہا

عہد حاضر میں جو تھا اسلاف کی اک یادگار
اے قمرؔ اسلاف کا وہ بھی نشاں جاتا رہا

آہ! حضرت امیر شریعت

جناب کمال الدین صاحب عظیم آبادی، کارکن امارت شرعیہ

یہ چرچا ہے جن و بشر کی زباں پر
ستارہ زمیں کا گیا آسماں پر

وہ روشن جبیں، خلق تھا جس کا اعلیٰ
چمکدار آنکھیں، غضب کا جیالہ
وہ فہم و فراست کی، شمع فروزاں
کہ تھا جس کے دم سے، زمیں پر اجالا

سلام ایسے ہمدرد و راحت رساں پر
ستارہ زمیں کا گیا آسماں پر

غضب کی بصیرت بلا کی ذہانت
محبت کا پیکر، سراپا صداقت
ندائے جرس، ہادیٔ نیک طینت
امام شریعت، حکیم سیاست

نگاہِ کرم جس کی تھی کارواں پر،
ستارہ زمیں کا گیا آسماں پر

تکلم میں جس کے، تھا حسنِ تبسم
تبسم میں تھا جس کے، حسنِ تکلم
عجب لطف ملتا تھا، قربت میں اسکی
تبسم تکلم، تکلم تبسم،

فرشتوں کی آمد بھی تھی آستاں پر
ستارہ زمیں کا گیا آسماں پر

جو دین و شریعت کا اِک رازداں تھا
قوانینِ شرعی کا روحِ رواں تھا
جو دربارِ باطل میں حق کی زباں تھا
ضعیفی میں بھی ایک مردِ جواں تھا

جو غالب تھا الحاد و وہم و گماں پر
ستارہ زمیں کا، گیا آسماں پر

شریعت، طریقت، سیاست، فطانت
ہر اِک سمت میں اس نے کی بڑھ کے خدمت
وہ خوگر تھا پیارے نبیؐ کی روش کا
تمنّا تھی اس کی، مٹے ساری بدعت

نزولِ ضیا، تھا، اندھیرے جہاں پر
ستارہ زمیں کا، گیا آسماں پر

نہ مسجد ہٹے گی، نہ مسجد گرے گی
وہیں تھی، وہیں ہے وہیں پر رہے گی
یہی فیصلہ کر گیا آخری وہ
ہمیں یاد یہ بات رکھنی پڑے گی

کہ ہوتے ہیں قربان حق کی زباں پر
ستارہ زمیں کا گیا آسماں پر

خدا اس کے حسنِ عمل کی جزا دے
تجھے بھی کمال اس کا پیرو بنا دے

وہی عزم و ہمّت وہی حوصلہ دے
امارت کے دیوار و در کو بقا دے

رہے اس کا سایہ، ضعیف و جواں پر
ستارہ زمیں کا، گیا آسماں پر